THE BOOK WAS DRENCHED

PAGES MISSING WITHIN THE BOOK ONLY

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_224210

UNIVERSAL
LIBRARY

نگار

ایک علمی و ادبی رسالہ

مرتبہ

نیاز فتح پوری

صحابیات

یعنی عہد سعادت کی اٹھاون خواتین کے حالات نہایت مستند روایات کی بنا پر مع ایک فاضلانہ مقدمہ کے جس مین مسئلۂ نسائیات پر نہایت اچھوتے انداز سے بحث کی گئی ہے
قیمت دو روپیہ عہ

شہاب کی سرگزشت

اُردو مین یہ پہلا افسانہ ہے جو تحلیل نفسی کے اصول پر لکھا گیا ہو یہ فسانہ ایک سال تک نگار مین شائع ہوتا رہا ہے اور اب ملک کے اصرار پر کتابی صورت مین شائع کیا گیا ہے۔
قیمت (عہ/)

تصنیف و تالیف و ترجمہ کی فتحیابی کے لیے نیاز

تصویر زیب النسا بیگم

یہ تصویر صنعت و نقاشی کا ایک نادر نمونہ ہے اور یقیناً ایک کمرے کی زیبایش کا حسین موضوع آپ کے شوق کی رعایت سے ہم نے اس تصویر کو جداگانہ فراہم کرنیکا انتظام کیا ہے۔ یہ تصویر رنگین آرٹ پیپر پر طیار کرائی گئی ہے۔ یہ وہی تصویر ہے جسکو حکومت نے نہایت گران قیمت پر خرید کر کے برٹش میوزیم کو دیدیا ہے۔ یہ تصویر ہم نے اب "ٹائمز آف انڈیا پریس بمبئی" مین طبع کرائی ہے اور حسن طباعت کے لحاظ سے پہلی چھپی ہوئی تصاویر سے بدرجہا بہتر ہے چونکہ اسکی مانگ زیادہ ہے اس لیے جلد طلب کیجیے۔ علاوہ محصول ۸/

مینجر نگار بھوپال

نگارستان

حضرت نیاز کے تمام اُن بہترین ادبی مضامین کا مجموعہ جو اس سے قبل مختلف رسائل مین شائع ہو کر شہرت دوام حاصل کر چکے ہین اگر دنیائے عالم اور ادب لطیف کا صحیح لطف اُٹھانا ہو تو اسے ملاحظہ کیجیے۔ قیمت عہ/

گہوارۂ تمدن

اُردو مین اپنے موضوع پر پہلی کتابیہ جسمین تاریخ مذہبی روایات اور دیگر ذرائع سے ثابت کیا گیا ہو کہ تہذیب و شایستگی کی ترقی کسقدر عورت کی ممنون ہے اور مدنیت اسکی کتنی گرانہ ہے قیمت .....عہ

نرخنامۂ اُجرت اشتہارات

تعداد طبع	ایک صفحہ	نصف صفحہ	رُبع صفحہ
۱۲ مرتبہ	۱۰۰ روپیہ	۶۰ روپیہ	۳۵ روپیہ
۶ مرتبہ	۵۰ روپیہ	۳۰ روپیہ	۱۸ روپیہ
۳ مرتبہ	۳۰ روپیہ	۲۰ روپیہ	۱۲ روپیہ
ایک مرتبہ	۱۲ روپیہ	۷ روپیہ	۵ روپیہ

نوٹ

میعاد اشتہار کے اندر اشتہار کا مضمون ایک مہینے پہلے اطلاع دینے پر بدل سکتا ہے۔

اُجرت ہر حال مین پیشگی آنا لازمی ہے

مینجر نگار بھوپال

رجسٹر نمبر ان ۲۸۸ — جلد (۹) شمارہ (۲)

نگار

اڈیٹر:- نیاز فتحپوری

فہرست مضامین فروری ۲۶ء

مضامین -	صفحات
ملاحظات	۲
ہندوستان کی زراعت ... ابوالفضل صدیقی	۴
حضرت کلیم اللہ جہان آبادی ... ناظر دہلوی	۲۱
لارڈ رپن کا عہد حکومت ... ضیاء اب (بی اے)	۳۳
بیسویں صدی (افسانہ) میاں عطاء الرحمن بی اے	۴۶
حضرت ریاض اور مولوی عبدالسلام ندوی ... نیاز فتحپوری	۵۲
ملک خطا کے شہزادی پر ایک نظر ... نیاز فتحپوری	۶۴
۲۵ء کا قومی ہفتہ ... ملا رموزی	۷۰
منظومات :-	۷۶
راز مست ... محمود اسرائیلی	
افسردہ دل ... قیصر بہ پال	

مضامین -	صفحات
اداہ ... امین حسین	
اوکاڑا تازہ :- ... اثر لکھنوی -	۷۹
صادق الاخبار ... ہادی نچلی شہری -	
استفسارات	۸۱
قصر الحمراء -	
بعض اصطلاحات -	
ارسطو کا مدفن -	
یاجوج ماجوج -	
مثنوی کا ایک شعر -	
ہندی دوہڑا شاعری -	
اقتباسات معلومات	۹۰-۹۶

CHECKED 1956

۵۱۱ ھ

ملاحظات۔ فروری ۱۹۲۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قیمت سالانہ پانچ روپیہ قیمت ششماہی تین روپیہ

Checked 1965

نگار

1952

تاریخ اشاعت ہر ماہ کی پندرہ اڈیٹر:۔ نیاز فتحپوری

جلد (۹)	فروری سنہ ۱۹۲۶ء	شمار (۲)

ملاحظات

اس مہینہ کے ملاحظات مین سب سے پہلے مجھے اس امر پر اظہار افسوس و معذرت کرنا ہے کہ گزشتہ ماہ کے رسالہ مین کثرت سے غلطیان رہگئین جسکا بڑا سبب یہ تھا کہ مجھے کاپیان دیکھنے کی فرصت نصیب نہین ہوئی میرے ایک کرمفرما نے یہ خدمت انجام دی لیکن اس حسن کے ساتھ کہ

بگزر ز سعادت دنخوست کہ مرا

لیکن انہون نے سعادت کو سنحوست سے بدلدینے مین ذرا تامل نہ فرمایا پھر اس پر ستم یہ ہے کہ مین انکا شکریہ ادا کرنے پر بھی مجبور ہون!

سرورق پر بھی ایک نہایت مکروہ غلطی ہوگئی (جسکا ذمہ دار مین نہین ہون) اور وہ یہ کہ لفظ مرتبہ کے بعد "رئیس التحریر" لکھا گیا چونکہ رئیس التحریر صرف اڈیٹر یا چیف اڈیٹر کا مترادف ہے اس لئے مرتبہ کے بعد اسکی ضرورت نہ تھی۔ رئیس التحریر کوئی لقب یا خطاب نہین ہے (اور نہ مین کسی ایسے اعزاز کا مستحق ہون) کہ وہ میرے نام کا ضروری جزو قرار دیا جائے اس مہینہ اصلاح کردیگئی ہے

خیال تھا کہ لکھنؤ مین رسالہ کی طباعت بہتر ہوگی۔ لیکن جنوری کا پرچہ چونکہ بہت رد و ردی مین چھپا اس لئے وصل صاحب حسب دلخواہ انتظام نہین کرسکے۔ امید ہے کہ فروری کا رسالہ زیادہ اطمینان سے طبع ہوگا۔

موسم گرما مین روغن خربزہ، اصفا، احمد علی، عطر لکھنؤ کے کارخانہ کا استعمال کیجئے۔

جنوری گزشتہ سے قبل نگار کا سرورق بلاک سے چھپا تھا لیکن چونکہ اس مین بعض تبدیلیان ضروری تھین اس لئے اس کا استعمال ترک کردیا گیا اور اب دوسرا بلاک طیار کیا جارہا ہے۔ انشاء اللہ مارچ کا سرورق اُسی سے طبع ہوگا۔

اس ماہ کے رسالہ کو آپ تین مختلف خطون مین لکھا ہوا پائینگے اسکا سبب یہ ہے کہ نگار کے کاتب تقریباً دو جزو لکھنے کے بعد غائب ہوگئے اور اسوقت تک واپس نہین آئے اور نہ آنے کی امید ہے اس لئے مجبوراً کچھ اجزا بھوپال کے ایک کاتب سے اور چند صفحات لکھنؤ مین لکھوائے گئے۔

مین کوشش کر رہا ہون کہ کسی اچھے کاتب کی مستقل خدمات حاصل ہوجائین۔ جب تک مین اس سعی مین کامیاب نہوگا مسودہ لکھنؤ بھیجکر وہین کتابت کرائی جائیگی۔ ہر چند اسمین بہت طوالت ہے لیکن مجبوری کی قوت کے سامنے ہر شخص کو سر جھکا دینا پڑتا ہے۔

پنجاب کے اگر کوئی اچھے کاتب بھوپال آنا چاہین تو براہ کرم مجھسے خط و کتابت کرین مین معقول معاوضہ یا مشاہرہ پیش کرنیکو آمادہ ہون

جسطرح اڈیٹر یا مینیجر کے فرائض ہین اسی طرح چند فرائض خریدارون کے بھی ہین لیکن فرق یہ ہے کہ اگر اسطرف سے کبھی سہو یا غفلت ہو تو آپ فہمائش و نکوہش کے لئے سخت سے سخت الفاظ استعمال کر سکتے ہین لیکن اگر کوئی فرد گزاشت آپ سے ہو تو تنبیہ کا نرم سے نرم لہجہ بھی اختیار نہین کر سکتے۔

اگر آپ کے پاس کسی مہینہ کا رسالہ نہین پہونچتا تو آپکے لئے سب سے زیادہ آسانی اسمین ہوتی ہے کہ اسکو مینیجر کی غلطی قرار دیکر اس سے باز پرس کرین کیونکہ آپکے نزدیک محکمۂ ڈاک مین ہر جگہ عالم ملکوت کے نفوس متعین ہین جن سے غلطی یا بددیانتی کبھی ہو ہی نہین سکتی اور آپکی ڈاک کا انتظام بھی خراب نہین ہوسکتا کیونکہ ایسا سمجھنے یا ظاہر کرنے مین شاید آپکی توہین ہے۔ اچھا ہم اسکو تسلیم کرتے ہین کہ ہمیشہ دفتر نگار ہی کی غلطی ہوتی ہے اور اس غلطی کی پاداش مین مکرر یہ رسالہ بھیجنے کے لئے بھی آمادہ ہین لیکن انصاف سے کہیئے کہ کبھی آپنے بھی رسالہ نہ پہونچنے کی اطلاع وقت مقررہ پر دی ہے۔

ہمیشہ اس امر کا اعلان ہوتا ہے کہ ۲۰ کے بعد فوراً اطلاع دیجئے لیکن حالت یہ ہے کہ دوسرا رسالہ پہونچ جاتا ہے تو آپکو یاد آتا ہے کہ شاید گزشتہ ماہ کا رسالہ نہین پہونچا اور اس خیال کے ساتھ ہی آپ پر زبردستی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور جوجی مین آتا ہے غریب مینیجر کو سناڈالتے ہین۔ جس وقت رسالہ یہان سے ڈاک خانہ روانہ کیا جاتا ہے، دو دو مرتبہ رجسٹر خریداران سے مقابلہ کرلیا جاتا ہے اور خاص آدمی اپنے سامنے ڈاکخانہ مین بٹھیکر مہرین چھپواتا ہے لیکن پھر بھی حالت یہ ہے کہ ہر ماہ کم از کم چالیس پچاس شکایتین رسالہ

علاوہ عطریات کے امیر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے کارخانہ سے طیار کردہ نہایت عمدہ روغن اور عرقیات طلب فرمائیے۔

نہ پہونچنے کی موصول ہوتی ہین۔ اسکے دو سبب ہین بڑا سبب تو یہ ہے کہ بعض مقامات کے اہلکار ڈاک غفلت کرتے ہین اور دوسرا سبب یہ ہے کہ بعض حضرات کو خود بھی اپنی ڈاک کی چندان فکر نہین ہوتی اور پوسٹ مین اسی بے پروائی کو محسوس کرکے بے احتیاطی سے ڈاک تقسیم کرنیلگتا ہے باوجود اسکے کہ محکمۂ ڈاک کا انتظام بہترین انتظام سمجھا جاتا ہے اور درحقیقت ہین ہے بھی لیکن یا انہمہ بعض بعض مقامات کے متعلق ہمارا ذاتی تجربہ بالکل اسکے خلاف ہے مثلاً حیدرآباد مین ایک مقام نگوئیل شریف ہے کہ کبھی تو وہان معمولی کارڈ بھی پہونچ جاتا ہے اور کبھی رجسٹرڈ تحریرین بھی نہین پہونچتین چنانچہ حال ہی مین شباب کی کاپی جو ذریعہ رجسٹری بھیجی گئی تھی اس تحریر کے ساتھ واپس آئی کہ 'پتہ نہین چلتا' اسکے ساتھ ایک اور شکایت اور بھی ہے اور وہ یہ کہ آپ حضرات اپنا نمبر خریداری یاد رکھنے سے سخت بیزار ہین حالانکہ جب تک مینیجر کو نمبر خریداری سے مطلع نہ کیا جائے وہ آپکی کسی تحریر کا جواب نہین دے سکتا کیونکہ نہ رجسٹر مین وہ آپکے نام کی جستجو کرسکتا ہے اور نہ یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ آپکا حساب کیا ہے بعض حضرات ڈاکخانہ کے رجسٹرڈ نمبران ۲۸۸ کو اپنا نمبر خریداری سمجھتے ہین حالانکہ نمبر خریداری علٰحدہ قلم سے درج ہوتا ہے۔

بھیلسہ کے کسی صاحب نے تحریر بھیجی کہ نمبر خریداری تو یاد نہین ہے لیکن چونکہ غالباً بھیلسہ مین ایک مین ہی خریدار ہون اسلئے تلاش کرلیجئے۔ گویا ان کے نزدیک مقام کے لحاظ سے فہرست خریداران مرتب کی جاتی ہے۔

مدیرہ کے ایک صاحب نے دسمبر کا رسالہ نہ پہونچنے کی شکایت کی خیر نمبر خریداری تو وہ کیا درج کرتے لیکن انہون نے اپنا نام بھی صاف نہین لکھا اور حیدرآبادی وضع مین طغرا نما دستخط ثبت فرمائے۔ گویا ان کے نزدیک مینیجر کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ ہر خریدار کے دستخط کو بھی پہچان سکے۔

چونکہ مینیجر کی یہ شکایتین ناقابل ضبط حد تک پہنچ گئی تھین اسلئے مین نے انکی طرف سے انہین پیش کردیا۔ خدا کرے آپ ان تکالیف کا صحیح اندازہ کرسکین۔

دسمبر اور جنوری کا اکثر حصہ مجھے بھوپال سے باہر صرف کرنا پڑا اور زیادہ تر قیام لکھنؤ مین رہا۔ یون تو مین تمام احباب لکھنؤ کا شکرگزار ہون کہ ان کے خلوص کی معیت مین میرا وقت بہت لطف سے بسر ہوا۔ لیکن حضرت واصل بلگرامی نے جو محبت نوازش مجھ پر صرف فرمائی اس کا اعتراف میرے امکان سے باہر ہے۔ کیونکہ مین حقیقتاً ابھی تک اس تعلق کی وسعت کا اندازہ ہی نہین کرسکا جو ان کو میرے ساتھ ہے۔ واللہ در ما قال:—

اقصے نہایت علمی فیہ معرفتی
بالعجز منی عن ادراک معرفتہ

کارخانہ صفر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی سچائی معاملات کی صفائی اور مال کی عمدگی ہندوستان بھر مین مشہور ہے۔

ارادہ ہے کہ مارچ کا رسالہ زیادہ اہتمام کے ساتھ شائع ہو۔ لفظ 'اہتمام' مین سب سے پہلے میرے نزدیک کتابت شامل ہے۔ سو خدا کی طرف سے اسمین تغیر کے سامان پیدا ہو گئے۔ یعنی نگار کا کاتب جسکو باوجود بدخط ہونیکے مین علٰحدہ نہ کر سکتا تھا از خود چلا گیا۔ اور اسطرح اس سے نجات مل گئی۔ اب جو بھی دوسرا کاتب ملیگا وہ اس سے بہرحال بہتر ہوگا۔

دوسری چیز 'اہتمام' مین مضامین کی ترتیب ہے۔ سو کوشش کی گئی ہے کہ آئندہ ماہ سے اس مین بھی تغیر پیدا کیا جائے۔ وہ تغیر کیا ہوگا؟ اس کا بیان غالباً قبل از وقت ہے۔ اگر ناظرین خود ہی مطالعہ کے بعد فیصلہ کرین تو بہتر ہے۔

تیسری چیز تصویر ہے۔ سو مارچ مین غالباً یہ بھی ہوگی۔ کلکتہ کے ایک کارخانہ سے بنگال کے ایک مشہور نقاش مزمدار کی ایک رنگین تصویر رقاصہ کے لئے خط و کتابت ہو رہی ہے اور قوی امید ہے کہ وہ مارچ تک طیار ہو جائیگی مین ملک کے نازصناع مسٹر عبدالرحمن چغتائی سے بھی بعض ان تصویرون کے متعلق خط و کتابت کر رہا ہون جنہین مین نے امسال لکھنؤ کی نمائش فنون لطیفہ مین دیکھ کر گھنٹون لطف اٹھایا ہے۔ خدا کرے نگار ان کے نقوش حاصل کرنے مین کامیاب ہو سکے۔

میرا یہ زمانہ تمامتر اس کوشش مین صرف ہوا کہ نگار کے لئے کسی طرح ایک مشین فراہم ہو جائے تاکہ طباعت کی دقتین دور ہو جائین۔ اور سعی مین اس حدتک کامیاب ہو چکا ہون کہ میرے کرمفرما حضرت وصل بلگرامی اڈیٹر رسالہ مرقع لکھنؤ کو اسطرف خاص توجہ پیدا ہو گئی ہے اور اگر ان کے خیال مین کوئی اعوجاج (مین قصداً یہ لفظ استعمال کر رہا ہون تاکہ ہر شخص نہ سمجھ سکے) پیدا نہوا تو اپریل تک کامیابی کی توقع کی جاتی ہے۔

مین نے جنوری کے مہینہ مین ضمناً اسکا اظہار کیا تھا کہ حضرت وصل نے لکھنؤ سے ایک ہوا رسالہ مرقع کے نام سے جاری کیا ہے لیکن مین اسپر کوئی رائے نہ کر سکا تھا کیونکہ اسوقت تک وہ شائع نہ ہوا تھا۔ اب اس رسالہ کے دو نمبر شائع ہو چکے ہین اور اگر مقبولیت کسی رسالے کی جانچ کی کسوٹی ہو سکتی ہے تو مجھے یہ کہنے کی بھی ضرورت نہین رہتی کہ مرقع کس درجہ اپنے نام کے خصوصیات کا حامل ہے۔ لکھنؤ مین اس سے قبل بہت سے علمی و ادبی رسالے شائع ہوئے لیکن اظہار حقیقت سے عرض ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ مرقع سب کا پیشرو ثابت ہوا ہے اور اسکا مستقبل اسکے حال سے کہین زیادہ شاندار ہے۔ ناظرین نگار اسکے مطالعہ کے بعد خود فیصلہ کر سکتے ہین کہ میرے بیان مین کوئی مبالغہ شامل نہین ہے۔ مرقع کی سالانہ قیمت صرف محصول ڈاک ہے۔ نمونہ کا پرچہ ہر وصول ہونے پر حضرت وصل بلگرامی اڈیٹر مرقع۔ فیض آباد لکھنؤ سے مل سکتا ہے۔

نیاز

ہندوستان کی زراعت پر ایک نظر

مسلسل

گو ہندوستان میں ذرائع آبپاشی سے کام لیا جاتا ہے مگر وہ مزروعہ علاقہ کی مقدار سے بہت کم ہے ذیل میں ایک نقشہ درج کیا جاتا ہے جس سے واضح ہوگا کہ کن کن صوبوں کی مزروعہ زمین کا فی صدی کتنا رقبہ مصنوعی ذرائع آبپاشی سے کاشت کیا جاتا ہے :-

ہندوستان میں ذرائع آبپاشی سے کس صوبہ تک کام لیا جاتا ہے

صوبہ	رقبہ زیر کاشت بذریعہ آبپاشی فیصدی
سندھ	۷۵
پنجاب اور سرحدی صوبہ	۴۱
صوبۂ متحدہ	۲۹
مدراس	۲۶
شمالی برما	۱۷
بہار	۱۲
بنگال	۷
صوبہ متوسط	۱۹
دکن	تقریباً ۲۶

ہندوستان میں جتنا رقبہ کاشت ہوتا ہے اسمیں صرف ۲۱ فیصدی ایسا ہے جسمیں آبپاشی سے کام لیا جاتا ہے اور تقریباً ۸۰ ایسا ہے جو ذرائع آبپاشی سے محروم ہے اگر ان ذرائع کو ترقی دیجائے نہریں اور تالاب بنوائے اور پرانے درست کرالئے جائیں اور بارش پر اسقدر دارومدار نہ ہو تو ہندوستان کی زراعت بہت کچھ ترقی کرسکتی ہے۔ ہندوستان کے ذرائع آبپاشی بھی یہی تین یعنی نہریں، تالاب اور کوئیں ہیں پنجاب سرحدی صوبہ اور سندھ میں نہروں سے کام لیا جاتا ہے یہاں تالاب نہیں ہیں، صوبہ متحدہ میں

---

۱ صفدر علی محمد علی تاجر عطر کے کارخانہ کا انتظام اب تک اسی منیجر کی زیر نگرانی ہے جو چالیس سال سے کام کر رہا ہے۔

کوئیں آبپاشی کا بڑا ذریعہ ہیں اور دکن میں خاص طور سے مدراس تالابوں سے کام لیا جاتا ہے، ان تینوں ذرائع سے بحیثیت مجموعی جتنا کام لیا جاتا ہے وہ حسب ذیل ہے :-

ذرائع آبپاشی	فیصدی بحیثیت مجموعی
سرکاری نہریں	۴۱
ذاتی اور خانگی نہریں	۵
کوئیں	۲۵
تالاب	۱۶
دیگر ذرائع	۱۳

ذرائع آبپاشی کی خراب حالت کا ثبوت

ہندوستان میں نہروں کی توسیع گو زیادہ تر برطانوی عہد حکومت میں ہوئی مگر یہ ترقی اور توسیع بھی کچھ دل خوش کن نہیں، صوبہ متحدہ میں نہروں کی توسیع کی بہت گنجائش ہے، اگر یہاں نہریں خاطر خواہ بن جائیں تو بڑا فائدہ ہو، ہندوستان کے ذرائع آبپاشی کی حالت روز بروز خراب ہو رہی ہے اس کا ثبوت یہ ہے کہ صرف مدراس میں اب تک تباہ شدہ تالابوں کا پتہ پچاس ہزار تک چلا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے کے حکمرانوں نے اسکو کسقدر ترقی دی رکھی تھی اور یہ کہ جب یہ تمام تالاب بھرے رہتے ہونگے تو زراعت کسقدر عمدہ ہوتی ہوگی مزید برآں ان شکستہ تالابوں سے اُن رعایا پرور، ہوشمند اور بیش بیں حکمرانوں کی عقل اور دولت کا پتہ چلتا ہے، جنہوں نے ذرائع آبپاشی کو بام عروج پر پہونچا دیا تھا۔

صوبۂ متحدہ میں بھی کنوؤں کی تعداد گھٹتی جا رہی ہے ان کنوؤں اور تالابوں کی تباہی کا اصلی باعث کاشتکاروں کا افلاس اور حکومت کی حکمت عملی ہے، مگر یہ کہ کاشتکاروں کی مالی حالت کیوں خراب ہوئی اور حکومت کیوں ان پر روپیہ صرف نہیں کرتی بجائے خود بہت بڑے غور طلب مسئلے ہیں۔ ہم کاشتکاروں کی مالی حالت کی خرابی کو آیندہ بیان کرینگے۔

یہ ظاہر ہے کہ تالابوں اور نہروں کے لیے کسقدر روپیہ کی ضرورت ہے اور یہ غریب کاشتکاروں کے بنائے نہیں بن سکتے، جب تک حکومت ان پر روپیہ صرف نہ کرے ان کی توسیع غیر ممکن ہے، کبھی کبھی حکومت کاشتکاروں کو کوؤں کے لیے روپیہ تقاوی پر دیتی ہے مگر صرف تقاوی کا طرز عمل اس خرابی کو دور کرنے کے لیے کافی نہیں۔ آجکل ہماری سرکار نظام ریاست حیدرآباد کے ذرائع آبپاشی پر بہت روپیہ

اصلی عطر گلاب کا تیار کردہ بالوہیرا آئل استعمال کیجئے قیمت فی شیشی ۶

صرف کر رہی ہے اور مختلف جگہ بڑے بڑے تالابوں کی اسکیم پاس ہو چکی ہے، جنسے نہ صرف لاکھوں ایکڑ زمین کاشت ہو سکے گی بلکہ ایک بڑی مقدار میں بجلی بھی پیدا ہو سکے گی، خود حیدرآباد کا عثمان ساگر جو گنڈی پیٹ کے نام سے مشہور ہے اسقدر بڑا ہے، کہ اسکے بھر جانے کے بعد اگر خدانخواستہ حیدرآباد میں چار پانچ سال تک پانی نہ برسے تو یہ اہل شہر کی ضرورت کے لیئے کافی ہوگا۔ دوسرا ایک بہت بڑا تالاب نظام آباد میں تیار ہو رہا ہے جو نظام ساگر کہلائے گا، اس سے بھی بجلی پیدا کی جا سکیگی۔ ان کے علاوہ چند اور بڑے تالاب ہیں مثلاً حسین ساگر اور میر عالم کا تالاب، غرض آجکل یہاں اس مسئلہ پر خاص توجہ کیجا رہی ہے۔

اسکی توسیع اور ترقی کی صورت

ہندوستان کے ذرائع آبپاشی کی حالت تو معلوم ہو چکی اب دیکھنا یہ چاہیئے کہ انکی ترقی کی کیا صورت ہے، اسکے ساتھ ہی یہ بتا دینا غیر موزوں نہ ہوگا کہ ہر حکومت پر ملک کی بہبودی کے لیئے کچھ نہ کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں مثلاً ملک کو بیرونی حملوں سے بچانا، ملک میں جھگڑے اور بدامنی نہ پھیلنے دینا، امن و امان کے ذرائع بہم پہونچانا رفاہ عام کے کام کرنا، اشاعت تعلیم اور ملک کی عام خوش حالی و زرعی ترقی کی طرف توجہ کرنا، ہندوستان کی برطانوی حکومت نے اول دو کاموں کا اسقدر معقول انتظام کیا ہے، کہ وہ ہندوستان کے لیئے ضرورت سے زیادہ ہے، فوج پر جتنا روپیہ صرف کیا جاتا ہے وہ ظاہرا تو ہندوستان کی حفاظت کے لیئے ہے مگر درحقیقت در پردہ اسکے مقصود نہ صرف انگریزوں کی پرورش ہے، بلکہ یہاں کی فوج سے برطانیہ عظمیٰ کی حفاظت کا کام لینا ہے جیسا کہ اس جنگ سے اچھی طرح ظاہر ہو گیا۔ یہاں کی فوجوں کی تنخواہ کا بجٹ ہر سال ساٹھ پینسٹھ کروڑ روپیہ کے قریب ہوتا ہے، صنعت و حرفت، اشاعت تعلیم، حفظان صحت اور زراعتی ترقی پر کافی روپیہ صرف نہیں کیا جاتا، ہندوستان میں ریلوے کو بہت ترقی دی گئی مگر یہی ترقی ہندوستان کی صنعت و حرفت کی تباہی کا بڑا باعث ہوئی، اب ذرائع آبپاشی کی ترقی یوں ہی ہو سکتی ہے کہ حکومت اپنا طرز عمل بدلے، زراعتی کاموں میں روپیہ صرف کرے، تمام تباہ شدہ تالاب درست کروائے اور جہاں ضرورت ہو اور طیار کرائے، تالاب اور نہریں بنوائے، کوؤں کے لیئے دل کھول کر تقاوی دے مالگذاری زیادہ نہ بڑھائی جائے، تاکہ کاشتکار خود بھی کوئیں بنوا سکیں، اسطرح تالاب نہریں اور کوئیں بنوانے سے نہ صرف موجودہ زراعت کو ترقی ہوگی بلکہ بہت سی زمینیں جو غیر مزروعہ ہیں ان میں زراعت ہونے لگے گی۔ سرکار کا گو فی الحال بہت روپیہ صرف ہوگا مگر آیندہ پیداوار بڑھنے کی صورت میں پھر لگان میں اضافہ

اگر آپکو عطر خالص کار ہے تو صرف امرتسر علی محمد علی: برعطر کلھوسے طلب فرمائیے جسکو تمام ہندوستان میں مقبولیت حاصل ہے۔

ہوجائیگا۔ اور رفتہ رفتہ سرکار کا کل روپیہ ادا ہوجانے کے بعد نفع ہونے لگے گا، غرض ہندوستان کی زراعت کو بڑھانے کا ایک بڑا ذریعہ آبپاشی کی ترقی ہے اور یہ صرف حکومت کی کوششوں پر منحصر ہے

ہندوستان کی زمینی پستی کے چند وجوہ اوپر بیان ہوچکے جنمیں سے کاشتکاروں کی مالی حالت کی خرابی کا بیان اور یہ کہ اس خرابی کا زراعت پر کیا اثر پڑ رہا ہے، باقی ہے، ابھی تک ہم یہ سنتے آئے ہیں کہ یہاں کے کاشتکاروں کی مالی حالت بہت خراب ہے، اس حقیقت کو کہدینا تو مشکل نہیں، مگر اسکی صحیح صحیح حالت بتانی بہت مشکل ہے وجہ یہ ہے کہ ہمارے پاس اس قسم کی صحیح معلومات حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں، یہاں کے معاشی حالات ابھی تک پوری کدوکاوش سے دریافت ہی نہیں کیے گئے اور ہمارے پاس کوئی مستند معلومات کا ذخیرہ نہیں دوسرے اور باتوں کی طرح اس مسئلہ میں حکومت اور پبلک کے نقطۂ نظر میں اختلاف ہے، حکومت ہمیشہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتی ہے کہ یہاں کے کاشتکاروں کی مالی حالت روبہ اصلاح ہے اور ابھی ہو رہی ہے، پبلک یہ کہتی ہے کہ انکی مالی حالت روز بروز ابتر ہوتی جاتی ہے حکومت اس ثبوت میں کہ کاشتکاروں کی دولت میں اضافہ ہو رہا ہے یہ بیان پیش کرتی ہے کہ آج کل اجناس کی قیمت روز بروز بڑھ رہی ہے اسطرح یقیناً کاشتکاروں کی دولت میں اضافہ ہو رہا ہے پبلک کا جواب یہ ہے کہ اضافہ قیمت کا فائدہ غریب کاشتکاروں کو نہیں ہوتا بلکہ بیچ کے تجار اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، دوسرے یہ کہ اگر انکی دولت بڑھتی تو معیار زندگی بلند ہونا چاہیئے تھا، مگر وہ جسقدر گرا ہوا ہے اسکی کوئی حد و انتہا نہیں، تیسرے اگر یہاں کے کاشتکاروں کا یورپ کے کاشتکاروں سے مقابلہ کیا جائے تو ان کی پستی کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے، یورپ کے کاشتکاروں کا معیار زندگی بہت بلند ہے وہ اعلیٰ سے اعلیٰ مصنوعی کھاد، تخم آلات استعمال کرتے ہیں مگر یہ اچھے تخم، مصنوعی کھاد اور آلات استعمال نہیں کرسکتے، ان کا معیار زندگی بھی از حد پست ہے ایک جھونپڑی میں رہکر اور خشک روٹی کھاکر زندگی کے دن پورے کرتے ہیں، کڑاکے کی سردی میں زیر آسماں ایک کمبل تان کر پڑ رہتے ہیں۔ یہ سب کیوں؟ صرف اسوجہ سے کہ بیچارے کے پاس اس سے زیادہ ترقی کی گنجائش نہیں، جب حالت یہ ہے تو پھر کسطرح کہا جا سکتا ہے کہ انکی مالی حالت میں ترقی ہو رہی ہے۔ یہ دیکھنے کے لیئے کہ انکی مالی حالت ہمیشہ سے ایسی ہی خراب ہے یا اب خراب ہوتی جاتی ہے، ہم کو عہد مغلیہ کے کاشتکاروں پر نظر ڈالنی چاہیئے، جب ہم اُسوقت کی حالت پر نظر کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کاشتکار اپنی زندگی نہایت چین سے بسر کرتے تھے، اور خوشحال تھے، اسوقت غلہ جسقدر سستا

ہندوستان کا کاشتکار کی مالی حالت

"عطر خانا" جو صفر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے کارخانہ کا بنا ہے۔ اُس کا نسخہ ہی مختلف ہے

تھا، وہ اب خواب وخیال معلوم ہوتا ہے۔ ان تمام حالات اور بیانات کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ نتیجہ نہایت آسانی سے نکالا جاسکتا ہے کہ یہاں کے کاشتکاروں کی مالی حالت اب بہت خراب ہوگئی ہے۔

اس خرابی کو معلوم کرنے کے لیے ہم ایک دوسرا اور سب سے مستند طریقہ جو ہندوستان میں ہوسکتا ہے اور جس کو حکومت بھی ماننے کے لیے تیار ہے اختیار کرتے ہیں، یہ طریقہ خود سرکاری کمیشنوں کی رپورٹوں کا خلاصہ ہے، جسکو حکومت نے وقتاً فوقتاً یہاں کی مالی حالت کی دریافت کے لیے مقرر کیا تھا، اس بیان میں کسی قسم کی افراط و تفریط کا اندیشہ نہیں اور اگر کچھ خیال ہوسکتا ہے تو وہ یہ ہی کہ یہاں کے کاشتکاروں کی مالی حالت کو اتنا خراب نہیں دکھایا ہوگا جتنا کہ حقیقتاً دکھانا چاہیئے، کیونکہ کمیشن کے اکثر اشخاص حکومت کے ملازم اور خود حکومت کا نقطۂ نظر رکھنے والے ہوتے ہیں، اسلیئے ان کے بیان میں اس بات کا اندیشہ نہیں کہ انہوں نے انکی مالی حالت کو اور خراب بتایا ہو، پس ہم انہیں کی رپورٹوں سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہاں کے کاشتکاروں کی مالی حالت کسقدر خراب ہے۔

۱۸۷۵ء میں دکن میں کچھ معاشی فسادات ہوئے تھے، جسکی تحقیق کے لیے حکومت نے ایک کمیشن مقرر کیا جسنے حسب ذیل رائے کا اظہار کیا ہے "ہم بتا چکے ہیں کہ ان علاقوں میں کاشتکار عام طور پر مقروض ہیں کچھ تو قدرتی اسباب کی بنا پر اور کچھ ہمارے نظم ونسق کے باعث۔ یہ قرضداری گزشتہ بیس سال کے دوران میں اپنی انتہائی حد کو پہونچ چکی ہے، تقریباً ایک ثلث کاشتکار قرضداری کی مصیبتوں میں گرفتار ہیں اور ان کے قرض کا اوسط مالگذاری کی مقدار سے اٹھارہ گنا زیادہ ہے، اور اس قرض کا تقریباً دو ثلث حصہ زمین کو رہن رکھکر حاصل کیا گیا ہے"

۱۸۸۰ء کی قحط کمیشن نے حسب ذیل الفاظ میں اس بیان کی تائید کی ہے۔

"ہندوستان کے مختلف علاقوں سے شہادت جمع کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ مالکان زمین کے طبقہ کی تعداد تقریباً ایک ثلث ایسی ہے جو اسقدر زیادہ مقروض ہے کہ ان کے لیے قرضداری سے نجات پانا ناممکن ہو اور کم از کم اتنی ہی تعداد ان لوگوں کی ہے جو قرضدار تو ہیں لیکن جن کے قرضے ادا کیے جاسکتے ہیں"

۱۹۰۱ء کی قحط کمیشن نے بھی اسی صورت حال کی تائید کی ہے، "ان تمام بیانات کا لحاظ کرتے ہوئے اور جو شہادت جمع کی گئی ہے اُس سے اُن کا مقابلہ کرتے ہوئے ہمارے خیال میں گمان غالب یہ ہے

اگر آپ کو عطر جادو کا شوق ہے تو صرف حاجی نثار علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے طلب فرمائیے جسکو تمام ہندوستان میں مقبولیت حاصل ہے

کہ کم از کم بمبئی پریسیڈنسی میں کاشتکاروں کی ایک چوتھائی تعداد اپنی زمین کھو چکی ہے، اور ۱/۲ سے کم تعداد ایسی ہے جو مقروض نہیں، بقیہ کم و بیش مقروض ہے۔"

آنریبل مسٹر روجر رکن مجلس واضع قوانین بمبئی نے وزیر ہند کی خدمت میں ایک رپورٹ پیش کی تھی، جسمیں یہ درج تھا "سنہ ۱۸۹۰ء کے قبل گیارہ سال کے عرصہ میں سرکاری مالگذاری وصول کرنے کی غرض سے تقریباً بیس لاکھ ایکڑ زمین فروخت کی گئی جو آٹھ لاکھ چالیس ہزار سات سو ستر (۸۴۰۷۷۰) اشخاص کے قبضہ میں تھی اسکے علاوہ بتیس لاکھ روپیہ کی غیر منقولہ جائداد بھی اسی غرض سے فروخت ہوئی مگر اس زمین کا ساٹھ فیصدی حصہ خود حکومت کو خریدنا پڑا کیونکہ ان پر کوئی شخص بولی نہیں بول سکا (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسقدر آدمی مالگذاری ادا کرنے اور زمین خریدنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے) گویا بہ الفاظ دیگر گیارہ سال کی مدت میں اس مجموعی آبادی کا ۱/۲ حصہ بے نام ہو گیا۔" یہ حالتیں صرف ایک صوبہ کی تھیں اسی سے پورے ملک کی حالت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

پنجاب میں انجمن ہائے قرضۂ اتحاد باہمی کے رجسٹرار صاحب نے سنہ ۱۹۲۱ء میں مقامی کاشتکاروں کی قرضداری کی تحقیق کی ہے اور یہ نتیجہ نکالا ہے کہ "صوبہ پنجاب کے کاشتکاروں کی مجموعی قرضداری کی مقدار تین کروڑ پونڈ یعنی ۴۵ کروڑ روپیہ ہے۔ اس قسم کے واقعات اور صوبوں کے متعلق بھی معلوم کیے گئے ہیں جن سے یقینی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہندوستان کی زرعی آبادی قرضداری کی مصیبتوں میں بہت زیادہ مبتلا ہے۔"

پنجاب کے کاشتکاروں کی مالی حالت تمام ہندوستان میں بہتر سمجھی جاتی ہے جب انکی یہ حالت ہے تو پورے ہندوستان کی حالت یقیناً اس سے خراب ہوگی۔ دوسرے یہ بیانات سرکاری کمیشنوں کی رپورٹوں سے اخذ کیے گئے ہیں اسلیئے کہ از کم اس حالت کو یقین کرنے میں کسی قسم کے شبہ کی گنجائش نہیں، ان بیانات کو دیکھنے سے یہ اچھی طرح ثابت ہو گیا ہوگا کہ اس پچاس سال کے عرصہ میں مالی حالت کسی طرح نہیں سدھری بلکہ اور خراب ہو گئی ہے

مالی حالت کی خرابی تو اچھی طرح واضح ہو چکی ہے اب اسکی خرابی کے اسباب پر نظر کرنی چاہیئے، اس خرابی کی ایک وجہ پیشوں میں توازن کی کمی ہے جس پیشہ میں جتنے لوگوں کی ضرورت اور گنجائش ہے اتنے ہیں ہیں کسی میں بہت کم اور کسی میں بہت زیادہ اور یہ دونوں حالتیں دولت کی ترقی کے لیئے سد راہ ہیں پیشوں میں توازن کی کمی کے بھی کئی اسباب ہیں، ایک تو یہاں کی ذات پات کی بندش دوسرے قدامت

صفر علی محمد علی لکھنؤ کی ایک شاخ چاندنی چوک دہلی" اور ایک شاخ "گلزار حوض حیدرآباد دکن" میں ہے

پسندی مگر اس خرابی کی سب سے بڑی وجہ صنعتی انقلاب ہے یعنی جوں جوں ہندوستان کی دستکاری تباہ کی جانے لگی، لوگ زراعت کی طرف بڑھنے لگے اور خود کاشتکار جو گھریلو دستکاری سے پیسہ پیدا کرتے تھے اسکے مردہ ہو جانے سے زیادہ مفلس ہو گئے، غرض اسطرح صنعت محدود ہوتی گئی اور زراعت میں لوگوں کی کثرت ہونے لگی۔ ہر ملک میں مختلف دماغ کے آدمی پیدا ہوتے ہیں جو مختلف کاموں کے لیئے موزوں ہوتے ہیں اگر انکو انکی قابلیت کے مطابق کام ملے تو ملک بہت ترقی کر سکتا ہو مگر کام جب انکی قابلیتوں کے خلاف ہو تو ملک میں پستی بڑھے گی، جس ملک میں جتنے قسم کے معاشی وسائل ہوں اگر ان سب سے کماحقہ فائدہ نہ اٹھایا جائے تو اس کا نتیجہ بھی صنعتوں کی تباہی اور ملکی تنزل کا باعث ہوا کرتا ہو۔ اسوقت ہندوستان میں یہی حالت ہو، کہ نہ ہر شخص اپنی دماغی اور جسمانی قابلیت کے لحاظ سے کام انجام دیرہا ہے اور نہ یہاں کی معاشی وسائل سے فائدہ اٹھایا جارہا ہو، آجکل سرکاری ملازمتوں کی راہیں بھی مسدود ہو گئی ہیں اسوجہ سے بھی زراعت پیشہ لوگوں میں ترقی ہو رہی ہے ان تمام باتوں کے یکجا ہو جانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسوقت ۷۲ فیصدی آدمی زراعت پیشہ ہیں اور افلاس روبہ ترقی ہو۔ ہندوستان کی خوفناک غربت کا صحیح اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ انگلستان میں سالانہ آمدنی کا اوسط فی کس پچاس پونڈ ہلکہ اس سے بھی زیادہ ہے اور ہندوستان کی سالانہ آمدنی کا اوسط فی کس زیادہ سے زیادہ ڈھائی پونڈ پڑتا ہے

کاشتکاروں کی مالی حالت کی خرابی کی ایک وجہ تو اوپر بیان ہوئی ہو دوسری یہ ہے کہ یہاں کا طریق مالگذاری بھی خراب ہو، کہیں رعیت واری طریقہ رائج ہے اور کہیں زمینداری، رعیت واری طریقہ تو کاشتکار کے حق میں بہتر ہے مگر زمینداری سخت مضر، کیونکہ رعیت واری میں کاشتکار کا بالراست تعلق حکومت سے ہوتا ہے اور ماحصل زائد میں صرف حکومت حصہ دار ہوتی ہے مگر دوسرے طریقہ میں زمیندار بھی حصہ دار ہوتا ہے جسکی وجہ سے کاشتکار کا حصہ کم ہو جاتا ہو، دوسرے بندوبست کے دو طریقے ہیں ایک بندوبست میعادی دوسرا بندوبست دوامی عام طور سے بندوبست میعادی جاری ہے۔ پہلے تو بہت جلد جلد بندوبست ہوتا تھا مگر اب پندرہ سال سے لیکر تیس سال تک بندوبست کی میعاد مقرر کر دی گئی ہے، جہاں بندوبست دوامی ہے وہاں کے کاشتکار خوشحال ہیں اور جہاں میعادی ہو جو قریب قریب تمام ہندوستان میں رائج ہے وہاں کی حالت اچھی نہیں۔

اس خرابی کی تیسری وجہ تشخیص مالگذاری اور محکمۂ بندوبست کی خرابی ہے تشخیص مالگذاری کا

اگر آپکو عطر حنا درکار ہے تو صرف صفر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے طلب فرمائیے

طریقہ یہ ہے کہ جب میعاد بندوبست ختم ہوتی ہے تو ہر صوبہ کے محکمۂ بندوبست کے کچھ عہدہ دار معہ عملہ گاؤں گاؤں دورہ کرکے ہر کھیت کی پیداوار کا اندازہ لگاتے ہیں اور پیداوار کا تخمینہ کرکے زائد ماحصل کا پچاس فیصدی مالگذاری مقرر کردیتے ہیں، اکثر صورتوں میں اندازہ غلط ہوتا ہے اور کبھی کبھی شرارتاً بھی پیداوار کا تخمینہ زیادہ کردیا جاتا ہے، چونکہ یہاں کے کاشتکار جہالت کی وجہ سے مصارف کا حساب وکتاب نہیں رکھتے حتیٰ کہ اپنی محنت اور اصل کو بھی اخراجات میں داخل نہیں کرتے، اس وجہ سے صحیح زائد ماحصل کا پتہ نہیں چل سکتا اور تشخیص مالگذاری صرف حکام اور عملہ کے اندازہ پر منحصر ہوتی ہے، بندوبست کا عملہ اس موقع پر کاشتکاروں کو بہت پریشان کرتا ہے، اور رشوتیں لیتا ہے چونکہ اسوقت کاشتکار بالکل انکی گرفت میں ہوتے ہیں، اسلیئے رشوت کی وجہ سے کاشتکار بہت زیربار ہوجاتے ہیں اور بعض ایسا بھی کرتے ہیں کہ جب بندوبست کا زمانہ قریب آتا ہے تو وہ قصداً کھیتوں کو خراب کردیتے ہیں تاکہ مالگذاری کی تشخیص کم کیجائے اسطرح کھیت پر نگرانی نہ کرنے اور انکو خراب کرنے سے فصلیں خراب ہوتی ہیں اور جب بندوبست . . . . . .

کی بلا سر سے ٹلتی ہے تو پھر کھیتوں کی درستگی میں محنت اور روپیہ صرف کرنا پڑتا ہے غرض دُہری زیرباری سے انکی مالی حالت پر اور برا اثر پڑتا ہے۔

ان دو باتوں کے علاوہ حکومت نے تحصیل مالگذاری کا جو طریق اختیار کیا ہے وہ بھی کاشتکاروں کے لیئے از حد مضر ہے، اول یہ کہ حکومت نے کل مالگذاری وصول ہونے کا ایک دن مقرر کردیا ہے، اگر کاشتکار اس دن مالگذاری ادا کرنے سے قاصر رہا تو اسکی جائداد نیلام کرکے مالگذاری وصول کیجاتی ہے، دوسرے حکومت تحصیل میں بجائے غلہ کے روپیہ لیتی ہے، اور تحصیل کا مقررہ دن فصل تیار ہونے کے بعد ہی ہوتا ہے اسوقت کاشتکاروں کے پاس روپیہ تو ہوتا نہیں اور تحصیل کے سپاہی سر پر کھڑے ہوتے ہیں اسلیئے مجبوراً وہ غلہ کو نہایت ارزاں فروخت کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اسوقت یہ اپنا غلہ روک نہیں سکتے کیونکہ ان کو تو روپیہ کی سخت ضرورت ہے جس بھاؤ بھی بکے بیچنا پڑتا ہے اسوقت بیوپاری اور بنیے خوب فائدہ اٹھاتے ہیں، سستا سستا مال خرید کر کوٹھوں میں بھر لیتے ہیں اور جیسے جیسے قیمت چڑھتی ہے خوب نفع کماتے ہیں۔ غرض اس صورت سے بھی کاشتکاروں کو سخت مالی نقصان پہنچتا ہے۔

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے لئے تار کا پتہ صرف "وحنا" لکھنا کافی ہے۔

مالگذاری کی زیادتی کا اعلیٰ ہونا ٹیکس کی

اس خرابی کے تین سبب تو اوپر بیان ہو چکے، چوتھی وجہ یہ ہے کہ یہاں کے کاشتکاروں سے مالگذاری حد سے زیادہ وصول کیجاتی ہے گویا وہ ایک سخت ٹیکس ہے۔ جب حکومت سے زیادتی مالگذاری کی شکایت کی جاتی ہے تو جواب ملتا ہے کہ مالگذاری کا بار کسی طرح کاشتکار پر نہیں پڑ سکتا، اور نہ پڑنا چاہیئے کیونکہ حکومت ماحصل زائد میں سے ۱/۴ حصہ بطور مالگذاری وصول کرتی ہے، اور ماحصل زائد سے لیا جانا کسی طرح ظلم نہیں۔ اس بات کو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں۔ کہ اگر ماحصل زائد میں سے مالگذاری لی جائے تو وہ مالی حالت کی خرابی کا باعث نہیں ہو سکتی مگر حقیقت یہی ہے کہ موجودہ مالگذاری کسی طرح ماحصل زائد کا جزو نہیں بلکہ ٹیکس ہے، اس ثبوت کے لیئے پبلک مندرجہ ذیل بیانات پیش کرتی ہے۔

پہلا مفروضہ

اول یہ کہ سرکار جن اصول اور مفروضات کے تحت مالگذاری وصول کرتی ہے وہ مفروضات ہندوستان میں قائم نہیں ہیں رکارڈ نے مسئلہ لگان سے متعلق جو مفروضات بیان کئے تھے انمیں سے پہلا یہ ہے کہ کاشتکاری نفع بخش ہو، اس ثبوت کے لیئے کہ ہندوستان میں کاشتکاری آج کل نفع بخش نہیں ہے خود سرکاری رپورٹیں اسکی شاہد ہیں اور اوپر بیان ہو چکا ہے کہ سرکاری کمیشنوں نے یہاں کی کاشتکاری کی حالت کسقدر ردی بتائی ہے، اور اس خرابی سے اکثر زمینوں سے معاشی لگان وصول نہیں ہوتا۔ جب زمینوں سے لگان ہی نہیں ملتا تو مالگذاری وصول کرنا ٹیکس نہیں تو اور کیا ہے اسطرح پہلا مفروضہ یہاں غلط ثابت ہوا۔

دوسرا مفروضہ

دوسرا مفروضہ یہ ہے کہ ہر شخص وہی کاروبار اختیار کرتا ہے اور اسی میں اپنا روپیہ لگاتا ہے، جس کو وہ نفع بخش سمجھتا ہے یعنی مسابقت کا مادہ ہر شخص میں فرض کر لیا گیا ہے۔ اس مفروضہ کا بھی ہندوستان کے کاشتکاروں پر اطلاق نہیں ہوتا، وہ اسطرح کہ زمین محدود ہے اور چند زمینداروں کے قبضہ میں ہے برخلاف اسکے کاشتکاروں کی کوئی انتہا نہیں جو جو زمین حاصل کرنے کے لیئے وہ اپنی جان تک لڑا دیتے ہیں۔ یعنی زمین کم ہے اور طلب بہت زیادہ۔ زمیندار طاقتور ہیں اور کاشتکار کمزور یہاں کے کاشتکار عموماً جاہل اور پست ہمت ہیں انمیں آزادی کی بو تک نہیں، ان کی وجہ اور انقلابات صنائع کی وجہ سے آبادی کا بڑا حصہ کاشتکاری کی طرف مائل ہے گو اسمیں ان کو نفع نہیں ہوتا پھر بھی اسکو نہیں چھوڑتے اسلیئے کہ جہالت کی وجہ سے وہ کوئی دوسرا کام انجام نہیں دے سکتے سب سے آسان کاشتکاری ہی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اسمیں زیادہ مہارت کی ضرورت نہیں، رسم و رواج اسکو

کاغذ و صنعت طباعت و اشاعت کا کام ۱۸ سے شروع ہوا تقریباً ایک صدی کے زمانہ میں ٹیکنالوجی سے جاری ہے

پیشہ بدلنے نہیں دیتا اسطرح انمیں مسابقت کا مادہ بھی مفقود ہے اور وہ پرانی لکیر کے فقیر ہیں، اسلیئے یہاں دوسرا مفروضہ بھی منطبق نہیں ہوتا۔

تیسرا مفروضہ

تیسرا مفروضہ یہ ہے کہ پیداوار میں سے کل مصارف کاشت منہا کرنے کے بعد جو کچھ ماحصل زائد بچے اسکا ½ حصہ مالگذاری لی جائے، یعنی پہلے مصارف کاشت منہا کیئے جائیں اسکے بعد جو بچے انمیں سے مالگذاری لی جائے مگر ہندوستان میں قانوناً زمین کی پیداوار پر سب سے پہلے حکومت کا حق ہے یعنی قبل اسکے کہ مصارف کاشت منہا ہوں حکومت مالگذاری وصول کرلیتی ہے اور تاوقتیکہ مالگذاری ادا نہ ہوجائے مہاجن وغیرہ اپنا قرض وصول نہیں کر سکتے، جب مصارف کاشت منہا کرنے کے قبل ہی مالگذاری لے لی جاتی ہے تو وہ لگان کہاں رہا اسلیئے تیسرا مفروضہ بھی یہاں موجود نہیں ہے، اس کے بعد ہم یہ نتیجہ آسانی سے نکال سکتے ہیں کہ ہندوستان میں مالگذاری کی نوعیت لگان کی نہیں بلکہ ٹیکس کی ہے۔ ہندوستان میں مالگذاری کا ایک بڑا حصہ ماحصل زائد یا معاشی لگان سے نہیں لیا جاتا بلکہ اُس کا بڑا حصہ اُس جزو سے وصول ہوتا ہے جو کاشتکار کی سال بھر کی زندگی کے لیے ضروری ہوتا ہے۔

اسکو ٹیکس تسلیم کرنے کے بعد بھی ہم دیکھتے ہیں کہ اسکی حالت انکم ٹیکس کی سی بھی نہیں کیونکہ اسمیں وہ سہولتیں جو دوسرے ٹیکسوں میں پائی جاتی ہیں موجود نہیں ہیں، بلکہ یہ ایک ایسا سخت ٹیکس ہے جسمیں کسی قسم کی رعایت نہیں، اسکے علاوہ انکم ٹیکس اُس شخص سے وصول کیا جاتا ہے جسکی سالانہ آمدنی دو ہزار یا اس سے زیادہ ہو۔ مگر مالگذاری کی کوئی مقدار معین نہیں چھوٹی سی چھوٹی آمدنی والے کاشتکار سے بھی مالگذاری لی جاتی ہے

مہاجنوں کا شرح سود

کاشتکاروں کی مالی حالت کی خرابی کے اسقدر اسباب بتائے جا چکے ہیں پھر بھی ابھی باقی ہیں جنمیں سے مہاجنوں کی اعلیٰ شرح سود ہے، مہاجن کاشتکاروں سے جسقدر اعلیٰ شرح سود وصول کرتے ہیں اسکے متعلق ڈاکٹر ہنٹر صاحب لکھتے ہیں کہ "میں ہمیشہ ہندوستان میں یہ معلوم کرنے کی کوشش میں رہا، کہ روپیہ سے کسقدر سود پیدا ہو سکتا ہے، معلوم ہوا کہ اب کاشتکاروں سے ۳۷½ فیصدی سود لیا جاتا ہے، غریب آدمی جو بلا ضمانت قرض لیتے ہیں ایک آنہ فی روپیہ ماہوار یعنی ۷۵ فیصدی سالانہ سود ادا کرتے ہیں، مقروض ہر سال سود ادا کرنے ہی کا نقصان برداشت نہیں کرتے بلکہ کتنے ہی اور نقصان اٹھاتے ہیں۔ آجکل کوئی شخص بغیر سرمایہ کے کوئی کام نہیں کر سکتا، ترقی زراعت کے لیے بھی بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی شہرت کا باعث صرف عطر خاص ہے۔ جسکا نسخہ کسی دوسرے عطر ساز کو دستیاب ہی نہیں ہو سکا۔

کاشتکاروں کے پاس روپیہ نہیں اگر عمدہ بیل اور مفید مویشی ہوں تو پیداوار میں بہت ترقی ہو سکتی ہے"
جب شرح سود اسقدر سخت ہو تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ سود ہی ادا کرنا مشکل ہے منافع کیسا، بعض مرتبہ مہاجنوں کی نیت بھی خراب ہوتی ہے اور وہ کاشتکار کو سود کے جال میں پھنسا کر اسکی زمین پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں چنانچہ اسی طرح بہت سی زمینیں مہاجنوں کے قبضہ میں پہونچ چکی ہیں۔ کاشتکاروں کی مالی خرابی کا واحد ذمہ دار مہاجن نہیں جیسا کہ حکومت اسکو قرار دیتی ہے بلکہ اسکے چند دوسرے اسباب ہیں جنکو مہاجنوں کی وجہ سے تقویت ہو گئی ہے، مہاجن جو اعلیٰ شرح سود وصول کرتا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ ہر گاؤں میں عموماً ایک ہی شخص روپیہ کا لین دین کرتا ہے تمام کاشتکار اسی سے قرض لیتے ہیں روپیہ کی مقدار تو محدود ہوتی ہے مگر طلب زیادہ، اگر کاشتکار خوشحال ہوں اور گاؤں میں کوآپریٹو بنکس ہوں تو یہ نوبت نہیں پہونچ سکتی۔

کاشتکاروں کی افلاس کا ایک سبب انکی بیجا فضول خرچی بھی ہے یہ وجہ تو بہت زیادہ اہم نہیں اسلیئے کہ ان کے پاس ہے کیا جو صرف کریں، پھر بھی وہ اکثر اوقات ضروریات رسمی کو ضروریات زندگی پر ترجیح دیتے ہیں خواہ بھوکے رہیں مگر مذہبی رسوم میں پیسہ ضرور صرف کرینگے، یہ فضول خرچی بھی بجائے خود بہت زیادہ ذمہ دار نہیں اسلیئے کہ عہد مغلیہ کے کاشتکار اس سے بہت زیادہ فضول خرچی کرتے تھے اور خوشحال تھے، یہاں کے کاشتکاروں کی فضول خرچی بھی دوسرے اسباب کے ماتحت ہے ایک یہ کہ انکو مذہب کی طرف سے واقفیت نہیں ہوتی دوسرے جہالت اور تعلیم کی کمی کی وجہ سے وہ آیندہ ضروریات کو محسوس نہیں کرتے لہٰذا فضول خرچی کم ہونے کے لیئے ان باتوں کی اصلاح کی ضرورت ہے۔

کاشتکاروں کی بیجا فضول خرچی

اس مالی خرابی کی ایک بڑی وجہ وہ مغربی قوانین ہیں جو جائداد غیر منقولہ سے متعلق ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ جسوقت تک انگریز ہندوستان نہیں آئے تھے اسوقت تک کاشتکاروں کی حالت اچھی تھی مگر جیسے جیسے انکی حکومت پختہ ہوتی گئی ان کی حالت خراب ہوتی گئی۔ انگریزوں کے آنے سے قبل زمیندار اور کاشتکار کے تعلقات نہ صرف زراعت تک محدود تھے بلکہ زمیندار اپنے کو ان کا سرپرست سمجھتے تھے اور جب کبھی کاشتکاروں پر کوئی مصیبت نازل ہوئی تو وہ اُن کی مدد کرتے تھے کاشتکاروں کا برتاؤ بھی اسیطرح کا تھا گو اس وقت کاشتکاروں کی حالت غلاموں کی سی تھی پھر بھی اپنے حال میں خوش تھے، جیسے جیسے مغربی قوانین رائج ہوتے گئے آپس میں منافرت بڑھتی

موسم گرما میں روح خس صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے کارخانہ کا استعمال کیجئے۔

گئی اور دونوں کے تعلقات صرف قانونی حد تک محدود ہوگئے۔ اب زمیندار اپنے کو اس بات کا ذمہ دار نہیں سمجھتا کہ وقت ضرورت کاشتکاروں کی مدد کرے، اب اسکو کاشتکار کی تباہی سے بحث نہیں اسطرح آپسمیں مغائرت بڑھی اور مغائرت کا نتیجہ مقدمہ بازی ہوا جو فریقین کی زیر باری کا باعث ہے پہلے کاشتکار کی یہ مجال نہیں تھی کہ بغیر زمیندار کی اطلاع اور رضامندی کے زمین رہن رکھے یا حق کاشت فروخت کرے، مگر نئے قوانین کی رو سے وہ ایسا کر سکتے ہیں اور کر رہے ہیں، کاشتکاروں کو ان حقوق کے دینے سے حکومت کا منشا یہ تھا کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو کاشتکار زمین رہن کر کے اُسکا حق کاشت فروخت کر کے اسکو منتقل کر کے مالگزاری وقت پر ادا کر دے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی قوانین کا رجحان ہی اسطرف ہے کہ انکی مالی حالت خراب ہو، کاشتکاروں کو آزادی مل جانے سے زمین کی قیمت میں تو اضافہ ہوگیا مگر پیداوار میں کسی قسم کا اضافہ نہیں ہوا، کاشتکار کو اس حد تک زمین پر اختیار مل جانے اور قیمت بڑھنے نے ان کو اس بات کی لالچ دی کہ جب کچھ بھی ضرورت ہو زمین رہن یا منتقل کر دے اسطرح قرض ستانی کی عادت انمیں اور ترقی کر گئی، اب اس خرابی کو حکومت بھی محسوس کر رہی ہے، اور بعض جگہ اس قسم کے قوانین نافذ کئے گئے ہیں کہ زمین قرض کے بار سے فروخت نہیں ہو سکتی۔

کاشتکاروں کی مالی حالت کی خرابی کے قریب قریب کل وجوہ مختصراً بیان کر دیئے گئے، ان خرابیوں کا زراعت پر جسقدر خراب اثر پڑ رہا ہے اور اس سے زراعت کو جسقدر نقصان پہونچ رہا ہے وہ خاص توجہ کے محتاج ہیں مالی خرابی کی وجہ سے نہ اچھے مویشی ہیں، نہ کھاد ہے، نہ عمدہ قسم کے تخم نہ نئے قسم کے آلات زراعت، نہ آبپاشی کا پورا انتظام غرض یہ کہ زمین کو درست کرنے اور زراعتی ترقی کے لیے جن جن باتوں کی ضرورت ہے وہ سب موجود نہیں ہیں۔

ان تمام باتوں کے بعد اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا انکی حالت درست بھی ہو سکتی ہے یا نہیں، پانی کہاں تک پہونچ چکا ہے اور سر سے گذرنے میں کتنی دیر ہے؟ ابھی پانی سر سے نہیں گزرا ہے اور اگر فوراً اسکی طرف توجہ مبذول کی جائے تو پھر حالت درست ہو سکتی ہے مگر جسطرح پہلے سے تعویق ہوتی آئی ہے اگر اسی طرح ہوتی رہی تو پھر علاج ممکن نہ ہوگا۔

لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ فوراً اس خرابی کو دور کرنے کی صحیح تدابیر اختیار کی جائیں اور سب سے پہلا کام یہ ہونا چاہیئے کہ خود کاشتکاروں میں اپنی حالت کی خرابی کا احساس پیدا ہو اور وہ خود متعہد

عطر حنا جو صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے کارخانہ کا بنا ہوا ہے دوسرے کارخانہ جات کے بنائے ہوئے عطر حنا کی نسبت ہمیشہ خوشگوار ثابت ہوگا۔

ذلت سے نکلنے کی کوشش کریں، صرف دوسروں کی کوششوں سے بغیر اسکے کہ وہ اپنی حالت کو محسوس کریں اور ہاتھ پیر ہلائیں اس حالت کی درستگی مشکل ہے۔

اس کا واحد ذریعہ اشاعت تعلیم ہے، کاشتکاروں کی تعلیم سے مراد یہ نہیں کہ انکو اعلیٰ اعلیٰ علوم وفنون اور یونیورسٹی کی تعلیم دی جائے (اگر ایسا کیا جائیگا تو بجائے فائدہ کے نقصان ہوگا کیونکہ کاشتکار اتنی اعلیٰ تعلیم پانے کے بعد زراعت کو ذلیل سمجھنے لگیں گے دوسرے اعلیٰ تعلیم کو اسقدر وسیع پیمانے پر پھیلانے کے لیے زبردست انتظام اور بے حد روپیہ کی ضرورت ہے تیسرے اعلیٰ تعلیم کے لیئے ایک مدت دراز درکار ہے اور یہاں تو فوری انتظام اور بے حد روپیہ کی ضرورت ہے

یہاں کاشتکاروں کی تعلیم سے یہ مراد ہے کہ ان کو اتنا لکھنا پڑھنا آجائے کہ وہ اپنا کاروبار چلا سکیں اور اخبارات پڑھ سکیں، دوسرے ان کو زراعتی تعلیم دیجائے اور زراعتی تعلیم بھی اعلیٰ نہیں بلکہ جتنی ان کے لیئے اشد ضروری ہو۔ تیسرے جس صوبہ میں جس خاص چیز کی کاشت ہوتی ہو صرف اُسی کے متعلق انکو پوری تعلیم دی جائے، مثلاً بنگال میں جوٹ کی کاشت کی، بہار اور برما میں چاول کی، پنجاب میں گیہوں اور برار میں روئی کی غرض جس صوبہ میں جس چیز کی کاشت زیادہ ہوتی ہو اسی کے متعلق ان کو تعلیم دیجائے اسطرح وقت بھی کم صرف ہوگا۔ اور پوری طرح زراعتی ترقی بھی ہو سکے گی۔

دوسرے حکومت سرکاری طریق مالگذاری اور تحصیل مالگذاری (جنکی تشریح پہلے ہو چکی ہے) میں نرمی کرے محکمۂ بندوبست میں اصلاح کرے اور عملے کو رشوت ستانی سے باز رکھے۔

تحصیل مالگذاری کی اصلاح

تیسرے یہ کہ کاشتکاروں کی مالی حالت درست کرنے کے لیے روپیہ کی فراہمی کا مناسب انتظام کرنا چاہیئے تاکہ کاشتکار مویشی، آلات کشاورزی اور تخم خرید سکیں، کھاد استعمال کر سکیں اور زمین کی زرخیزی کو بڑھا سکیں قرض دینے کا ایسا انتظام کیا جائے کہ شرح سود بہت کم ہو اور قرض ملنے میں سہولت اور رغبت ہو فضول خرچی کے لیئے قرض نہ دیا جائے، آیندہ کے لیئے ایسی تدابیر اختیار کی جائیں کہ قرض کی عادت اور ضرورت مسدود ہوتی جائے۔ حکومت نے ان اصلاحات کا کچھ انتظام کیا ہے جو ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔" حکومت نے بہت پہلے ان ضروریات کو محسوس کیا اور انکی تکمیل کے لیئے ۱۸۸۳ء میں قانون قرضہ جات اصلاح اراضی (Land Improvements Loans Act) پاس کیا اور ۱۸۸۴ء میں قانون قرضہ جات کاشتکار ان نافذ کیا جو روپیہ ۱۸۸۳ء کے قانون کے ماتحت

صفدر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے حال طلب کرنے کے بعد اگر پسند ہو تو قیمت واپس لیجیے اور واپسی کے محصول کا بھی کارخانہ ذمہ دار ہے۔

دیا جاتا تھا اسکو اصلاح زمین کے لیے صرف کرنا ضروری تھا، مثلاً کنواں کھودنا موریوں اور نالیوں کی تعمیر و مرمت وغیرہ برخلاف اسکے ۱۸۸۴ء کے قانون کے تحت جو روپیہ دیا جاتا تھا لازم تھا کہ وہ مویشیوں تخم آلات و اوزار خریدنے پر صرف کیا جائے" اگرچہ کاشتکاروں کی ایک معقول تعداد نے ان قوانین سے اپنی حالت سدھارنے کے لیے استفادہ کیا تاہم بحیثیت مجموعی جو امداد ان قوانین سے حاصل ہوئی وہ تقریباً ناقابل لحاظ ہے ایک تو یہ کہ جو رقم دیجاتی ہو وہ مقدار میں بہت قلیل ہوتی ہو دوسرے یہ کہ شرح سود اتنی کم نہیں ہوتی، جس سے کاشتکاروں کو قرض لینے کی کافی ترغیب ہو، تیسرے یہ کہ ان قوانین کے ماتحت قرض حاصل کرنے کا جو طریقہ ہے وہ بہت ہی سخت اور تکلیف دہ ہے، یہی حال قرضہ ہائے تقاوی کا ہے اسکی بھی مقدار قلیل ہوتی ہے اور ادائی ایک وقت معینہ کے اندر لازم کردی جاتی ہو ان تمام خامیوں کے علاوہ ایک اور عام شکایت یہ ہے کہ قبل اسکے کہ قرض کی رقم کاشتکار کو ملے اس کا ایک جزو نامعلوم طریقے سے مفقود ہوجاتا ہو ان تمام امور کو پیش نظر رکھ کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابھی تک کوئی معقول انتظام انکی مالی حالت کی درستی کے لیے نہیں ہوا ہے

چوتھے ایسے قوانین نافذ کیے جائیں جن سے کاشتکار زمین علیحدہ نہ کرسکیں اور قرض یا مالگذاری کا بار زمین پر نہ پڑے، اسکے متعلق بھی حکومت نے چند قوانین نافذ کیے ہیں، جن کا منشاء یہ ہے کہ انکی املاک کو خاص طور پر محفوظ رکھا جائے، چنانچہ مجموعۂ ضابطۂ دیوانی کی ایک خاص دفعہ کی رو سے کاشتکاروں کی بعض املاک کو قرق ہونے سے مستثنیٰ کردیا گیا ہے (دفعہ ۴۴ - ۵ اور ۶۰) اسی طرح قانون امداد کاشتکاران (The agriculturists Relief Act.) کے ماتحت کوئی کاشتکار کسی نقدی ڈگری (money decree) کے لیے گرفتار نہیں کیا جاسکتا اور ہر کاشتکار کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنا قرضہ باقساط ادا کرنے کا مطالبہ کرے ایک اور قانون قرضہ رباخوری (The usurious Loans Act) پاس کیا گیا ہے، یہ قانون بھی خاص طور پر کاشتکاروں کے لیے وضع کیا گیا ہے۔

ملک کے بعض حصوں میں اس مسئلہ کی غیر معمولی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے، حکومت نے چند اور قوانین نافذ کیے ہیں جنکی رو سے زمین کو منتقل یا رہن کرنے کے حق پر مختلف موانع عائد کیے گئے ہیں چنانچہ پنجاب، صوبہ متحدہ اور بمبئی میں یہ تدبیر اختیار کی گئی ہے ۱۹۰۱ء کی قحط کمیشن نے یہ

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے کارخانہ میں تمام عطر صرف روغن صندل ہی سے بنائے جاتے ہیں

رائے ظاہر کی تھی کہ زرعی قرضداری کے اسباب میں سے ایک سبب یہ ہے کہ سررشتہ بندوبست کی طرف سے زمین پر کاشتکاروں کا مالکانہ حق تسلیم کیا جائے، جب تک کہ ان حقوق میں رکاوٹیں پیدا نہ کی جائیں اسوقت تک کاشتکاروں کو قرضداری میں مبتلا ہونے سے روکنا ناممکن ہے اسی وجہ سے قانون انتقال اراضی پنجاب کی رو سے انتقال اراضی کے حقوق پر سخت رکاوٹیں پیدا کردی گئی ہیں، کوئی کاشتکار حاکم ضلع کی اجازت بغیر اپنی زمین کسی غیر کاشتکار کے ہاتھ فروخت نہیں کرسکتا، دکن کے بعض علاقوں میں بھی اس قسم کے قوانین نافذ کیے گئے ہیں۔

اگرچہ زرعی ترقی میں ان تدابیر کی وجہ سے کوئی خاص نتائج برآمد نہیں ہوئے تاہم ان کا اسقدر فائدہ تو یقینی ہے کہ زمین سرعت کے ساتھ منتقل ہونے نہیں پاتی اور کاشتکار اپنی اراضی کے بھر سے زیادہ قرضداری میں مبتلا نہیں ہوسکتے، پھر بھی ضرورت اس بات کی ہے کہ مالی اصلاح کی حقیقی تدبیر یعنی قرضہ کی فراہمی کا مناسب انتظام جلد سے جلد کیا جائے۔

جیسا کہ بار بار بتایا جاچکا ہے باوجود حکومت کی ان ظاہرا تدابیر کے کوئی خاص فائدہ نہیں پہونچ رہا ہے اور ان اسکیموں اور قوانین کے باوجود مالی حالت جیسی تھی ویسی ہی ہے۔

ابوالمنصور حمید عثمانیہ کالج ہوسٹل
(حیدرآباد)

اگر آپ نے

دفتر نگار کے نام کوئی تحریر ایسی روانہ کی ہے جس میں آپنے اپنا نمبر خریداری درج نہیں کیا تو اس کا جواب ملنا یقینی نہ سمجھئے اسیطرح یہ بھی یاد رکھئے کہ ۳۰ کے بعد رسالہ نہ پہونچنے کی اطلاع پر توجہ کرنا دفتر کا کام نہیں ہے۔

منیجر نگار

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے کارخانہ کا ایجاد کردہ عطر حنا ہے جسکا استعمال ہر موسم میں خوشگوار ہے

حضرت شاہ کلیم اللہ جہان آبادی رح

(مسلسل)

اخبار الاولیا میں ایک دفعہ کے اعتکاف کا ذکر لکھا ہے کہ مہرولی کے باہر ایک تنگ و تاریک کنواں تھا، اس کی مینڈھ سے رسی باندھ کر لٹک جاتے، اور دو دو ہفتہ اسی طرح لٹکے رہتے تاہم اس تمام محنت و کوشش کا کوئی مفید نتیجہ نہیں نکلا، البتہ یہ ہو گیا کہ کبھی کبھی بجلی چمک جاتی، حقیقت کے چہرے سے نقاب اُٹھتے نظر آنے لگے اور ایسا محسوس ہوتا کہ کوئی روشنی قلب میں پیدا ہو رہی ہے۔

حسن اتفاق سے ایک روز تغلق آباد کے دیرانہ میں ایک صاحب دل سے ملاقات ہو گئی انہوں نے کہا: تم یہ کس وحشت میں مبتلا ہو، تعلقات کی زنجیر کا کاٹ دینا ہی کافی نہیں ہے، دل بھی دونیم و دردمند ہونا چاہیئے، گزشتہ گناہوں کی تلافی کے لیئے ضروری ہے کہ آنکھیں اشک بار ہوں، درد کی تڑپ تن بدن میں جاری ہو، طلب صادق ہو، کسی غرض و خواہش کا میل نہ ہو، جوش ہر دم تازہ رہے حقیقت کا جلوہ جہاں بھی نظر آجائے بے تامل دوڑ جاؤ [illegible] اور خالص طلب میں پابندی کفر ہے۔

جواب دیا میرے اختیار کی جو بات ہے اس کے لیئے میں تیار ہوں، مگر یہ باتیں کہاں سے لاؤں، درد، سوز، تڑپ کس سے مانگوں، جوش کو جتنا تازہ اور قوی رکھ سکتا ہوں رکھتا ہوں، صدق و خلوص جتنا میرے اختیار میں ہے اپنے اندر پیدا کر لیا ہے مگر یہ سب بن پروئے موتی ہیں، ان کا ہار بنانے کے لیئے پرونے والے ہاتھ کی ضرورت ہے اور اسی سے اب تک محروم ہوں" انہوں نے کہا: تلاش شرط ہے، غرض تمہاری ہے، کسی اور کی نہیں، تمہیں ضرورت ہے تو ہمہ تن جستجو بن جاؤ، یہ کیا کہ کمر ہمت کھول ڈالی، اور منتظر ہیں کہ کوئی ہماری جھولی بھر دے، جستجو ہے تو قدم بڑھاؤ، کیسہ زر خالی ہے، تو کیا پروا، ہمت جوان ہونی چاہیئے سروسامان ناپید ہیں تو فکر نہیں، پاؤں میں تیزی اور شوق طلب میں جوش چاہیئے، یہ نہ ہو کہ دو چار قدم چلے اور بیٹھ رہے، یہ عشق نہیں عشق کے نام سے آرام طلبی ہے۔

بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ حقیقت تک پہونچنے کے لیئے مجاز سے گذرے بغیر چارہ نہیں ہوتا، شاہ صاحب کی زندگی اس دعوی کا ثبوت ہے کہ وہ جب تک مجاز کے کوچوں سے نہ گزرے، حقیقت کی

صنعر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے کارخانہ کے تیار کردہ اشیاء خالص عمدہ اور بکفایت ہوتی ہیں

منزل تک نہ پہونچ سکے۔ ریاضتوں اور مجاہدوں میں دو ڈھائی برس سے زیادہ مشغول رہے، وحشت جنون میں جنگلوں کی خاک سے چھ مہینے تک تلوے گرم کئے، مگر اس کے بعد بھی ویسے ہی کورے تھے، دل کو کسی طرح اطمینان نہ تھا، لیکن جب مجاز کے کوچوں میں داخل ہوئے، اور معشوق مجازی میں اپنے تئیں فنا کر دیا تو معشوق حقیقی کا روئے نگار سامنے آگیا ؎

گرچہ آشفتگی کار من از زلف تو بود
حل ایں عقدہ ہم از روئے نگار آخر شد

مگر یہ چشم سامری فن کس کی تھی؟ وہ کون تھا جس نے اس آہوئے وحشی کو نخچیر بنا لیا؟ کہتے ہیں کہ جب شاہ صاحب جنگلوں میں پھرتے پھرتے تنگ آکر شہر کی طرف آئے، تو ایک ہندو لڑکے سے آنکھ لگ گئی، اور عشق کے تیر سے زخمی ہو کر تڑپنے لگے۔ کسی نے کہا تھا ؎

گر دریں سودا در آید زلف ہندوئے بتے
صرف گردد صد ہزاراں نقد ایمانے کسے

شاہ صاحب نے کر دکھایا۔ نماز چھوڑ دی، بتوں کو پوجنے اور مندر میں آنے جانے لگے، پیشانی قشقہ سے کمر زنار سے شائستہ ہو گئی، مندر کی گھنٹی بجاتے اور اسکی آواز پر وجد کرتے۔ اسپر جگہ جگہ چرچے ہوئے، دوست دشمن نے اپنے اپنے خیال ظاہر کئے، بعض لوگوں نے کوشش کی کہ شاہ صاحب اپنے اصلی رنگ پر واپس آجائیں یا کم از کم اس طریقہ کو چھوڑ دیں، لیکن یہ ان کی نادانی تھی، عاشق کو دین و ایمان سے غرض نہیں ہوتی، وہ کفر و اسلام کی قید سے آزاد ہوتا ہے، اس کے عشق کا کمال یہ ہے کہ معشوق کے ہمرنگ ہو جائے ؎

عاشق ہم از اسلام خراب است و ہم از کفر
پروانہ چراغ حرم و دیر نہ داند

علاقہ داروں نے زیادہ پریشان کیا تو بولے دیوانہ ہوں تو دیوانہ کو سمجھانے سے کیا فائدہ؟ وہ تو مرفوع القلم ہے، کسی کی بات نہیں مانیگا، جو اس کے دل میں آئے گا وہی کریگا، زمانہ مجھے دین باز کہتا ہے کہنے دو، تمہیں تو کچھ نہیں کہتا؟ میرا معاملہ نہ تم سے ہے، نہ اُن سے، جس سے ہے اسی سے راست رہنا چاہیئے، وہی مجھے بس کرتا ہے دوسروں سے کام نہیں۔

تم کہو گے شاہ صاحب کی عشق و عاشقی کی مثنوی لکھی ہے، تو اس ہاتھ کی رعنائیوں کا نغمہ بھی چھیڑنا چاہیئے

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا ٹیلیفون نمبر ۱۳۹ ہے۔

جس کا یہ سب ظہور تھا، مگر لیلیٰ کی قسمت کوئی کہاں سے لائے، مجنوں صفت عشاق میں اسقدر پیش پیش تھے، جسقدر لیلیٰ بزم حسیناں میں۔ پھر کیا لیلیٰ سے زیادہ دنیا میں کوئی معشوق ہی نہیں ہوا؟

منزل عشق میں ایک چیز جنون و دیوانگی ہے، اور ایک چیز ضبط و ہوش مندی اور ان میں دونوں پر شہرت و گمنامی کی تعمیر ہوتی ہے، لیلیٰ مشہور ہوئی کہ مجنوں کا وجود ہی نالہ و فغاں تھا، اور وہ ہندوزادہ[1] گم نام رہا کہ کلیم اللہ سوز تمام کا سودائی تھا، آہ تک منہ سے نہ کی، عشق کی آگ میں جل مرا، مگر زبان کو آشنائے فغاں نہ ہونے دیا اور سچ پوچھو تو یہی کمال مرتبۂ عشق ہے۔

مگر بالائے ایں داں حقیقت کا پیغام کچھ اور ہی، وہ کہتا ہے معشوق کا بقائے نام عشق کی ناتمامی ہے، ۔

مجاز میں عشق ناتمام ہوتا ہے، عاشق و معشوق دو علیحدہ وجود رکھتے ہیں، لیکن حقیقت میں عشق درجۂ کمال کو پہونچ جاتا ہے، عاشق و معشوق دونوں ایک ہو جاتے ہیں، وہاں دوئی کا نعرہ ہے جو کچھ ہے ایک ہی ذات ہے۔ اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے غالب

معشوق و عشق و عاشق ہر سہ یکیست ایں جا

مجنوں کا عشق سرتاپا مجاز تھا، اسکی لیلیٰ سر بام آگئی، اور لیلیٰ و مجنوں دو علیحدہ نام رہے۔ لیکن شاہ صاحب کا عشق سراپا حقیقت تھا، وہ اپنی لیلیٰ میں گم ہو گئے، اور لیلیٰ ان میں نہ عاشق عاشق رہا نہ معشوق معشوق، صرف عشق باقی رہ گیا، اور اسی کی آج تک شہرت ہے، گو سلوک کی زندگی نے اس شہرت کو بالکل دبا دیا۔

آخر ابتلا کا زمانہ ختم ہوا، اور شاہ صاحب مجاز سے نکل کر حقیقت میں پہونچ گئے، اس زمانہ میں اکثر بزرگوں کی ارواح طیبہ سے ملاقاتیں ہوئیں، کئی دفعہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے، غوث العالم خواجہ مودود[2]، حضرت محبوب الٰہی، شیخ احمد مجدد سرہندیؒ، اور شیخ نصیر الدین چراغ دہلی سے بھی ملے۔ اب صرف دو ٹھکانے رہ گئے تھے، یا مزارات پر معتکف ہو کر کسب فیضان، یا اہل اللہ کی صحبتیں، جس کو خدا رسیدہ سنتے اسکی خدمت میں حاضر ہوتے اور جو طریقہ وہ بتلاتے اسپر عمل کرتے، میر محترم اللہ، شیخ ابو الفتح، محمد غیاث، سے اسی زمانہ کے تعلقات تھے، غرض اس حال میں پورا ایک سال گزر گیا۔ مختلف کیفیتیں طاری ہوئیں، احوال

---

[1] واقعات کلیمی میں لکھا ہو کہ بعد کو وہ ہندوزادہ مسلمان ہو گیا تھا، اور بیعت ہو کر خلافت سے سرفراز ہوا، اسلامی نام محمد حسین تھا۔

روح گلاب تمام عطروں سے زیادہ قیمتی شہرۂ عالم اور عام پسند ہے کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے قیمت فی تولہ ۵ مین طلب کیجئے۔

منکشف ہوتے رہے، کبھی جذب وشوق بڑھ جاتا، کبھی بالکل سرد پڑ جاتا، مگر ظاہرا جو ایک حالت قائم ہوگئی تھی، اسمیں تبدیلی نہ ہوئی، وہ برابر قائم رہی، اور آپ جذب سے سلوک کی طرف بڑھتے رہے، اسمیں جب ایک مناسب مقام پر پہونچ گئے، تو ایک بزرگ نے مدینہ منورہ جانے کا مشورہ دیا، آپ اسی روز کچھ مختصر سا سامان سفر کرکے روانہ ہوگئے[1]

اس زمانہ میں یہاں حضرت شیخ یحییٰ مدنی مسند آرائے سلوک وطریقت تھے، دنیا جہان کے لوگ انہی کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اپنے مقصد کو پہونچتے تھے، آپ نے بھی ان ہی کو دست بیعت دیا، آزاد نے لکھا ہے:-

"وہ تنہا وارد آں دیار فیض آثار لسیر بردہ وبخدمت شیخ یحییٰ دست بیعت داد"[2] لیکن دونوں کی ملاقات ایک عجیب طریقہ سے ہوئی۔

ایک روز آپ مسجد نبوی میں قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے، فارغ ہوکر اٹھے تو دیکھا کہ ایک بزرگ بغور دیکھ رہے ہیں۔ خیال گزرا کہ یہ صورت تو کبھی دیکھی ہے، اس خیال کے ساتھ ہی دل میں خود بخود کشش پیدا ہوئی، انہوں نے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا تھا، دونوں ایک دوسرے کی طرف بڑھکر نہایت گرمجوشی سے گلے ملے، دیر تک گفتگو ہوتی رہی، شاہ صاحب نے اپنے ایک خواب کا واقعہ بیان کیا، انہوں نے کہا ہاں میں بھی اس سے باخبر ہوں اسکے بعد وہ اپنے ہاں اٹھا لائے، اور دونوں پیر ومرید ایک ساتھ رہنے لگے۔

گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہو کہ شاہ صاحب نے مدتوں سخت سخت مجاہدہ کئے، ہفتوں بے آب و دانہ رہے، اور راتیں جاگ جاگ کر کاٹیں، تاہم راز حقیقت اسی طرح مستور ومحجوب رہا، لیکن یہاں آکر نہ وہ ریاضتیں تھیں، نہ مجاہدے تھے نہ شب زندہ داریاں تھیں تاہم پردے برابر اٹھ رہے تھے، نگار حقیقت روز ایک نئی شان سے نمایاں ہو رہا تھا، اور بلند ترین مقامات پر سرفراز ہو رہے تھے، سچ ہے ؎

یک زمانے صحبتے با اولیا
بہتر از صد سال طاعت بے ریا

جب آپ پوری طرح ترقی کر چکے تو شیخ نے دستار فضیلت باندھی، اور ارشاد وہدایت کی اجازت دیکر رخصت کیا۔ سلسلۂ نظامیہ میں لکھا ہے کہ کچھ زاد راہ بھی مرحمت فرمائی تھی، اور چلتے وقت ہدایت کی تھی کہ دنیا میں رہکر اس کے ترک کے خیال خام میں نہ پڑنا، جب قلب یکسو ہو جاتا ہے، اور خام کاری کی وہ دلی باقی نہیں رہتی تو حکم ترک ساقط ہو جاتا ہے، میں نے تمہارے لیے دین ودنیا دونوں کی شادمانیوں کی دعا کی ہے۔

شیخ صاحب سے رخصت ہوکر روضۂ اقدس پر حاضر ہوئے، کچھ دن مکۂ معظمہ میں ٹھہر کر اعتکاف کیا،

[1] نفحات ص ۱۰۰ [2] نظامیہ ص ۱۲

یادگار اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے لئے تار کا پتہ صرف "حنا"، لکھنؤ کافی ہے

وہاں سے سیدھے دہلی آئے، اور ذکر و فکر، تعلیم و تربیت، زہد و تقوی سے دلوں کی معماری کرنے لگے، آزاد نے لکھا ہے:-

"اسلافش یکسب معماری اشتغال داشتند، حق تعالے او را بہ معماری قلوب اختصاص بخشید"

قاضی کمال الدین نے لکھا ہے:-

"جمعے گم گشتگان راہ و متعطشان غیر آگاہ را چراغ ہدایت نمود، و از تاریکی گم گشتگی و غیر آگہی آوردہ در طلعت جاوید کامرانی فائز گردانید، آثار عالی و اطوار متعالی داشت، بہ تلقین و ارشاد اہل اللہ پیاسی می کوشید"

مآثر الکرام میں مرقوم ہے:-

"با فرزندان نعمت بدیار ہند مراجعت نمود، و در شاہجہاں آباد در بازار خانم منزل گزید، و بدرس کتب حقائق و تربیت ارباب ارادت مشغول گشت"

یہی زمانہ آپ کی تصنیف و تالیف کے دوسرا کا زمانہ ہے۔ سواء السبیل، کشکول تفسیر، تسنیم، رقعات، مرقعہ اور عشرۂ کاملہ اسی عہد کے برگ و بار ہیں، خزانہ شاہی سے آپ کا کچھ منصب بھی مقرر کیا جاتا تھا، اور کبھی کبھی مجلسا میں تشریف لانے کی درخواست بھی کی جاتی تھی لیکن آپ نے ہمیشہ یہی فرمایا، خرقہ، دریدہ، پر قانع ہوں، منصب لیکر کیا کروں، رہا دربار میں آنا، سو اس کے متعلق یہ ہے کہ اولی الامر کی اطاعت متیسر ادرجہ ہے، اطیعو اللہ سے نجات ملے، تو کسی طرف توجہ کروں" ؎

اہل طریقت میں میر محترم اللہ، شیخ ابو الفتح، سید محمد کبروی، اور خواجہ محمد مصطفے سے بہت گہرے تعلقات تھے، یہ چاروں حضرات طریقۂ نقشبندیہ اور قادریہ کے جلیل القدر شیوخ تھے، اور انہوں نے شاہ صاحب کو اپنے اپنے طریقہ میں ارشاد و ہدایت کی اجازت بھی دی تھی۔

مرض الموت کے زمانہ میں اکثر مشائخ رات دن شاہ صاحب کے پاس رہتے تھے۔ خواجہ مصطفے کہیں باہر گئے ہوئے تھے، انکو لکھا: ؎

اگر بسیر چمن میروی قدم بر دار
کہ ہم چو رنگ حنا میرود بہار از دست

وہ جس وقت دہلی پہونچے آخری سانس لبوں پر تھا،

سنہ ۱۰۶۱ھ میں ۶۴ - جمادی الثانی کو پیدا ہوئے تھے، ۱۸ ربیع الاول ۱۱۲۴ھ میں وفات پائی، کسی نے شیخ کبیر تاریخ نکالی، مزار دہلی میں قلعہ معلی اور مسجد جامع کے درمیان ہے۔

ناظر دہلوی

فطرت سے جنگ

(فسانہ)

جب میں نے سنا کہ ہمارے کالج کے پروفیسر ڈاکٹر سفٹن ہندوستان سے کیمبرج واپس آگئے ہیں، تو میں اُن سے ملنے گیا۔ یہ حیاتیات (طبقات الارض) کے پروفیسر بھی تھے اور ہمارے ٹیوٹر بھی یہ اُس جماعت کے ساتھ کوہ ایورسٹ پر گئے تھے جو چوٹی کے بہت ہی قریب پہونچکر پلٹ آئی تھی، راہ میں پروفیسر سفٹن کسی سبب سے اپنی جماعت سے علیحدہ ہوگئے تھے تلاش کے بعد ساری دنیا نے انہیں مردہ تسلیم کر لیا تھا، لیکن یہ حضرت چھ مہینے کے بعد یکایک دارجلنگ میں نمودار ہوئے اور آنے کے ساتھ ہی فرمایا کہ میں نے اس چھ مہینے کے اندر دو بڑے بڑے پہاڑ جو ایورسٹ سے بھی زیادہ بلند ہیں دریافت کئے ہیں اور یہ بھی بیان کیا کہ اُس خطہ کے جانور ابھی تک اُسی شکل وصورت کے ہیں جیسا کہ دو چار لاکھ برس قبل ہوتے تھے، پہاڑوں کے نقشے جانوروں کی تصویریں، انکی ہڈیاں، انڈے، پر اور بال انکی صداقت کے لیے کافی تھے، سارے عالم میں دھوم مچگئی، فوراً کے، سی، آئی، ای کا خطاب ملا، دعوتیں ہوئیں اور یہ ہاتھوں ہاتھ لندن میں بادشاہ سے ملنے کیمبرج واپس آئے۔

چونکہ مجھے یہ بہت چاہتے تھے اسلئے مزاج پرسی کے بعد مجھ سے کہنے لگے "اسلم۔ پہاڑوں اور جانوروں کے بارے میں تو تم نے اخباروں میں پڑھ ہی لیا ہوگا اور میری نئی کتابوں میں بھی پڑھ لوگے۔ لیکن دارجیلنگ سے کوئی پندرہ دن کی راہ پر جب ایک جھونپڑی کے قریب پہونچا جسکے سامنے ایک حسین بچہ کھیل رہا تھا تو میری آہٹ پاکر ایک عورت نکل آئی اور مجھے دیکھکر اُس نے اپنے شوہر کو آواز دی وہ باہر آیا اور مجھے جھونپڑی کے اندر لیجاکر میرا حال پوچھنے لگا، بڑے اخلاق سے ملا، لیکن اسکی وضع اور سوالات سے میں نے جان لیا کہ یہ شخص معمولی پہاڑی نہیں ہے بلکہ کوئی لکھا پڑھا آدمی ہے، میرے اصرار پر اُسنے مجھ سے اپنی حالت بیان کی جسکو سنکر تم یقیناً بہت حیران ہوگے، اُسکی رام کہانی میں نے اُوسی کی زبان میں لکھ لی تھی، اور وہ یہ ہے۔ پروفیسر نے الماری سے کاغذ کا ایک بنڈل نکال کر پڑھنا شروع کیا۔

"مجھے اب یاد نہیں کہ میں اُس قبر سے لپٹا کب تک روتا رہا۔ لیکن اس مدت درازکے بعد بھی مجھے اچھی طرح یقین ہے کہ اگر میں روتے روتے تھک کر چپ نہ ہو گیا ہوتا اور اگر بھیگی مٹی کی خوشبو نے مجھے تھپک تھپک

تمام ماہران فن نے صفر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے عطر حنا کو بہترین عطر مانا ہے

سلامت نہ دیا ہوتا تو میں دیوانہ ہو گیا ہوتا، یا شدت غم سے میرا جگر پھٹ گیا ہوتا۔ آخر اسوقت میرا سن ہی کیا تھا؟ شاید دس برس کی عمر ہوگی ہاجرہ مجھسے کوئی دو برس چھوٹی تھی، میرے والدین کے انتقال کی بعد ہاجرہ کی ماں، جو رشتے میں میری دور کی خالہ ہوتی تھیں ترس کھا کر مجھے اپنے گھر اُٹھا لائی تھیں اور کئی سال تک ہاجرہ اور میں نے ساتھ پرورش اور تعلیم پائی تھی۔

برسات کا موسم تھا اور ٹھیک دوپہر کا وقت ہاجرہ کوٹھے سے نیچے اتر رہی تھی کہ اُسکا پاؤں جھوٹا پڑا، اور وہ گر کر غش کھا گئی، میرے خالو نے ہزاروں حیتن کئے، لاکھوں تدبیریں کیں لیکن ہاجرہ ایک آہ کے ساتھ ہمیشہ کے لیے خموش ہو چکی تھی،

غریب ماں باپ رو پیٹ کر چپ ہو رہے اور چراغ جلتے ہاجرہ کا پھول سا جسم سپرد خاک کر دیا گیا، قبر کے اوپر نرم مٹی کا انبار لگ گیا، پانی چھڑک کر کورے گھڑے توڑ دیئے گئے، کربلا کے مجاور نے سرہانے ایک دیا روشن کر دیا، اور سب لوگ ٹھنڈی سانسیں بھرنے لگے اور اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ لیکن میں اب گھر جاتا تو کیوں؟ اب وہاں کون میرے لئے بسکٹ کے ٹکڑے لیئے بیٹھا تھا، اب کون تھا جو کھلونے نکال کر بیتابی سے میرے آنے کا انتظار کر رہا تھا، خالو سے میں کبھی مانوس ہوا ہی نہ تھا اور خالہ بھی مجھ سے اکثر رنج ہی رکھا کرتی تھیں، ہاں۔ اگر کوئی میرا اپنا تھا تو وہ ہاجرہ تھی، مگر اب ہاجرہ موت کی گہری نیند سو رہی تھی، قبر میں تھی اور چراغ کا تیل کورے دیئے نے پی لیا تھا مقبرہ سنسان پڑا تھا، لاکھوں امیدیں موت کی میٹھی نیند سو رہی تھیں۔ کچھ قبریں تو سلامت تھیں، لیکن اکثر ٹوٹ کر دھنس بھی گئی تھیں، اندھیرا گھپ تھا اور بیر اور ببول کے درخت ہوا میں سر دھن کر مردوں کی حالت زار پر افسوس کر رہے تھے۔ قریب کے پہاڑوں سے درندوں کی بھیانک آوازیں آ رہی تھی، اور میں سہم سہم کر قبر سے چمٹ جاتا تھا۔ کربلا کے سامنے دریا کا پانی بستیوں کو اُجاڑتا، اور کھیتوں کو برباد کرتا ہوا چلا جا رہا تھا، لیکن میں تھی اور وہ ننھی سی قبر۔ میں خدا سے دعائیں کر رہا تھا کہ قبر پھٹ جائے اور میں بھی اسمیں سما جاؤں آنکھوں نے رونے سے جواب دیا اور آخر کار دیر تک سسکیاں بھرنے کے بعد میں سو گیا۔

یکایک میں چونک پڑا، میرے نزدیک جھکا ہوا ایک شخص مجھے جگا رہا تھا، میری آنکھیں کھلتے ہی اُسنے مجھے خاموش رہنے کی تاکید کی اور پھر مجھے ڈرایا کہ اگر میں نے آواز نکالی تو وہ میرا گلا گھونٹ دیگا، ہر ایک کو جان عزیز ہوتی ہے۔ میں سہم کر قبر سے الگ ہو گیا، اجنبی نے میرے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے اور منہ میں رومال کس دیا، لیکن میری آنکھیں کھلی چھوڑ دیں، مجھ سے فرصت پا کر اُسنے قریب کی جھاڑی سے ایک بکس نکالا، ایک چادر بچھائی۔ بکس سے

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے کارخانہ کا عطر خاص قدر پرانا ہوگا۔ اسی قدر اُسکی خوشبو دیرپا اور خوشگوار ہوگی

چند چھوٹے بڑے ڈبے نکالے اور پھر جلد جلد قبر سے مٹی الگ کرنی شروع کی، میں اُسکے ارادے کو سمجھ نہ سکا، ابھی بھی میں قبر کے کھلجانے کی دعائیں کر رہا تھا، لیکن اب میرے دل سے فریاد کی ایک آواز بلند ہونا چاہتی تھی، مگر موہنہ تو بند تھا، زبان ساکت رہی، ہاں، آنکھیں فریاد کرنے لگیں اور آنسو بیتابی سے گر کر میری بیکسی کا اظہار کرنے لگے غضب کی بات تھی کہ ایک اجنبی، ہاجرہ کی قبر کی یوں بے حرمتی کر رہا تھا اور میں مجبور پڑا تھا، مٹی علیحدہ کرکے اجنبی نے تختے جدا کئے اور ایک بکس سے کچھ آلات نکال کر قبر کے اندر اُتر گیا، میں اتنا قریب تھا نہیں کہ دیکھ سکتا کہ اُسنے قبر کے اندر کیا کیا۔ لیکن مجھے قبر کے اندر نہایت تیز روشنی ہوتی دکھائی دی گویا بجلی کا لیمپ روشن تھا، دس منٹ کے بعد اجنبی قبر سے نکلا، جلد جلد چند اور بکس کھولے کچھ مہین تار نکالے اور کئی بکس اور ڈبے ایک دوسرے سے ملا دیئے، اور پھر ایک بکس کے اندر کچھ دبایا، دھیمی گھنگھناہٹ کی آواز شروع ہوئی، اور وہ پھر قبر میں اُتر گیا میرے موہنہ سے ایک چیخ نکلی۔ مگر اسنے میری طرف دیکھا تو روما، اُسکا ہاتھ پاؤں بندھے تھے، تڑپتا بھی تو ممکن نہ تھا، اجنبی قبر سے نکلا مگر شان یہ تھی کہ اُس کے دونوں ہاتھ ہاجرہ کی لاش سنبھالے ہوئے تھے۔ ہاجرہ کا سر اُسکے کاندھے پر تھا، زرد چہرہ قبر کے اندر روشنی میں دیکھ کر تڑپ گیا۔ بھیگے ہوئے بال پریشان ہوکر ایک جانب کو لٹک رہے تھے، اور سارا جسم سفید کفن میں لپٹا تھا، کافور کی بو پھیلی ہوئی تھی، میں اضطراب میں اپنے کو چھڑانے کی کوششیں کرنے لگا، لیکن اجنبی نے مجھے کچھ اسطرح گھور کر دیکھا کہ میرا سارا خون خشک ہوگیا، اور ہاجرہ کے چہرہ پر جو میری نظر پڑی تو مجھے یہ معلوم ہوا کہ وہ آنکھیں جو ابھی ابھی بند تھیں یکایک کھل گئیں اور مجھ پر شفقت کرنے لگیں، کہ چپ رہ، آہ، یہ ہی وہ مست بھری نظر تھی جسنے اکثر مجھے خالہ اور خالو کے ہاتھوں پٹنے سے بچا لیا تھا۔

اجنبی نے لاش کو چادر پر لٹا دیا، سینہ کے قریب سے کفن الگ کیا اور ہاتھ میں ایک آلہ لیکر قلب کے اوپر پھیرنے لگا۔ کچھ دیر یوں ہی مشغول رہنے کے بعد اُس نے ایک نازک سا چاقو نکال کر ہاجرہ کی ایک اُنگلی میں چبھو دیا، چند منٹ کے بعد اُسنے ایک شیشے کی نلی جسمیں کوئی عرق تھا اُنگلی سے ملا دی، اور پھر روشنی میں شیشی کو دیر تک بغور دیکھتا رہا، اسکے بعد اُسنے ایک چھوٹے ڈبے سے ایک نازک پچکاری نکالی اور اسمیں کچھ ڈال کر ہاجرہ کے شانے کی ایک رگ میں چبھو دیا، میں اُس کمسنی میں بھی ایسے آلہ سے اچھی طرح واقف تھا کیونکہ جب میری ماں کو سہیضہ ہوا تھا تو ڈاکٹروں نے اسطرح کی کئی پچکاری استعمال کی تھیں، تقریباً دو گھنٹہ اسی طرح مشغول رہنے کے بعد اجنبی نے لاش کے اوپر ایک سیاہ کپڑا ڈال دیا اور اپنے بکس بند کرکے مقبرہ کے باہر چلا گیا۔ چلتے وقت اُسنے مجھے گھور کر دیکھا اور میں نے ہمارے خوف کے آنکھیں بند کرلیں، دوسری بار آکر وہ لاش اٹھا لے گیا، اور پھر آکر میرے ہاتھ پاؤں کھول کر نہایت

عطر خانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے کارخانہ کا ایجاد کردہ ہے جسکا استعمال ہر موسم میں خوشگوار ہے۔

نرمی سے کہنے لگا۔ خائف نہ ہو میں تیرا دوست ہوں، جو کچھ کہوں چپکے سنے جا" بھلا میں کہتا تو کیا کہتا؟ بت بنا کھڑا رہا، وہ مجھے سڑک پر لے آیا، سامنے ایک بڑا موٹر کھڑا تھا، پیچھے کے حصہ میں پردہ لگا تھا، اجنبی نے مجھے موٹر میں بٹھا لیا، اور موٹر روانہ ہو گیا، ابھی رات باقی تھی، اور ہم لوگ تیزی کے ساتھ شہر سے نکل کر گرینڈ ٹرنک روڈ پر تھے۔

.....

.....

پانچ دن تک ہمارا موٹر برابر چلتا رہا، مجھے بالکل خبر نہ تھی کہ ہاجرہ کی میت ہمارے پیچھے گاڑی کے اندر کس طرح رکھی تھی میں اجنبی کی بغل میں چپکا بیٹھا رہتا تھا، جب کبھی موٹر رکتا تو وہ مجھے ایک تپنچہ دکھا کر اترتا، مگر یہ سب فضول تھا، کیونکہ میرے خوف کا یہ عالم تھا کہ گردن ہلانا تو درکنار نظر پھیرانے کی بھی تاب نہ تھی۔ رستہ میں جب کبھی تیل کی ضرورت ہوتی تو اجنبی اکثر سنسان مقاموں پر موٹر روک کر سڑک کے کنارے ایک جھاڑی کے اندر سے تیل کے پیپے جو شاید قبل سے یہاں رکھے ہوتے نکال لاتا، ہر روز وہ ایک خاص قسم کے روغن سے سارے موٹر کو پوچھ ڈالتا اور ہر روز موٹر کا رنگ جداگانہ ہوتا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ جب موٹر گیا سے روانہ ہوا تھا تو اسکا رنگ سیاہ تھا، پھر بنفشی، پھر نیلا، بیجنی، سبز، زرد، نارنجی اور پھر سرخ ہو گیا۔

اُس وقت تو میں اس رنگ کی تبدیلی کو سمجھ نہ سکا، لیکن میرا خیال ہے کہ موٹر کسی ایسے کیمیاوی رنگ سے رنگا ہوا تھا کہ دوسرے روغن کے استعمال سے مختلف کیمیاوی مرکب بنجاتے تھے جو باری باری قوس و قزح کے مختلف رنگ اختیار کرتے تھے۔

دوسری بات یہ تعجب خیز تھی کہ ہر چھ سات گھنٹے کے بعد اجنبی موٹر کے آگے کا حصہ جسمیں پانی ڈالتے ہیں اور جسے میں جانتا تھا کہ ریڈی ایٹر کہتے ہیں علیحدہ کر لیتا۔ اور جھاڑی سے دوسری قسم کا ریڈی ایٹر لگا دیتا۔ اس تبدیلی اور رنگ کے بدلنے سے موٹر کی صورت ہی دوسری ہو جاتی، ایک اور بات میں نے یہ دیکھی کہ اکثر پہیوں کے اوپر دوسرا ربڑ چڑھا دیتا جنسے پہیوں کے نشان سڑک پر دوسری طرح کے ہو جاتے، اُس کمسنی میں تو میں اس ردوبدل اور الٹ پھیر کے سمجھنے سے مجبور تھا۔ لیکن اب میں سمجھا ہوں کہ یہ ساری تدبیریں اسلیئے تھیں کہ اگر ہمارے تعاقب کرنے والے ہم تک آ بھی جائیں تو ہمیں پہچاننے سے بالکل قاصر رہیں، ہاں۔ رستے میں وہ اکثر اپنے چہرہ پر مصنوعی مونچھ داڑھی لگا لیتا، اور اپنے اور میرے کپڑے بھی بدل ڈالتا۔

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے عطر شمامۃ العنبر کی خوبی اُسکے استعمال ہی سے معلوم ہو سکتی ہے

کھانے کے لیے موٹر میں پھل اور بسکٹ موجود تھے اور پانی ہم لوگ رستہ میں ٹھہر کر لے لیا کرتے تھے۔ اجنبی اکثر پیچھے کے حصہ میں جاکر دیر تک کچھ کرتا رہتا، آلوں کی کھٹ پٹ، روشنی کی چمک اور گھنگنا ہٹ سے مجھے یہ معلوم ہوتا کہ وہ شاید انہیں تجربوں میں مشغول ہو جاتا تھا جو اُسنے مقبرہ میں کیے تھے، میں اکثر موٹر پر بیٹھا بیٹھا سو بھی جاتا لیکن میں نے دیکھا کہ جب کبھی اجنبی کو نیند آتی تو وہ ایک خاص طرح کی گولی کھا لیتا اور تھوڑی دیر میں نیند کے سارے آثار دور ہو جاتے۔

تین دن کے بعد ہمارا موٹر پہاڑ پر چڑھنے لگا اور کئی گھنٹے برابر چڑھتا گیا، اب سردی بھی بڑھنے لگی، آدھی رات کے قریب ہم ایک ترائی پر پہونچے۔ موٹر روک کر اجنبی اُترا اور اُس حصہ کی طرف جدھر رستہ نہ تھا پہاڑ کی چٹان پر لاتیں مارنی شروع کی، چند منٹ کے بعد میری حیرت کی انتہا نہ تھی، جب میں نے دیکھا کہ پتھر کی بھاری چٹانیں اکیطرف کو سرکنے لگیں اور سامنے ایک پتلی سی سڑک دکھائی دی، اجنبی کود کر موٹر پر آگیا، اور بات کی بات میں ہمارا موٹر اُس سنگی شگاف سے گزر گیا اور ساتھ ہی چٹانیں پھر سرک کر اپنے جگہ پر آگئیں، اُس اندھیرے میں میں اسکی تمیز نہ کر سکا کہ اب ہم ایک سرنگ کے اندر جا رہے تھے یا کسی عمیق اور تنگ وادی کے اندر اندھیرا گھپ تھا اور موٹر کی تیز روشنی میں بھی چند گز سے آگے دیکھنا محال تھا، کوئی ایک گھنٹہ تک ہم لوگ اُس رستہ پر چلے ہونگے سردی سخت تھی، اور میری ہڈیاں اینٹھی جا رہی تھی، ہوا تیز چل رہی تھی، اور جنگلی جانوروں کی بھیانک آواز مجھے ڈرا ڈرا کر قریب الموت کر رہی تھی۔

صبح ہونے سے کچھ پہلے ہم اُس رستہ سے باہر نکلے اور میں نے دیکھا کہ اب سامنے کوئی رستہ نہ تھا ہمارے اردگرد اور سامنے اونچے پہاڑ تھے، جنپر معمولی موٹر کا چڑھنا دشوار امر تھا۔ اجنبی اُتر کر ایک بڑے کھوکھلے درخت کے تنے سے چند پہیے اور زنجیریں نکالا، لایا اور موٹر کے پہیے نکال کر جو چھوٹے تھے لگا دیئے۔ اب جو اسنے موٹر چلایا تو موٹر آہستہ آہستہ بدقت پہاڑ پر چڑھنے لگا۔ آدھے گھنٹے کے بعد سامنے بڑے بڑے نہایت تناور درخت نظر آنے لگے اور وہ اسی قدر گھنے تھے کہ موٹر کا اُنمیں سے گزرنا شاید ممکن نہ تھا، میں نے ایسے بڑے اور تناور درخت کبھی نہیں دیکھے تھے اجنبی نے اُتر کر ایک درخت کے تنے پر لات ماری جس سے وہاں ایک بڑا دروازہ نمودار ہو گیا اور اُس سے ہم بآسانی گزر گئے، اسی طرح ہم اپنے داہنے بائیں کے درختوں سے گزرتے گئے۔ ہمارے ماسٹر نے جغرافیہ پڑھاتے وقت ایک دن کہا تھا کہ کالیفورنیا (یہ جگہ شمالی و مغربی امریکہ میں واقع ہے) ایسے بڑے درخت ہوتے ہیں، کہ انکے تنوں کے اندر سے لدا ہوا چھکڑا گزر جاتا ہے۔ شاید یہ درخت بھی اُسی طرح کے تھے، ایک گھنٹہ کے بعد اجنبی نے

علاوہ عطر حنا کے جملہ قسم کے صندلی عطریات اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے کارخانہ کا استعمال کیجئے۔

موٹر روک لیا، اور مجھے ساتھ لیکر جھاڑیوں کے اندر سے ہوتا ہوا ایک ایسی جگہ پہونچا، جہاں جنگل بہت گنجان تھا، جنگل کے اندر زمین دوز چھوٹا سا ایک مکان تھا اجنبی نے دروازہ کا ایک بٹن دبایا اور دروازہ کھل گیا۔ مجھے ایک چھوٹے کمرے میں بٹھا کر اجنبی باہر چلا گیا۔ کچھ دیر تو میں نے اسکا انتظار کیا، لیکن پانچ دن کے بعد آج جو موٹر سے الگ بیٹھنے کا اتفاق ہوا تو میری آنکھیں بند ہونے لگیں، میں نے کوشش کی کہ نہ سوؤں، لیکن بہت تھکا تھا اور چند منٹ میں سو گیا

. . . . . .

. . . . . .

غالباً میں بیس گھنٹہ سوتا رہا، کیونکہ جب میری آنکھ لگی تھی تو دن کے کوئی دس بجے تھے اور اب جو میں بیدار ہوا تو صبح ہو رہی تھی، چاروں طرف جنگل کے پرند کچھ ایسی خوش الحانی سے گا رہے تھے کہ اسوقت میرے کانوں کو بھی بہت بھلا معلوم ہوا، میں ابھی اسی اُدھیڑ بن میں تھا کہ آخر کیا کروں، کمرہ سے نکلوں بھی کہ نہیں کہ دروازہ کھول کر اجنبی اندر آیا اور مجھے ایک سلیٹ دیکر چلا گیا، سلیٹ پر میری ہدایت کے لیے چند باتیں لکھی تھیں، "اس گھر میں ہمیشہ خاموش رہو۔ گھر سے باہر نہ جاؤ، وقت پر کھانا ملا کریگا، کھا کر فوراً سو جایا کرو، اور اگر ذرا بھی نافرمانی کی تو آفت آجائیگی"

میرے کمرے سے متصل ایک حمام کا کمرہ تھا جہاں میں نے ہاتھ منھ دھویا، ایک گونگے حبشی نے سامنے چند روٹیاں اور پرند کے سالن کئی قسم کے رکھدیئے، چھ دن سے بسکٹ پر بسر ہو رہی تھی میں نے سیر ہو کر کھالیا۔

اسکے بعد اجنبی نے آکر مجھے ساتھ آنے کا اشارہ کیا، میں ساتھ ہولیا، ہم لوگ ایک تنگ راستے سے ہوتے ہوئے جسمیں بڑی چادر بچھی تھی ایک بڑے گول کمرے میں پہونچے جہاں جاکر میں حیران و متحیر ہو گیا۔ کمرہ بہت کشادہ اور چھت بہت بلند تھی لیکن چھت قبہ کی مانند شیشے کی بنی ہوئی تھی جسکے نیچے ایک ریشمی چادر مہین تاروں سے کھچی ہوئی تھی کمرے کی دیوار بھی سنگ مرمر کی تھی اور فرش شیشہ کا تھا، چاروں طرف مختلف قسم کے آلے، دستے، بٹن، برقی تار اور متعلقہ نصب تھے، لیکن سب سے زیادہ حیرت انگیز چیز کمرے کے بیچ میں رکھی تھی، ہاتھی دانت کا ایک چھوٹا سا پلنگ تھا، جسپر ریشمی توشک بچھی تھی، اور یہ پلنگ ایک ایسے تختے پر رکھا تھا جسپر ریل کے اسٹیشنوں پر بڑی ترازو کا تختہ ہوتا ہے پلنگ کے چاروں طرف برقی آلے اور تار لگے تھے اور بیچ میں میری ہاجرہ کی لاش

تمام ماہران فن نے اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنو کے عطر حنا کو بہترین عطر مانا ہے۔

رکھی تھی، میں بیقرار ہوگیا، دل نے کہا کہ دوڑکر لپٹ جاؤں، لیکن اجنبی ساتھ تھا اور اُسکے تپنچہ کی چمک کی یاد اب بھی میرا خوں خشک کردینے کے لیے کافی تھی، ہاں کلیجہ اینٹھتا رہا اور آنسو مچل مچل کر میرے رخساروں پر گرکر میری مجبوری کی شہادت دینے لگے - آہ یہ وہی ہاجرہ تھی جسکے ساتھ میں مدتوں کھیلا تھا۔ یہی وہ تھی جو میرے آنکھوں کے سامنے کوٹھے سے گرکر دم توڑ چکی تھی، اسی کو میں نے سپرد خاک ہوتے دیکھا تھا اور اسیکو اجنبی نے قبر سے کفن میں لپٹا ہوا نکالا تھا۔ لیکن اسوقت وہ میرے سامنے اس شان سے بیٹھی تھی کہ سر تو تکیئے پر تھا اور سر کے بال گوندھ کر ایک طرف کو چھوڑ دیئے گئے تھے - سارا جسم ایک دوشالے سے ڈھکا ہوا تھا آنکھوں پر سونا چلانے والوں جیسا نیلا چشمہ لگا تھا، نبض کے قریب کلائی پر نہر چاندی جیسی کسی دھات کی پٹری چڑھی تھی۔ جسمیں کئی تار لگے تھے اور یہ تار و پود کسی چند آلوں سے ملحق تھے جسکی صورت گھڑی کی تھی لیکن اسکے اندر کاغذ کی ایک پتلی دھجی ایک طرف کھلکر دوسری جانب لپٹتی جارہی تھی، بغل میں چاندی سونے یا اسی طرح کے دو مختلف تار لگے تھے جو اینٹھے ہوئے تھے اور آگے چلکر دیوار کے آلوں سے ملے ہوئے تھے بازو پر جوشن جیسی کوئی چیز چڑھی تھی اور تار کے ذریعہ سے یہ بھی دیوار کے ایک آلے سے ملی ہوئی تھی - سینے سے متصل مگر جسم سے کچھ الگ لوہے یا سیسے کی ایک موٹی تختی رکھی تھی اور پلنگ کے قریب شیشے کے ایک موٹے ستون سے ملا ہوا ایک بڑا قمقمہ لٹک رہا تھا، جس کے اندر نہایت دھیمی برقی روشنی ہورہی تھی اس قمقمہ کے سامنے کئی عدسے (لنس) لگے ہوئے تھے اور قمقمہ کی روشنی انسے گزرکر سینہ کی تختی پر پڑرہی تھی۔ اسوقت تو میں ان کو کچھ بھی نہ سمجھ سکا لیکن مجھے بعد کو معلوم ہوا کہ کلائی اور بغل کے آلوں کے ذریعہ سے ہاجرہ کے جسم کی حرارت خود بخود دیوار کے آلوں میں لحظہ بلحظہ درج ہوتی جاتی تھی اور وہ اس طرح کہ سائنس کی یہ ایک دریافت ہے کہ اگر دو مختلف دھاتوں کو جوڑکر گرم کیا جائے تو اُنمیں برقی قوت پیدا ہوجاتی ہے، جسکی مقدار حرارت پر مبنی ہوتی ہے، اسی برقی قوت کے ذریعہ سے آلوں میں نشان بنتے جاتے ہیں جسسے حرارت کی مقدار کا پتہ چلتا ہے بازو کے آلوں سے قلب کے سیلان خون کی رفتار کا صحیح اندازہ ہوتا تھا، سیسہ پر اکس رے کے ذریعہ سے اثر ڈالا جاتا تھا، لیکن چونکہ یہ غیر مرئی برقی قوت بہت تیز ہوتی ہے اسلیئے سیسے کی تختی بیچ میں رکھی تھی کیونکہ بغیر اس کے جلد پر ہلکے آبلے پڑجاتے ہیں، ایک اور آلہ تھا جس سے پلنگ اور اُس پر سوار ہونے والے کا وزن ازخود درج ہوجاتا تھا +

علی اکبر کاظمی (بی اے) کیمبرج

(باقی)

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی سچائی معاملات کی صفائی اور مال کی عمدگی ہندوستان بھر میں مشہور ہے

لارڈ رپن کا عہد حکومت

(مسلسل)

"۱۲ نومبر۔ ۱۵ گھنٹے کے دل چسپ سفر کے بعد بالآخر ہندوستان کا ساحل نظر آیا۔ ہمارے ساتھ ۴۳۵ مزدور بھی تھے جو سیلون میں محنت مزدوری کرنے کے بعد اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے۔ کپتان کہتا ہے کہ آنے جانے والے مزدوروں کی سالانہ تعداد ۱۵۰۰۰ ہزار ہے۔ بندرگاہ پر ۲۵، ۳۰ مسلمان ہمارے استقبال کو موجود تھے۔ ایک مورسی قاسم بیگ نے ہمیں ناشتہ کی دعوت دی مسلمان باشندے بہت غریب معلوم ہوتے ہیں جب میں نے ان سے ان کی حالت دریافت کی تو کہنے لگے کہ ہمارے لئے کوئی تعلیمی درس گاہ نہیں ہے۔ انہوں نے اس امر کی بھی شکایت کی ہندو اُن کی مساجد کے سامنے سے ڈھول بجاتے ہوئے گزر جاتے ہیں اور چونکہ مجسٹریٹ ہندو ہے اس لئے اس رسم کو نہیں روکا جاسکتا۔ ہم صرف ٹیوٹیکورن میں دو گھنٹے تک ٹھہرے، اس کے بعد اپنے مسلمان احباب کی معیت میں آگے روانہ ہو گئے۔

"کمارا پورن میں ہمیں چند پہاڑیاں دکھائی دیں جو غالباً سرخ پتھر کی تھیں۔ اس کے قریب تمام کھیت ہرے دکھائی دے رہے تھے۔ ساڑھے سات بجے کے قریب ہماری ٹرین روکدی گئی اس لئے کہ پٹری طوفان کی وجہ سے بہ گئی تھی۔ ہمارے ارد گرد ہزارہا مینڈک ٹرا رہے تھے۔ ۹ بجے کے قریب مدورا پہنچے جہاں دو مسلمان ہمارے منتظر تھے لیکن میں اتنا تھکا ہوا تھا کہ سوائے لیٹ جانے کے اور کچھ نہ کرسکا۔

"۱۳ نومبر۔ مدورا خوبصورت اور خوشنما جگہ ہے۔ یہاں تاڑ کے بہت سے درخت ہیں جن میں بیشمار طوطے اپنا نشیمن رکھتے ہیں۔ ۹ بجے مسلمان زیادہ آئے۔ اب کی مرتبہ ان کے ساتھ ایک سید عالم بھی تھے جو اچھی خاصی عربی بولتے تھے مگر لہجہ وہی پرانا تھا۔ مسلمانوں کے مصائب کے بارے میں دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ جنوبی ہندوستان کے مسلمان قلیل التعداد ہیں اور مغل بادشاہوں کی اولاد ہیں۔ یہاں کی عام آبادی نے اسلام قبول نہیں کیا۔ شاہی زمانہ میں مسلمان دربار میں یا فوج میں ملازمت کر لیتے تھے لیکن وہ جگہیں اب ہندوؤں کو منتقل ہوگئی ہیں۔ چونکہ وہ اپنی انگریزی دانی کے سبب ان سے زیادہ اس کی اہلیت رکھتے ہیں۔ لہذا وہ اپنے لئے مدارس چاہتے ہیں تاکہ انہیں بھی ملازمت مل سکے۔ سیلون کے موروں کے برعکس وہ تجارت پیشہ نہیں ہیں اور ضلع کے پاس اسکے ذرائع ہی موجود ہیں۔ صرف چند مسلمان دکاندار ہیں اور باقی مزدوری کرکے

جب آپ ایسے عطریات کا استعمال شروع کریں تو کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے طلب کریں۔

اپنا پیٹ پالتے ہیں۔ بہت سے اس قحط کی نذر ہو گئے جو سات سال قبل پڑا تھا وہ تعداد و ثروت میں دن بدن گھٹتے جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کافر ہر جگہ بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ مجھے شک ہے کہ آیا مدارس انہیں موجودہ حالت سے رہائی دے سکتے ہیں انہوں نے کئی دفعہ ہم سے پوچھا کہ کیا آپ ملکہ معظمہ کے رشتہ دار ہیں۔ اور مجھے اپنے نظام حکومت کی تشریح کرنے میں ذرا دقت محسوس ہوئی۔ انہوں نے بہت دلچسپی سے پوچھا کہ کیا یہ ٹھیک ہے کہ شہنشاہ روس نے افغانستان میں اپنی افواج روانہ کر دی ہیں اور جب میں نے یہ کہا کہ افواج کے متعلق مجھے کچھ علم نہیں ہے لیکن اخبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ روسی ایلچی کابل پہنچ گیا ہے تو اُن کے چہرے بشاشت سے چمک اُٹھے"۔

مدورا ہندوستان کا قدیم شہر ہے اور یہ جگہ وہ ہے جہاں برہمنوں کے مذہب پر غیر ملکی فتح (خواہ وہ ملکوں کی ہو یا فرانسیسیوں کی یا انگریزوں کی) کا بہت کم اثر پڑتا ہے۔ شہر میں غیر ملکی اثرات کی کوئی علامت نہیں پائی جاتی ہیں کوئی یورپین دکھائی نہیں دیا اور نہ عربوں کے طرز کی کوئی عمارت ہی دیکھنے میں آئی حسب ذیل بیان میری ڈائری میں موجود ہے:۔

"سہ پہر کو ہم محل اور مندر دیکھنے گئے۔ محل ایک نفیس عمارت ہے اور مدراس کی گورنمنٹ نے زر کثیر صرف کر کے اس کے بعض حصوں کی مرمت بھی کر دی ہے۔ نیلے پہاڑوں کا جو نظارہ دیکھنے میں آتا ہے وہ نہایت دل فریب ہے۔ مگر مندر چیزے دیگر ہے۔ وہ نہ صرف لاثانی ہے بلکہ مشرق کی اُن عمارتوں سے جو میں نے اب تک دیکھی ہیں اُس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ چاروں کونوں میں بڑے بڑے دیو ہیکل بت رکھے ہوئے ہیں جس دروازے سے داخل ہوئے اس سے اندر کی چیزوں کا بالکل قیاس نہیں ہو سکتا اور چونکہ دروازہ بہت ہی معمولی ہے اس لئے اندر کے عجائبات دیکھکر ہمارے شوق میں اور زیادہ تیزی ہو گئی وہاں سے ایک رستہ جاتا ہے جسکی چھت پتھروں کے مورتوں کے سہارے قائم ہے۔ یہ رستہ تقریباً ۳۰ گز لمبا ہے اور اس کے دروازے پر بہت سی دکانیں ہیں جہاں پوجا پاٹ کی چیزیں فروخت ہوتی ہیں۔ ان دکانوں پر ہر وقت بھیڑ لگی رہتی ہے۔

"ہم مجمع میں سے خاموشی سے گذر گئے۔ نہ ہمسے کسی نے کچھ پوچھا اور نہ ہمنے کسی سے کوئی سوال کیا جو چیزیں ہمنے دیکھیں ان کی تشریح کرنے والا کوئی شخص موجود نہ تھا لیکن میں آگے چلتا رہا گویا خواب دیکھ رہا ہوں تھوڑی دیر میں ہم ہاتھیوں تک پہونچ گئے جو مختلف رنگوں سے منقش تھے اور جن کے دانتوں پر سونے کی چوڑیاں چڑھی ہوئی تھیں آگے چل کر بازار ذرا تنگ ہو جاتا ہے اور وہاں پیتل کے دو بڑے دروازوں میں سے گذرنا پڑتا ہے جن پر بیشمار بت بنے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد ایک مربع تالاب آتا ہے جسکے چاروں طرف دالان بنے ہوئے ہیں۔ یہاں ننگے

کیا صفر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے آپ اقتباس ہیں حمکا کارخانہ ۱۳۰۹ھ سے روز افزوں ترقی کے ساتھ جاری ہے۔

آدمی سنبر پانی میں نہا رہے تھے۔ یہاں سے گھنٹوں کی آواز ہمیں دوسری جانب لے گئی۔ تاریک اور مختلف برآمدوں میں سے ہوتے ہوئے ہم مقدس ترین جگہ یعنی مندر تک جا پہنچے۔ لوگ وہاں حلقہ بنائے ہوئے بیٹھے تھے لوبان وغیرہ کی خوشبو ہم تک آرہی تھی۔ چلتے چلتے ہم ایک کھلی جگہ میں پہنچے اور بیشمار بتوں میں سے گذرتے ہوئے جنپر عقیدتمند پھول چڑھا رہے تھے ہم واپس ہوئے۔ میں نظارہ کو اور زیادہ بیان نہیں کرسکتا یہ مندر ہے اور زندہ عبادت کا مرکز جیسا کہ ۳۰۰۰ ہزار سال پیشتر تھا۔ یہ محض جائے عبادت نہیں ہے بلکہ مندر ہے جہاں لکڑی، پتھر، پیتل اور سونے کے قدیم دیوتاؤں کے روپرداب بھی نیازیں اور پھول چڑھائے جاتے ہیں اس تمام منظر نے مجھے بے انتہا تھکا دیا لیکن میں محظوظ بھی بیحد ہوا۔"

اسی رات ہم بذریعہ ریل ترچناپلی پہنچے۔

"۱۴ نومبر۔ ناشتہ کے بعد ہم ایک اور مشہور مندر کو دیکھنے گئے۔ اس کے لئے ہمیں شہر میں سے جانا پڑا جہاں ایک برات ملی۔ دلہن ٹٹو پر سوار تھی اور زیوروں سے لدی ہوئی تھی۔ کچھ دور جاکر ایک اور دولہا دلہن ہمیں ملے۔ ترچناپلی کا مندر شہر سے بہت فاصلہ پر ہے اور مدورا جیسا دلچسپ ہے۔ ہم اسے زیادہ اچھی طرح سے نہیں دیکھ سکے کیونکہ ہمارے رہنما (گائڈ) ہمیں وہ باتیں بتانا چاہتے تھے جنھیں ہم سننا پسند نہیں کرتے تھے انہوں نے ہمیں ہاتھیوں سے سلام کرایا جو بہت ہی عجیب و غریب معلوم ہوا۔

"یہاں کے عام کسان وحشی سے معلوم ہوتے ہیں۔ کمر تک ننگے رہتے ہیں۔ سر بھی کھلا رکھتے ہیں اور لمبی لمبی چوٹیاں رکھتے ہیں۔ نوجوان برہمن نہایت وجیہ ہیں۔ وہ سفید کپڑے پہنتے ہیں اور کسانوں کی موجودگی میں اچھا تقابل پیش کرتے ہیں۔

"تانجور میں ہمیں ایک اور مندر دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ یہاں پتھر کی چھت کے نیچے ایک دیو ہیکل بیل ہے جو شے ہماری لئے دلچسپی کا باعث ہوئی وہ چھوٹے سے مندر میں سیواجی اور اسکی اولاد کی تصاویر تھیں۔ اسکے گرد اگرد گہری کھائی ہے۔ اسکے قریب کے محل میں سیواجی کی اولاد اب تک رہتی ہے جسے سلطنت سے محروم کرکے پنشن دیدی گئی ہے۔ محل کے کمرے شاندار ہیں۔ کتب خانہ میں گذشتہ صدی کی تصویر کشی کے بعض دلچسپ نمونے ہیں اجنبی مظالم کی ایک مصور کتاب بھی دیکھی۔ شاید آخری راجہ اپنے اختیارات چھن جانے کے بعد اسکے مطالعہ سے اپنے تئیں تسلی دے لیتا ہوگا۔"

ہندوستان کے اُن رؤساء کو دیکھکر جنہیں تاج و تخت سے محروم کردیا گیا ہے میری نظروں کے سامنے

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے کارخانہ کا انتظام ابتک اُسی مینجر کی زیر نگرانی ہے جو چالیس سال سے کام کر رہا ہے

ہمیشہ گرفتار شدہ جنگلی جانوروں کا نقشہ آجاتا ہے جو پنجروں میں بند ہونے کے باعث قریب الموت ہیں۔

"۷ نومبر۔ مدراس۔ بڑی تکلیف دہ جگہ ہے۔ ہم نے جاتے ہی گورنمنٹ ہاؤس میں اپنا نام لکھا۔ جب وہاں پہنچے تو دروازہ پر صرف سنتری کو پایا۔ اس کے علاوہ اور کوئی ذی روح چیز وہاں موجود نہ تھی۔ مسٹر اور مسز گرانٹ ڈف گینڈی میں مقیم ہیں جو یہاں سے ۱۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

"ہم مدراس میں صرف ایک ہفتہ ٹھہرے جب لوگوں کو ہماری آمد کی اطلاع ہوئی تو بہت سے ہندوستانی مجھ سے ملنے کیلئے آئے جن میں ہندو مسلمان دونوں شامل تھے۔

"سب سے پہلے مجھ سے مقامی اخبار "ہندو" کے ایڈیٹر ملنے کے لئے آئے۔ ان کا نام "سبرا منیا آئر" ہے اور ان کے ساتھ ویرا راگھوا چاریا تھے وہ نہایت سمجھدار اور ذکی تھے اور لندن کے اپنے ہم پیشہ اصحاب سے کسی طرح پیچھے نہ تھے ان کے اوضاع واطوار بھی اچھے تھے اور طرز گفتگو سے ان کی قابلیت پر روشنی پڑتی تھی۔ ہماری گفتگو زیادہ تر زمین کے لگان، نمک کے محصول، شہری عدالتوں کی خرابیوں، روئی کی صنعت وحرفت اور ہر اصلاح کے خلاف سروس کی متعفنہ کوشش کے متعلق ہوتی رہی۔ میں نے پوچھا کہ عام لوگ لارڈ رپن کے متعلق کیا خیالات رکھتے ہیں انہوں نے کہا کہ "وہ پہلے وائسرائے ہیں جنکے نام سے اس صوبہ کے عام لوگ بھی واقف ہیں۔ اب تک لوگ کلکٹر کا نام جانتے تھے لیکن اب وہ لارڈ رپن کے نام سے بھی آشنا ہیں۔ جاہل آدمی انہیں البرٹ بل کے زمانہ سے خدائے تعالیٰ کا نیا اوتار سمجھنے لگ گئے ہیں"۔ اور مسٹر گرانٹ ڈف کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا کہ وہ بالکل ناکام ثابت ہوئے ہیں وہ بہت سی توقعات لیکر آئے تھے لیکن وہ کمزور و بیمار ہیں۔ اور اپنا کام خود انجام دینے کے قابل نہیں اور سب کچھ مستقل افسروں کے ہاتھوں میں چھوڑ دینے کے عادی ہیں۔ ڈیوک آف بکنگھم نے جن سے ہمیں مقابلتہً کم توقع تھی، بہت کچھ کیا اور بہتر کام انجام دیا۔

ہندوستانی باشندوں میں گرانٹ ڈف کے متعلق بالعموم یہی رائے پائی گئی۔ چونکہ ان کی ساری عمر دارالعلوم کی محدود آب وہوا میں بسر ہوئی اسلئے وہ ہندوستان کی مختلف سوسائٹی کے حالات کے مطابق کام کرنے سے قاصر رہے۔ لوگ مجھ سے بار بار پوچھتے تھے کہ ہمیں کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہئے اور یہ کہ آیا سیلف گورنمنٹ یا حقیقی اصلاحات حاصل کرنے کی کوئی امید بھی ہے یا نہیں۔ میں نے انہیں انگلستان کی مختلف پارٹیوں کی من وعن حالت بتائی اور کہا کہ ریڈیکل پارٹی[۵] (آزاد خیال) جس سے لارڈ رپن کا تعلق ہے اس امر سے خوش ہے کہ ہندوستان پر ہندوستانیوں کی خاطر

---

۵ Radical Party

اکبر محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا تیار کردہ بانو ہیر آئل استعمال کیجئے۔ قیمت فی شیشی دو روپیہ (ع)

حکومت کی جائے، لیکن ٹوری پارٹی (قدامت پسند) صرف ہندوستان پر انگریزی سفید دکی خاطر اور تلوار کے زور سے حکومت کرنا چاہتی ہے۔ ان دونوں کے درمیان اک اور پارٹی وگ ہے جو ترقی کی خواہاں ہے لیکن ساتھ ہی وہ موجودہ طریقہ حکومت میں کسی قسم کی دست اندازی بھی نہیں کرنا چاہتی ہیں نے انہیں یہ مشورہ دیا کہ جب تک لارڈ ریپن برسر حکومت ہیں آپ لوگوں کو اپنی شکایات پیش کرتے رہنا چاہئے اس لئے کہ انکی ادرسی کا کچھ نہ کچھ موقع ضرور موجود ہے لیکن اب ان تمام اصلاحات کا نفاذ روکدیگی جنکی ابتدا لارڈ ریپن کے ہاتھوں ہو چکی ہے۔ میں نے کونسلوں میں اپنے نمایندے بھیجنے کے لئے الیکٹیشن جاری رکھنے کے لئے صلاح دی اور کہا کہ بیس پچیس سال کے عرصہ میں کامیابی کی صورت نظر آسکیگی۔ ان کا عام جواب یہ تھا کہ اگر سو سال میں بھی ہمیں یہ حق مل رہے گا تو ہم مطمئن ہو جائیں گے۔

ان ابتدائی ملاقاتیوں اور دراداراوں میں ان لوگوں سے میرا تعارف کرانے کے لئے اپنی آمادگی ظاہر کی جو مجھسے کھلم کھلا ملتے ہوئے ڈرتے تھے۔ جن اشخاص کے پاس وہ مجھے لیگئے ان میں سب سے زیادہ دلچسپ مرہٹہ برہمن رگھوناتھ راؤ تھے جو کسی بزدلی کے سبب سے نہیں بلکہ بڑھاپے کے باعث مجھسے ملنے سے قاصر ہیں۔ یہ کچھ زمانہ تک ریاست ہلکر کے وزیر رہ چکے ہیں۔ نہایت قابل، پر مذاق اور فہیم وذکی ہیں۔ ان کی گفتگو میں سقراط کا رنگ پایا جاتا ہے جس سے وہ شکل وشباہت میں بہت کچھ ملتے جلتے تھے۔ جب میں ان سے ملا تو وہ قمیص پہنے ہوئے تھے پاؤں میں جمتہ تھا پہلے ہی فقرے سے ان کی انتہائی قابلیت اور وسیع ذہنی فوقیت کا مجھ پر اثر پڑا، ہندوستانی سیاسیات پر ان کی تقریر نہایت سبق آموز تھی۔ سقراط کی طرح وہ اپنی ہر ایک بات کی تشریح کہانی کے ذریعہ سے کرتے تھے جو بسا اوقات دلچسپ و دلخوش کن ہوتی تھی۔ انہوں نے انگریزی حکام کے الگ تھلگ رہنے کے متعلق بہت کچھ کہا جو ہندوستانیوں کی زندگی سے بالکل ناواقف رہتے ہیں۔ پہلے یہ حالت نہ تھی ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانہ میں جب کہ انگلستان کے ساتھ نامہ وپیام بہت کم ہو سکتا تھا اور دقت طلب بھی تھا، انگریزی افسر حتےٰ کہ گورنر اور گورنر جنرل بڑے بڑے ہندوستانیوں سے مراسم رکھنے پر مجبور تھے۔ انہیں ان کی زبان مجبوراً سیکھنی پڑتی تھی اور وہ ان سے تقریباً مساویانہ انداز سے ملتے تھے۔ آجکل وہ اپنی ہی ہم قوموں میں رہتے سہتے ہیں اور کسی طبقہ کے ہندوستانیوں سے میل جول نہیں رکھتے بلکہ اُن سے مذاق آمیز نفرت کا سلوک روا رکھتے ہیں اس طریقہ سے انہیں لوگوں کے خیالات وجذبات اور ان کی آراء سے واقفیت حاصل کرنے کا کوئی وسیع موقع نہیں ملتا اور نہ وہ اسکی پرواہی کرتے ہیں اور اس طرح سے حکام اور رعایا کی درمیانی اختلافات کی خلیج سال بسال

لہ Mahan

صرف ہندوستانی عطریات بنانے کا سب سے بڑا کارخانہ جو پچاسی برس سے جاری ہے اصغر علی محمد علی لکھنؤ کا ہے

وسیع تر ہوتی جاتی ہے۔

انہوں نے نہایت پُرمذاق طریقہ سے وائسرائے کی پوزیشن کو بیان کیا جو کلکتہ یا شملہ میں ہندوستانی مسئلہ کو سمجھنے اور کچھ اچھا کام کرنے کی غرض سے اس ملک میں آتا ہے اور آجانے پر اپنے تئیں مستقل انگریزی دفتری جماعت سے گھرا ہوا پاتا ہے جو اس کے کوٹ کے دامن پکڑ کر کھینچتی ہے بالخصوص جب کبھی وہ کسی خطرناک مسئلہ کو ہاتھ لگانا چاہتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ اسکی میعادِ حکومت ۵ سال کی ہوتی ہے۔ پہلے دو سال تو آب و ہوا سے خوگر ہونے، جدید زندگی سے واقفیت پیدا کرنے، ہندوستانی رؤسا سے گفتگو کرنے کا ڈھنگ سیکھنے یعنی یہ کہ وہ کس قسم کی ہونی چاہئے، گذشتہ واقعات کی تاریخ کا مطالعہ اور اہم مسائل کے بارے میں سرکاری نقطۂ خیال معلوم کرنے میں صرف ہو جاتے ہیں۔ دوسرے دو سال بشرطیکہ وہ دیانتدار اور کام کا شخص ہو وہ اپنی پالیسی کی تشریح کرنے میں صرف کر دیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ تمام افسر جو اُسے سلام کرتے اور بظاہر اس سے اتفاق رائے رکھتے ہیں تفصیل میں پڑ کر اسے ہر جگہ شکست دیتے ہیں اور ایسی مشکلات پیدا کر دیتے ہیں جن سے اُس کے مقاصد کو لازمی طور پر شکست ہو جاتی ہے یا وہ التوا میں پڑ جاتے ہیں حتےٰ کہ اسکی حکومت کا زمانہ ختم ہونے کے قریب آجاتا ہے بالعموم وہ اپنے ہی افسروں کی ہم نوائی کرتا ہے، اپنی گرانقدر تنخواہ میں سے جو کچھ بچا سکتا ہے، بچانے کی کوشش کرتا ہے، شیروں کا شکار کھیلتا ہے، دورہ کرنے، دربار منعقد کرنے اور ہندوستانی رؤسا سے ملاقاتیں کرنے سے تفریح اور اپنی نصف میعاد ہمالیہ پہاڑ کے دامن میں ہندوستانی باشندوں سے دور اور اینگلو انڈین عورتوں کو ناچوں میں بلانے اور ضیافتیں دینے میں گزار دیتا ہے۔ اپنی میعاد حکومت کے آخری سال میں اسکی نسبت یہ خیال کر لیا جاتا ہے کہ وہ مردہ ہے اور ہر قسم کی اہمیت سے معرا ہے اور پھر وہ سامان باندھنے کے بعد اپنے "گھر" روانہ ہو جاتا ہے اور دل میں اس خیال سے مطمئن رہتا ہے کہ میں نے اپنے پیش روؤں کے مقابلہ میں کوئی خراب کام نہیں کیا۔

کاش میں اس عجیب و غریب گفتگو کو تمام و کمال درج کر سکتا! — میں نے ان کے دوستوں سے سنا ہے کہ اپنی صاف گوئی کے باعث وہ ہمیشہ حکام کی نظروں میں کھٹکتے رہتے ہیں سر چارلس ٹریولین[1] جن کے عہد حکومت کے متعلق ہندوستانی اچھی رائے رکھتے ہیں ان پر بے انتہا اعتماد رکھتے ہیں اور انہیں نہایت معتدل عہدہ دے رکھا تھا مگر ان کے جانشینوں نے اُن کو دبانے کی ہر طرح سے کوشش کی اور چونکہ ان کی سوشیل حیثیت بہت اعلیٰ ہے اور نج کے ذرائع آمدنی کافی ہیں اس لئے وہ اپنے مخالفین کے خلاف ہر قسم کے حملوں کی کامیابی سے مدافعت

---

[1] Sir Charles Trevelyan

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ جسکو قریب ایک صدی کے زمانہ ہوا کینکنا می سے جاری ہے۔

کر سکتے ہیں۔

" ہم میتسوامی آئر جج سے ملنے کے لئے گئے لیکن انہوں نے معذوری کا اظہار کیا۔ وراداراؤ نے اس کی یہ تشریح کی کہ چونکہ وہ سرکاری ملازم ہیں اس لئے انہوں نے غالباً انگریز افسران سے مشورہ کیا ہوگا جنہوں نے یہ صلاح دی ہوگی کہ بیماری یا عدم موجودگی کا بہانہ کر دینا چاہئے۔ جو ہندوستانی سرکاری ملازمت میں ہیں وہ کلیتہً حکومت کے زیر اثر ہیں اور جب تک ان کے پاس اپنے ذرائع نہوں وہ انگریزی افسروں کو ناراض کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔

اسی دن (۲۱ نومبر) میر ہمایوں جاہ بہادر جو مدراس کے مسلمانوں کے لیڈر ہیں، مجھسے ملنے کے لئے آئے۔ بہت معمر بزرگ ہیں اور درباری آداب کے عادی، بہت تکلف برتتے ہیں اور کسی مسئلہ پر رائے کا اظہار کرنے میں خاص طور پر محتاط واقع ہوئے ہیں۔ ٹیپو سلطان کی (جو اپنی سیاسی قابلیت کی وجہ سے مشہور ہے) براہ راست اولاد میں ہونے کے باعث وہ یہاں کی دنیائے اسلام کے سرگروہ سمجھے جاتے ہیں اور جسقدر انجمنیں ہیں وہ ان سب کی صدارت کرتے ہیں بعد میں انہوں نے ایک نوجوان بنگالی مسلمان سید عبدالرحمن کو میری ملاقات کے لئے بھیجا یہ جدید وضع کے قابل قانون داں ہیں۔ انہوں نے یورپین عورت سے شادی کی ہے جو اب مسلمان ہوگئی ہے۔ ہم ان کے گھر گئے جہاں بغیر کسی پردہ کے وہ چائے کی تواضع کرنے کی غرض سے باہر آئی، ہم ہی پہلے یوروپین ہیں جنہوں نے انکی شادی کے بعد ان سے شرافت کا برتاؤ کیا۔

سہ پہر کو ایک ہندو زمیندار رنگیا رنائڈو ملنے کے لئے آیا۔ اُس نے کسانوں کی تباہ شدہ حالت کی شکایت کی اور بتایا کہ نمک کے محصول کی وجہ سے ان کی تکالیف میں اضافہ ہوگیا ہے۔ زمین کا لگان بھی پہلے سے بہت زیادہ کر دیا گیا ہے۔ اسکی وجہ سے کسان مہاجنوں سے سو پر روپیہ قرض لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اسنے مجھے یقین دلایا کہ مدراس کے کسان کفایت شعار ہوتے ہیں وہ روپیہ بنکوں میں نہیں رکھتے بلکہ اسے سکوں یا زیوروں کی شکل میں محفوظ رکھتے ہیں۔ لیکن اب لگان نے انہیں کہیں کا نہیں رکھا وہ جنگلات کے جدید قوانین کا بھی شاکی ہے جہاں لوگوں کی مویشی مفت چرایا کرتے تھے اور اب مختلف قسم کی پابندیوں کے باعث وہ جلد مرجاتے ہیں۔

" ۲۲ نومبر۔ وراداراؤ صبح سویرے آگیا اور مجھ سے کہا کہ میتسوامی مجھسے بچ کے طور پر ملنے کے لئے آمادہ و تیار ہیں ہم گاڑی میں جارہے تھے کہ راستہ میں رکھوناتھ راؤ سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ آج وہ اچھے کپڑے پہنے ہوئے تھے لیکن پاؤں میں جوتیاں ندارد تھیں۔ انہوں نے بیان کیا کہ میرے چچازاد بھائی نابجور ہیں سب

اگر آپ کو عطر مرغوب ہے تو صرف صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے طلب فرمائیے جو مقبول عام ہے

بہت بڑے رئیس ہیں میرا اُن کا ارادہ تھا کہ سرکاری ملازمت کو خیرباد کہہ کر جائداد کی طرف متوجہ ہو جائیں لیکن چونکہ سرکاری ملازمت کے باعث ضلع کے غیر معقول انگریزی افسروں کے ظلم سے ایک گونہ نجات ملتی تھی اس لئے ہمیں اپنی تجویز کو بدل دینا پڑا۔ انہوں نے اس بیان کے ثبوت میں تین چار مثالیں بیان کیں۔ ایک ان کے دوست کی تھی جو مجسٹریٹ تھے اور پنشن پا چکے تھے۔ وہ زیادہ تر اپنے ہی گاؤں میں رہتے تھے اور چونکہ وہ ظاہرداری کے عادی نہ تھے اس لئے ہمیشہ ریزیڈنٹ کلکٹر کی خدمت میں آداب بجا لانے کے فرض میں کوتاہی برتتے تھے۔ اُس کا خمیازہ انہیں یہ ملا کہ حکام کی رائے ان کے متعلق خراب ہوگئی اور ایکدن وہ سازش کے الزام میں گرفتار بھی ہوگئے۔ یہ الزام قطعی طور پر بے بنیاد تھا۔ مقدمہ بازی میں ان کے ۳۰ ہزار روپیہ صرف ہوئے۔ اور وہ بالکل تباہ و برباد ہوگئے اور اب ان کی یہ حالت ہے کہ گورنمنٹ کے غلام ہیں اور ہر چھوٹے سے چھوٹے افسر کو فرشی سلام کرتے ہیں کاش میں ان کی تمام کہانیاں تحریر میں لا سکتا! دارالعوام میں آٹھ دس آدمی بھی ایسے نہیں ہیں جو انداز گفتگو میں اُن سے بازی لے جا سکیں[۵]۔

"میں نے انہیں انگلستان آنے کے لئے بار بار کہا لیکن وراڈ کی رائے یہ ہے کہ سب ذات پات کا مسئلہ ہے۔ اگر گھونا تھ جائیں گے تو بہت سے برہمن اُن کی تقلید کریں گے مشکل یہ ہے کہ مذہب ہنود میں سمندری سفر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ بیس برس پیشتر مدراس سے کلکتہ براہِ جہاز آنے کی ممانعت تھی لیکن اب اس شرط پر اجازت دیدی ہے کہ راستہ میں کھانا نہ کھایا جائے۔ سب متفق ہیں کہ ذات پات کی یہ قیود دیر سویر ٹوٹ جائینگی لیکن ان کو توڑنے کے لئے کوئی شخص پہل کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ سید عبدالرحمن کی بیوی نے مجھ سے یہ واقعہ بیان کیا کہ بنگال میں ایک کلکٹر تھا جو اپنے مکان کے پاس سے گذرنے والوں کو جوتیاں اُتارنے اور اپنی چھتریوں کو بند کرنے کا حکم دیا کرتا تھا۔

"ہندوستان آنے کے بعد جس انگریز نے سب سے پہلے ہم سے ملاقات کی وہ مسٹر لیفن[۶] تھے جو گورنمنٹ کے سکرٹری ہیں۔ وہ مجھ سے یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ آپ کن کن مسلمانوں سے مل چکے ہیں۔ وہ بظاہر ہندوستان کے متعلق اچھے خیالات رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ عنقریب لیجسلیٹو کونسل کے ہندوستانی ممبر بذریعہ ووٹ منتخب کئے جائیں گے۔ میرا خیال ہے کہ وہ یہ معلوم کرنے کے لئے آئے ہیں کہ میں کیا کام کر رہا ہوں۔ آخرکار متسوامی جج

[۵] جب رابرٹ بورک لارڈ کونیمارا (Roberts Bourke, Lord Connemara) مدراس کے گورنر بنا کر ۱۸۸۶ء میں بھیجے گئے تو اس وقت رگھوناتھ راؤ کی بابت میں نے سفارش کی اور انہوں نے کسی دیسی ریاست میں بطور دیوان کے تقرر کرا دیا۔ Layman 95

اگر آپ کو عطر خاور کار ہے تو صرف جعفر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے طلب فرمائیے جو مقبول عام ہے

ملنے کے لئے آئے اور نہ ملنے کی معذرت بھی کی۔ وہ قابل شخص معلوم ہوتے ہیں۔ انہوں نے البرٹ بل کے بارے میں گفتگو کی اور کہا کہ کاشتکار بہت ہی بدمعاش ہیں اور چونکہ ہائی کورٹ کے اخراجات ہندوستانیوں کو لئے بہت ہی زیادہ ہیں اور یہی وہ عدالت ہے جہاں ان پر مقدمہ چلایا جا سکتا ہے اس لئے جہاں تک چھوٹے چھوٹے جرموں کا تعلق ہے وہ عملاً قانون کی زد سے محفوظ رہتے ہیں۔ مجوزہ تبدیلی کے متعلق اندیشہ یہ ہے کہ ہندوستانی جج جانبداری کے الزام سے بچنے کی خاطر ضرورت سے زیادہ نرمی برتیں گے۔"

"رات کو گورنر مسٹر گرانٹ ڈف کے ساتھ گندی میں کھانا کھایا۔ میری ان کے متعلق یہ رائے ہے کہ وہ دبلے پتلے نحیف احساس آدمی ہیں۔ اپنے گرد و پیش کی ہر چیز سے کوئی موافقت نہیں رکھتے اور باوجود اس کے مدراس کے ہندوستانی اپنے اوپر حکومت کرنے کے لئے انہیں دس ہزار روپیہ ماہوار دیتے ہیں۔" وہ مجھ سے زرا کھنچے کھنچے اور کچھ مشتبہ بھی تھے۔

"۲۳ نومبر۔ رات کو بہت کم آرام کیا اس لئے کہ ہماری گاڑی ۶½ بجے روانہ ہونے والی تھی۔ دوارا رائو رخصت کرنے کے لئے اسٹیشن پر موجود تھا۔ تروپتی میں اس کے والد رام راؤ سے ملاقات کرنی ہے۔ جہاں وہ سنسکرت کالج کا افتتاح کرنے کے لئے بہت سے پنڈتوں کو ہمراہ لیکر گئے ہوئے ہیں۔ مدراس کا سفر کامیاب رہا ہم نے وہاں بڑے بڑے ہندوؤں سے مراسم پیدا کئے ہیں۔ مسلمان وہاں کم دیکھنے میں آئے۔ صوبہ میں جان بہت کم معلوم ہوتی ہے۔

"تروپتی دلاویز مقام ہے اور برہمن جاتری دور دور سے جاترا کے لئے آتے ہیں۔ بنگلہ پر پہنچتے پہنچتے افتتاحی رسوم ادا ہو چکی تھیں ہمارے لئے باقاعدہ ضیافت تیار کی گئی تھی۔ رنگیا رنائیڈو نے ہمیں مندر اور شہر کی سیر کرائی اس نے بتایا کہ آج جس قدر تیاریاں کی گئی ہیں وہ مسٹر ٹی کی خاطر ہیں جو اس موقع پر گورنر کی نمایندگی کرنے کے لئے خاص طور سے آئے ہوئے ہیں۔ مسٹر ٹی اپنی سنسکرت دانی کی وجہ سے ہندوستانیوں کے دوست سمجھے جاتے ہیں لیکن رنگیا وغیرہ اُن کی طرف سے بدظن تھے ٹی خشک اور سخت مزاج معلوم ہوتے ہیں۔ انہیں ہر وقت اپنی شان کا خیال تھا اور ہمیں دیکھ کر یا تو وہ متعجب ہوئے یا گھبرا گئے۔ رامارائو نے اُن پر ظاہر نہیں کیا کہ تیرے بیٹے کی دعوت پر یہاں آئے ہیں مگر میں نے ذرا شگوفہ چھوڑنے کی غرض سے رامارائو سے کہا اس طرح سے کہ ٹی بھی سن لیں کہ ورادا مجھے اسٹیشن پر پہنچانے کے لئے آیا تھا۔ یہ سنتے ہی رام چندر فق ہو گیا اور وہ اور باتوں میں لگ گئے۔ یہ دیکھکر رنج ہوا کہ ہر شخص معمولی سے معمولی انگریز سے خائف

اصغر علی محمد علی کی شہرت کا باعث صرف عطر حنا ہے جسکا نسخہ عجیب ہے

خائف رہتا ہے لیکن میرے خیال میں افسر مذکور کو ان سب کو تباہ و برباد کر دینے کے اختیارات حاصل ہیں۔ کھانا سو آدمیوں کے لئے تیار کیا گیا تھا لیکن سوائے تین اشخاص کے اور کوئی موجود نہ تھا اس لئے ہمنے بے تکلف ہو کر کھایا۔"

ٹی نے کسی سے بات چیت نہیں کی لیکن باوجود اس کے ہم مختلف سیاسی مسائل پر گفتگو کرتے رہے بعدہ میں نے رام سے علیحدگی میں باتیں کیں، لیکن وہ اور پنڈت "حضور" کے قریب زیادہ بات چیت کرنے سے ڈرے۔ ان غریب آدمیوں نے ٹی کو چاندی یا سونے کی ایک پلیٹ بھی پیش کی جسے اس نے شکریہ کا ایک بھی لفظ ادا کئے بغیر لے لیا۔ صرف دو تین آدمیوں سے اس نے زیادہ بات کی۔ باقی تمام وقت وہ بیٹھا رہا اور باقی لوگ کھڑے رہے۔ میرے خیال میں یہ بات نہیں آتی کہ ہندوستانی اس قدر روپیہ صرف کر کے کیوں دعوتیں دیا کرتے ہیں۔ پلیٹ کی قیمت ۳۰ پونڈ ہوگی اور کھانے پر بھی کم سے ۱۰۰ پونڈ صرف ہوئے ہوں گے اگر یہ روپیہ کسی کالج کو دیا جاتا تو بیحد نفع پہنچتا۔ آتشبازی دیکھنے کے بعد جب سرکاری افسر چلے گئے تو سب کو اطمینان نصیب ہوا جسے دیکھ کر ہنسی آتی ہے۔ بہرحال دن دلچسپ مشاغل میں گذرا۔ اور یہ واقعہ مجھے ہمیشہ یاد رہے گا۔

۲۴ نومبر۔ رنگیا نائیڈو حسب وعدہ صبح کو آیا اور ہمیں گاؤں دکھانے کے لئے لے گیا۔ راستہ میں اسنے سنسکرت کالج کی تاریخ بیان کی۔ چند سال پیشتر انگریزی حکومت نے مذہبی معاملات میں مداخلت نہ کرنے کی پالیسی پر عمل پیرا ہو کر مندروں کا انتظام مقامی ٹرسٹیوں کے سپرد کر دیا تھا۔ لیکن یہ کارروائی کچھ ایسی بے پروائی سے کی گئی تھی کہ کئی ٹرسٹیوں نے قانون کی پروا نہ کر کے زمینوں کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ تروپتی کی سالانہ آمدنی لاکھوں کی ہے اور یہ سب کی سب مہنت کے ہاتھ میں ہے ٹرسٹ (وقف) میں اس قدر خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں کہ گزشتہ سال کونسل میں اس برائی کا سدباب کرنے کی غرض سے مسودۂ قانون پیش کرنے کی بھی کوشش کی گئی تھی لیکن مسٹر ٹی نے اسکی سختی سے مخالفت کی اور اسلئے وہ ناکام رہی۔ کل کی ضیافت اکیلے مہنت کی طرف سے دی گئی تھی۔ اس کے معنی یہ ہیں سنسکرت کالج کی آڑ میں آمدنی کا روپیہ ہضم کیا جائے گا۔ رام راؤ کے متعلق یہ ہے کہ اُن کی بزدلی کی اصل وجہ اُن کی ممبری کونسل ہے۔ ان کا خاندان حیدرآباد سے آیا تھا۔ گھر میں وہ تیلوگو بولتے ہیں جو دکن کے ہندوؤں کی عام زبان ہے۔

ہمارا تمام دن دیہات میں صرف ہوا۔ چونکہ مجھے معرض سے پوری واقفیت تھی اس لئے جن باتوں کی میں تلاش میں تھا، اُن کو کسی دقت کے بغیر معلوم کر لیا۔ یعنی یہ کہ خالص پیداوار پر کس قدر لگان لیا جاتا ہے، لوگ مقامی طور پر کس قدر

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سنہ ۱۸۳۹ء سے جسکو قریباً ایک صدی کے زمانہ ہوا نیکنامی سے جاری ہے

متعرض ہیں۔ سات سال قبل کے قحط کا اب تک کس قدر اثر باقی ہے۔ نمک کے محصول کو جس کا اثر مویشیوں پر پڑتا ہے اور جنگلات کے جدید قیود کو کہاں تک پسند کیا جاتا ہے، کسانوں کی عام خوراک ساگی ہے۔ صرف چند ہی اشخاص کو دودھ میسر آتا ہے اور کمی غذا کا اثر ان کی نحیف صورتوں سے نظر آسکتا ہے۔ ان کے مکانات مصر کی طرح مٹی کے ہوتے ہیں لیکن نہیں بہت صاف ستھرا رکھا جاتا ہے۔

زنگیا نائڈو مجھے ریل تک پہنچانے آیا اور اپنے دوستوں کے نام تعارفی چھٹیاں بھی دیں۔ یہ بہت تعلیم یافتہ آدمی ہے اور ذات کا چھتری ہے۔ اُس کے چہرے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مصری شیخ ہو وہ مدراس کی میونسپل کونسل کا منتخب شدہ ممبر ہے۔

۲۵۔ نومبر۔ رات کی گاڑی سے بلاری پہنچے جو قحط زدہ حلقہ کا ہیڈ کوارٹرز ہے۔ ہندوستان کا یہ حصہ سطح مرتفع ہے جو سطح سمندر سے ہزار ڈیڑھ ہزار فٹ بلند ہے۔ باوجود بارش کے فصلیں غیر معمولی طور پر خراب ہوئیں۔ جہاں تک فن تعمیرات کا تعلق ہے بلاری میں کوئی عمارت قابل دید نہیں ہے۔ ہمارے پاس ہندوؤں اور ایک مالدار یوروشین کے نام تعارفی چٹھیاں تھیں۔ سب سے پہلے ریلوے کے سپرنٹنڈنٹ مسٹر ہنا[1] نے ہماری دعوت کی۔ یہ سمجھدار شخص بارہ سال سے اس ملک میں کام کرتا ہے لیکن اس سے ہمیں کچھ زیادہ معلومات حاصل نہیں ہوسکی کیونکہ انگریز اپنی ہی دنیا میں زندگی بسر کیا کرتے ہیں۔

"سہ پہر کو آٹھ نوہندو ملنے آئے ان میں ایک برہمن بھی تھا جسکی ذات انگلستان جانے سے ٹوٹ گئی تھی اور وہاں وہ عیسائی بھی ہوگیا تھا۔ اس نے کہا کہ ہندوستانیوں سے ربط ضبط نہ رکھنے کے متعلق جو دلیل بالعموم انگریز پیش کیا کرتے ہیں یعنی یہ کہ ذات پات کی قیود مانع ہیں، نہایت پوچ اور لغو ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے دیکھو چند سال پیشتر تک میں (پاس بیٹھنے والے دوستوں کی طرف اشارہ کرکے کہا) ان کے ساتھ کھانا نہیں کھا سکتا تھا۔ اور اگر کھاتے وقت ان میں سے کوئی شخص میری طرف دیکھ لیتا تھا تو میں کھانا پھینک دیا کرتا تھا۔ اگرچہ اب میری ذات جاتی رہی ہے تو کیا میری دوستانہ مراسم میں کچھ کمی آگئی ہے، یہ لوگ اب ساتھ کھانا پسند نہیں کرسکتے لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ دوستی قائم رکھنے کے لئے کھانا بھی ساتھ کھایا جائے؟ یورپین لوگ میرے ساتھ زیادہ بہتر سلوک روا نہیں رکھتے باوجود اسکے کہ میں دن بھر اُن کے ساتھ کھا پی سکتا ہوں ہمیں یہ بات بہت ہی تمسخر انگیز معلوم ہوئی کہ یورپین افسر اُس سے اچھی طرح پیش نہیں آتے یہاں کے ہندو بات چیت میں

[1] Mr Hanna

عطر گلاب، تمام عطروں میں زیادہ قیمتی مشہور عالم اور عام پسند کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے فی تولہ لیسہ طلب فرمایئے۔

اہل اٹلی یا اسپین سے کسی طرح کم نہیں اور ان سے زر اسیاہ فام ہیں۔

یوری شین نے جسکا نام ہم تعارفی خطوط لائے تھے ہمیں یقین دلایا کہ یہ بالکل غلط ہے کہ ہندوستانیوں اور انگریزوں کے مابین جب کبھی جھگڑا ہوتا ہے تو ہم موخر الذکر کا ساتھ دیتے ہیں۔ برخلاف اس کے ہماری ہمدردی اول الذکر کیساتھ ہوتی ہے۔ ہم پوروشینوں کی حالت مقابلتہً زیادہ خراب ہے اس لئے کہ انگریز ہندوستانیوں سے زیادہ ہم کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ میرا روئی کا کارخانہ ہے اور ایک انگریز میرا شریک ہے لیکن ہم دونوں معاشرتی طور سے بالکل نہیں ملتے۔ یہ برہمن جو انگلستان جا چکا ہے، وہاں رائٹ[1]، فاکیٹ[2]، دلکے[3]، اور دیگر مشاہیر سے مل چکا ہے لیکن یہاں ہندوستان میں کلکٹر کی بیوی تک اسکی بیوی سے ملنے میں سرِ شان سمجھتی ہے۔ سب کے سب گلیڈسٹون کی وزارت سے مایوس تھے اور لارڈ ڈرپن کو بہترین گورنر جنرل بتاتے تھے۔ چونکہ یہاں اسکے کام میں دشواریاں پیدا کی گئیں اور انگلستان سے اسکی خاطر خواہ تائید نہیں ہوئی اس لئے وہ کچھ کام نہیں کر سکے۔ مسٹر گرانٹ ڈف بہت ہی مایوس کن ثابت ہوئے۔ آنے سے پیشتر انہوں نے اپنی روشن خیالی کے متعلق بہت کچھ دعوے کئے تھے لیکن محض الفاظ ہی الفاظ تھے وہ تقریر اچھی کرتے ہیں لیکن انتظامی قابلیت کچھ بھی نہیں انہوں نے ہر کام ان مستقل افسروں کے سپرد کر رکھا ہے جو لارڈ ڈرپن کے راستے میں روڑے اٹکانے کے عادی ہیں۔

۲۶ نومبر۔ مسٹر ابراہیم یورشین کے گھر گئے۔ نمک کے محصول کی زیادتی کا افسانہ سچا ہے۔ مرہٹوں اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانہ میں فروخت شدہ نمک پر ۲۵ فیصدی ٹیکس تھا اور نمک بنانے کی عام اجازت تھی اب وہ گورنمنٹ کی ملکیت ہے اور فی الحال وہ سمندر کے کنارے آٹھ روپیہ فی گاڑی کے حساب سے نمک تیار کرتی ہے اور اسی بلاری میں ۲۰۸ روپے میں فروخت کرتی ہے۔ مزید برآں گزشتہ تین سال سے زمین کے نمک کی استعمال کی ممانعت کر دی گئی ہے اور جہاں پہلے روپے کا ۳۰ سیر نمک ملتا تھا اب صرف آٹھ سیر ملتا ہے۔ پولیس کو دن اور رات میں ہر وقت مکانوں میں گھس کر دیکھنے کا اختیار حاصل ہے اور جب کبھی وہ رپورٹ کر دیتی ہے کہ فلاں شخص کے یہاں شورہ موجود ہے تو اس پر پندرہ روپیہ جرمانہ کر دیا جاتا ہے یا ایک ماہ کی سزائے قید دیدی جاتی ہے۔ بہت سی غلط اور جھوٹی رپورٹیں کر دی جاتی ہیں اور پولیس کو کسانوں پر ظلم کرنے کا موقع ہاتھ آجاتا ہے اگر دیہاتی ایسی زمین پر اپنی مویشی چرنے کے لئے بھیجتے ہیں جہاں نمک پایا جاتا ہو تو مالک کو جرمانہ یا قید کی سزا دی جاتی ہے اور نمک کو تلف کر دیا جاتا ہے مویشی نمک نہ ملنے کی وجہ سے جلد جلد مر رہے ہیں۔

---

[1] Bikke [2] Fawcett [3] Bright

علاوہ عطر حنا کے ہر قسم کے صندلی عطریات اصغر علی محمد علی تاجر عطر جوک لکھنؤ سے خریدفرمائیے۔ جسکا اہتمام ایک قابل بھروسہ کارکن منیجر کے ہاتھ میں ہے۔

بیسویں صدی

(افسانہ)

ایک باپ کے چار بیٹے تھے سب سے بڑے کی عمر پچیس دوسرے کی چوبیس تیسرے کی بائیس اور چوتھے کی اکیس سال تھی۔ انہیں سے تین بی اے پاس کرکے آجکل کی دنیا میں کارآمد ثابت ہونے سے ناقابلیت کی سند حاصل کر چکے تھے۔ باپ زندہ تھا اور بہت متمول۔ اسنے ایک دن سب کو بلایا اور ان سے کہنے لگا

"میرے بچو! تمھیں اب اپنے مستقبل کی فکر کرنا چاہئے۔ تم کیا بننا چاہتے ہو؟"

سب سے بڑے لڑکے نے جس کا نام مشتاق تھا کہا "ابا میں تو بیرسٹر بنوں گا"

"بہت اچھا" باپ نے کہا "تمہیں بیرسٹر بنوا دیا جائے گا"

دوسرے نے جس کا نام جمشاق تھا جواب دیا "میں ڈاکٹر بنوں گا"

"بہت اچھا تم ڈاکٹر بنو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے"

تیسرے نے جس کا نام ظہیر تھا جواب دیا "میں ابا جان آپ کی طرح سوداگر بنا چاہتا ہوں تاکہ تھوڑے عرصہ میں بہت سا روپیہ پیدا کرسکوں"

"میں تمھاری مدد کروں گا تاکہ تم اپنے ارادے میں کامیاب ہو جاؤ"

سب سے چھوٹے بھائی نے کچھ دیر سوچنے کے بعد آہستہ سے کہا "ابا مجھے قزاق بننے کی خواہش ہے"

اِس پر آفت برپا ہوگئی۔ باپ جھلا کر کرسی پر اُچھل پڑا۔ بھائیوں نے بہت آوارہ گرد بے ایمان دھوکہ باز خاندان کے نام کو بدنام کرنے والا اور خدا جانے کیا کیا کہا۔ اسکے بعد اور ہمسائے تک سُن کر بڑی بڑی آنکھیں نکالتے اور سر ہلا کر کہتے "باپ دادا کی عزت کو برباد کردیگا" لیکن باوجود ان سب باتوں کے وہ لڑکا یہی کہے جاتا۔

"میں قزاق بننا چاہتا ہوں اور قزاق ہی بنوں گا۔ اگر آپ کو منظور نہیں تو میں گھر چھوڑ کر چلا جاؤنگا"

اور باپ نے اِسے کہدیا کہ چلے جاؤ۔ مجھے ایسے ناخلف اولاد کی ضرورت نہیں ہے۔

اُس رات کو نصیر نے (اس لڑکے کا نام نصیر تھا) اپنے باپ کے کیش بکس میں سے پانچ سو روپیہ کے نوٹ چُرائے اور اپنا مختصر سا اسباب باندھ کر روانہ ہوا۔

اگر آپکو عطر خاص درکار ہے تو حضرت جعفر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے طلب فرمایئے جسکو تمام ہندوستان میں مقبولیت حاصل ہے

اور پچیس سال گذر گئے۔

پچیس سال ایک مدت ہے۔ لیکن اُس آوارہ مزاج، نوجوان کی کوئی خبر اس عرصہ میں نہ آئی۔ باپ کی عمر ستر برس ہو چکی تھی اور بہت کمزور ہوتا جا رہا تھا، خصوصاً اس لئے کہ اس کا تمام سرمایہ تجارت کے اتار چڑھاؤ کی نذر ہو چکا تھا۔ ایک بنک جس میں اس کا بہت سا روپیہ جمع تھا دیوالیہ ہو گیا۔ دو تین دوست انتقال کر گئے جن پر اُنکا کئی ہزار روپیہ قرض تھا لیکن دوستانہ مروت کی وجہ سے زبانی کارروائی تھی۔ کاغذات پر کچھ نہ تھا۔ اور اس طرح وہ شخص جو کبھی ایک بہت بڑی جائداد کا مالک تھا اب ایک دس روپیہ ماہوار کرایہ کے مکان میں رہتا تھا۔

اس کے لڑکے بھی خوش قسمت ثابت نہیں ہوئے تھے۔

مشتاق جو بیرسٹر تھا اس کے پاس بائیس سال کے عرصہ میں پندرہ مقدمات آئے اور گو لوگ کہتے تھے کہ اسکے موکل ہر مرتبہ راستی پر تھے لیکن مخالف وکیلوں کے ججوں مجسٹریٹوں سے تعلقات اور خدا جانے کن اسباب کا اثر تھا کہ چودہ میں ہار گیا۔ پندرہویں مقدمہ میں فریقین کی رضا سے صلح ہو گئی۔ اس حالت میں بیچارے کو مجبوراً قانونی پیشہ میں ایک سو روپیہ ماہوار کی نوکری کر لینا پڑی جس سے بمشکل اپنی بیوی بچوں کا پیٹ پالنے لگا۔

اخلاق جو ڈاکٹر تھا اسکی حالت بھی قریباً ایسی ہی تھی۔ جب امتحان پاس کر کے اس نے کام شروع کیا شہر میں طاعون پھیلا ہوا تھا جسقدر مریض اس کے پاس آئے جان بحق تسلیم ہو گئے۔ اس سے اخلاق کی بدقسمتی کہئے یا رضائے ربی، دو چار اور امراض والے بھی جنکا یہ معالج تھا جانبر نہ ہو سکے۔ دوسرے ڈاکٹروں نے موقع پا کر کہنا شروع کیا کہ بالکل اپنے فن سے ناواقف ہے جو کوئی بھی اس کے پاس علاج کے لئے جاتا ہے انتقال کر جاتا ہے۔ اس نے تین چار مختلف شہروں میں کوشش کی لیکن ہر جگہ اس کی شہرت پہلے موجود ہوتی اور کوئی مریض علاج کرانے نہ آتا۔

اس کا ایک بچپن کا دوست بھی ڈاکٹر کہلاتا تھا۔ اور تھا تو محض نابلد لیکن ایک بہت وسیع بنگلہ کرایہ پر لیکر اس میں سیکڑوں قسم کے اوزار نیلام سے خرید کر آئینے دار الماریوں میں سجانے اور اخباروں میں بے شمار اشتہار ایک دوائی کے شائع کرانے سے جسکی ایک روپیہ کی شیشی سے دنیا بھر کے امراض دور ہو جاتے تھے اپنی شان کو قائم رکھنے کے لئے کافی روپیہ کما لیتا تھا۔ اس دوست کی سفارش سے ایک انگریزی دوائی فروش کے

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی ایک شاخ "چاندنی چوک دہلی" اور ایک شاخ "گلزار حوض حیدرآباد دکن میں ہے

یہاں ساٹھ روپیہ ماہوار پر کپا ونڈر رکھ لیا گیا اور اسنے یہی غنیمت سمجھا کیوں کہ گذر اوقات کا اور کوئی ذریعہ نہ تھا

تیسرے لڑکے ظہیر نے جو اپنے باپ کی طرح سوداگر بن کر بہت جلدی روپیہ پیدا کرنا چاہتا تھا بڑی شہر میں ایک شاندار دوکان لے کر اس میں ہر قسم کا فیشن ایبل سامان رکھا اور دولتمند بننے کے لئے کمر باندھ کر بیٹھ گیا، لیکن چند ہی سال کے عرصہ میں شومی قسمت کے ایجنٹوں سے مغلوب ہو گیا یعنی کرایہ کے مکان کی دن بدن زیادتی انکم ٹیکس کی بیدردی۔ جنگ کے آغاز۔ ضروریات زندگی کی قیمتوں کے اضافے۔ بدیشی اشیاء کی بائیکاٹ بیوی کے اخراجات اور بچوں کی تعلیم وغیرہ نے دیوالے کی درخواست دلادی۔

لوگ کہنے لگے جیسا باپ تھا ویسا بیٹا نکلا۔ ظہیر نے ایک روزانہ اخبار کی اڈیٹری قبول کرلی پچاس روپیہ ماہوار مقرر ہوئے جو کبھی ملتے تھے اور کبھی نہیں ملتے تھے۔

تینوں بھائی چھٹی کے دن باپ کے پاس جا بیٹھا کرتے۔ وہ علیل تھا اور اخلاق میاں کے نسخے قیمتی اس لئے زیادہ تر صبر پر گزر تھا۔ اس دس روپیہ ماہوار کے مکان میں اکثر اوقات یہ باتیں ہوا کرتیں

"نصیر کا خدا جانے کیا حال ہے!"

"کہیں قید خانے میں پڑا ہوگا!"

"مر گیا ہوگا ورنہ اتنی مدت تک کوئی خبر نہ آتی؟"

"خدا جانے؟"

"آوارگی کی بھی کوئی حد ہونا چاہئے"۔

"ایسی زندگی سے تو موت بہتر ہے"

"اس کے لئے دعا کیا کرو" باپ کہا کرتا "اللہ تعالیٰ بیچارے پر رحم کرے"

ایک روز اتوار کے دن باپ کے پاس بیٹھے تھے کہ ملازم نے آکر ایک ملاقاتی کارڈ دیا اور کہا

"کوئی صاحب موٹر پر تشریف لائے ہیں اور آپ سے ملنا چاہتے ہیں"

مشتاق نے کارڈ لیکر پڑھا۔

"نواب سراج الدین خاں رئیس دولت آباد"

ہائیں! رئیس دولت آباد! سب نے جلدی سے اٹھ کر کرسیوں کو درست کیا۔ بیمار کے پلنگ کو جھاڑ کر

اگر آپکو عطر عنادکار ہے تو صرف اصغر علی محمد علی تاجر عطر چوک لکھنؤ سے طلب فرمائیے۔ جسکا نسخہ ہی عجیب ہے

بچھایا۔ لک دوسرے کے لباس کو سنوارنے لگا۔

نوب اور اس مکان میں! کون ہو سکتا تھا؟ "دولت آباد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" بڈھے باپ نے کہا "دولت آباد تو میرے باپ دادا کا وطن تھا اور وہاں اس نام کا کوئی رئیس نہ تھا"۔

ملازم نے کہا "نواب صاحب تشریف لا رہے ہیں"۔

اور کمرے میں ایک چالیس پینتالیس سال کی عمر کا شخص داخل ہوا جو نہایت قیمتی لباس پہنے تھا اور ٹوپی میں جواہرات کی کلغی لگی ہوئی تھی۔

سب یک آواز پکار اُٹھے

"نصیر!"

وہی تھا۔ گو اسکی ڈاڑھی تھی اور بالوں میں کہیں کہیں سفیدی کی جھلک نظر آتی تھی تاہم سب نے آسانی سے پہچان لیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ نصیر پلنگ کی طرف بڑھ کر اسکے کنارے پر بیٹھ گیا اور بولا

"ابا جان میں حاضر ہو گیا ہوں اور اب آپ کے ہر ایک حکم کی تعمیل کرونگا۔ میرا قصور معاف فرمائیے"

دولت اور دولتمند آدمی کی موجودگی میں ایک اثر ہوتا ہے جس سے بڑے بڑے آدمی بھی مسحور ہو جاتے ہیں سب نے ایک ہی لمحہ میں محسوس کیا کہ نصیر کا اس حالت میں واپس آنا ان کے لئے کیا معنی رکھتا ہے اور اس لمحے میں پچیس برس کی مجتمع نفرت کافور ہو گئی۔

باپ چلایا "میرا لختِ جگر"۔ "خوش آمدید"

مشتاق، اخلاق، ظہیر، اُس سے چمٹ گئے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کوئی دیوتا ہے جسکی سب پوجا کر رہے ہیں۔ کیا کیا خوشی کے کلمات زبان سے نکل رہے تھے۔ کیا کیا سوالات کئے جا رہے تھے۔

قدرتی اظہارِ مسرت کے بعد باپ نے پوچھا "آپ یہ تو بتائیں کہ تمام دولت آپنے کس طرح حاصل کی"

نصیر نے اُٹھ کر دروازہ بند کر دیا تاکہ دخل در معقولات کا خطرہ نہ رہے اور جواب دیا "محض قزاقی سے"

بڈھا خوفزدہ ہو کر پلنگ پر سیدھا بیٹھ گیا

"نہیں ابا جان۔ گھبراتے کیوں ہو۔ میں نے کوئی ایسا برا کام نہیں کیا، میری تمام ملک میں عزت ہے۔ لاکھوں کی جائداد کا مالک ہوں۔ اور صرف زمانے کی روش پر چلنے کی بدولت ۔ جاتے وقت آپ کے

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے لئے تار کا پتہ صرف "حنا" لکھنؤ کافی ہے۔

پانچ سو روپیہ میں نے عاریتاً آپ کو اطلاع دیے بغیر لیے تھے جواب میں چھوڑ چالیس گنا ادا کرنے کو تیار ہوں۔"

بیس ہزار روپیہ! سامعین پر اداسی پڑ گئی۔

"میں بمبئی چلا گیا اور کاروبار (یعنی آجکل کے معنوں میں دوسروں کے مال کو اپنا بنانا) شروع کرنے سے پہلے ایک بڈھے تاجر کے یہاں ملازمت کر لی جو بہت متمول تھا، اور چھ ماہ کے اندر اسکی نوجوان بیوی کو لیکر بھاگ گیا۔"

باپ کے منہ سے نکلا "استغفر اللہ!"

"مجبوری تھی ابا جان۔ میری ضروریات کا تقاضا تھا۔ خاوند بڈھا تھا اور بیمار اسنے خودکشی کر لی۔ میری عکسی تصویر اخباروں میں چھپ گئی۔ اس سودے میں مجھے دو لاکھ روپیہ کا منافع ہوا۔ روپیہ ہو تو سب کچھ ہے میں امریکہ پہنچ گیا۔

"وہاں جاکر ایک کمپنی کی بنا ڈالی جس کا مقصد ایک کان میں سے سونا نکالنا تھا اور جس میں سونا تو کیا تانبا بھی نہ تھا۔"

"لیکن یہ تو صریحاً دھوکہ بازی ہوئی۔"

"واہ صاحب دھوکہ بازی کیسی آجکل اسے کاروباری لیاقت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ غرض کہ اخباروں میں بہت سے اشتہارات دینے اور کچھ ادھر ادھر دوڑ دھوپ کر کے لوگوں کو یقین دلانے سے کافی تعداد میں حصہ دار پیدا کر لئے۔ دنیا کے کسی ملک میں بیوقوفوں کی کمی نہیں بشرطیکہ انسان میں تلاش کر لینے کا مادہ ہو۔ دو چار عقل کے اندھے اور گانٹھ کے پورے ڈائرکٹر بنا دیئے اور خود تنخواہ دار منیجر بنکر، جب تھوڑے ہی عرصہ میں کمپنی کا دیوالہ نکل گیا تو اپنے ہاتھ رنگ کر صاف بچ گیا۔ وہ مقدمات کی جوابدہی کرتے رہے ..... ہنستے کیوں ہو بھائی مشتاق! بیرسٹر کی حیثیت سے ایک ہزار روپیہ فیس پر تو آپ مجھے قانونی گرفت سے بچانے کو تیار ہو جاتے۔

"اب میں اتنا مالدار ہو گیا کہ لندن میں جاکر سکونت اختیار کر لی۔ تین چار بڑی بڑی کمپنیوں کا حصہ دار بن گیا اور بڑے بڑے شاندار ڈنر اور پارٹیاں دینے سے جو آجکل دوست اور مداح پیدا کرنے کا سب سے اچھا طریقہ ہے خوب نام پیدا کر لیا۔ ایک غریب موجد جو امداد کے لئے اپنی ایجاد کردہ مشین میرے پاس لایا اُسے دھتا بتا کر میں نے خود مشین پیٹنٹ کرا لی اور کئی لاکھ روپیہ کمایا۔"

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ ہے جسکو قریباً ایک صدی کے زمانہ ہوا نیکنامی سے جاری ہے

"خدا کے لئے نصیر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

"لیکن ابا جان کیا آپ نہیں جانتے کہ جو شخص کوئی نئی چیز ایجاد کرتا ہے یا محنت کرکے اسے تکمیل کو پہنچاتا ہے چونکہ عام طور پر خود غریب ہوتا ہے اس لئے کبھی اس سے کما حقہٗ فائدہ نہیں اُٹھا سکتا روپیہ۔۔۔۔۔۔۔۔ سرمایہ فائدہ اُٹھاتا ہے۔ میں 'سرمایہ' ہوں۔ میں نے دنیا کے تمام ملکوں سے خطابات اور میڈل حاصل کئے ہیں۔ گزشتہ پانچ سال سے ہندوستان میں ہوں اور یہ اپنے قدیم اصول پر قائم رہنے کا نتیجہ ہے کہ میرے کارڈ پر وہ الفاظ ہیں جو آپ نے دیکھے۔

"میں نے دولت آباد میں ایک عالیشان مکان آپ کے قیام کے لئے تیار کیا ہے اور اب میرے تینوں بھائی بھی نامور ہو جائیں گے۔"

سب بڑے زور سے ہنسنے لگے اور اس روپیہ کا (جو گویا آسمان سے چھت پھاڑ کر ان پر آگرا تھا) نشہ اس قدر تھا کہ باپ جو پہلے قریب الموت تھا اب پلنگ پر سے اچھل کر کھڑا ہو گیا مشتاق گھڑا نوکر کو اطلاع دینے کے لئے دوڑا گیا۔ اخلاق تھیٹر کا ایک لحن گنگنا رہا تھا اور ظہیر سوچ رہا تھا کہ شہر کے سب سے پُر رونق حصے میں کونسی بڑی دکان ہے جس میں وہ اپنا کاروبار شروع کرے گا۔

نصیر ان سب کو خوش دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔ اور جب رخصت ہونے لگا اور ایک میلے کچیلے پھٹے ہوئے کپڑوں والے لڑکے نے انعام کی امید پر اس کی موٹر کا دروازہ کھولا تو اس سے کہنے لگا۔

"کام کرو! بیگاری اچھی نہیں۔ میری عمر بہت چھوٹی تھی جب سے میں نے محنت کرنا سیکھا تھا۔"

(میاں) عطاء الرحمن (بی۔اے)

مارچ ۲۶ء

کے نگار کا انتظار کیجئے جو بہترین طباعت و کتابت اور نہایت دلچسپ مضامین کے ساتھ مارچ کے اول ہفتہ میں شائع ہوگا۔

چونکہ یہ رسالہ بہت گنجان لکھوایا جا رہا ہے اس لئے اس میں تقریباً ۱۲۵ صفحات کا مضمون آئے گا

منیجر نگار۔ بھوپال

"تاج عطر کلکتہ" کا شہرت کا باعث صرف عطر ہے جسکا نسخہ کسی دوسرے عطر ساز کو دستیاب نہیں ہو سکا۔

حضرتِ ریاض اور مولوی عبدالسلام ندوی

گزشتہ اشاعت میں بسلسلۂ استفسارات ایک صاحب کی تحریر ناظرین نگار کے ملاحظہ سے گذری ہوگی جس میں مولوی عبدالسلام صاحب ندوی کی اس تنقید پر کہ حضرت ریاض کی خمریات میں بے اعتدالی کی شان زیادہ پائی جاتی ہے، اظہار برہمی کیا گیا تھا۔ میں نے اس مسئلہ پر گفتگو کرنے کے خیال کو کسی آیندہ اشاعت کیلئے ملتوی کر دیا تھا۔ کیونکہ ریاض کا کلام میرے پاس نہ تھا اور تاوقتیکہ اس پر ایک نگاہ نہ ڈالی جاتی میں کوئی فیصلہ نہ کر سکتا تھا۔ میں نے جناب ریاض کو ایک تحریر روانہ کی اور اس استفسار کا ذکر کرتے ہوئے درخواست کی کہ اپنے مجموعۂ کلام کا کوئی جزو مرحمت فرمائیں تاکہ مجھے فیصلہ کا موقع مل سکے، چنانچہ انہوں نے غایت لطف و کرم سے کام لیکر چند غزلیں لطف فرمائیں، اور ایک تحریر بھی بھیجی جسکو آپ آیندہ ملاحظہ فرمائیں گے۔

قبل اس کے کہ اصل مسئلہ پر گفتگو کی جاے مولوی عبدالسلام ندوی کی راے حضرت ریاض کی نسبت مختصر الفاظ میں درج کرنا ضروری ہے۔ شعر الہند صفحہ ۳۴۱ سے جناب ریاض کا ذکر شروع ہوتا ہے اور اس کی ابتداء اس طرح ہوتی ہے:-

"با ایں ہمہ تلامذہ امیر میں جو داغ کا اصلی حریف خیال کیا جاتا ہے وہ حضرت ریاض خیرآبادی ہیں اور اس میں شبہ نہیں کہ ان کے کلام میں جو برجستگی، صفائی، اور شوخی پائی جاتی ہے اسکے لحاظ سے یہ خیال بہت کچھ اصلیت بھی رکھتا ہے"۔

اس کے بعد شعر الہند میں چند اشعار مثالاً درج کئے ہیں۔ اور پھر فرماتے ہیں کہ:-

"اولاً اُن کے کلام میں لکھنؤ کے رنگ کی کافی آمیزش موجود ہے اور ثانیاً جا بجا ان کی شوخی نے غیر معتدل اور غیر مہذب پیرایہ اختیار کر لیا ہے"۔

اس کی چند مثالیں پیش کر کے ان کے خمریات کے متعلق ان الفاظ میں اظہار خیال کیا ہے:-

"ان کی خمریات بہت مشہور ہیں، تاہم جوش و مستی کے بجاے ان میں بھی زیادہ تر اسی قسم کی بے اعتدالی پائی جاتی ہے۔ مثلاً:-

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا بنایا ہوا عطر خاص ہر موسم میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

اک ٹیپ ماری زور سے زاہد کے لے ریاض — اب ہاتھ مل رہے ہیں کہ اچھی پڑی نہیں

بوتل کا کاگ زور میں بوتل کو لے اُڑا — ہم گلچھلوں کے ہاتھ کی گولی رُکی نہیں

اس تنقید کے تین جزو ہیں ایک یہ کہ ریاض، داغ کے حریف ہیں، دوسرے یہ کہ ان کی کلام میں بجا بجا شوخی نے غیر مہذب و غیر معتدل پیرایہ اختیار کر لیا ہے اور تیسرے یہ کہ اُن کے خمریات میں بجائے جوش و سرمستی کے بے اعتدالی زیادہ پائی جاتی ہے۔

چونکہ مستفسر نے اس تنقید کے صرف تیسرے حصہ سے بحث کرنی چاہی ہے اس لئے پہلے دو حصوں کی طرف میں بھی اعتنا نہیں کرتا اور صرف اس امر پر غور کرنا چاہتا ہوں کہ اُن کے خمریات میں زیادہ حصہ جوش و سرمستی کا ہے یا بے اعتدالی کا۔ مگر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے حضرت ریاض کی اُس تحریر کا ملخص درج کر دوں جو میرے خط کے جواب میں موصول ہوئی تھی :-

"۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ شعر الہند کے متعلق آپ جو بحث اُٹھانا چاہتے ہیں وہ نگار کا فرض اولین ہے نگار میں کیا ہوگا میں نہیں جانتا، مگر جو خیال ہوگا انصاف و آزادی کے ساتھ دیکھنے کا متمنی ہوں۔ شعر الہند کے متعلق نیچ کی تحریروں میں بھی لب جنبانی نہیں چاہتا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ نگار میں بحث چھیڑنے سے پہلے دو چار باتیں ضرور کان میں ڈال دینا چاہتا ہوں۔ اک مرتبہ صحبت حیات افزا میں لطف شعر و سخن اٹھا رہی تھی، جناب ہادی صاحب نے میری غزل کے دو چار شعر سُنائے۔ ان میں یہ دو شعر بھی تھے :-

بوتل کا کاگ زور میں تو بہ کو لے اُڑا — ہم گل چھلوں کے ہاتھ کی گولی رُکی نہیں

ناصح کے سر پہ ایک جمائی تڑاق سے — پھر ہاتھ مل رہے ہیں کہ اچھی پڑی نہیں

کم و بیش ۴۵ سال ہوئے جب یہ غزل کہی تھی اور اسکی شہرت لکھنؤ میں زیادہ ہوئی تھی۔ بھوپال جانے سے پہلے میں چالیس سال کے بعد لکھنؤ میں نواب بڈھن صاحب رئیس لکھنؤ سے ملا، وصل صاحب بھی تھے، نواب صاحب نے یہی دونوں شعر سُنائے۔ نواب صاحب پچھلی وضع و تہذیب کی یادگار لکھنؤ میں سمجھے جاتے ہیں۔ عجب اتفاق ہے کہ حیات افزا میں جناب

عطر حنا جو صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے کارخانہ کا بنا ہوا ہے دوسرے کارخانہ جات کے بنائے ہوئے عطر حنا کی بہ نسبت ہمیشہ خوشگوار ثابت ہوگا

ہادی صاحب نے بھی یہی اشعار سُنائے۔

اس غزل کے اشعار لکھنؤ میں چالیس سال پیشتر جب شہرت خاص رکھتے تھے تو اودھ اخبار یا کسی دوسرے اخبار میں بوتل والا شعر میں نے دیکھا جو کسی انگریزی اخبار سے اس بنا پر لیا گیا تھا کہ یہ شعر لندن کے کسی جلسے میں بسلسلۂ لکچر سنایا گیا تھا اور اسکی فصاحت پر تمام ہال چیرز سے گونج اُٹھا تھا پھلے لندن کے انگریزی اخباروں میں اسکی اشاعت ہوئی۔

حیات افزا کی صحبت میں ہادی صاحب نے اس کے متعلق تفصیلی ذکر فرمایا، جس سے معلوم ہوا کہ جلسۂ لندن میں آپ ہی لکچرار تھے اور آپ ہی نے اس شعر کو چار چاند لگائے تھے۔

اس صحبت کے دوسرے روز وصل صاحب بھوپال آئے، شعرالہند آپ کے ہمراہ تھی جس میں یہ دونوں شعر بھی متبذل اشعار کے نمونے میں درج تھے، مگر صورت بگڑی ہوئی تھی یعنی

بوتل کا کاگ زور میں بوتل کو لے اُڑا ہم گل چلوں کے ہاتھ کی گولی رُکی نہیں

میں نہیں سمجھتا صاحب شعرالہند نے اسے مہمل کیوں نہیں لکھا۔ غالباً مرعوب ہوکر۔ بہت مشہور شعر کو مہمل کہنے کی جرأت نہ ہوسکی۔ موجودہ صورت میں بوتل مع کاگ آسمان کو جارہی ہے۔ اگر کاک علٰحدہ ہے تو اُسکے اُڑجانے کے بعد بھی اس کا زور بوتل میں اس قدر باقی ہے کہ وہ بوتل کو اُڑائے لئے جاتا ہے۔ . . . .

سمجھے وہ خوب ہی مرے مہمل کلام کو پہونچے سلام دور سے عبدالسلام کو

دوسرے شعر کے پہلے مصرع میں "ٹیپ" یا "چیپت" کا لفظ چھپا ہے، جس کو میں استعمال نہیں کرسکتا عامیانہ واقعات کبھی نذرخواص ہوجاتے ہیں اس لئے اشعار میں ایسے مذاق کا موزوں ہوجانا ابتذال کی صورت پیدا نہیں کرتا۔ میں نے مولانا شوکت علی کے ایک ہنگامی واقعہ کی سُرخی میں بھی یہی شعر دیکھا۔ میں خوش ہوں کہ وقائع نگار کی شوخی نے میرے شعر کو کچھ ابتذال سے بچالیا تعلق اس واقعہ کا ایک چھتری سے تھا جس سے حملہ کیا گیا تھا۔ صورت بگاڑ کر شعرالہند میں شعر کا درج کیا جانا، صاحب شعرالہند کی شوخی سے نہیں تعبیر کیا جاسکتا۔ محض سادہ لوحی ہے ؎

واعظ ہے خراب خواہش خلد بالکل یہ شخص جنتی ہے۔

مجھے اس وقت غالب کا ایک شعر اور اسکے ساتھ ایک صاحب کی شوخی یاد آئی۔ غالب فرماتے ہیں

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے مال طلب کرنے کے بعد اگر پسند ہو تو قیمت واپس بھیجئے اور واپسی کے محصول کا بھی کارخانہ ذمہ دار ہے۔

سر کھجاتا ہے جہاں زخم سرا اچھا ہو جائے لذت زخم بہ اندازۂ تقریر نہیں

سنانے والے نے دوسرے مصرعہ میں زخم کو کشش سے بدل دیا۔

بول چال میں ہے کیا آپ کا سر کھجاتا ہے، جس موقع پر اسے بولتے ہیں اسکے اعتبار سے۔ بدلا ہوا لفظ خاص مناسبت پیدا کر لیتا ہے۔

یہ اتفاق ہے کہ مولف کو فاتب سے عقیدت ہے، کاوش نہیں، ورنہ مبتذل اشعار کے نمونے میں یہ شعر درج ہوتا اور زخم کا لفظ بدل جاتا۔ اس زمین میں مجھے، دو شعر اور یاد آئے

کس شوق سے شریک جماعت ہوئے تھے ہم دیکھا سلام پھیر کے تو شیخ جی نہیں ✦ ✦

سر ہے ترا بجائے سبو جھوٹ کیوں کہوں داغ حرام چیز کبھی میں نے پی نہیں ✦

پرنس ہوٹل لکھنؤ میں عبدالسلام صاحب مجھسے ملے تھے، انھوں نے خواہش کی کہ اپنا کلام شعرالہند کے لئے دوں۔ میں نے خوش مذاق سمجھ کر ایسے پیرایہ میں گفتگو کی کہ آپ کو گراں نہ گذرے اور کلام دینے اور سنانے سے احتراز کیا۔

اول تو میرا کلام اخباروں اور رسالوں میں اسقدر موجود تھا کہ آپ کو مجھسے مانگنے کی ضرورت نہ تھی، دوسرے صاحب شعرالہند نے جناب محمد احمد صریر مینائی خلف امیر مینائی کو ایک طولانی خط بھیجکر ایسا سرمایہ طلب فرمایا تھا کہ امیر و داغ کے موازنہ کلام میں کام آئے۔ ساتھ ہی یہ بھی تحریر تھا کہ میری تمام تر کوشش یہ ہوگی کہ امیر کا درجہ داغ سے گھٹنے نہ پائے اور وہ داغ کے برابر نظر آئیں۔ اس تحریر سے پایا جاتا ہے کہ وہ موازنہ کے لائق نہیں ہیں مگر ان پر یہ احسان کیا جائے۔

صریر مینائی نے یہ خط مجھے بھیجدیا میں نے اس خیال سے کہ عبدالسلام صاحب تنقید کلام سے پیشتر، امیر کے خلاف رائے قائم کر چکے ہیں، اب مروت یا وجہ خاص سے خلاف ضمیر کام کرنا چاہتے ہیں صریر صاحب کو لکھدیا کہ جواب قلم انداز کیا جائے۔

صاحب شعرالہند کی طرح ہر شخص اظہار رائے میں آزاد ہے، صاحب شعرالہند گو کیا ہی وجہ رکھتے ہوں نہ وہ سخن فہم ہیں، نہ سخن سنج، حکیم عبدالحی صاحب مرحوم نے گل دعنا کی طرف توجہ فرمائی

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے کارخانہ میں تمام عطر صرف روغن صندل ہی سے بنائے جاتے ہیں

انھوں نے شعر الہند کی طرف، جن لوگوں پر صاحب شعر الہند نے تنقید میں حملہ کیا ہے ان کے لئے یہ شعر کافی ہے :-

تحسین ناشناس کا صائب ہی شکوہ سنج نفرین ناشناس کا ہم کیوں گلہ کریں

تعجب یہ ہے کہ ندوہ ایسے دار العلم کا تعلیم یافتہ جسنے مولانا شبلی اور مولینا سید سلیمان کے سایۂ دامن میں وقت گذارا ہو وہ مصحفی، اسیر، امیر، جلیل کے متعلق جادۂ تہذیب سے ہٹ جائے، میرے نسبت ضرور انھوں نے اچھے الفاظ کا استعمال کیا، مگر مجھے گونہ شکایت اس لئے ہے کہ انھوں نے مجھے حریف داغ مضبوط رائے کے ساتھ تسلیم کیا، مجھے تو اس حرف کا بھی درجہ حاصل نہیں ہے جو داغ کے قلم سے سہواً نکل گیا ہو۔"

" ریاض "

حضرت ریاض کی اس تحریر سے موضوع کے دیگر اطراف پر جو روشنی پڑتی ہے اس سے بحث کرنا ہمارا مقصود نہیں، لیکن اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ مبتذل نمونے کے تحت میں جو اشعار صاحب شعر الہند نے درج کئے ہیں ان میں سے دو اُن تک غلط پہنچے اور اس میں کلام نہیں کہ اس تصحیح کے بعد انکا رنگ بالکل بدل جاتا ہے۔

ریاض کے شاعر ہونے سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا لیکن اختلاف اس امر میں ہو سکتا ہے کہ ان کو کس رنگ کا شاعر قرار دیا جائے۔ اگر رنگ کی اُس بڑی تفریق پر نظر ڈالی جائے جس کا تعلق دہلی لکھنؤ سے ہے، تو حقیقت مسلمہ ہے کہ ریاض لکھنوی شاعر ہیں ان کے کلام میں قدرتاً وہی رنگ ہونا چاہئے جو اساتذہ لکھنؤ کا تھا، لیکن اگر اس کی تحتی تقسیمیں بھی ہو سکتی ہیں یعنی اگر لکھنؤ کی فضا شاعری میں صرف ایک ہی لحن کی حکمرانی نہیں رہی تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ریاض کی نغمہ سنجیاں کن کیفیات سے متعلق سمجھی جائیں گی۔

ظاہر ہے کہ دہلی کی شاعری یکسر جذبات کی زبان و گفتگو ہے اور جذبات بھی وہی جن کا تعلق زیادہ تر یاس و حرماں مہجوری و ناکامی سے ہے، اس لئے یونتو جذبات کی وسعت کے لحاظ سے اس کو بھی بہت وسیع ہونا چاہئے، لیکن اس سے رنگ میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہوتا اور اس کا تنوع ثابت کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایک ہی راگنی کو مختلف سازوں کے ذریعہ سے ظاہر کیا گیا ہے۔ برخلاف لکھنؤ کے کہ وہاں کی شاعری کا تعلق جذبات سے کم اور معاملات سے زیادہ ہے اور معاملات کی دنیا چونکہ بے پایاں چیز ہے اس لئے لکھنؤ میں مختلف رنگ کے شعراء نظر آتے ہیں۔ اور شوخی و بیباکی

صفدر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے کارخانہ کا ایجاد کردہ عطر حنا ہے جسکا استعمال ہر موسم میں خوشگوار ہے

کی گئی ہے یا نہیں (۲) اسکے راوی مجروح ہیں یا نہیں (۳) آیہ لاتقربوا الصلوۃ الخ کی شان نزول یہی واقعہ ہے یا اور۔ (۴) مفسرین کی اس باب میں کیا رائے ہے۔

ابوداؤد کے علاوہ ترمذی میں بھی یہی واقعہ موجود ہے لیکن ذرا اختلاف کے ساتھ۔ ابوداؤد کے الفاظ یہ ہیں:۔

عن علی ابن ابی طالب ان رجلاً من انصار دعاہ (علی) وعبدالرحمن بن عوف فسقاہما قبل ان تحرم الخمر فاہم علی فی المغرب قراقل یا ایہا الکفرون، فخلط فیہا، فنزلت لاتقربوا الصلوۃ الخ

یعنی شراب حرام ہونے سے قبل حضرت علی اور عبدالرحمن بن عوف کو کسی انصاری نے مدعو کیا اور اُن کو شراب پلائی۔ پھر مغرب کی نماز میں حضرت علی نے امامت کی اور اثنار قرأت میں "قل یا ایہا الکفرون" غلط پڑھ گئے، جس پر آیۂ "لاتقربوا الصلوۃ" نازل ہوئی (ابوداؤد کتاب الاشربہ صفحہ ۱۶۱ جلد دوم مطبوعہ نولکشور)

ترمذی کے الفاظ یہ ہیں:۔

عن ابن ابی طالب صنع لنا عبدالرحمن بن عوف طعاماً ودعانا وسقانا من الخمر فاخذت الخمر منا وحضرت الصلوۃ فقدموني فقرأت قل یا ایہا الکفرون ولا اعبد ما تعبدون ونحن نعبد ما تعبدون قال فانزل اللہ تعالیٰ یا ایہا الذین آمنوا لاتقربوا الصلوۃ وانتم سکاریٰ الخ

(ترمذی جلد دوم صفحہ ۱ مطبوعہ مصر)

ابوداؤد نے یہ واقعہ مسدد سے روایت کیا ہے اور ترمذی نے سوید سے۔ ابوداؤد سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی انصاری نے حضرت علی اور عبدالرحمن بن عوف کی دعوت کی تھی اور ترمذی کی روایت سے عبدالرحمن بن عوف کا دعوت کرنا پایا جاتا ہے ابوداؤد میں مغرب کے وقت کی تصریح ہے اور ترمذی میں کسی وقت کا ذکر نہیں لیکن یہ اختلاف ایسا نہیں ہے جس سے اصل واقعہ پر کوئی اثر پڑ سکے۔

بخاری اور ابن ماجہ میں یہ روایت نہیں پائی جاتی۔ نسائی میں اس آیت کے شان نزول کے متعلق ایک اور واقعہ نقل کیا ہے جو ابوداؤد میں بھی ہے لیکن حضرت علی کی شراب نوشی اور دعوت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ نسائی کی اصل عبارت یہ ہے:۔

قال عمر اللہم بین لنا فی الخمر بیانا شافیاً فنزلت الایۃ التی فی البقرہ فدعی عمر فقرأت علیہ، فقال عمر اللہم بین لنا فی الخمر بیاناً شافیاً فنزلت الآیۃ التی فی النساء، یا ایہا الذین آمنوا لاتقربوا الصلوۃ الخ فکان منادی رسول اللہ صلعم اذا اقام الصلوۃ نادیٰ لاتقربوا الصلوۃ الخ فدعی عمر فقرأت علیہ فقال عمر اللہم بین لنا

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے کارخانہ کا پتہ "حنا لکھنؤ" کافی ہے۔

"لاتقربوا الصلوٰۃ" کی شان نزول بیان کی ہے وہاں بھی حضرت علی کا کوئی ذکر نہیں ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ:-

"عبدالرحمن بن عوف نے جس زمانہ میں شراب حرام نہیں ہوئی تھی کسی صحابی کو مدعو کیا اور سب نے مل کر کھانا کھایا، اور شراب پی یہاں تک کہ خوب سیر ہو گئے، اور نماز مغرب کا وقت آگیا ان میں سے کوئی نماز پڑھانے لگا اور اثنا قرات میں "اعبد ما تعبدون" پڑھ گیا جس پر آیۃ "لاتقربوا الصلوٰۃ" نازل ہوئی" [1]

اسی طرح علامہ زمخشری اور امام رازی وغیرہ نے اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔ لیکن حضرت علی کی شراب نوشی کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ امام رازی نے آیۃ "لاتقربوا الصلوٰۃ" کے متعلق حضرت ابن عباس کی ایک اور روایت نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قبل حرمت خمر صحابہ شراب پی کر مسجد میں آتے تھے اور نماز پڑھتے تھے پس اللہ نے اُن کو اس آیت کے ذریعہ سے منع کیا۔

دُرِ منثور میں ایک جگہ سبب نزول وہی واقعہ حضرت علی کا نقل کیا ہے اور دوسری جگہ ضحاک اور ابن عباس سے سُکر نوم یعنی نعاس سبب نزول قرار پایا ہے۔

بہر حال آیۃ "لاتقربوا الصلوٰۃ" کی شان نزول میں مفسرین کا اختلاف ہے اور چونکہ ابو داؤد اور ترمذی میں حضرت علی کے واقعۂ بادہ نوشی ہی کو اس آیت کا سبب نزول قرار دیا ہے اور دوسری روایتیں اسکی معارض واقع ہیں۔ اس لئے ہمارے نزدیک یہ حدیث زیادہ قابل اعتبار نہیں ہے اور اس پر اعتماد کر کے ہم حضرت علی کے متعلق یقینی طور پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ اُنہوں نے شراب پی۔

ہر چند حضرت علی یا کسی اور کا قبل حرمت خمر شراب پینا قابل اعتراض فعل نہیں ہو سکتا اور نہ ہمارے پاس کوئی دلیل ایسی ہے جس سے یہ ثابت کر سکیں کہ بربنا، اتفاق حضرت علی نے کبھی شراب ہی نہیں پی لیکن یہ ضرور ہے کہ اس حدیث سے اسکو ثابت نہیں کر سکتے اور نہ آیۃ لاتقربوا الصلوٰۃ کا سبب نزول یقینی طور پر اس واقعہ کو قرار دے سکتے ہیں۔

مولانا شبلی نے یقیناً اس معاملہ میں کاوش نہیں کی اور ابو داؤد کی اس حدیث کو صرف اس بنا، پر کہ اسکے راوی غیر مجروح ہیں اختیار کر لیا، لیکن یہ کہنا کہ مولانا شبلی نے قصداً ابر بنائے

---

[1] انوار التنزیل جلد دوم صفحہ ۸۸ مطبوعہ مصر و مفاتیح الغیب الرازی جلد دوم صفحہ ۴۴۴ مطبوعہ مصر

---

* ع گلاب تمام عطروں سے زیادہ قیمتی مشہور عالم اور عام پسند ہے۔

عصبیت ایسا کیا، یقیناً ظلم ہے کیونکہ اگر مولانا شبلی کو تعصب تھا تو علامہ سیوطی کے متعلق تو نہیں کہا جا سکتا جنہوں نے اس آیت کی شان نزول یہی بیان کی ہے۔ اسی کی ساتھ چونکہ حرمت خمر سے قبل یہ واقعہ ہوا تھا اور حضرت علی پر کوئی الزام بھی عاید نہیں ہو سکتا، اس لئے اس شان نزول کو اگر صحیح سمجھا جائے تو بھی میرے نزدیک کوئی قباحت نہیں ہے۔

مسجد فضیخ کی وجہ تسمیہ کے متعلق وفاء الوفا میں بحوالہ مسند احمد جو حدیث نقل کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

عن ابن عمران النبی صلے اللہ علیہ وسلم اُتی بجر فضیخ نیش وہو فی مسجد الفضیخ، فشربہ فلذلک سمی مسجد الفضیخ۔

یعنی رسول اللہ کے پاس جب کہ آپ مسجد فضیخ میں تھے فضیخ کی ٹھلیا لائی گئی اور آپ نے اس میں سے پیا، اس لئے اس مسجد کا نام مسجد فضیخ رکھدیا گیا۔ (اس سے قبل اسکو مسجد شمس کہتے تھے) ہم نے مسند احمد میں خود اور دوسرے حضرات کے ذریعہ سے اس حدیث کو تلاش کرایا، لیکن یہ حدیث نہیں ملی۔ مسند ابی یعلی میں بھی اس کا ہونا وفاء الوفا سے ظاہر ہوتا ہے، لیکن ہم نے اس کی جستجو نہیں کی، کیونکہ یہ مسئلہ ایسا زیادہ اہم نہ تھا۔

ہرچند ہم کو مسند احمد میں یہ حدیث نہیں ملی اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ اسکے راوی کون کون ہیں جو اغلباً مجروح ہوں گے، لیکن ہم بحث کے اس پہلو کو اختیار نہیں کرتے بلکہ اس حدیث کو حد درجہ معتبر و صحیح قرار دیکر صرف لغت کی رو سے ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اس حدیث کے یہ معنے لینا سخت غلطی ہے۔

اس حدیث میں صرف دو لفظ بحث طلب ہیں۔ فضیخ اور نیش اور انہیں کے معنی محقق ہونے پر فیصلہ ہو سکتا ہے۔

فضیخ کے اہل لغت نے تین معنی لکھے ہیں:۔ عصیر العنب وشراب یتخذ من تمر مفضوخ والبن فلبہ الماحتی یرق (افشردہ انگور، وہ پانی جس میں کھجور کچل کر بھگوئی گئی ہو اور دُوہ دودھ جس میں اتنا پانی ملا دیا جائے کہ رقیق ہو جائے) عربی میں شراب کے معنی خمر یا بادہ کے نہیں آتے بلکہ ہر مائع مشروب کو شراب کہتے ہیں۔

امنو علی محمد علی کے کارخانہ کا تار کا یہ صرف 'خانکھنو' کافی ہے۔

فی الخمر بیانا شافیا فنزلت الآیۃ التی فی المائدۃ فدعی عمر فقرأت علیہ فلما بلغ ہل انتم منتہون قال عمر انتہینا انتہینا۔" (نسائی جلد دوم کتاب الاشربہ صفحہ ۳۲۳ مطبوعہ مصر و بگذار واہ ابو داود)

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمر نے تین مرتبہ شراب کے متعلق صریحی حکم چاہا اور تدریجاً وہ تینوں مشہور آیتیں نازل ہوئیں۔ یعنی پہلے سورۂ بقر والی (قل فیہما اثم کبیر ومنافع للناس واثمہما اکبر من نفعہما)، پھر سورۂ نساء والی۔ (لا تقربوا الصلوٰۃ الخ) اور اس کے بعد سورۂ مائدہ والی سے خمر قطعی طور پر حرام کر دی گئی۔

مفسرین بھی اس آیت کی شان نزول میں باہم مختلف ہیں۔ علامہ سیوطی نے حضرت علی کے واقعہ شراب نوشی کو ترمذی، ابو داؤد، حاکم اور نسائی کے حوالہ سے بیان کیا ہے اور بعینہٖ ترمذی کے الفاظ نقل کر دیے ہیں، (حالانکہ نسائی میں مذکور نہیں ہے) مگر علامہ زمخشری نے کشاف میں قاضی بیضاوی نے انوار التنزیل میں اور امام رازی نے تفسیر کبیر مفاتیح الغیب میں حضرت علی کی شراب نوشی کے متعلق کوئی ذکر نہیں کیا۔ قاضی بیضاوی نے سورۂ بقر کی تفسیر میں "یسئلونک عن الخمر والمیسر" کی شان کے متعلق فرماتے ہیں کہ:-

حضرت عمر، حضرت معاذ اور ایک شخص نے رسول اللہ سے شراب کے متعلق دریافت کیا اور کہا کہ یا رسول اللہ شراب کے متعلق کیا ارشاد ہوتا ہے کیونکہ وہ عقل کو زائل اور مال کو برباد کر دیتی ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:- "یسئلونک عن الخمر والمیسر"۔ لیکن اسکے بعد بھی بعض لوگ شراب پیتے رہے اور بعض نے ترک کر دی۔ اس واقعہ کے بعد عبد الرحمن بن عوف نے کسی شخص کو مدعو کیا اور شراب پی، پھر ایک انہیں سے امام بنا اور قرأت میں "قل یا ایہا الکفرون اعبد ما تعبدون" پڑھ گیا تو یہ آیت نازل ہوئی:- "یا ایہا الذین آمنوا لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ"۔ اس کے بعد ایک مرتبہ عتبان بن مالک اور سعد بن ابی وقاص وغیرہ شراب کے نشہ میں فخریہ اشعار پڑھ رہے تھے، سعد نے کچھ اشعار ایسے پڑھے جن سے انصار کی ہجو ہوتی تھی چنانچہ ایک انصاری نے ان کو مارا جس سے سر پھٹ گیا، انھوں نے رسول اللہ سے شکایت کی، عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے انھوں نے کہا کہ یا اللہ شراب کے متعلق کوئی حکم نازل نہ ہوا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی انما الخمر والمیسر الخ) [1]

اس پورے واقعہ میں کہیں بھی حضرت علی کا ذکر نہیں ہے۔ اسیطرح قاضی بیضاوی نے جہاں آیۃ

---

[1] انوار التنزیل جلد اول صفحہ ۳۰ مطبوعہ مصر و مفاتیح الغیب الرازی جلد اول صفحہ ۵۵، مطبوعہ مصر۔

صاحب مجد نے اور زیادہ صراحت کر دی ہے وہ لکھتا ہے کہ افشردۂ انگور اور بھگوئی ہوئی کھجوروں کا پانی جب تک ان میں شکر پیدا نہ ہو فضیخ کہلاتا ہے اور اگر اس میں شکر پیدا ہو جائے تو اُسے نضوح کہتے ہیں۔

بہرحال فضیخ کے معنی اس جگہ خواہ افشردۂ انگور لئے جائیں، یا آب تمر یا آب آمیختہ دُودھ کے، شکر اس سے وابستہ نہیں ہو سکتا اور اس لئے فضیخ کو خمر یا بادہ کہنا سخت نارواجسارت ہے۔

اب رہگیا لفظ نیش اس کے معنی شیعوں کے رسالہ اصلاح نے (جس سے غالباً سید وصی احمد صاحب نے یہ اعتراض لیا ہے) "نشہ پیدا کرنے والی" لکھے ہیں، حالانکہ یہ صریح مغالطہ ہے اور نیش کو نوشی کی صورت دیکر پیش کرنا چاہا ہے۔

نیش کا مادہ نشش ہے اور نشش کہتے ہیں کسی رقیق چیز کے جوش کھانے اور سنسنانے کو۔ اور میرے نزدیک اسی لفظ سے لفظ فضیخ کے معنی بھی واضح ہو جاتے ہیں۔

چونکہ افشردۂ انگور اور آب تمر کو گرم کر کے نہیں پیتے بلکہ دُودھ کو گرم کر کے پیتے ہیں، اس لئے معنی محرف یہ قرار پائیں گے کہ رسول اللہ کے پاس پانی ملا ہوا دودھ جو کسی برتن میں گرم کیا گیا تھا، کھولتا ہوا یا سنسناتا ہوا لایا گیا اور آپ نے اُسے پیا +

ترجمان حقیقت ڈاکٹر سر محمد اقبال کے اُردو کلام کا مجموعہ شائع ہو گیا

بانگِ درا

جناب علامہ ممدوح کی تقریباً ڈیڑھ سو عالی پایہ، حیات افروز اور جذبہ انگیز نظموں کا مجموعہ ہے جسمیں ممدوح نے اپنی شائع شدہ نظموں کو بعد اصلاح و انتخاب ترتیب فرمایا ہے اور بہت سی غیر مطبوعہ نظمیں بھی شامل ہیں جناب علامہ کا تخیل بلند، آپ کی ترجمانی فطرت آپکے رشحات خیال کا جوش و خروش ہماری تعریف سے مستغنی ہے، ہم اقبال کے بادۂ تخیل کے سرشاروں کو علماے عالم دیتے ہیں کہ جہاں تک بس ہو سکے وہ اس بے بہا مجموعہ کو خریدیں، پہلا ایڈیشن ختم ہونے والا ہے اور دوسرے ایڈیشن کا انتظار جیسا کچھ سوہان روح ہوا کرتا ہے اسے ارباب ذوق خوب جانتے ہیں۔ قیمت فی جلد للہ، مجلد ۱۲ کتابت و طباعت نہایت نظر فریب، کاغذ نفیس، ضخامت ساڑھے تین سو صفحات۔ المشتہر ممتاز علی اینڈ سنز دارالاشاعت پنجاب ۱۹ ریلوے روڈ لاہور

سنہ ۱۹۲۵ء کا قومی ہفتہ

ہندوستان افلاس نشان مین کوئی چالیس سال سے یہ بات چلی آرہی ہے کہ دسمبر کے اس مہینہ مین جسکہ انگریزی قوم کا سال ختم ہوتا ہے اور وہ اپنی فاتحانہ شادکامیون اور اپنے مقبوضہ ممالک کی وسعت پر عید مناتی ہے ہندوستان کے کسی شہر مین ایک یہ آل انڈیا نیشنل کانگرس "عرس" منایا جاتا ہے اس عرس کا مقصد بجز اسکے کچھ نہین ہوتا کہ اس مین بلا تو الی اور محفل سماع کے ہندی نسل کے چند ذی ہوش انسانون سے یہ کہلوا دیا جائے کہ

"انگریز ہندوستان کو بلا جبر و اکراہ اور بلا شرکت غیرے لندن یا دیگر ایک سال مین تفویض کر دین یعنی دیدین ورنہ ہم لیکر رہین گے"۔

گو ان اقوال سالانہ کے جواب مین لنڈن پارلیمنٹ سے ایک تم انگریز خطۂ ہندوستان ہر سال گرج کر یہ جواب دیدیتا ہے کہ تم ابھی جاہل ہو لیکن چونکہ عاقلان ہند کی ایک ارسطو سرشت اور فلاطون حکمت جماعت اس امر پر متفق ہو چکی ہے کہ ؎

"قطرہ قطرہ بہم شود دریا"

یعنی اگر انگریزی قوم کی کثیر التعداد افواج اور محیر العقول اسلحۂ جنگی بیڑون اور ہوائی جہازون کے ہوتے ہوئے بھی ہر سال بہ اندازۂ ایک خطبۂ صدارت کچھ نہ کچھ کہتے ہی رہے تو کسی دن یہ گفتار پیہم دریا ہو کر تمام انگریزون کو مع آلات حرب ڈبو دیگی اور اسطرح بلا خونریزی کے ہندوستان قبضہ مین ویسا ہی آجائیگا جیسا کہ شاید ہماری اسلاف نے بلا لڑے حاصل کیا تھا!

جب اس غرض کے ماتحت یہ عرس منایا جاتا ہے تو اسکی رونق بڑھانے کے لئے چند چھوٹے چھوٹے میلے بھی لگائے جاتے ہین مثلاً آل انڈیا خلافت کانفرنس ایجوکیشنل کانفرنس۔ پریس کانفرنس۔ ہندی کانفرنس۔ والنٹیر کانفرنس چھینی کانفرنس اور چنان کانفرنس وغیرہ وغیرہ۔ اور ان مین بھی نام کی مناسبت سے مختلف کرتب دکھلائے جاتے ہین مثلاً

خلافت والے کہتے ہین کہ دنیا مین یا تو اب انگریز ہی رہین گے یا خلافت!

ایجوکیشنل والے کہتے ہین کہ صرف انگریزی جاننے والے تعلیم یافتہ ہین باقی سب جاہل!!

ہندی زبان والے کہتے ہین کہ دنیا بھر کی حکومتون کو سرکاری زبان ہندی ماننی پڑیگی!!!

پریس والے کہتے ہین کہ ہندوستان پر یا تو انگریز حکومت کرینگے یا ہمارے پنچنامے کا کاغذ شایع ہونیوالے اخبارات!!!

لہذا انہین مقاصد کے ساتھ اس عرس مین شریک ہونا ہندوستان کا بڑے سے بڑا انسان اور چھوٹے سے چھوٹا اناڑی بچہ اکبر نہین تو عید کی نماز کے برابر واجب ضرور سمجھتا ہے خواہ وہ دسمبر ہی کا مہینہ کیون نہو۔

الغرض یہ عرس اس سال شہر کانپور واقع صوبہ متحدہ متصل لکھنؤ ڈاکخانہ کاکوری جہان ریل پر حملہ کرنیوالون کو باغی کہکر گرفتار کر لیتے ہین واقع ہوا اور چونکہ انسان فطرتاً تماشا طلب اور مناظر پسند واقع ہوا ہے لہذا اس خیال سے کہ کچھ دن سے ہم بھی انسان ہو گئے ہین

علاوہ عطر خانے کے ہر قسم کے عطریات اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے خرید فرمائیے۔

اور اس عرس میں ہندوستانی موالید ثلاثہ کے تینوں عناصر بھی جمع ہو جاتے ہیں یعنی حیوانات "نباتات" اور جمادات' اسلئے ہم نے فیصلہ کیا کہ کانپور چلیں لیکن قبل اسکے کہ ہم اپنے سفر کی کیفیت لکھیں ان کانگریسی موالید ثلاثہ کی تعریف کر دینا ضروری خیال کرتے ہیں۔

حیوانات سے مراد جاندار اجسام کی وہ جماعت ہے جو اپنے آپ کو کانگریس کی عقل کل فراست و تدبر کا منبع سمجھتی ہے اور اپنی تمام تجاویز میں انگریزوں کے خلاف ڈانٹ ڈپٹ' دھمکی' الٹیمیٹم' سوراج' چرخہ' ہوم رول' ترک موالات' تشدد' مقاطعہ اور کبھی کبھی فاقہ کشی اور روزے تک کا اہتمام کرتی ہے۔ اور اپنی ان تمام لایعنیات سے ۳۱ دسمبر تک انگریزوں کو اگر لرزہ براندام نہیں تو ہنسا ضرور دیتی ہے۔

نباتات سے مقصود ہیں کانگریس کے عارضی کرایہ کے مکانات پنڈال' سوشی کنیپ' مصنوعی دروازے۔ نئے بازار جلوس بندے ماترم۔ اللہ اکبر کے نعرے اور رضا کار جو محض اس ہنگامی اجتماع کے وقت پیدا ہوتے ہیں۔ اور یکم جنوری کو جہان سے پیدا ہوتے ہیں پھر وہیں چلے جاتے ہیں۔

کانگریس کی **تسم جمادات** میں وہ مقامی ہیفکرے ملازمین گورنمنٹ۔ وفاداران سرکاری۔ اسکولوں کے لڑکے مساجد کے امام۔ مندروں کے پجاری اور تاریک خیال تاجر و مہاجن داخل ہیں جو کال ایک ہفتہ تک اپنے سر پر کانگریس کے ہنگامہ آرا اجلاسوں کے طاری رہنے کے باوجود کس سے مس نہیں ہوتے۔ کانگریس کے پنڈال میں ٹکٹ لیکر شریک ہونا تو بڑی بات ہے وہ یہ بھی دریافت نہیں کرتے کہ یہ ہنگامے ہمارے شہر کے کسی محلہ میں ہو رہے ہیں۔ نیز کل جمادات دن بھر اپنی دوکانوں پر جمے رہتے ہیں گویا اس سال ان کے شہر میں کچھ ہوا ہی نہیں رہا۔

ایک ہندوستانی خصوصاً بقدر تھرڈ کلاس مقدرت والے مسافر کے لئے گھر سے چلتے وقت "ہمیں بھی لے چلو" کا خطرہ جسد سوہان روح ثابت ہوتا ہے اس کا نتیجہ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ آدمی بازار جانے کے بہانے سے بجدو جہاز تک ہو آتا ہے لیکن "چلنے والوں" کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ آپ تھے کہاں۔ پس کچھ ایسی ہی کشمکش کے رونما ہونے پر ہم نے بہ کمال ہوشیاری گاڑی اسٹیشن سے دو گھنٹہ پہلے بستر محلہ کے ایک مکان میں منتقل کر دیا اور پھر گھر میں کچھ ایسے مصروف ہو گئے گویا اب ہمیں کہیں جانا ہی نہیں لیکن براہو تماش پسندی کے پھیکے کا جب یہ پڑ جاتا ہے تو اسکا چھوٹنا اتنا ہی محال ہو جاتا ہے جتنا سید جالب صاحب دہلوی کے لئے ابتدائے عدم کی اڈیٹری کا چھوڑنا۔ پس عین اس وقت جبکہ وہ ہمیں تاک رہے تھے ہم نے بھی مٹی کے چند خشک ڈھیلے اٹھائے اور کھانستے ہوئے روانہ ہوئے۔ گویا ہم کا پوز نہیں بلکہ رفع شر کے لئے گھر سے میونسپل ہال تک جا رہے ہیں۔ اب انہیں تو یہی خیال ہوگا کہ ہم اس سوشی محکمہ حفظان صحت میں سرگرم عمل ہیں لیکن اتنے وقفہ میں ہم وطن سے کوسوں

عطر خانہ حبیبیہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے طلب فرمائیے۔

وہ اسٹیشن نکل گئے تھے اور بحمداللہ کہ تھرڈ کلاس کی ہر مصیبت کو انگریزی گنجت اور انگلو انڈین تکبر کے ساتھ برداشت کرتے ہوئے کانپور کے اسٹیشن پر جا پہونچے۔ ریل سے اتر کر پلیٹ فارم کے تنگ دروازہ پر کسانوں کی بستر بردار جماعت کی دھکا پیل اور تانگون کے میدان جہاد مین یون تو کانگریس کے تمام اجلاسون کا لطف آگیا تھا مگر وہ تو بوالہوسی تھی کہ پھر بھی تانگے کا حوصلہ کیا۔

چونکہ یہ فدوی عفی عنہ اس شہر کانپور مین بسلسلۂ تعلیم صدہا سال رہ چکا تھا اور راتون کو ایک نظاہر مولوی صورت بزرگ کے ساتھ محض تفریح طبع کے لئے یہان کی تاریک سے تاریک گلی سے واقف تھا اس لئے بلا تانگہ مگر مع بستر آنکھین بند کرکے جو کھولین تو خود کو ایک کانپوری کے مفرحہ کے مکان پر پایا۔ اطلاع ہوتے ہی ہمارا سانس قایم ہونے سے پہلے آکر جھوم گئے پھر تا تک خیر مقدم کے بعد صحن خانہ سے مع بستر ہمارا جلوس نکالتے ہوئے اوپر کی منزل مین لیگئے جو کارخانہ پارچہ بافی یا بنگلہ میلس لنڈن سے کسیطرح کم آراستہ نہین تھی۔ اب جو تلک نگر کے کسی کھدری کیمپ مین قیام نہین کیا اسکا سبب جہان چند اخبار نویسانہ وجوہ تھین وہان مسلمان لیڈرون کا وہ قحط زدہ چہرہ بھی تھا جو باوصف لاقات کے ایسے مواقع پر محض اسلئے شدت سے خٹک کرلیا جاتا ہے کہ کہین ہمارے پاس نہ ٹھہر جائین" مگر کسے خبر تھی کہ جو تلا دوزی ایک کانپوری بیرسٹر کی کوٹھی مین مقیم ہے وہ خدا جانے کسطرح اور کس رنگ مین کانگریس و خلافت کانفرنس کے ڈائس کے قریب پہونچکر مقررون اور لیڈرون کی بدحواسیون اور بھلکاپون کے فوٹو کھینچ لیگا۔

تلک نگر مین جہان کانگریس اور خلافت کانفرنس وغیرہ کے اجلاس ہوئے اگر ہمارے لئے کوئی مشکل کام تھا تو وہ صرف یہ کہ خود کو واقف کار لیڈرون اور شناسا اڈیٹرون سے اسطرح چھپائے رکھین کہ وہ ہمین پہچان نہ سکین ورنہ اظہار ملاقات پر خطرہ تھا کہ بہت سی غلطیان چھپالی جاتین لہذا بجز مولانا محمد علی کی ایک گھبرائی ہوئی ٹکر اور مولانا نیاز فتحپوری اور مولانا عبدالحلیم صدیقی کے ہمین کسی نے نہین پہچانا اب اس خاص ہندوستانی نوآبادی مین پہونچکر سب سے پہلے ہم نے لیڈرون کے کیمپ جھانکے۔ اس تاک جھانک سے مقصد یہ تھا کہ جو لیڈر عوام کو ترک موالات کی تعلیم دیتے دیتے جوان ہوگئے ہین وہ خود کسقدر عامل ہین؟ چنانچہ اس مقصد مین ہمین ۹۵ فیصدی کامیابی ہوئی مثلاً ایک لیڈر کے کیمپ مین کسی انگریزی کمپنی کے بنے ہوئے توال یا تولئے دیکھے جو منہ ہاتھ صاف کرنے کے لئے ایک رسی پر لٹک رہے تھے ایک لیڈر صاحب کو دیکھا جو خالص انگریزی کمبلون مین پارسل پیکٹ بنے چارپائی پر رکھے ہوئے تھے ایک لیڈر صاحب کی خدمت مین خالص انگریزی سگریٹ کے دو درجن ڈبے میز پر رکھے ہوئے تھے۔ ایک کیمپ مین کھانا کھیلا جارہا تھا گویا لوگ اس وقت قوم کے مصائب یاد کرکے تاسف کے ذریعہ سے ماتم

اصغر علی محمد علی تاجر عطر گھنٹہ گھر کا ٹیلیفون نمبر ۱۳۹ ہے

منا رہے تھے۔ ایک مسلمان لیڈر صاحب کا لحاف اور تکیہ اسدرجہ تکلف سے تھے گویا آپ آج اسی پر تکلف لحاف کو اوڑھکر جمعہ کی نماز پڑھانے جانے والے ہین ۔ عام اخبارات مین مولانا شوکت علی کو بڑے بھائی لکھتے ہین لیکن ہم نے کانپور مین ان کا ضد پیدا کرلیا یعنی گاندھی صاحب جو اپنی لاغری اور ضعف مین مولانا شوکت علی کی نوٹ بک معلوم ہوتے تھے ۔ چونکہ ان کے ساتھ اسوقت کچھ امیر کبیر مرید اور مریدنیان بھی تھین اس لئے ہم نے ان کی قیام گاہ کے بہت چکر کاٹے تاکہ ان کے قریب بھی کچھ مل جائے مگر بجز چند معمولی باتونکے کوئی خاص بات نہین ملی البتہ ان کے ایک معتقد کو ایک دن ناشتہ کرتے پالیا جو انگریزی کھن کا ڈبہ چاقو سے کاٹ رہے تھے ۔ کھدر پوشی کے لحاظ سے یون تو ہر لیڈر اچھا خاصا قابل مسیح کا انسان نظر آتا تھا لیکن ایک ہندو صاحب کی کھدری جناب ہوا کی وجہ سے جناب بن گئی تو اس کے اندر سے انگریزی بنیائن اور انگریزی جکن کی قمیص صاف نظر آگئی تھی ۔ ہندو لیڈرون کی قیام گاہون پر صبح جو مسواک کی جاتی تھی اس کی آواز پر گمان ہوتا تھا کہ یہان ہیضہ پھیل گیا ہے اور استفراغ کے نعرے زور شور سے لگائے جا رہے ہین ۔ البتہ کچھ مولانا قسم کے لیڈر کہین کہین محو تلاوت قرآنی بھی نظر آئے جو ہمین قریب سے گذرتا پاکر دیا دہ زور سے پڑھنے لگے یہ اُن کا خلوص تھا کوئی ریاکاری نہین ۔ صبح کی نمازمین جماعت کے اندر جو کمی نظر آتی تھی وہ شب کی قومی مصروفیت کی وجہ سے تھی جو قابل گرفت نہین البتہ بعض اخبار نویسون کو یہان جبری بھرتی کی طرح جبری نماز بھی اختیار کرنا پڑی تاکہ ساتھیون مین بُرے نماز مشہور نہون ان مین ہمارے ایک دوست بھی تھے جو بلا معاوضہ ہمارے ہر مضمون کو شکریہ کے ساتھ شائع کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہین ۔

آج کانگریس کے عظیم الشان اجلاس کی سرگرمیان جاری تھین ہم نے غسل کرکے سر لگایا اور محترم میزبان کا فاتحہ پڑھکر روانہ ہوئے اس مرتبہ اس قوم پرست طبقہ سے ٹکر ہوئی جو ایسے مواقع پر لیڈرون کی تقریرون کو نوٹ کرکے محض ملک و قوم کی محبت مین ان پر مقدمہ چلاکر کالے پانی پہونچا دیتا ہے ۔ ان کے چہرے "بہشتی زیور" سے کم منور نہین تھے ۔ البتہ وہ کسی لیڈر کو قریب سے گذرتا پاکر صرف ذرا ڈر جاتے تھے ۔ جیبون مین وہ نوٹ بکین محفوظ تھین جن مین کسی لیڈر کی غلط تقریر تو کیا البتہ دعائے گنج العرش اور درود تاج لکھی ہوتی ہے اور اسے جلسہ گاہ مین نکال کر عوام کی نظرین بچاکر کبھی کبھی پڑھ لیتے ہین پھر معلوم نہین لوگ انہین کیون بی۔ آئی ۔ ڈی ۔ کہتے ہین ؟ آج سب سے زیادہ شوق صدر کانگریس سروجنی نائیڈو کے دیکھنے کا تھا جنہین ہم نے سات آٹھ برس سے نہین دیکھا تھا ۔ جسوقت یہ کانگریس کے پنڈال مین داخل ہوئین تو ہزارہا آدمیون نے "ہمتا رمونی کی جے" کا پرزور نعرہ لگایا ۔ پولیس والے تو کہتے تھے کہ کوئی پندرہ ہزار کا مجمع ہے ۔ مگر ۳۳ کروڑ کی نمائندہ کانگریس مین ان پندرہ ہزار کو دیکھکر ہم ہندوستانیون کی بیداری اور ذوق آزادی کا تخمین لگا رہے تھے ۔ پنڈال بہت سادہ تھا

تمام ماہران فن نے اصغر علی محمد علی تاجر عطر کے عطر کو سب سے بہتر بتایا ہے ۔

ڈائس پر گاندھی (بڑے بھیا) تلک - موتی لال اور باردولی کے موقعہ پر وائسرائے اور بڑے بھیا سے ملاقات کرنے والے پنڈت مدن موہن مالوی کی تصویریں آویزاں تھیں البتہ تلک اور داس آبجہانی کی تصویریں زیادہ صاف نظر آتی تھیں چند لیڈروں کے مقولے بھی تھے مثلاً بڑے بھیا کا مقولہ تھا 'ایماندار بنو' 'اصلاح یا خانہ' (داس کا مقولہ تھا - مالویہ کے سامنے کا مقولہ تھا 'اتحاد طاقت ہے' کاش ہمارا یہ مقولہ بھی کوئی لٹکا دیتا کہ 'مضمون نگاروں کو معاوضہ دو' ڈیلیگیٹ اور تماشائی ۱۲ بجے سے آنا شروع ہو گئے - مزہ تو اس وقت آیا جب کوئی ڈیڑھ بجے اجمیر کے ڈیلیگیشن نے جبر پنڈال میں داخل ہونے کی کوشش کی اور کانگریسی رضاکاروں نے انہیں لکھنوی لہجہ میں روکنے کی جد وجہد کی لیکن جب ارجن لال سیٹھی دروازہ پر لیٹ گئے تو لاٹھی اور ڈنڈے کا مشاعرہ منعقد ہو گیا اسوقت پنڈال کے اندر بعض سورما بے طرح غزلیں پڑھنے لگے جسکی ردیف 'بھاگو' اور قافیہ 'لاٹھی چل گئی' تھا - کیوں صاحب اگر اسوقت پنڈال میں نام کو بھی جنرل ڈائر کہیں دکھائی دیجاتے تو ہمارے بہادری کے ہم سب لوگوں کا کیا حال ہوتا؟ بہرحال واپسی پر یہ سنا کہ ارجن لال سیٹھی مولانا حسرت موہانی اور بعض غیر معروف تماشائیوں کے ٹیپ کے بند اچھے رہے اور کانگریسی رضاکاروں نے انہیں خوب خوب داد دی -

ڈھائی بجے کے قریب باجوں کی آواز آئی سب سے پہلے پنڈت موتی لال نہرو داخل ہوئے ان کے سیدھے بازو پر لالہ لاجپت رائے پھر ڈاکٹر مراری لال مولانا ابوالکلام آزاد بڑے بھیا کے داخل ہونے پر پھر لوگوں نے دیر تک تالا زوری کی جے کا نعرہ لگایا - اب جو سروجنی نائیڈو پنڈال میں داخل ہوئیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ مولانا محمد علی بھی سایہ کی طرح ساتھ ہیں بڑے بھائی کی پرسکون آمد کا تو کیا ہی کہنا - ایم آر - جیکار - سری نواس آئینگر - ڈاکٹر انصاری - پرشوتم داس ٹنڈن - ایم سین گپتا - ولبھائی پٹیل وغیرہ جب لیاقت سے بیٹھ گئے تو ڈاکٹر بھاری لال صاحب نے اکھڑا استقبالیہ کمیٹی کی طرف سے خطبہ پڑھا اسکے بعد مسٹر گردھاری لال نے وہ پیغامات پڑھے جنمیں کانگریس کے اجلاس میں عدم شرکت کی معافی کے ساتھ چند وصیتیں اور نصیحتیں بھی تھیں - ان میں لارڈ سنہا مسٹر جناح سید رضا علی - ڈاکٹر ٹیگور مسز اینی بسنٹ وغیرہ کے پیغامات تھے لیکن ان تمام پیغاموں میں سب سے زیادہ کارآمد پیام سی - آر - داس آبجہانی کی بیوہ کا تھا جنہوں نے لکھا تھا کہ :-

"نہ بجھنے والی آگ کو روشن کیجئے تاکہ آزادی کی جنگ اس کے شایان شان لڑی جائے -"

اسکے بعد سروجنی نائیڈو صاحبہ نے اپنا خطبہ صدارت پڑھا - پھر منجانب صدارت مسٹر سی - آر - داس - کی موت پر اظہار ملال کا ریزولیوشن پیش ہوا جسے ہم نے بھی کھڑے ہو کر پاس کر دیا - اسکے بعد بڑے بھیا نے اردو زبان میں ہندیان جنوبی افریقہ کے متعلق ایک تجویز پیش کی لیکن درمیان میں کھانسی آجانے کے باعث انگریزی زبان میں تقریر ہونے لگی - اب جو مولانا محمد علی نے تقریر شروع کی تو ہم نے سمجھ لیا کہ بس کارروائی خاطر بطرح شروع ہو گئی - لطف تو اس وقت آیا جب ہمارے قریب ایک صاحب بدیسی کانگریس میں

اصغر علی محمد علی نامی عطر کے کارخانہ کا عطر خاصا بہت مشہور ہے -

کسی کو دیکھ رہے تھے اور ہم انہین تاک رہے تھے کہ یکایک انہون نے ہمین دیکھ لیا اور مارے لطف کے خصاب لاجواب بنکر رہ گئے غرض کانگرس کی تمام کارروائی کے بعد بطریق نتیجہ ہمکو یہ احساس ہوا کہ ریوے کمپنیون کو خوب آمدنی ہوئی - دوکاندارون کو کافی کامیابی ہوئی کئی ہزار ہندوستانی جاڑے مرے - ہماری ریل کا کرایہ مفت گیا اور کانگرس ہوگئی پارسال پھر آسام مین ہوگی اور انشاء اللہ ہم قیامت کے دن آزاد ہو ہی جائینگے -

---

خلافت کانفرنس مین کوئی خاص بات نہ تھی سوائے اسکے کہ اس کے پنڈال بنانے والے ضرور کوئی شیخ الاسلام تھے جنہون نے اسلامی مساوات کا لحاظ فرماتے ہوئے اسٹیج کو اسقدر نیچا بلکہ صندوقی قبر بنا دیا تھا کہ عام حاضرین اور اسٹیج مین کوئی خاص بلندی باقی نہین تھی - جن لڑکون نے قرآن پاک کی تلاوت کی انہین یہ ہدایت فرمادی گئی تھی کہ تم درمیان مین کہین سانس بھی لے لینا - جب صوفی حسرت موہانی صاحب نے استقبالیہ کمیٹی کا خطبہ صدارت ارشاد فرمایا اور سلطان ابن سعود کی مخالفت مین ان پر چند الزامات لگائے تو پنجابی نمائندون سے نہین رہا گیا اور انہون نے جھوٹ جھوٹ 'غلط' 'غلط' کے آوازے کسے ان مین سب سے نمایاں آواز غازی عبدالرحمٰن صاحب کی تھی جب غلط غلط اور ٹھیرو ٹھیرو کے آوازون کی فٹ بال ہونے لگی تو مولانا ابوالکلام آزاد نے فرمایا کہ 'سکون سے خیالات سن لو مگر جب اپنے بھی پنجابی بھائیون نے سکوت نہ فرمایا تو قبلہ حسرت موہانی نے آہستہ سے 'معاف کیجئے' فرماکر بیٹھا چھوڑ دیا خلافت کانفرنس مین بڑے بھیا اور مسز سروجنی نائیڈو داخل ہوئے اور معلوم نہین کیون گھبراکر ایک ایسی جگہ بیٹھ گئے جو بیٹھنے کی نہین تھی اور ہمین صاف نظر بھی نہین آرہی تھی شاید وہ کوئی صندوق تھا - مولانا ابوالکلام آزاد نے جب زنانے کا خطبۂ ارشاد فرمایا تو تھکن دور ہوگئی - نتائج کے لحاظ سے خلافت کانفرنس کسی قدر کامیاب رہی کیونکہ اگر موصل پر جنگ چھڑ گئی تو جیل خانہ کے لئے مسلمانون کو وافر غلا ملیگا ہے - جدہ مین خلافت کمیٹی کا تقرر بھی اچھی تجویز ہے - مگر اس کی صدارت سوائے ہمارے کوئی دوسرا قبول بھی نہین کرسکتا -

عملی روح اگر کسی کانفرنس مین دیکھی تو وہ صرف کمیونسٹ کانفرنس تھی جسکے اجلاس مین بے موقع بھوک پیدا ہو جانے کی وجہ سے ہم شریک نہو سکے -

یہ تھے وہ اجلاس جن مین ۳۳ کروڑ باشندون کے اعلیٰ ترین دماغ آزادی کے حصول کے لئے جمع ہوئے تھے مگر کسی ایک نے بھی یہ نہین کہا کہ اس مرتبہ کانگریس اپنا سارا زور صرف ہندو مسلم اتحاد پر صرف کردے آخر مین اپنے محترم میزبان کے موٹے موٹے لحافون کا شکریہ جنکے اندر ہم شدید جاڑے مین خفیہ پولیس بنے رہے - 'مُلّا دوزی' -

اصر علی محمد علی تاجر عطر کے کارخانہ کا عطر خاصہ بہت پرانا ہوگا اسقدر اسکی خوشبو دیرپا ہوگی -

استفسارات

قصر الحمراء

(جناب عبدالرحیم صاحب۔ بنارس)

اسپین کا قصر الحمراء کس زمانہ میں تعمیر ہوا، اس کا یہ نام کیوں ہے اور وہ کس خصوصیات کی بناء پر اس قدر مشہور ہے۔

(نگار) قصر الحمراء کی بنیاد ساتویں صدی ہجری کے وسط میں محمد ابن الاحمر نے ڈالی جسمیں بعد کو اضافہ عمارتوں ہوتا رہا، یہ اندلس کا مشہور شہر غرناطہ میں ایک بلند مقام پر تعمیر ہوا ہے اور ۳۰ ایکڑ زمین کو محیط ہے۔ اس کا نام الحمراء یا تو اس وجہ سے قرار پایا کہ اس کا بانی ابن احمر تھا یا اس لئے کہ اس کے پتھروں اور اینٹوں کا رنگ سُرخ تھا۔

قصر الحمراء اسلامی فن تعمیر کا عجیب و غریب نمونہ ہے اور اس عمارت میں خصوصیت خاصہ یہ ہے کہ اسکے اندر داخل ہوتے ہی ایک انسان یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ وہ بجائے اسپین کے دمشق میں موجود ہے اور اس کے ایک ایک دروازہ، ہر ہر ستون، ہر ہر گوشہ، ہر ہر ذرہ صحیح روح شرقیت ٹپکی پڑتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ دنیا میں بھی ایک عمارت ہے جسے عربوں کی قوت و ثروت اور مجد و علی کا صحیح مجسمہ کہہ سکتے ہیں۔ پھر اسکے ساتھ اس میں یہ خوبی بھی ہے کہ وہ دشمن کے مقابلہ میں محفوظ ترین قلعہ کا کام دیسکتا ہے۔

اس قلعہ میں متعدد صحن ہیں، اور ان میں سے ایک صحن، صحن، جین کے نام سے مشہور ہے جسکے وسط میں ۱۳۰ فٹ لمبا حوض موجود ہے جسکو چاروں طرف سے نارنج و ریاحین کے درخت احاطہ کئے ہوئے ہیں اور اس کے قریب میں وہ ہال ہے جو سفیروں کے لئے مخصوص تھا اور اس میں تخت رکھا رہتا تھا۔

قصر الحمراء نقوش ہندسی کی خوبی کی وجہ سے دنیا میں بے مثل چیز سمجھا جاتا ہے علی الخصوص وہ حوض جسکے چاروں طرف شیر بنے ہوئے ہیں کہ اس کا عجیب و غریب ہندسہ تو سمجھ ہی میں نہیں آتا۔

+ + + +

بعض اصطلاحات کا ترجمہ

(جناب سید محمد زکی حسین صاحب پٹنہ)

چند اصطلاحات کے متعلق مجھے جناب سے استفسار کرنا ہے۔ براہ کرم تکلیف فرما کر جواب کی زحمت گوارا کیجئے۔

علامہ حاجی علی محمد علی تاجر علوم کے کارخانہ کا طیار کردہ ہے جسکا استعمال ہر موسم میں خوشگوار ہے

(۱) انگریزی لفظ آرٹ کا ترجمہ اگر فن کیا جاتا ہے تو کیا آرٹسٹ کو مفنن کہیں گے۔

(۲) انگریزی میں Summum Bonum کس فن کا لفظ ہے اور اس کا کیا مفہوم ہے؟

(۳) انگریزی لفظ Renaissance کے لئے کونسا لفظ استعمال کرنا چاہئے۔؟

(۴) انگریزی لفظ Common Sense کا کیا ترجمہ ہوسکتا ہے؟

(۵) انگریزی لفظ Chaos کا کیا مفہوم ہے اور اس کا کیا ترجمہ ہوسکتا ہے؟

نگار (۱) چونکہ آرٹ کا ترجمہ فن کیا جاتا ہے اس لئے آرٹسٹ کا ترجمہ فنّان ہوگا، مُفنّن درست نہیں ہے

(۲) یہ اصطلاح غالباً اخلاقیات کی ہے اور اس کے معنی ہیں "غایت الغایات" کے

(۳) اس لفظ کے لئے عربی میں لفظ نہضت آتا ہے اور میری رائے میں اسکو اردو میں لے لینا چاہئے کیونکہ اس سے بہتر لفظ جو اس کے معانی پر پوری طرح حاوی ہو دوسرا نہیں مل سکتا۔

(۴) اس کا ترجمہ جرجی زیدان نے "حاسۂ اجتماعیہ" کیا ہے لیکن میرے نزدیک اس کا ترجمہ "ذوق سلیم" بہتر ہے

(۵) Chaos سے مراد مادہ کا وہ زمانہ ہے جب وہ غیر منظم حالت میں تھا اور اُس کے اندر اختلال و تشویش پائی جاتی تھی، یعنی قبل اسکے کہ اس سے کوئی مخلوق پیدا ہوتی اُس حالت کو اس لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔

ڈاکٹر رابرٹ کی کتاب "مبادیٔ الفلسفہ" کا جو ترجمہ احمد امین نے انگریزی سے عربی میں کیا ہے، اس میں اس لفظ کے معنی "عماء" کئے ہیں جو رسول اللہ کے ایک قول سے ماخوذ ہے۔ ایک مرتبہ لوگوں نے آنحضرت سے سوال کیا کہ "آسماں و زمین کی پیدائش سے قبل ہم کہاں تھے" تو آپ نے جواب دیا کہ "فی عماء تحتہ ہواء و فوقہ ہواء"

عماء مشتق ہے عمی سے جسکے معنی ہیں اندھے کے اس عماء کے مفہوم میں بے بصری تاریکی، اور حالتِ عدم سبھی شامل ہیں۔ ہرچند یہ لفظ ثقیل ہے اور اُردو داں حضرات کے لئے اس کا قبول کرنا سخت گراں گذرے گا لیکن کیا کیا جائے، اصطلاحات کے لئے اُردو میں الفاظ میسر آتے نہیں اور جب تک عربی یا فارسی سے الفاظ لیکر ان کو رواج نہ دیا جائے، کام نہیں چل سکتا۔ معلوم نہیں حیدرآباد کے واضعین مصطلحات نے اس کا کیا ترجمہ کیا ہے۔

+ + + + +

اگر آپکو عطر خاد کا ہے تو صرف اعزعلی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے طلب فرمائیے۔

ارسطو کا مدفن

(جناب شوکت کریم صاحب۔ ڈیرہ دون)

کیا آپ براہ کرم مطلع فرما سکتے ہیں کہ مشہور حکیم ارسطو کا مدفن کہاں ہے؟

(نگار) اب سے ربع صدی قبل یہ مسئلہ بالکل تاریکی میں تھا اور کسی کو خبر نہ تھی کہ ارسطو کا مدفن کہاں ہے، یا کہاں ہو سکتا ہے۔ لیکن ۱۸۹۷ء میں مسٹر ولڈ شٹن (مشہور آثاری) نے شہر ارتریا کے کھنڈروں میں ارسطو کی قبر پائے جانے کا اعلان کیا ہے اور جو استدلال اسنے کیا تھا وہ بڑی حد تک قابل وثوق ہے، اس نے جو بیان شائع کیا ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ:۔ "ارتریا سے نصف گھنٹے کی مسافت میں مجھے زیر زمین ایک دیوار نہایت نفیس سنگ مرمر کی ملی۔ میں نے خیال کیا کہ یہ ہیکل ارطامیس کے پہلو کی دیوار ہوگی، لیکن جب میں نے دیکھا کہ وہ راستہ کی طرف مڑ جاتی ہے اور اس کی چوڑائی بھی ڈیڑھ میٹر سے زائد نہیں ہے تو مجھ کو خیال ہوا کہ یہ ہیکل نہیں بلکہ کسی کی قبر ہے جو ارتریا کی تمام دریافت شدہ قبروں میں صنعت وتعمیر کے لحاظ سے بہت زیادہ بدیع ہے۔

اس میں سپید سنگ رخام کا ایک بڑا پتھر ملا جو غالباً سنگ بنیاد تھا کسی نہایت حسین تعمیر کا جسکے آثار اب مٹ گئے ہیں۔ اس کے نیچے ایک چونہ کا پتھر تھا جو یونانی طریق پر قائم تھا۔ ہر پتھر کا طول ڈیڑھ میٹر تھا اور یہ تعمیر اس قسم کی تھی جیسی عام طور پر قبل مسیح چوتھی صدی میں رائج تھیں۔

مسٹر ولڈ شٹن لکھتا ہے کہ اس سنگین حصار کے اندر میں نے ایک بڑی تربت دیکھی جسکے اندر طلائی اوراق سے لپٹی ہوئی ایک لاش موجود تھی۔ اس لاش کی انگلی میں سونے کی انگوٹھی تھی جس پر ایک جھکے ہوئے شیر کا نقش کندہ تھا، اس شیر کے سر پر ایک ستارہ اور دونوں پاؤں کے پاس بجلی کی صورت منقوش تھی۔

اسی طرح یکے بعد دیگرے چھ تابوت اور دریافت ہوئے لیکن چھٹے تابوت میں سات طلائی تاج ملے، ایک معدنی قلم (جس میں شگاف بھی معمولی قلموں کی طرح تھا) اور چھوٹی چھوٹی تماثیل جس میں ایک تمثیل فیلسوف کی تھی، اس حالت میں کہ وہ کھڑا ہوا تھا، اور دونوں ہاتھ مڑے ہوئے ایک دوسرے پر رکھے تھے۔ میرے دل میں یہ خطرہ گذرا کہ ممکن ہے کہ یہ قبر ارسطو کی ہو، کیونکہ کرسٹوڈوس کا بیان ہے کہ اسنے ارسطو کا مجسمہ قسطنطنیہ میں اسی وضع واندازکا دیکھا تھا۔

دوسرے دن ایک اور قبر اس کے محاذ میں دریافت ہوئی اور جسکے پتھر پر یہ دو کلمے منقوش تھے:۔

"بوتھہ ارسطوطلور" قدیم تحریروں کے سمجھنے والوں کا اتفاق ہے کہ یہ تحریر مسیح کے تین صدی قبل سے

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا ٹیلیفون نمبر ۱۳۹ ہے۔

بھی پہلے کی ہے۔ اس لئے ثابت ہوا کہ یہ قبر خاندان ارسطو میں سے کسی فرد کی تھی اور وہ تاج والی قبر ارسطو کی کیونکہ تاجوں کا ہونا، قسلم کا پایا جانا، اور ارسطو کی تمثیل کا وہاں موجود ہونا اس کا کافی ثبوت ہے کہ اس کی تائید یوں بھی ہوتی ہے کہ ارسطو ۳۲۲ ق م میں تھیئس کو چھوڑ کر خلکس آگیا تھا جو ارتریا کے قریب ہے یہیں اس کی جائداد تھی اور یہیں یہ مرا۔

+ + + ✲ + + +

یاجوج ماجوج

(جناب محمد احمد صاحب۔ علیگڈھ)

یاجوج ماجوج کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے اور ذوالقرنین سے کون شخص مراد ہے؟

(نگار) میں کیا اور میری رائے کیا، جب کہ اس مسئلہ کے متعلق بڑے بڑے علماء میں سخت اختلاف ہے، آپنے غالباً سرسید مرحوم کی تحقیق اس باب میں ملاحظہ کرلی ہوگی۔ اگر نہ دیکھی ہو تو اب دیکھ لیجے، میں مزید روشنی ڈالنے کے لئے بیروت کے ایک فاضل محمد جلیل بیہم کی رائے کا خلاصہ اس جگہ درج کئے دیتا ہوں، ممکن ہے کہ اس سے آپ کچھ مطمئن ہوسکیں، وہ لکھتا ہے:۔

"تفسیر جلیلین میں تحریر ہے کہ قرآن مجید میں جن دو سدّ کا ذکر ہے ان سے مراد بلاد ترک کے پہاڑ ہیں اور یاجوج ماجوج نام ہیں دو اعجمی قبیلوں کے۔ قاضی بیضاوی نے لکھا ہے کہ سدّ سے مراد ارمینیا اور آذربائیجان کے پہاڑ ہیں اور یاجوج ماجوج دو قبیلے تھے یافث بن نوح کی اولاد سے۔ ضحاک کا قول ہے کہ یاجوج نام تھا ایک ترکی قبیلہ کا۔

ذوالقرنین کے متعلق بھی اختلاف ہے کوئی اسے مرزبان یونانی بتاتا ہے، کوئی اسکندر بن فیلقوس کہتا ہے اور کسی نے اسکندر مقدونی بتایا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ترک اپنے عہد وحشت میں چین و فارس کے درمیان غارتگری کی زندگی بسر کیا کرتے تھے اور چونکہ بے انتہا قوی و شجاع تھے اس لئے ان سے عہدہ برآ ہونے کی کسی سلطنت میں ہمت نہ تھی۔ اس لئے اہل چین انہیں ہیونگ نو (Hiung-nou) یعنی گنہگار و باغی جماعت کے لفظ سے موسوم کرتے تھے۔ ان کے ظلم و غارتگری کی شہرت تمام اطراف و جوانب میں پھیل گئی تھی حتیٰ کہ جزیرۃ العرب قبل از اسلام میں بھی لوگ خائف رہتے تھے۔ آخر کار ترکوں کے خطرہ سے محفوظ رہنے کے لئے چین کے بادشاہ چی وانگ ٹی نے ۲۱۵ ق م میں

اصغر علی محمد علی تاجر عطر کے کارخانہ کی طیار کردہ اشیاء خالص ہوتی ہیں۔

دیوار بنوائی جو چین کی دیوار سے موسوم ہے اور اسی کو قرآن کریم میں لفظ سدّ سے تعبیر کیا ہے۔ جی وانگ بی بادشاہ چین کو ذوالقرنین کہنا اس بنا پر تھا کہ حسب عادت اہل چین اسکی پیشانی کے دونوں جانب یا ٹوپی میں دو فیتے ابھرے ہوئے رہتے تھے۔

علاوہ اس کے لسانی تحقیق بھی اسکی موید ہے۔ کیونکہ اہل چین مغلوں اور ترکوں کو نیونچی کہا کرتے تھے جو بعد کو وجوجی اور وجوجی ہوا اور اہل عرب میں پہونچکر اس کا تلفظ یاجوج ماجوج ہو گیا"۔

سرسید مرحوم نے بھی تقریباً یہی لکھا ہے لیکن زیادہ فصاحت کے ساتھ۔

مثنوی کا ایک شعر

(جناب سید عبدالحسین صاحب مولوسوی بی۔اے۔ روہڑی)

جناب شعر اور تصوف میں خاص دستگاہ رکھتے ہیں۔ برائے مہربانی مندرجہ ذیل شعر کا مطلب تحریر فرما کر ممنون کیجئے:۔

کور کورانہ مرد در کربلا
تا نیفتی چوں حسین اندر بلا

(نگار) خیر یہ تو میرے اوپر سخت تہمت ہے کہ میں تصوف میں دستگاہ رکھتا ہوں، لیکن اس شعر کا جو مفہوم میری سمجھ میں آیا ہے عرض کرتا ہوں۔

آپ کو غالباً اس لئے اس شعر کا مفہوم دریافت کرنے کی ضرورت ہوئی کہ بظاہر اس میں امام حسینؓ پر حملہ معلوم ہوتا ہے، کربلا میں اندھوں کی طرح نہ چلے جاؤ تاکہ حسینؓ کی طرح بلا میں نہ پڑ جاؤ" گویا حسینؓ کا کربلا کے مصائب میں مبتلا ہو جانا اُن کی بے بصری تھی۔

لیکن یہ معنی صرف اُس وقت پیدا ہوتے ہیں جب تا کے معنے تاکے لئے جائیں، لیکن اگر اسکو "جب تک" کے معنے میں لیا جائے تو مطلب بالکل بدل جاتا ہے۔ اس صورت میں اس کا مفہوم یہ ہوگا:۔

"کربلا میں اندھوں کی طرح نہ چلے جاؤ، جب تک حسینؓ کی طرح بلا میں پڑ کر مجبور نہ ہو جاؤ"

یعنی تاوقتیکہ تم حسینؓ کی طرح بلا میں پڑ کر مجبور نہ ہو جاؤ" اُس وقت تک اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

+ + + + +

کارخانہ اعزعلی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے جسکو قریب ایک صدی کا زمانہ ہوا جاری ہے۔

ہندی اور عربی شاعری

(جناب فیاض علی خانصاحب - دربھنگہ)

آپ نے اپنی تصنیف جذبات بھاشا میں ہندی کلام کے نہایت پاکیزہ نمونے درج کئے ہیں اور بعض بعض کا انداز بیان تو اس قدر دلچسپ ہے کہ اس کا لطف بیان نہیں ہوسکتا۔ مثلاً ایک دوہا آپ نے لکھا ہے جس کا مفہوم ہے کہ:-

"اس نے موتیوں کا ہار پہنا لیکن وہ اسکے رنگ جسم سے کہر کا ہار معلوم ہونے لگا جس خاوند نے ہار پہنایا تھا وہ تعجب سے دیکھ رہی تھی کہ میں نے تو موتیوں کا مالا پہنایا تھا، یہ کہر بالکا کیسے ہوگیا اور تنکوں سے چھو چھو کے اُسے دیکھ رہی ہے کہ واقعی یہ کہر بالو نہیں ہے، حالانکہ اُسے یہ خبر نہیں کہ اس کا رنگ تو پہننے والے کے رنگ جسم نے بدلا ہے"

میرے ایک ہندو دوست ہیں، انکا خیال ہے کہ یہ رنگ ہندی کے لئے مخصوص ہے اور کسی زبان میں نہیں پایا جاتا۔ اس کے بعد عربی شاعری کا ذکر آگیا اور اُنھوں نے کہا کہ اس میں تو سوائے اونٹ اور اُس کی منگنیوں کے کچھ اور نظر ہی نہیں آتا، اس رنگ کا وہاں ذکر بھی نہیں ہے"

کیا اُن کا یہ کہنا صحیح ہے۔ میرے نزدیک عربی شاعری بھی اس رنگ کے کلام سے خالی نہیں ہوسکتی دو چار مرتبہ نگار ہی میں بعض ایسے شعر دیکھنے میں آئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عربی زبان میں بھی بڑے بڑے رنگین اشعار پائے جاتے ہیں۔ براہ کرم اس مسئلہ پر روشنی ڈال کر ممنون کیجئے۔

(نگار) یہ صحیح ہے کہ ہندی شاعری نہ صرف جذبات و کیفیات بلکہ تشبیہات و استعارات و ندرت بیان کے لحاظ سے بھی بہت مکمل ہے لیکن یہ دعویٰ کرنا کہ دنیا میں کسی اور زبان کی شاعری ان خصوصیات سے یکسر خالی ہے، درست نہیں ہوسکتا۔ یقیناً عربی شاعری کے لئے باعث فخر اس کے وہی جذبات ہیں جو ایام جاہلیت میں حد درجہ سادگی اور بیساختگی کے ساتھ ظاہر کئے جاتے تھے اور بادۂ عشق سے سرشار ہوتے تھے، لیکن تمدن کی ترقی اور عجمیوں کے اختلاط سے عربی شاعری میں جو تغیر پیدا ہوا اس میں کثرت سے اس نوع کی مثالیں بھی ملتی ہیں جیسی آپ نے ہندی شاعری کی پیش کی ہیں۔

افسوس کہ اس وقت میں زیادہ تفصیل و استیعاب سے کام نہیں لے سکتا ورنہ شاید سیکڑوں اشعار اس کے

(منہ عالم محمد علی تاجر عطر گنج کا عطر خانیا ہوا ہر موسم میں استعمال ہوسکتا ہے۔

مہیا کر دیتا تاہم جسقدر اس وقت پیش نظر ہیں عرض کرتا ہوں۔ ممکن ہو کہ آپ اپنے ہندو دوست کو اُن کی ذریعہ سے سا کت کر سکیں :-

ابو اسحاق مصری (خطیب جامع معر) کا بیٹا عبدالحکم اپنے محبوب کے دانتوں کی تعریف کرتا ہے لیکن جدید انداز بیان سے ملاحظہ ہو :-

قامت تطالبنی بلولو نحرہا — لما رأت عینی نجود بدرہا
وتبسمت عجبا فقلت لصاحبی — ہذا اللذی اتہمت بہ فی ثغرہا

مفہوم یہ ہے کہ مجھے روتے روتے دیکھ کر اسنے کہا کہ ان موتیوں سے مجھے بھی کچھ دو کہ اپنے گلے کا ہار بنالوں لیکن اس کے بعد جب وہ مسکرائی تو میں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ دیکھو جس چیز کی تہمت اسنے مجھ پر رکھی تھی وہ خود اسکے دہن کے اندر موجود ہے۔

ابو الحسن علی بن عطیہ قریب قریب اسی مفہوم کو دوسرے انداز سے ظاہر کرتا ہے :-

وشادنٌ طاف بالکؤس ضحی — فحثہا والصباح قد وضحا
والروض یبدی لنا شقائقہ — والمسہ العنبری قد لفحا
قلت ابن الاقاح قال لنا — او دعت ثغر من سقی القدحا
فظل ساقی المدام یجہد نا — قال فلما تبسم افتضحا

یعنی صبح کے وقت ایک خوبصورت ہرن پیالوں کے چاروں طرف گھومنے لگا اور ان میں جنبش دینے لگا حالانکہ صبح ہو چکی تھی، مرغزار نے لالہ کے پھول کھلا رکھے تھے اور عنبریں ریاحین کی خوشبو پھیل رہی تھی، میں نے پوچھا بابونہ کے پھول کہاں چلے گئے میرے ساتھی نے کہا کہ جسنے جام شراب دیا تھا اسی کے منہ میں میں نے رکھدیے ہیں یہ سُنکر ساقی نے اس سے انکار کیا، لیکن جب ہنس پڑا تو سارا راز کھل گیا۔

ابو اسحاق ابراہیم کے دو شعر اسی رنگ کے ملاحظہ ہوں :-

حتی اذا طاح عنہا المرط من دہش — وانحل بالفم سلک العقد فی الظلم
تبسمت فاضاء اللیل فانتظمت — حبات منتشر فی ضوء منتظم

یعنی جب ہم آغوش ہونے کے وقت اس کی چادر سرک گئی اور موتیوں کا ہار ٹوٹ گیا تو وہ گھبرائی لیکن بعد کو جب مسکرا پڑی تو اندھیری رات میں بھی تمام موتی ایک ایک کر کے چُن لئے۔

ابو العباس الدارمی لکھتا ہے :-

ہمارے ہاں عطا تاجر عطا لکھنؤ کے کارخانہ کا عطا خاں اور جگر سے خوشگوار ہوگا۔

اتانی فی قمیص اللاذ یسعیٰ — عدو بی یلقب بالحبیب
وقد عبث الشراب بمقلتیہ — فصیر خدہ کسنا اللہیب
فقلت لہ بما استحسنتہ ھذا — لقد اقبلت فی زی عجیب
احمرہ وجنتیک کستک ھذا — ام انت صبغتہ بدم القلوب
فقال الراح اہدت لی قمیصا — کلون الشمس فی شفق المغیب

یعنے میرا دشمنِ جاں جسے میں دوست کہتا ہوں ایک دن میرے پاس آیا اس حال میں کہ سُرخ حریر کی قمیص اُسکے بدن پر تھی آنکھوں میں شراب کا نشہ تھا اور رخسار شعلہ کی طرح دمک رہے تھے، میں نے کہا آج تو قیامت کا حُسن ہے، بلا کا لباس ہے۔ سچ بتا یہ ملبوس کا رنگ تو نے اپنے رخساروں سے لیا ہے یا عاشقوں کے خوں دل سے اُسے رنگا ہے۔ بولا کہ یہ ہدیہ ہے شراب کا، کیا تو نے نہیں دیکھا کہ غروب کے وقت شفق میں سورج کا بھی یہی رنگ ہوتا ہے۔

ابوجعفر اندلسی، اپنی کامیابی کی تصویر کھینچتے ہوئے ایک شعر لکھتا ہے:۔

تحیر اللیل این مطلعہ — اما دری اللیل ان البدر فی عضدی

رات متحیر ہے کہ وہ چاند کہاں چلا گیا۔ اُسے خبر نہیں کہ وہ تو میرے پہلو میں جگمگا رہا ہے۔

ابونصر ایک وادی کی تعریف کرتا ہوا وہاں کے سنگریزوں کی خوشنمائی کو اس طرح ظاہر کرتا ہے۔

یروع حصاہ حالیۃ العذاریٰ — فتلمس جانب العقد النظیم

یعنے جب حسین اس وادی سے گزرتے ہیں اور یہاں کے سنگریزوں کو دیکھتے ہیں تو فوراً اپنے ہاروں کو دیکھنے لگتے ہیں کہ کہیں ایسا تو نہیں ہوا کہ ان کے جواہرات ٹوٹ کر یہاں گر گئے ہوں۔

عین الزماں طالبسی کے چند شعر ملاحظہ ہوں:۔

من رکب البدر فی صدر الرویتی — ومتوہ السحر فی حد الیمانی
وانزل النیر الاعلے الی فلک — مدارہ فی القباء الخز ثانی
طرف زنا ام قراب مثل صارمہ — او اغید مائس ام اعطاف خطی

چہرہ و قد کی تعریف میں کہتا ہے کہ "یہ چودھویں کے چاند کو کس نے نیزہ کی نوک پر رکھدیا ہے اور شمشیر یمانی کی دھار میں کس نے جادو بھر دیا ہے" (یہ آنکھ کی تعریف ہے) پھر لباس کے اندر جگمگانے والے جسم کو دیکھ کر

انز علی محمد علی صاحب عطر کے کارخانہ کا عطر خاص جو قسم میں استعمال ہو سکتا ہے۔

کہتا ہے کہ آفتاب کو کس نے آسمان کی بلندی سے اُتار کر قبا خسروی میں لاکر رکھدیا۔

اس کے بعد وہ پھر آنکھ کی صفت بیان کرتا ہے کہ یہ کوئی نیام ہے جسکے اندر سے تیز تلوار نکلی ہوئی نظر آرہی ہے اور اس کے بعد قد و قامت کے متعلق کہتا ہے کہ یہ کوئی لچکیلا ہیرا ہے یا لچکدار برچھا۔

اس کے یہ اشعار بھی ہیں :-

اما و ذائب مسک من ذوائبہ علی اعالی القضیب الخیزرانی

و مایجن عقیقی الشفاہ الرحیق و الثغر الجمانی

لیکن شعر تو یہ ہے کہ :-

لو قیل البدر من فی الارض تحدہ اذا تجلی لقال ابن الفلانی

یعنی اگر چودھویں کے چاند سے پوچھا جائے کہ زمین میں تجھ کو کس پر رشک آتا ہے تو وہ کہدیگا کہ فلاں کے بیٹے پر

اسماعیل بن ابی الحسن کہتا ہے :-

رق الزجاج و رقت الخمر و تشابہا فتشاکل الامر

فکانما خمر و لا قدح و کانما قدح و لا خمر

شراب و شیشہ کی پاکیزگی کا ذکر ہے کہ یہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ شیشہ شراب ہے یا شراب شیشہ۔

لیکن اگر سچ پوچھئے تو عربی شاعری کے لئے باعث فخر یہ اشعار نہیں ہیں بلکہ وہ وہی ہیں جن میں یہ تصنع یا آورد یہ خواہ مخواہ کی مضمون آفرینی نہیں پائی جاتی اور جن کا تعلق جذبات سے ہے۔

ممکن ہے آپ کو مندرجہ بالا اشعار میں کچھ لطف آیا ہو لیکن میرے لئے وہ بالکل بے مزہ ہیں اور مجھے مسرور کرنے کے لئے تو صرف اس قسم کے اشعار درکار ہیں :-

اصم اذا نودیت باسم دانبی اذا قیل لی یا عبدہا لسمیع

لانی عنی الابیا عبدہا فانہ اشرف اسمائی

جب کوئی میرا نام لیکر پکارتا ہے تو میں بہرا بن جاتا ہوں، لیکن جب کوئی اُس کا غلام کہکر بلاتا ہے تو فوراً بول اُٹھتا ہوں۔ اس لئے اے لوگو مجھے تو تم یہی کہہ کر پکارا کرو کہ "اے فلاں کے غلام" کیونکہ اس سے زیادہ عزت والا نام میرے لئے اور کوئی نہیں ہے +

امیر علی محمد علی کے کارخانہ میں تمام عطر خالص صندل ہی سے بنائے جاتے ہیں۔

منظومات

رازِ مسرت

رموزِ فطرتِ انسان کو بجز یکتا نہ پایا
ابھی آنکھوں نے کیا دیکھا ابھی ساحل کہاں پایا

بہت میخانۂ عالم مین کی پیمانہ گردانی
کسی کو سرنگون دیکھا کسی کو خون چکان پایا

مثالِ گل جسے دیکھا بظاہر شادمان ہم نے
دلِ صد چاک مین اسکے بھی اک زخمِ نہان پایا

غرض ہر ہستیِ عالم پہ تھا اک کیفِ غم طاری
یہی دیکھا جہان دیکھا یہی پایا جہان پایا

مگر ممکن ہے اس تاویل مین ہو کچھ خطا اپنی
نہ ہو راحت کے معنی سے طبیعت آشنا اپنی

نہ ہو احساسِ راحت کا تو راحت اسکو کیون کہیے
غم اندوہ کہیے یا اسے سوزِ دروں کہیے

سکونِ دل اگر حاصل نہو دولت کمانے سے
تو اس سودے کو سر مین ایک اندازِ جنون کہیے

خمارِ بادۂ الفت اگر پستی مین لیجائے
تو اسکو ساغرِ دل مین تمنا ؤن کا خون کہیے

تبسم عارضی ہے گر لبِ غنچہ مین تو اس کو
طلسمِ فصلِ گل کہیے گلستان کا فسون کہیے

مسرت وہ ہے جس سے ہو حیاتِ جاودان پیدا
نہ ہو کلفت کی آمیزش نہ ہو غم کا نشان پیدا

مبارک ہے وہ کیفیت جو دلکو شادمان رکھے
مبارک ہے وہ خاموشی جو انداز بیان رکھے

غنیمت ہے وہ جذبہ جو بنا دے محو انسان کو
نہ اسکو مضطرب رکھے نہ سرگرمِ فغان رکھے

ہے اچھا وہ تصور جو صبا کی طرح آ آ کر
ریاضِ آرزو کی قلب مین رنگینیان رکھے

ہے بہتر وہ شرارِ شوق جو ہنگامِ حرمان مین
چراغِ جستجو گوشہ مین دل کے فروزان رکھے

وہ خندہ خوب جس سے غنچۂ امید کھل جائے
وہ گریہ خوب جس سے گوہرِ مقصود مل جائے

محمود اسرائیلی۔

صرف ہندوستانی عطریات بنانے کارخانون مین سب سے بڑا جو پچاس برس سے جاری ہے اصغر علی محمد علی کا کارخانہ ہے۔

فسردہ دل

بہار گلشن امکان سے کیا اس کو مسرت ہو
کہ ہو پروردہ دست خزان پہلو مین جسکے دل
بھلا کیا خندہ ہائے گل سے اسکو دلکو فرحت ہو
بقدر یک تبسم بھی نہو جسکو خوشی حاصل

حوادث نے ستم ڈھائے ہین کیا کیا قلب مضطر پر
بنے ہین انقلابات جہان اک زخم پہلو مین
دل افسردہ ہے یک قطرۂ خون نوک نشتر پر
شدائد کا نہان طوفان ہے ہر ایک آنسو مین

بھلا کیا اس شکستہ پا مسافر مین ہو کچھ ہمت
کہ جسکو دیکھکر کھینچ جائے کوسون منزل مقصد
نہ وہ مین خار مغیلان دو قدم کی بھی جسے فرصت
نہو کچھ انتہا بعد مسافت کی نہ کوئی حد

ادھر صیاد کی نظرین تجسس مین ادھر گلچین
نشیمن کے لئے کس طرح موزون پھر گلستان ہو
کہین ایسا نہو دو چار پر ہون قسمت بدبین
کہین ایسا نہو دو چار تنکے بھی پریشان ہون

اڑھائین اہل عشرت لطف صبح و شام موسیقی
اگر بھاری ہون تو ہونے بھی دو بیمار کی راتین
رہے ہر سو در خاص و دق عام موسیقی
نہ پڑ جائین کہین کانون مین اک افسردہ کی باتین

قیصر بھوپالی ۔

حضرت نیاز فتحپوری کی تصانیف

صحابیات ۔ نگارستان ۔ گہوارہ تمدن ۔ شہاب گی سرگزشت ۔ ان کی مجموعی قیمت ۴ عہ لیکن ایک ساتھ طلب کرنے پر محصول نہین لیا جائیگا ۔

مینیجر نگار ۔ بھوپال ۔

مادّہ

عرض کہیں ہے یہی مادّہ کہیں جوہر — کہیں بحر ہے قطرہ کہیں کہیں گوہر
حجر کہیں ہے کہیں ہے شجر کہیں حیوان — کہیں ہے مہر کہیں ماہ ہے کہیں اختر
کہیں ہے دانہ کہیں دام ہے کہیں صیاد — کہیں لہو ہے گلو میں کہیں دم خنجر
کہیں ہے شاخ شگوفہ کہیں شجر ہے کہیں — کہیں ہے خاک کہیں اینٹ ہے کہیں پتھر
کہیں ہے جام ہے سر کہ کہیں کہیں بادہ — کہیں ہے برق کہیں کشت ہے کہیں اخگر
کہیں ہے نیش کہیں نوش ہے کہیں تریاق — کہیں نمک ہے کہیں ایلوا کہیں شکر
یہ کیا ہے؟ کب سے ہے؟ کیونکر ہے؟ کہ نہیں سکتے — کرشمہ گو ہے اسیکا امین ہر اک منظر

بفہم عقل نہ آید کہ مادہ چہ بلاست!
بگیر تم کہ چگونہ نشد نے کاست!!

"امین حزیں"

کیا آپکی لائبریری ان کتابوں سے خالی ہے؟

لسان الغیب ۔ حافظ شیرازیؒ کی مکمل سوانح عمری اور ان کے دیوان کی بہترین شرح و حل دیکھنا چاہتے ہیں تو لسان الغیب کی دونوں جلدیں طلب فرمائیے ۔ جلد اول مع مکمل سوانح عمری ۳۴۰ صفحات قیمت سے ر ۔ جلد دوم ۲۷۶ صفحات قیمت ع

کاس الکرام یعنی عمر خیام کے مفصل حالات زندگی اور اسکی رباعیات کی مکمل شرح ۔ تمام ارباب سخن کی رائے ہے کہ اردو میں اس موضوع پر اس سے زیادہ مکمل و مبسوط کتاب ابتک شایع نہیں ہوئی ضخامت ۔ ۲۰۰ صفحات قیمت فی جلد سے ر ۔

بندگی ۔ امام ابن تیمیہ کی مشہور عالم کتاب "العبودیت" کا اردو ترجمہ جسمیں حقایق دینی عقائد اسلامی اور تصوف کے صحیح مفہوم سے بحث کرکے فیصلہ کیا گیا ہے ضخامت ۴۸۰ صفحات قیمت عہ ر

تمکدان فصاحت فارسی عربی اردو کے بہترین علمی تاریخی ادبی لطائف اس کتابمیں کوئی لطیفہ دو صفحہ سے گرا ہوا نہیں ہے عہ ر

مینیجر نگار بھوپال ۔

افکار تازہ

نواب جعفر علی خان اثر لکھنوی

ہوائے سیر گل اللہ اکبر اہل زندان کو
کلیجے سے لگا رکھا ہے ایک اک داغ حرمان کو

افق پر سوے کنعان کچھ دھواں اٹھتا نظر آیا
کیا آراستہ جب مصر میں یوسف کی زندان کو

غبار ناقۂ لیلیٰ بہار دیدۂ مجنون
مری وحشت لئے پھرتی ہے ساتھ اپنے گلستان کو

مطابق ظاہر و باطن نہو تو پھر مزہ کیا ہے
نگار دل پہ رکھکے چاک کرتا ہوں گریبان کو

ہجوم شوق و تکمیل نظارہ بات ہے کوئی
پرستاران جلوہ بند کرلیں چشم حیران کو

ہزاروں محفلیں ہیں اور لاکھوں رنگینیں لیکن
دل ویران پسند آیا بساط آرائے امکان کو

صدائے نازنے بجلی گرائی خرمن دل پر
کوئی تسکین دیتا ہی رہا موسی عمران کو

نظر سوے زمین ہے گوشۂ دامن ہے ہاتھ میں
معاذ اللہ! کوئی کیا کہے ایسے پشیمان کو

یہ مطلب ہے خموشی پر گمان ہو خواب نوشین کا
کوئی شمع شبستان لے چلا گور غریبان کو

اثر دست جنوں بھی شل نہیں پھر بات یہ کیا ہے
اُدھیڑا جا رہا ہے بخیۂ چاک گریبان کو

صادق ایوبی

وہ آئینہ سامنے مرے ایسے کہاں کے ہیں
اے دل! فریب یہ ترے وہم و گمان کے ہیں

بہتر ہیں التفات سے بے التفاتیاں
ممنون ہم ترے ستم بیکران کے ہیں

ہم بندگان عشق کا مسلک ہی اور ہے
بتخانہ و حرم میں تو جھگڑے جہان کے ہیں

لیجائے دیکھئے مرا جوش جنون کدھر
اے ہمنشیں نہ پوچھ ارادے کہاں کے ہیں

کس حسن دلفریب سے صادق ہوا دوچار
جلوے تری نگاہ میں کون و مکاں کے ہیں

کا رسالہ امیر علی محمد علی تاجر لکھنؤ جسکو قریب ایک صدی کے زمانہ ہوا نیکنامی سے جاری ہے۔

ہادی مچھلی شہری

رنگ بشکستہ برخ در سینہ پیکان داشتم
کس نمیداند بہجر او چہ سامان داشتم

بود یک برق تپان ہر قطرۂ اشکم کہ ریخت
آتشے در دامن از سوز دل و جان داشتم

از سر و سامان من در عشق چون تخمین زدند
تار ہائے چند باقی از گریبان داشتم

اعتبار شوق را رسوا نکردم زینہار
زخمہا بر داشتم در جان پنہان داشتم

شد فزاوان ذوق من از ہر نگاہ لطف او
مشکل آمد کار دل چند انکہ آسان داشتم

آہ چہ میپرسی چہ از دست ستمم میرسد
ہم کہ از باد بہاری سینہ بریان داشتم

کم کم از چشمان تر با اشک خونینم بریخت
در قفس یادے کہ از رنگ گلستان داشتم

ضبط من ہرگز بکار حفظ ناموسم نخورد
ز د بعالم آخر آن آتش کہ در جان داشتم

بیش ازین ہمدم ز ہنگام بہار من نپرس
اشک خون در دیدہ و گلشن بدامان داشتم

چشم خونبارم فقط یک جویبارے بود ازان
قلزمے در سینہ از فیض بہاران داشتم

من ندانم ہادیا از اعتبار حسن ذوق
داغہا در دل کہ گلہا در گلستان داشتم

مرقع

دار الادب لکھنؤ کا علمی و ادبی ماہوار رسالہ

اگر آپکو ہندوستان کے مشہور انشا پردازوں اور مستند اساتذہ کے کلام اور مضامین سے لطف اٹھانا ہے اگر اردو زبان اور اردو شاعری کی حقیقی تصویر دیکھنا ہے تو مرقع "مرد خنگائیے۔ ہندوستان میں کوئی رسالہ ان اغراض و مقاصد کا حامل اور اپنے رنگ میں خاص امتیاز رکھنے والا آپکو "مرقع" کے سوا دوسرا نظر نہ آئیگا۔ قیمت سالانہ پانچ روپیہ (صرف) مع محصول ڈاک۔

کاپتہ

مینیجر "مرقع" نظر آباد۔ لکھنؤ

اقتباسات ومعلومات

مچھلی اُن مخصوص حیوانات مین سے ہے جن کو سانس لینے کے لئے پھیپھڑے کی ضرورت نہین ہوتی بلکہ وہ اپنے گلپھڑون سے تنفس کا کام لیتی ہے ۔ لیکن حال ہی مین ساحل امریکہ پر ایک ایسی عجیب وغریب مچھلی دریافت ہوئی ہے جو گلپھڑون کے ساتھ پھیپھڑا بھی رکھتی ہے یعنی وہ خشکی مین آنے کے بعد بھی زندہ رہ سکتی ہے ۔

بعض کا خیال ہے کہ مچھلی کی یہ نوع حالت ارتقاء مین ہے اور ایک دن ایسا آئیگا جب یہ اپنے مسکن کو بدل کر پانی سے خشکی مین آجائیگی اور اس کا شمار بری حیوانات مین ہونے لگیگا ۔

امریکہ کے جامعۂ ییل مین ایک جدید آلہ ایسا طیار کیا گیا ہے جسکے ذریعہ سے گانے والے اور بولنے والے کی آواز کی تصویر لی جاسکتی ہے اس آلہ مین ایک ایسا آئینہ لگایا گیا ہے جو آواز کے ہلکے سے ہلکے تموجات کے ساتھ حرکت مین آجاتا ہے اور آئینہ کی یہ حرکت تصویر کشی کے ایک آلہ کو متاثر کرتی ہے جس مین تصویر قبول کرنے کے لئے فلم لگا ہوتا ہے اور اسی فلم پر آواز کے خطوط مختلف صورتون مین رقم ہو جاتے ہین ۔

انگلستان مین طباعت کا ایک ایسا عجیب وغریب طریقہ ایجاد ہوا ہے جس مین ٹائپ کے استعمال کی ضرورت نہین ہے یہ آلۂ طباعت ٹائپ رائٹر کی طرح ہوتا ہے اور اس مین تمام حروف بٹنون پر تحریر ہوتے ہین جب کوئی تحریر چھاپنی مقصود ہوتی ہے تو ٹائپ رائٹر کی طرح اسکے بٹنون پر انگلی چلائی جاتی ہے جس سے دوسری طرف ایک فلم پر ان حروف کی تصویر اتر آتی ہے ۔ پھر ان مصوّر صفحات کو لیکر ان کا بلاک بنا لیتے ہین اور چھاپتے چلے جاتے ہین ۔

ایشیا کے علاوہ تمام دیگر ممالک مین انسانی عمر کا اوسط بڑھتا جارہا ہے چنانچہ تازہ ترین اعداد وشمار کی رو سے ثابت کیا جاتا ہے کہ فرانس مین ۱۸۰۰ء سے قبل اوسط عمر ۲۸ سال تھا ۱۸۰۰ء مین ۳۲ سنہ ۱۸۵۰ء مین ۳۷ سنہ ۱۸۸۰ء مین ۴۰ اور جنگ سے کچھ قبل ۴۶ سال ۔

قرون وسطی مین ایک انسان زیادہ سے زیادہ ۶۲½ سال کی عمر پاتا تھا سو طوین صدی مین ۶۳½ ہوگئی سترھوین صدی

امیر علی محمد علی کی شہرت کا باعث صرف خط خا ہے جسکا نسخہ عجیب ہے ۔

مین ۶۴ پہ سال ۔ اٹھارویں صدی مین ۷۶ پہ سال اور اب بیسویں صدی مین ۷۱ سال ۔

امریکہ کی سب سے زیادہ نمایان خصوصیت وہان کی عجلت ہے ۔ یعنی وہان جو کام ہوتا ہے اس مین سب سے زیادہ خیال اس امر کا رکھا جاتا ہے کہ جلد ہوجائے اس کا صحیح اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ ۱۹۲۳ء مین وہان ایک جدید شہر لانگ بیچ کی تعمیر کا خیال پیدا ہوا اور ۱۹۲۵ء ابھی آیا بھی نہ تھا کہ وہان نہ صرف شہر تعمیر ہوگیا بلکہ ۷۰۰۰ آدمی بس بھی گئے ۔ ۵۰ ہزار ڈالر کے صرف سے عطار خانہ بھی طیار ہوگیا ۶ منزل کا ایک ہوٹل بھی بن گیا ۔ باغ بھی لگ گئے اور ۴۰۰ مکان بھی تعمیر ہوگئے ۔

عہد قیصر مین روس کی تعلیمی حالت بہت خراب تھی اور سوائے امرا زادگان کے کسی اور کو تعلیم نہین دی جاتی تھی جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ۷۰ فیصدی سے زیادہ وہان جاہل نظر آتے تھے ۔ لیکن جب بالشویک دور شروع ہوا تو سب سے پہلے عام تعلیم کی طرف توجہ کی گئی ۔ کیونکہ ان کا خیال ہے کہ اگر قوم جاہل رہی تو ممکن ہے کسی وقت پھر قدیم نظام قیصری عود کر آئے ۔ چنانچہ تمام امرا زادے مدارس سے خارج کردئے گئے اور ان کی جگہ فقرا اور غربا کے لڑکے کثرت سے داخل کرنے شروع ہوگئے ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۲۱ء تک ۷۰ لاکھ جاہل روسیون نے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا ۔

اسکے بعد لڑکیون کی تعلیم کی طرف توجہ کی گئی اور وہ بھی کثرت سے مدارس مین آنے لگین اب رفتہ رفتہ حالت یہانتک پہونچ گئی ہے کہ اسوقت صرف یونیورسٹیون مین ۶۲ لاکھ طلبا تعلیم حاصل کررہے ہین ۔

وہ لوگ جانتے ہین کہ حصول آزادی کا بہترین ذریعہ صرف تعلیم ہے ۔ برخلاف ہندوستان کے کہ یہان اسکے حصول کا مدار صرف چرخہ قرار دیا جاتا ہے جتنی کوشش سوت کاتنے پر کی گئی ہے اگر اسکی نصف بھی قوم کی تعلیم پر صرف کی جاتی تو آج ہندوستان کی حالت یہ نہ ہوتی جو نظر آرہی ہے ۔

جرمن کا ایک باشندہ جسکا نام لدوگ ہے اسوقت اپنی کہانت کے لحاظ سے بہت مشہور ہورہا ہے اسکی عمر اسوقت ۵۰ سال کی ہے ۔ یہ ممکن بیان کیا جاتا ہے کہ اپنی عمر کے تیسرے ہی سال سے اس نے حساب عقلی کی عجیب وغریب مثالین پیش کرنی شروع کردی تھین ۔

اس شخص کو خاص ملکہ حاصل ہے کہ بغیر دیکھے ہوئے وہ کسی تحریر کا مضمون معلوم کرلیتا ہے ۔ چنانچہ گذشتہ فروری مین بمقام پیرس جبکہ بہت سے اکابر علما جمع تھے اس نے اپنی اس قوت کا مشاہدہ کرایا ۔ اس نے چار آدمیون سے کہا کہ کاغذ پر جو ان کے جی مین آئے لکھدین اسکے بعد اسنے کہا کہ ان کو موڑ کر مخلوط کردیا جائے اور ہر آدمی ایک ایک پرچہ اٹھالے ۔ اسکے بعد اس نے ہر شخص کے سامنے کھڑے ہوکر اس کے کاغذ کو چھوا

اضر حلی محمد علی کی شہرت کا باعث صرف عطر خانہ ہے جسکا نسخہ عجیب ہے ۔

اور بتادیا کہ یہ فلان شخص کا کاغذ ہے اور اس مین یہ لکھا ہے ۔

اسطرح پر پروفیسر ریشہ نے علحدہ علحدہ دو کاغذون پر کچھ لکھا اور ان کی کئی تہین کرکے اپنے دونون ہاتھون مین لے لیا ۔ اس شخص نے بتادیا کہ داہنے ہاتھ کے کاغذ مین یہ لکھا ہے اور بائین ہاتھ کے کاغذ مین یہ تحریر ہے ۔ بعد کو پروفیسر مذکور نے چار کاغذ لئے اور چارون پر کچھ لکھکر ایک ٹکڑے کو جلا دیا ۔ دوسرے کو کتاب مین چھپا دیا ۔ اور باقی دو دونون ہاتھون مین لے لئے اس مرتبہ بھی اس نے چارون کو صحیح صحیح بتا دیا ۔

ہندوستان مین بھی بعض بعض لوگ ایسے موجود ہین جن سے اس نوع کے غیر العقول کارنامے ظاہر ہوتے ہین ان کی تعلیل سوائے اسکے کچھ نہین ہوسکتی کہ قدرتاً بعض نفوس کی قوت ادراک بہت بڑھی ہوئی ہوتی ہے جو مشق کے بعد اس حد تک پہونچ جاتی ہے کہ غیر مرئی اشیاء کا بھی ادراک کرسکین ۔

اس وقت تک ہوائی جہازون کے صعود و ہبوط کے لئے ایک میدان کا ہونا ضروری خیال کیا جاتا ہے کیونکہ اڑنے سے پہلے اور اترنے کے وقت ان کو تھوڑی دور تک زمین پر موٹر کی طرح دوڑنا پڑتا ہے اور یہ ایک ایسا عیب تھا جسکے دور کرنے کے لئے ہر ملک کوشش کررہا تھا ۔ چنانچہ انگلستان نے اعلان کردیا تھا کہ جو شخص ان نقائص کو دور کردیگا اسے ۔۵ ہزار گنی کا انعام دیا جائیگا ۔

حال ہی مین اسپین کا ایک شخص جو برسون سے اس مسئلہ پر غور کررہا تھا اور مختلف تجربون مین مصروف تھا اس نقص کو دور کرنے مین کامیاب ہوگیا ہے اور اس نے بعض ایسی مکانونکی تبدیلیان جہاز مین کی ہین جن کی مدد سے جہاز دفعتاً عمودی صورت مین اڑ سکتا ہے اور اتر سکتا ہے ۔

سیلون مین ایک قسم کی مچھلی ہے جو گاتی ہے ۔ ہرچند یہ گانا طیور کی طرح نہین ہوتا لیکن پھر بھی اسکی آواز کو بانسری کی طویل صورت کہ سکتے ہین ۔ یہین ایک اور مچھلی ہے جسکی آواز بوم کی طرح ہوتی ہے لیکن یہ آوازین اس وقت ظاہر ہوتی ہین جب پانی سے خشکی مین لائی جاتی ہین ۔ گویا یہ ان کی فریاد ہوتی ہے ۔

جرمنی کا مشہور پروفیسر انسٹین جاذبیت زمین کا قائل نہین ہے ۔ یہ برلن مین ایک کوٹھے پر رہتا ہے ایک دن یہ بالاخانہ پر دریچہ مین بیٹھا تھا کہ سامنے سے ایک شخص اپنے کوٹھے سے زمین پر گرا لیکن ایسی زیادہ چوٹ نہین آئی کیونکہ زمین سخت نہ تھی اور نیچے نرم فرش بچھا ہوا تھا ۔ انسٹین یہ دیکھکر فوراً نیچے اترا اور قبل اس کے کہ وہ غریب زمین سے اٹھتا

کارخانہ منشی محمد علی تاجر لکھنؤ ۱۸۴۹ء سے جاری ہے جسکو قریب ایک صدی کا زمانہ ہوا ۔

حضرت نے سب سے پہلا سوال اس سے یہ کیا کہ "جس وقت تم گرے ہو تو کیا واقعی تم ایسا محسوس کر رہے تھے کہ کوئی چیز زمین کیطرف تمہین کھینچ رہی ہے"۔

انگلستان کی عورتین اپنے حقوق طلب کرنے مین بہت کوشش سے کام لے رہی ہین اور اس غرض کے لئے وہ مختلف جلسون مین تقریرین کرتی ہین ۔ ایک مرتبہ انہین حقوق طلب عورتون مین سے ایک عورت کسی جلسہ مین اپنی جنس کے مصیبت و محنت شعاری کا ذکر کرتے ہوئے دوران تقریر مین اہل جلسہ سے یون مخاطب ہوئی کہ "کیا تم مینسے کوئی مرد ایسا ہے جو بہت سویرے اٹھتا ہو۔ آگ روشن کرتا ہو۔ ناشتہ تیار کرتا ہو۔ جوتے صاف کرتا ہو۔ بٹن ٹانکتا ہو۔ جو بین خود پہن لیتا ہو اور برتنون کو دھوکر صاف کرتا ہو۔ اگر واقعی کوئی ایسا مرد ہے جو اسقدر محنت شاقہ کرتا ہو اور جو اسطرح غلامی کی زندگی مین مبتلا ہو وہ مہربانی کرکے اٹھ کھڑا ہو کہ مین اسے دیکھنا چاہتی ہون لیکن مجھے معلوم ہے کہ ایسا مرد کوئی نہین ہوسکتا ۔ اور یہ غلامی صرف عورتون ہی کی قسمت مین لکھی ہے"۔

اسکے سوال پر تھوڑی دیر تک تو سکون رہا لیکن اسکے بعد ایک گوشہ سے نہایت حقیر سا مرد کھڑا ہوا اور بولا کہ ۔ "اے محترم خاتون اس عزت کا شرف اس غلام کو حاصل ہے"۔

لیکن لوگ ہنسی سے بیتاب ہوگئے جب انہون نے دیکھا کہ یہ مرد اسی تقریر کرنے والی خاتون کا شوہر تھا ۔

اہل امریکہ خدمت علم مین جسقدر حریص واقع ہوئے ہین اس کا اندازہ اس امر سے ہوسکتا ہے کہ حال ہی مین وہان کی ایک جماعت نے یہ تجویز کی ہے کہ خہر اشنا مین ایک بڑا قصبہ مول لیا جائے اور اسکو منہدم کرکے وہانکے زیر زمین پائے جانیوالے آثار یونانی کی جستجو کیجائے ۔ ظاہر ہے کہ اس غرض کے لئے غیر معمولی مصارف برداشت کرنے پڑینگے ۔ لیکن ان کو اسکی قطعی پرواہ نہین ہے اور ۴۰ یونیورسٹیان وہان کے اس کام مین مدد پہونچا رہی ہین ۔

جرمنی کے ایک پروفیسر نے غور و فکر کے وقت دماغی دوران خون کا اندازہ کرنے کے لئے ایک عجیب و غریب ترکیب اختیار کی ہے ۔ اس نے ایک میز کا تختہ اسطرح قائم کیا ہے جو ایک محور پر گھوم سکتا ہے اور جس کے دونون کنارے اوپر نیچے جھول سکتے ہین اس تختے کے دونون طرف اس نے ایک مقیاس قائم کیا ہے جس سے تختہ کا جھکاؤ یا ابھار معلوم ہو سکے ۔ یہ ایک آدمی کو اس تختہ پر اسطرح لٹا دیتا ہے کہ تختہ بالکل برابر حالت مین رہے اور ادھر ادھر جھکا ہوا یا اٹھا ہوا نہ رہے

عطر خانہ جو امیر علی محمد علی کے کارخانہ مین بنا ہے اسکا نسخہ ہی مختلف ہے ۔

پھر اس کے بعد وہ اسکے سامنے ایک تختی پر کوئی سوال ریاضی کا لکھکر پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس پر غور کرو۔ اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غور کرنے کے ساتھ ہی سر کی جانب تختہ جھکنا شروع ہوتا ہے اور مقیاس کی خاص حد تک پہونچکر رک جاتا ہے۔

اس سے پروفیسر مذکور نے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ غور و فکر کے وقت خون کا دوران دماغ کی طرف زیادہ ہوجاتا ہے اور اس لئے کھانا کھانے کے بعد ہی فوراً کسی دماغی محنت میں مصروف ہوجانا مضر صحت ہے۔

ولایت میں ایک شخص ہے جسکا نام جانی کولون ہے اس کا وزن صرف ۱۸۰ پونڈ (تقریباً ایک من دس سیر) کا ہے لیکن جسوقت وہ کھڑا ہوجاتا ہے تو پھر کیسا ہی قوی انسان اسکو اٹھا نہیں سکتا۔ جسوقت کوئی شخص اسے اٹھانے آتا ہے تو یہ سیدھا کھڑا ہوجاتا ہے اور اور اٹھانے والے کی گردن پر اپنی انگلی اس طرح رکھدیتا ہے جیسے نبض دیکھ رہا ہو۔ اسکے بعد وہ کہتا ہے کہ کمر پکڑکر اٹھاؤ لیکن کوئی شخص اسے اٹھا نہیں سکتا لیکن اگر وہ سیدھا کھڑا ہو یا اسکا ہاتھ تر ہو یا انگلی اور گردن کے درمیان ایک ورق کاغذ کا رکھدیا جائے تو پھر وہ آسانی سے اٹھالیا جاتا ہے۔

نیویارک میں آبادی کی زیادتی نے جگہ کے مسئلہ کو نہایت اہم بنادیا ہے اور لوگوں کے قیام کے لئے وہاں ہوٹلوں کی کمی شدت سے محسوس کی جارہی ہے چنانچہ اندازہ کیا گیا ہے کہ فی الحال کم از کم بارہ ہوٹل ایسے طیار ہونے چاہئیں جن میں ۲۰۰ سے لیکر ۱۲۰۰ تک کمرے ہوں لیکن سوال یہ ہے کہ ان کے لئے جگہ کہاں سے آئے یہی وجہ ہے کہ وہاں عمارت کی بلندی روز بروز بڑھتی جارہی ہے اور زمین کی تنگی کا عوض وہ فضا سے لینا چاہتے ہیں۔

اب وہاں کے مشہور مہندس ولیم سلیوان نے ایک ایسی عمارت کا نقشہ پیش کیا ہے جسکے اندر بارہ ہوٹلوں کی وسعت بلندی بڑھاکر پیدا کی جائیگی۔ اس عمارت یا ہوٹل کی بلندی برج ایفل سے بھی زیادہ ہوگی اور دنیا میں کوئی عمارت اس سے زیادہ بلند نہ نکلیگی۔ اسکی ۱۹۰ منزلیں ہونگی اور مصاعد (لفٹ) ایک منٹ میں ۵۰ طبقوں کو طے کریگا۔ اس میں ۶۰۱۴ کمرے ہونگے میں گنی اس کی تعمیر کے مصارف کا تخمینہ کیا جاتا ہے۔

امریکہ میں ایک عورت ہے جسکا نام مس ملن کلر ہے یہ بہت کمسن تھی کہ بخار میں اسکی بینائی سماعت اور گویائی کی قوت بالکل ضائع ہوگئی گویا ایک متحرک جسم تھا جو نہ دیکھ سکتا تھا نہ سن سکتا تھا اور نہ بول سکتا تھا لیکن اس نے بجائے اسکے کہ فطرت کے اس ظلم کو برداشت کرکے خاموشی سے بیٹھ جاتی اسکا پورا مقابلہ کیا اور اندھوں گونگوں کے مدرسہ میں داخل ہوگئی یہاں سے اسنے اعلیٰ سند حاصل کرنے

اگر آپ کو عطر خاص کار ہے تو صرف اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے طلب فرمائیے۔

کے بعد لاطینی یونانی جرمن اور فرانسیسی زبانین سیکھین اور پھر موسیقی و نقاشی مین کمال حاصل کیا۔

اسی طرح کی دوسری عورت مسٹر جونس مشہور فلکی کی بیوی ہے جب یہ کسوف شمس کی رصد کرنے کے لئے جزیرہ کریمیا گیا تو یہ بھی ساتھ گئی فلکی مذکور تو رات رات بھر رصد بین لگائے بیٹھا رہتا تھا اور یہ اسکے بیان کو لکھتی جاتی تھی جب فلکی فارغ ہوا اور اپنی بیوی کی تحریر کو دیکھا تو سر مو اس مین فرق نہ پایا اور اپنے تمام مشاہدات کو نہایت صراحت و صحت کے ساتھ کاغذ پر منقوش دیکھکر بہت مسرور ہوا

گزشتہ جنگ مین ایک انگریز سپاہی کا نصف چہرہ گولے سے اڑگیا جب شفاخانہ پہونچا تو لوگ اسکو دیکھتے تھے اور کہتے تھے کہ اب یہ کیا زندہ رہ سکتا ہے لیکن ڈاکٹرون نے اس پر چالیس مرتبہ عمل جراحی کرکے ناک ہونٹ۔ دانت۔ کان چہرہ کی جلد اور سر نو پیدا کی اور چند ماہ کے بعد جب وہ وہان سے نکلا تو یہ بھی نہ معلوم ہوتا تھا کہ کبھی اسکے چہرہ کو کوئی زخم پہونچا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ اسوقت دنیا کا سب سے زیادہ قوی انسان مسٹر برٹبارٹ ہے اسکی طرف سے ایسے عجیب و غریب اعمال قوت ظاہر ہوتے ہین کہ سنکر سخت حیرت ہوتی ہے اور یقین کرنیکو جی نہین چاہتا مثلاً اسکی صبح کی معمولی ورزش یہ ہے کہ سڑک پر لیٹ جاتا ہے اور بڑی بڑی موٹر لاریان اسپر سے گزرتی رہتی ہین جنمین ہزار ہا ون نوکدار کیلین گڑی ہوئی ہین۔ چت لیٹ جاتا ہے اور اپنے پیٹ پر ۶۵ کیلوگرام وزنی پتھر رکھوا کر متعدد آدمیون سے اس پر بڑے بڑے ہتوڑے چلواتا ہے۔

پروفیسر کلمر نے متعدد تجربون کے بعد یہ حقیقت معلوم کی ہے کہ اونچی قسم کے بندرون مین بالکل انسان کی سی ذہانت پائی جاتی ہے خصوصاً چمپنیزی کہ اس کے حرکات سے بالکل انسانی غور و فکر کا پتہ چلتا ہے۔

ایک مرتبہ پروفیسر مذکور نے چمپنیزی بندر کے پنجرہ سے باہر ایک پھل رکھدیا اور اسمین دھاگا باندھکر پنجرہ کے کنارے سے قریب کردیا بندر نے تھوڑی دیر غور کرنے کے بعد دھاگے کا سرا پکڑا اور اسکو کھینچنا شروع کیا یہانتک کہ پھل اسکے ہاتھ مین آگیا اسی طرح اس نے ایک مرتبہ پھل کو دور رکھکر بندر کے پاس کمبی لکڑی رکھدی بندر نے لکڑی کی مدد سے اس پھل کو آہستہ آہستہ اپنے قریب کرلیا اور کھا گیا۔

اس سے زیادہ مشکل کام یہ تھا کہ پھل کو دور رکھکر دو بانس رکھدئے جنمین سے ایک بھی اس پھل تک نہ پہونچ سکتا تھا لیکن ان مین ایک بانس موٹا اور کھوکھلا تھا۔ بندر نے تھوڑی دیر غور کرنے کے بعد موٹے کھوکھلے بانس کے اندر پتلے بانس کو داخل کرکے ایک لمبی لکڑی کی صورت بنالی اور اسکی مدد سے پھل کو گھسیٹ لیا۔

اگر آپکو عطر خادر کار ہے تو صرف اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے طلب فرمایئے۔

نیویارک میں دو توام بچے اس وضع کے ہیں کہ ان کے دو سر ہیں اور ایک گردن۔ ایک دل۔ چار پھیپھڑے ہیں۔ تین پاؤں اور چار ہاتھ اور دن کی صحت اچھی ہے۔

اسی طرح ارجنٹائن میں ایک بچہ پیدا ہوا جسکے ڈاڑھی مونچھ ہے۔ دانت ہیں اور سر دو سینگ۔ جرمنی میں ایک عورت ہے جو ایک انچ لمبی ڈاڑھی رکھتی ہے اور امریکہ میں ایک عورت ہے جو سر سے کمر تک عورت ہے اور کمر سے نیچے مرد۔

انگلستان کے ایک نوجوان مہندس نے جسکا نام پیرسن ہے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا ہے جو انسان کی آواز کو امواج برق میں تبدیل کر دیتا ہے یعنی اس آلہ کی مدد سے ایک آدمی صرف اپنی آواز سے برقی لیمپ کو روشن کر سکتا اور موٹر کو چلا سکتا ہے مسٹر پیرسن نے ٹاٹنگھم میں اپنے اس اختراع کا مشاہدہ کرایا اور لوگوں کو سخت حیرت ہوئی۔ علماء و مہندسین کا خیال ہے کہ یہ ایجاد دنیائے سائنس میں بڑا انقلاب پیدا کرنے والی ثابت ہوگی۔

اس وقت یہودیوں کی آبادی دنیا میں ۱۴۱۶۳۵۴۳ ہے یعنی تمام آبادی کے لحاظ سے ایک فیصدی ان میں سے ۹۲۳۷۵۷۶ یورپ و امریکہ میں ہیں اور جسکی تفصیلات حسب ذیل ہیں:۔ ۲۸۲۹۴۵۶ پولینڈ میں ۵۲۵۳۳۲۲ روس میں ۲۴۴۴۹ ۱۷۷ اوکرانیا میں۔ ۸۳۴۰۳۲ رومانیا میں۔ ۵۷۵۰۰۰ جرمنی میں۔ ۴۷۳۰۰۰ ہنگری میں ۴۲۴۲۲۲ چکوسلوواکیا میں ۳۰۰۰۰۰ آسٹریا میں۔ ۲۸۰۰۰۰ برطانیہ میں ۱۵۰۰۰۰ فرانس میں اور ۳۵۰۰۰۰ امریکہ میں۔

امریکہ میں ایک لڑکی ہے جسکا نام زرتیا ہے۔ اسکا یہ عجیب و غریب خاصہ ہے کہ جب چاہتی ہے اپنے وزن کو گھٹا بڑھا لیتی ہے اسکے وزن کا تغیر ترازو سے نہیں ظاہر ہوتا لیکن جب لوگ اسکو اٹھانا چاہتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ وہ کسقدر وزنی ہے۔ یہ کہا کرتی ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے مشہور وزن اٹھانے والوں نے مجھکو اٹھانیکی کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہوئے۔ میرا اصلی وزن صرف ۱۰۰ پونڈ ہے لیکن جب میں چاہتی ہوں تو ۴۰۰ پونڈ کر لیتی ہوں اور جو شخص مجھے اٹھانا چاہتا ہے وہ ایسا محسوس کرتا ہے کہ میں کوئی درخت ہوں۔

زرتیا علی الاعلان دعوی کرتی ہے اور اس سے کوئی بازی نہیں لیجاتا۔ ایک مرتبہ لندن کے کسی جلسہ میں آٹھ مشہور وزن اٹھانیوالے موجود تھے۔ سات نے اسکو کے بعد دیگرے اٹھانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہوئے اور آٹھویں کو اسکی جرأت نہ ہوئی اور وہاں سے بھاگ گیا۔

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے لئے تار کا پتہ صرف 'عطا لکھنؤ' کافی ہے۔

نگار بک ایجنسی

تصانیف علیا حضرت فرمانروائے بھوپال

نام کتاب	قیمت
سبیل الجنان - مذہبی و عالمانہ تقریرون کا بیمثل مجموعہ خواتین ہند کے لیے عجب و غریب نعمت ہی	عہ/
سیرت مصطفےٰ - سیرت رسولؐ کے متعلق بیمثل کتاب نہایت مستند روایات پر -	عہ/
عفت المسلمات - پردہ کے مسئلہ پر اس سے بہتر کوئی کتاب اسوقت تک شائع نہین ہوئی جس مین مشرق و مغرب کے تمام علما کے آرا کا نچوڑ ہے -	عہ/
اخلاقی سلسلہ - اس مین اکابر و بزرگان اسلام کے تاریخی واقعات یکجا کرکے مکمل درس اخلاق دیا گیا ہے بچون عورتون اور مردون کے مطالعہ کے لیے بے مثل مجموعہ قیمت چارون حصون کی حسب ترتیب :- ۸/ ۱۴/ ۱۴/	۱۲/
مہذب زندگی - اخلاقی سلسلہ کا پانچوان حصہ	عہ/
تربیت اطفال - عورتون کے لیے بے مثل کتاب -	۸/
مقصد ازدواج - نکاح کے پر تمدن و معاشرت کے نقطۂ نظر سے بے مثل محاکمہ -	۸/
حفظ صحت - خواتین کو اس کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہی	۱۳/
تندرستی - اس کتاب کا بھی ہر گھر مین رہنا ضروری ہی	عہ/
درس حیات - اخلاق و آداب کے پیرایے مین فرنچ الجی کے تمام ضروری مسائل مع متعدد تصاویر - دوم معیشت و معاشرت - یہ دونون کتابین اس پایہ کی ہین کہ اگر عورتین ان کا مطالعہ کرلین تو پھر امور خانہ داری کے متعلق کوئی بات اُن سے فروگزاشت نہین ہوسکتی بیمثل کتاب ہی اور ہر گھر کے لیے ضروری ہے	عہ/ ۱۲/
تہذیب نسوان - یہ کتاب بھی امور خانہ داری کے متعلق ہے اور نواب شاہجہان بیگم خلد مکان کی بہترین تصنیف خیال کی جاتی ہے -	عہ/
بچون کی پرورش - اس کتاب کی خوبی و اہمیت نام ہی سے ظاہر ہی اسمین ۱۱۰ اضافین ہین بچون کے متعلق ابتدائے حمل سے لیکر انکی نشو و نما تک کے حالات امراض اور علاج وغیرہ نہایت خوبی کے ساتھ ظاہر کیے گئے ہین	عہ/
ہندوستانی گھروئین تیمارداری جسمین ۴۰ نقشہ شامل ہین	عہ/
فرائض باغبانی ہدایات باغبانی - یہ دونون ہر متمدن خاندان کے لیے ضروری ہین -	۴/
اسلام اور عورت اس کتاب کا مطالعہ ہر خاتون پر فرض ہے	۵/
باغ عجیب - تین حصون مین مع تصاویر بچون کے لیے اخلاقی سبق دلچسپ قصون کی صورت مین نہایت دلچسپ کتاب ہے -	۴/
ہدیۃ الزوجین :- نکاح کے پہلے اور اُسکے بعد ہر مرد اور عورت کے لیے اس کا مطالعہ نہایت ضروری ہے -	۵/

تصانیف جناب میمونہ سلطان بانو بیگم صاحبہ

ذکرِ مبارک سیرت النبی کے متعلق بے مثل کتاب ہے ... ۵ر

خلافت راشدہ۔ اس کا موضوع نام سے ظاہر ہے بچون کے لیے اس سے بہتر کتاب اس موضوع پر نہین مل سکتی ... ۱۴ر

سلکِ مروارید۔ اکابر اسلام کے دلچسپ تاریخی واقعات ۴ حصونمین ۴ عہ

گل وریحان۔ بچون کے لیے نہایت دلچسپ اور مفید کہانیان ۸ر

فرائضِ مادری۔ نام ہی سے اس کی خوبی ظاہر ہے ... ۱۲ر

دیگر مصنفین

جہان آرا بیگم۔ بنت شاہ جہان کی سوانح عمری۔ اگر آپ عہد مغلیہ کی خواتین کی زندگی کا مطالعہ کرنا چاہتے ہین تو اس کتاب کو ضرور ملاحظہ کیجیے۔ بے انتہا دلچسپ و سبق آموز ہے۔ قیمت ۸ر

تذکرۂ حضرت بلھے شاہ۔ پنجاب مین کوئی شخص ایسا نہین ہے جو بلھے شاہ سے واقف نہو۔ آپ سترھویں صدی کے نہایت مشہور بزرگ تھے اور آپ کے حالات ناپید تھے۔ اب نہایت مستند ذرائع سے فراہم کرکے لکھا گیا ہے اور آپکی شاعری پر بھی مفصل تنقید کی گئی ہے۔ قیمت ۸ر

تمکدانِ فصاحت۔ فارسی، عربی، اردو کے بہترین علمی تاریخی ادبی لطائف۔ اس کتاب مین کوئی لطیفہ ذوق صحیح سے گرا ہوا نہین ہے عہ ر

سیاحتِ سلطانی۔ بیگم صاحبہ بھوپال کے سفر یورپ کے نہایت دلچسپ حالات ..... قسم اعلیٰ عہ ر دوم ۴ عہ

فرائض النساء۔ فرائضِ خانہ داری پر بے مثل کتاب ہے ہر گھر مین اس کتاب کا ہونا ضروری ہے ۱۲ عہ ر

عجائباتِ قدرت۔ سائنس کے مسائل نہایت آسان زبان مین بچون کے لیے .....

دیگر مصنفین

لسان الغیب۔ حافظ شیرازی کی مکمل سوانح عمری اور اُن کے دیوان کی بہترین شرح و حل کھنا چاہتے ہین تو لسان الغیب کی دونون جلدین طلب فرمائیے جلد اول مع مکمل سوانح عمری ۴۰۰ صفحات قیمت ۴ جلد دوم ۶۰۰ صفحات قیمت عہ ر

کاس الکرام۔ یعنی عمر و خیام کے مفصل حالات زندگی اور اُسکی رباعیات کی مکمل شرح۔ تمام ارباب سخن کی رائے ہے کہ اُردو مین اس موضوع پر اس سے بہتر کتاب نہین ہے ۱۲ عہ ر

بندگی۔ امام ابن تیمیہ کی مشہور عالم کتاب "العبودیت" کا اُردو ترجمہ جسمین حقائق دینی و عقائد اسلامی اور تصوف کے صحیح مفہوم سے بحث کرکے فیصلہ کیا گیا ہے۔ ضخامت ۱۴۸ صفحات۔ قیمت عہ ر

تصانیف مسز جی بخش پرنسپل و سکریٹری حضور سرکار عالیہ

جواہر ریزے:۔ اونی ریشمی کپڑون کے دھونے اور داغ دھبہ دور کرنے کی ترکیبین صنعت و حرفت کے بہت سے مجرب نسخے ۴ر

مقناطیس:۔ موزہ بنیائن اور بیلین بننے کی ترکیبین مع متعدد تصاویر کے ..... اول عہ ر دوم ۴ عہ ر

سیر یورپ:۔ ہز ہائی نس نانی بیگم جنجرہ کا بے مثل سفرنامہ یورپ مع متعدد تصاویر کے ..... عہ ر

مطبوعہ مقبول المطابع۔ نظیر آباد لکھنؤ | منیجر نگار بھوپال | باہتمام مقبول حسین وصل بلگرامی



ایک علمی و ادبی رسالہ

مرتبہ

نیاز فتحپوری

صحابیات

یعنی عہد سعادت کی ٹھاون خواتین کے حالات نہایت مستند روایات کی بنا پر مع ایک فاضلانہ مقدمہ کے جسمین مسئلہ نسائیات پر نہایت اچھوتے انداز سے بحث کی گئی ہے۔ قیمت دو روپیہ آٹھ آنہ (عجائب)

شہاب کی سرگزشت

اُردو مین یہ پہلا افسانہ ہے جو تحلیل نفسی کے اصول پر لکھا گیا ہے یہ فسانہ ایک سال تک نگار مین شایع ہوتا رہا ہے اور اب ملک کے اصرار پر کتابی صورت مین شایع کیا گیا ہے۔ قیمت ایک روپیہ۔



تصویر زیب النساء بیگم

یہ تصویر صنعت و نقاشی کا ایک نادر نمونہ ہے اور یقیناً ایک کمرے کی زیبایش کا حسین موضوع ہے آپکے شوق کی رعایت سے ہم نے اس تصویر کو جداگانہ فراہم کرنیکا انتظام کیا ہے۔ یہ تصویر رنگین آرٹ پیپر پر طیار کرائی گئی ہے۔ یہ وہی تصویر ہے جسکو حکومت نے نہایت گران قیمت پر خرید کر کے برٹش میوزیم کو دیدیا ہے۔ یہ تصویر ہم نے اب ٹائمز آف انڈیا پریس بمبئی مین طبع کرائی ہے اور حسن طباعت کے پہلی چھپی ہوئی تصاویر سے بدرجہا بہتر ہے۔ چونکہ اسکی مانگ زیادہ ہے، اس لیے جلد طلب کیجیے۔ علاوہ محصول ۸۰۰

مینیجر "نگار" بھوپال

نگارستان

حضرت نیاز کے تمام اُن بہترین ادبی مضامین کا مجموعہ جو اِس سے قبل مختلف رسائل مین شایع ہوکر شہرت دوام حاصل کر چکے ہین اگر انشاے عالیہ اور ادب لطیف کا صحیح لطف اٹھانا ہو تو اسے ملاحظہ کیجیے۔ قیمت دو روپیہ

گہوارۂ تمدن

اُردو مین اپنے موضوع پر پہلی کتاب ہے جسمین تاریخ۔ مذہبی روایات اور دیگر ذرائع سے ثابت کیا گیا ہے کہ تہذیب و شایستگی کی ترقی کس قدر عورت کی ممنون ہے اور درنیت اسکی کتنی گرانبار ہے۔ قیمت دو روپیہ

نرخنامہ اُجرت اشتہارات

تعداد طبع	ایک صفحہ	نصف صفحہ	ربع صفحہ
۱۲ مرتبہ	۱۰۰ روپیہ	۶۰ روپیہ	۳۵ روپیہ
۶ مرتبہ	۵۰ روپیہ	۳۰ روپیہ	۱۸ روپیہ
۳ مرتبہ	۳۰ روپیہ	۲۰ روپیہ	۱۲ روپیہ
ایک مرتبہ	۱۲ روپیہ	۷ روپیہ	۵ روپیہ

نوٹ

میعاد اشتہار کے اندر۔ اشتہار کا مضمون ایک مہینہ پہلے اطلاع دینے پر بدل سکتا ہے۔

اجرت ہر حال مین پیشگی آنا لازمی ہے۔

مینیجر نگار بھوپال

رجسٹرڈ نمبر ان ۲۸۸ ۷۸۶ جلد (۹) شمارہ (۳)

نگار

اڈیٹر:- نیاز فتحپوری

فہرست مضامین مارچ سنہ ۲۶ء

"تصویر رقاصہ"

ملاحظات	.....	۲	فریب خیال (افسانہ)	نیاز فتحپوری	۶۰
فن رقص اور تاریخ اسلام	.....	۵	واردات قلب (نظم)	حامد اللہ افسر بی۔ اے	۶۸
عالم کا مذہب	محمد نعیم الرحمٰن ام۔ اے	۱۷	علیگڈھ جبلی	ملا رموزی	۶۹
غزل (فارسی)	میر ولی اللہ بی۔ اے	۲۲	حضرت شیخ بہاء الدین	ناظر دہلوی	۷۴
فطرت سے جنگ (افسانہ)	علی اکبر کاظمی بی۔ اے	۲۳	غزل (فارسی)	بیخود موہانی ام۔ اے	۷۸
انتخاب کلام میر پر ایک نظر	سید شاہ ولی الرحمٰن بی۔ اے	۲۹	ماجرا (نظم)	گویا جہان آبادی	۷۹
ابو نصر فارابی	سید ناظر الحسن ہوش بلگرامی	۳۴	استفسارات:-		۸۱
عود شباب (افسانہ)	امیر حسن ناز سیالکوٹی	۴۷	نیو پلٹنزم		
خمسہ بر غزل میر	نواب جعفر علی خان اثر لکھنوی	۵۲	بیدل کے بعض اشعار		
بشریت کا مہد اولین	ابو المحاسن محمود علی خان	۵۳	مطبوعات جدیدہ		۹۰
حسن و عشق (نظم)	کیفی چریاکوٹی	۵۹	اقتباسات و معلومات		۹۴ — ۹۶

تاریخ اشاعت | بسم اللہ | ہر ماہ کی پندرہ

نگار

ایڈیٹر نیاز فتحپوری

قیمت سالانہ ہندوستان مین پانچ روپیہ | ہندوستان سے باہر علاوہ محصول چھ روپیہ

جلد (۹) | مارچ ۱۹۲۶ء | شمار (۳)

ملاحظات

نوچیتن کلکتہ کا نہایت مشہور و مقبول گجراتی رسالہ ہے۔ گذشتہ دیوالی نمبر مین اسنے میرے ایک ادبی مضمون "رقاصہ" کا ترجمہ شایع کیا اور اسکے ساتھ نہ صرف میری اور مترجم کی تصویر بلکہ بنگال کے مشہور نقاش مزمدار سے ایک رنگین تصویر "رقاصہ" کی بھی طیار کرا کے شایع کی۔

مین نہین سمجھ سکتا کہ ترجمہ کیسا تھا، لیکن تصویر ضرور اچھی معلوم ہوئی اور یہی وہ تصویر ہے جو اس ماہ کے نگار مین آپ ملاحظہ فرمائینگے۔

میرا مضمون "رقاصہ سے" وہی مضمون ہے جو سب سے پہلے نقاد مین شائع ہوا تھا اور پھر ملک کے مختلف رسائل مین نقل ہوا۔ جن حضرات کے پاس نگارستان کی جلد ہے، وہ اس تصویر کے ساتھ اس مضمون کا بھی مطالعہ کر سکتے ہین۔

دستور چلا آتا ہے کہ جب کسی رسالہ مین کوئی تصویر اس قسم کی شائع ہوتی ہے تو اسکے ساتھ کوئی نظم یا ادبی مضمون بھی ضرور ہوتا ہے، اور میرے لئے بھی یہ امر دشوار نہ تھا، لیکن مین نے بجائے کسی ادبی مقالہ یا نظم کے یہ زیادہ مناسب سمجھا کہ کوئی تازہ لکھی مضمون فن رقص پر پیش کیا جائے چنانچہ ملاحظات کے بعد سب سے پہلا مضمون جو آپ کی نگاہ سے گزریگا وہ اسی موضوع پر ہوگا۔

خواہش یہی تھی کہ یہ مضمون ایک ہی نمبر مین شائع ہو جائے لیکن چونکہ طویل زیادہ تھا اس لئے اس کے دو حصے کر دینے پڑے

آپ ملاحظہ فرمائینگے کہ اس مہینے کا مسطر بجائے ۲۳ کے ۲۵ سطر کا ہے اور کتابت بھی نہایت گنجان ہے گویا اسطرح کم از کم ۱۲۵

کارخانہ اصغر علی محمد علی کے عطریات خالص عمدہ اور ارزان ہین

صفحات کا مواد پیش کیا جاتا ہے لیکن پھر بھی بہت سے اہم و دلچسپ مضامین کیلئے جگہ نہ نکل سکی - یہ معذرت ہو اُن احباب کی خدمت میں جنکے مضامین ابھی تک شائع نہیں ہو سکے - اور جو اب تک زحمت انتظار میں مبتلا ہیں - امید ہو کہ جنوری تک کے موصول شدہ تمام مضامین آئندہ مہینے میں درج ہو جائیں گے -

---

جیسا کہ خیال تھا اس مہینے کا مسودہ مجھے کتابت کیلئے لکھنؤ بھیجنا نہیں پڑا کیونکہ فی الحال ایک کاتب کی خدمات مستقلاً حاصل ہو گئی ہیں - ہر چند موجودہ کاتب ابھی نو آموز ہیں لیکن ان میں یہ صلاحیت ضرور ہے کہ چند دن کی محنت کے بعد اصول کتابت سے واقف ہو جائیں اور خطا میں پختگی پیدا ہونے کے بعد اچھے کاتبوں میں انکا شمار ہونے لگے -

---

"نگار" کا جدید سرورق ابھی تک شائع نہیں ہو سکا - لاہور، لکھنؤ اور کلکتہ کے بعض ماہرین فن سے ڈزائن طلب کرائے جا رہے ہیں امید ہے کہ مئی کے رسالہ کا سرورق جدید ڈزائن کے بلاک سے چھاپا جائیگا، لفظ "نگار" کی نشست حروف فن کتابت کے لحاظ سے اسقدر مشکل ہے کہ کسی طرح خط نستعلیق میں حسن پیدا ہی نہیں ہوتا، نسخ میں البتہ کچھ عیب دور ہو جاتا ہے، اس لئے اب ارادہ یہی ہے کہ ڈزائن میں لفظ "نگار" خط نسخ یا ثلث میں تحریر کرایا جائے -

---

میرا ایک مسلسل افسانہ "فریب خیال" اس مہینے سے شائع ہوا ہے، لیکن اسکے متعلق میں ظاہر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اسکو میں نے حضرت وصل کے اصرار پر مرقع کیلئے لکھا تھا اور نگار میں اس کی اشاعت گویا دین سے منقول سمجھی جائے گی - البتہ نظر ثانی کے بعد کہیں کہیں حذف و اضافہ ضرور ہو گیا ہے - مصلح سنگ کی غلطی سے "ماخوذ از مرقع" لکھا گیا -

---

"لارڈ رپن کا عہد حکومت" اس مہینے میں دیگر اہم مضامین کی وجہ سے شائع نہیں ہو سکا، ماہ آئندہ سے پھر اسکا سلسلہ شروع ہو جائے گا -

---

فروری کے رسالہ میں ایک جگہ صفحات کی سخت غلطی ہو گئی ہے اسکو اس طرح درست کر لیجئے -
صفحہ ۶۵ کے بعد صفحہ ۶۸ اور صفحہ ۶۸ کے بعد صفحہ ۶۶ کا، پھر ۶۷ اور اسکے بعد صفحہ ۶۹

رسالہ ہومیوپیتھک لیڈر (بھوپال) پر ریویو کرتے ہوئے میں نے لکھا تھا کہ یہ رسالہ اکتوبر ۱۹۲۵ء سے جاری ہے، حالانکہ اکتوبر میں صرف ایک نمبر بطور نمونہ شائع ہوا تھا - یہ رسالہ حقیقتاً جنوری ۱۹۲۶ء سے جاری ہوا ہے اور انھیں خصوصیات کے ساتھ جنکا

کارخانہ امیر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا عطر حنا ہر موسم میں استعمال ہو سکتا ہے

ذکر اس سے قبل مین بہ سلسلۂ تبصرہ کر چکا ہون ۔

یہ خبر غالباً بڑے افسوس کے ساتھ سنی جائیگی کہ ۲۴ جنوری ۱۹۳۶ء کی صبح کو ابو البیان سید حامد حسین بیدل شاہجہانپوری دنیا سے ہمیشہ کیلئے بے تعلق ہو گئے اور بھوپال کی سرزمین کو انہون نے اپنی آرامگاہ بنانا پسند کیا ۔ مرحوم تقریباً دو سال سے سل و دق کے عارضہ مین مبتلا تھے اور جولائی ۱۹۳۵ء سے بغرض علاج بھوپال مین مقیم تھے ، ظاہر ہے کہ بھوپال مین ایسے مرض کا کیا علاج ہو سکتا تھا ، لیکن وہ تو یہان کی مٹی انھین کھینچ لائی تھی اور باوجود اسکے کہ حالت روز بروز بدتر ہوتی جاتی تھی انھون نے ہمیشہ یہی سمجھا کہ مجھے صحت اسی جگہ حاصل ہو گی اور آخر کار یہین کی خاک مین سر چھپانا انھون نے پسند کیا ۔

مرحوم اپنی بعض خصوصیات کے لحاظ سے اس قدر عجیب و غریب انسان تھے کہ کم از کم میرے حلقۂ احباب مین تو اب کوئی شخص انکی جگہ پُر نہین کر سکتا ، اور وہ لطیف صحبتین جن کی تکمیل کا انحصار صرف انھین کی شرکت پر ہوا کرتا تھا یقیناً اب انھین خواب و خیال ہو جاتا ہے ۔

مرحوم کا حلقۂ احباب نہایت وسیع تھا اور ہندوستان کی شاید ہی کوئی اعلیٰ سوسائٹی ایسی ہو جس مین انھین در خور حاصل نہ رہا ہو ، لیکن باایں ہمہ وہ بدقسمت بھی اسی درجہ کے تھے کہ ساری عمر پریشان روزگاری اور بے سر و سامانی مین بسر ہوئی اور استقلال کے ساتھ چند مہینے بھی وہ ایک جگہ اطمینان سے نہ رہ سکے

لاہور سے آنے کے بعد چند دن وہ کانپور مین رہے اور پھر اسکے بعد کلکتہ چلے گئے ۔ یہان سے ایک ماہوار رسالہ جاری کرنیکا عزم تھا ، لیکن اس مین بھی کامیابی نہین ہوئی اور بیمار ہو کر چند مہینے وہین پڑے رہے ۔ یہی وہ بیماری تھی جسنے بعد کو سل کی صورت اختیار کر لی اور آخر مین موت کی ۔ ہر چند مرحوم کے اعزا مین سوائے ایک بڑی بہن کے (جو اپنی گھر کی ہین) اور کوئی نہین ہے لیکن کثیر الاحباب ہونے کی وجہ سے لوگ ایسے تھے جو انھین عزیز رکھتے تھے اور جن کیلئے یہ سانحہ یقیناً "اک فقدان عظیم" ہو گا ۔

بھوپال مین اُن کی زندگی کے جتنے دن گزرے وہ تمام چنیدہ اپنے اندر ایک دفتر عبرت و داستان بصیرت پنہان رکھتے تھے اور نہین کہ سکتا کہ اُنکی حالت ایک مرتبہ دیکھ لینے کے بعد میری روح کتنے عرصہ تک کانپا کرتی تھی ، لیکن چونکہ اسباب کی کڑیون سے ملکر پیدا ہوتا ہے ، اسکا کوئی علاج ممکن نہین اور اُن کی بے خانمان زندگی کی اخیری ساعتون کو قدرتاً حسرت ناک ہونا چاہیئے تھا ۔

مجھے افسوس ہے کہ اس زمانہ مین متواتر سفر کی وجہ سے مین اُن کی کوئی خدمت نہ کر سکا ، لیکن خدا کا انتظام دیکھئے کہ اسنے حکیم ضیاء الحسن صاحب (جو یہان کے نہایت مشہور طبیب ہین) کے دل مین درد پیدا کر دیا اور جس خلوص نیت کے ساتھ انھون نے مرحوم کا معالجہ ، تیمارداری اور دستگیری فرمائی ، وہ اس دور مادیت مین شاید ہی کہین نظر آسکتی ہے ، کثر اللہ امثالہ ۔

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا تار کا پتہ صرف حنا کافی ہے ۔

فن رقص تاریخ اسلام کے نقطہ نظر سے

"یہاں سے چلے جاؤ، اگر تم ہم آہنگی (Harmony) سے ناآشنا ہو"

(افلاطون)

تمہید اسوقت دنیا مین جتنے فنون رائج ہین، اُن مین سے کوئی ایسا نہین ہے جسکا سراغ عہد قدیم تک نہ پہونچتا ہو، فرق یہ ہے کہ بعض فنون کی موجودہ ترقی یافتہ صورت اسقدر بدلگئی ہے کہ درمیان کی ارتقائی کڑیونکا علم نہ ہونے کیوجہ سے، انکا سلسلہ عہد قدیم تک ہماری سمجھ مین نہین آتا، اور بعض مین ایسا زیادہ تغیر نہین ہوا ہے اور ہم آسانی سے معلوم کرسکتے ہین کہ یہ اسلاف قدیم کی یادگار ہے۔

موسیقی و رقص، اور تعمیر و نقاشی ان ہی فنون مین سے ہین جن کا عہد قدیم سے واسطہ بواسطہ ہم تک منتقل ہوکر آنا نہایت روشن طور پر واضح ہے اور اسکے لئے دلیل کی ضرورت نہین

موسیقی و رقص مین باعتبار زمانہ کس کو تفوق حاصل ہے، یہ بتانا مشکل ہے لیکن بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ رقص کی بنیاد موسیقی سے پہلے قائم ہوئی ہوگی، کیونکہ انسانی اعضا مین اس وقت بھی حرکت پائی جاتی تھی جب اسنے کوئی زبان ایجاد نہ کی تھی اور رقص نام ہے صرف اعضاء انسانی کی حرکت کا۔

رقص کی تاریخی قدامت قدیم ترین اقوام مین رقص کے رواج کا سبب کیا ہوا، اسکی تحقیق مشکل ہے لیکن بظاہر یہی کہا جاسکتا ہے کہ اسکا تعلق صرف تفریح سے تھا اور دیوتاؤن کے سامنے رقص کرنا بھی اُن کے خوش کرنے کے لئے تھا، لیکن جب عظمت و احترام کے حقیقی مفہوم سے انسان آشنا ہوا تو وہ رقص جو دیوتاؤن کے سامنے بھی محض تفریح کیلئے کیا جاتا تھا اس مین ایک دینی اہمیت پیدا ہوگئی اور تفریح کا خیال محو ہوکر عبادت کا جذبہ اس سے متعلق ہوگیا جس نے رقص کی دو قسمین (دینی و دنیاوی) علیحدہ علیحدہ کردین۔

امم قدیمہ مین بنو اسرائیل رقص مین بہت مشہور تھے جسکا سبب غالباً حمایت دینی تھا۔

یہ کل اور شلیم مین عبادت کے وقت رقص کے عادی تھے جیسا کہ کتب مقدس سے ثابت ہوتا ہے حود داؤد کا رقص کرنا اور لوگونکو رقص کے ذریعہ سے خدا کی عبادت کرنے کی ہدایت کرنا بھی ان ہی مقدس کتابون سے پایا جاتا ہے

یونانیون کے ہان رقص کی دو قسمین تھین ایک دنیوی جو انکی گھر کی محفلون مین رائج تھا۔ دوسرا دینی جو جیوپیٹر کے مندرون مین کیا جاتا تھا۔ منروا دیوتا کے سامنے جو رقص ہوا کرتا تھا وہ مسلح ہوا کرتا تھا اور یہی بنیاد رقص عسکری کی تھی۔ زہرہ اور باخوس (شراب کا دیوتا) کے مندرون مین جو رقص ہوتا تھا اس کی شان دوسری تھی۔ اسپارٹا مین جو ایک اور قسم کا رقص رائج تھا جو کستور و پولکس کی ایجاد تھی۔ لیکرغوس نے

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا کارخانہ ۸۶ سال سے جاری ہے

جو رقص ایجاد کیا تھا اس مین جوان مرد اور جوان عورتین سب شریک ہوتی تھین، یہ رقص دینی و اخلاقی فرائض مین شامل تھا اور قضاۃ و حکام بھی اس کی مشق کرتے تھے۔

ایتھنس اور اسپارٹا کے لشکر جب میدان جنگ مین جاتے تھے تو جنگ و رباب پر رقص کرتے تھے اور یہ رقص اسقدر معزز سمجھا جاتا تھا کہ انھون نے ایلاتون (رقص عسکری کے موجد) کا مجسمہ قائم کیا تھا۔ اعیاد دیلوس کے موقعہ پر اور قربانگاہ ابلون کے گرد عریان رقص کیا جاتا تھا۔

رومامین بھی رقص کی دو قسمین تھین حربی و دینی، حربی رقص کا موجد رملوس تھا اور رقص دینی مین وہ رقص بہت مشہور تھا جسے بت مریم کے پوجاریون نے ایجاد کیا تھا، چنانچہ قدیم عیسوی کلیساؤن مین اس رقص کا رواج کثرت سے تھا اور رومن کیتھولک ممالک مین اب بھی رائج ہے۔

مملکت اسٹو کے آثار سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ دینی رقص اُن کے ہان پایا جاتا تھا اور ساز کے ساتھ رقص کرتے تھے۔ رہا ہندوستان سو یہ شعر و موسیقی کا ملک ہی تھا اور یہان پرستش کا مفہوم ہی صرف رقص و موسیقی قرار دیا گیا تھا۔ ہندوستان کے قدیم روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیقی کا موجد برہما تھا اور اسکی بیوی سرستی نے ساز ایجاد کیا تھا۔ اسکے علاوہ گندھرب وغیرہ دیوتاؤن کا گانا بجانا اور دعوتون مین رقص کرنا بھی انکے مذہبی لٹریچر سے ثابت ہے۔

ہندوستان کے قدیم موسیقی دان، شاعر بھی ہوا کرتے تھے اور رقاص بھی کیونکہ آواز، ساز اور حرکت جسم کا ہم آہنگ ہونا مذہبی مراسم کی جان سمجھی جاتی تھی۔ ان کے ہان موسیقی کے سات حصے کئے ہین جن مین چوتھا نمبر رقص کا ہے۔ الغرض دنیا کا کوئی ملک ایسا نہین ہے جہان رقص کا رواج از منۂ قدیم مین نہ رہا ہو اور جس کی یادگار اب بھی وحشی اور متمدن اقوام مین نہ پائی جاتی ہو۔ جشنون کا حلقہ بنا کر رقص کرنا، ہندوستان کے گوڈون کا دو دو ملکر ناچنا، ستال عورتون کا دائرہ بنا کر رقص کرنا، اسیطرح تمام دیگر ممالک کے وحشی باشندون مین رقص کا پایا جانا اس امر کا ثبوت ہے کہ یہ عادت موجودہ انسان کو اسکے اسلاف سے ملی ہے اور کبھی اسکو معیوب قرار نہین دیا گیا۔

اسوقت دنیا مین ایک مسلمان ہی کی قوم ایسی ہے جو رقص کو معیوب سمجھتی ہے، لیکن اگر غور کیا جائے تو اس خیال مین مسلمان مذہبی قیود سے بھی بہت آگے بڑھ گئے ہین اور انھون نے اس فن جمیل کے محاسن کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔

عبد الفتاح عبادہ نے عربی مین ایک نہایت دلچسپ مضمون "فن رقص اور عہد اسلام" کے موضوع پر لکھا ہے اور بہت محنت سے اس نے عرب و اسلام کی تاریخی و مذہبی روشنی مین اسپر غور کیا ہے، اس لئے ہم یہان اسکا ملخص درج کرتے ہین۔

فاضل مضمون نگار نے پہلے مصریون کے فن رقص سے بحث کی ہے کہ اُن کے ہان یہ کسقدر رائج تھا اور انھون نے اس مین کسقدر ترقی کی، اس کے بعد اسنے عربون کے رقص کو لیا ہے اور پھر عہد اسلام مین انکی کسقدر ترقی ہوئی اسکا ذکر کر کے مضمون کو نہایت خوبی کے ساتھ ختم کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:-

رقص عرب جاہلیت مین | دوسری قدیم قومون کی طرح عرب جاہلیت مین بھی رقص کا رواج پایا جاتا تھا، یہانتک کہ بعض علماء نے

اس قول کو ترجیح دی ہے کہ کعبہ کا طواف جو زمانۂ جاہلیت میں ہوتا تھا وہ بھی ایک قسم کا رقص تھا،

آیت "وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً" کی تفسیر میں زمخشری اور بیضاوی لکھتے ہیں کہ "عورتیں اور مرد ایک دوسرے کی انگلیوں میں انگلیاں ڈالکر سیٹیاں اور تالیاں بجاتے ہوئے برہنہ طواف کرتے تھے"[1]، ان کے علاوہ اور مفسرین نے اس سے بھی زیادہ لکھا ہے، جو آپ کو مختلف تفاسیر میں ملیگا، اور یہ عربوں ہی پر موقوف نہیں بلکہ تمام قدیم قومیں اپنے معابد و ہیاکل میں رقص کیا کرتی تھیں، ہیاکل منف، طیبہ، البیوبولیس، ہیاکل اور شلیم، نینوا، بابل، اور معابد بعل، عشتاروت، زردشت، جوپیٹر، زہرہ (Venus) وغیرہ رقص کا مرکز تھے، توریت میں آیا ہے کہ یہودی رقص کے ذریعہ سے عبادت کیا کرتے تھے، غرض اس میں شک نہیں کہ "مذہبی رقص" قدیم قوموں کا نہایت ترقی یافتہ اور مقدس رقص تھا۔

تمام قوموں میں رقص کا وجود ایک ہی اسلوب پر ہوا ہے یعنی رقص بطور ریاضت جسمانی اور مرد عورت اس میں برابر حصہ لیتے تھے، بدوی اقوام جو اپنی فطرت اولی پر باقی تھیں وہ سب رقاص تھیں، مثلاً عرب ایام جاہلیت اور بدویت میں، رقص کرتے تھے، مرد حلقۂ رقص میں کھڑا ہوکر اچھلتا تھا، کودتا تھا، تلوار سے کھیلتا تھا، اور ایسی حرکات کرتا تھا، جو اسکی شجاعت، اور شدت قوت پر دلالت کرتی تھیں، اسی طرح عورت اسی حلقہ میں کھڑی ہوکر اپنی حرکات رقص سے اپنے اعضاء کی رعنائی جسم کی شادابی، قامت کا اعتدال، التفات و توجہ جسمانی لوچ کا حسن مردوں پر ظاہر کرتی تھی،

عرب ایام جاہلیت میں اپنے تہواروں، اور بت پرستی کے مراسم میں، دوسری قوموں کی طرح رقص کیا کرتے تھے، اور شاید جاہلیت کا طواف کعبہ اسی مذہبی مراسم سے مقدم تھا، جن میں رقص کیا جاتا تھا، تاریخ سے ثابت ہے کہ رقص ان قوموں کے نزدیک دینی مراسم کے ساتھ شریک تھا بلکہ بعض کے مذہبی فرائض اور عبادت میں داخل تھا[2] ان اقوام کے نظام زندگی پر غور کرنے سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ رقص ان کے ہاں حربی مظاہر میں داخل تھا، اور حالت جنگ میں جذبات حماسیت کو برانگیختہ کرنے کے لئے اسی طرح کیا جاتا تھا جس طرح معابد و ہیاکل میں جذبات عبودیت کے اظہار کیلئے مستعمل تھا۔ جاہلیت کے شہسواروں کے جو قصے، منقول ہیں، اور ان کے اشعار جو لڑائیوں کے وقت گائے جاتے تھے، اس حقیقت کی پوری پوری تائید کرتے ہیں۔

عرب ایام جاہلیت اور عہد اسلام میں نغمات اشعار پر رقص کرتے تھے، اور سب سے پہلا لحن جو خاص طور پر اسکے لئے بنایا گیا تھا "لحن خفیف" تھا، مرد اور عورت دف اور مزامیر کے ساتھ ملتے تھے، اور نغمات شعری سے پر نشاط ہوکر ابن خلدون کی رائے کے مطابق رقص کرنے لگتے تھے[3]، اسکے بعد رقص کی مناسبت سے خاص قسم کے لحن اور بحروں کا اضافہ ہوا جن میں ہزج، رمل، اور خفیف الرمل داخل ہیں الغرض رقص عربوں کے ہاں ایام جاہلیت اور اسلام دونوں میں پایا جاتا ہے، لیکن فرق یہ ہے کہ اسلامی دور میں جو رقص ہوتا تھا وہ باقتضائے

---

[1] کشاف جلد اصفحہ ۲۰۳ مطبوعہ ۱۳۱۸ھ بیضاوی جلد ا صفحہ ۲۳۹ مطبوعہ قسطنطنیہ ۱۳۰۵ھ۔ [2] تفسیر فخر الدین رازی جلد ۹ صفحہ ۲۰۹ مطبوعہ شرفیہ ۱۳۰۸ھ [3] دائرۃ المعارف مادہ رقص

یہ مثل روح گلاب بحساب ۸۰ روپیہ فیتولہ کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے طلب کیجئے

ترقی و تمدن زیادہ بہتر اور ترقی یافتہ تھا۔

رقص اور مذہب اس سے پہلے کہ ہم عہد اسلام کے رقص پر تاریخی روشنی ڈالیں یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ اس مسئلہ کے متعلق مذہبی نقطۂ نظر سے بحث کیجائے۔ اور دیکھا جائے کہ اسلام کا مذہب اسکے متعلق کیا حکم دیتا ہے،

جب ہم اسلامی احکام پر ایک اجمالی نظر ڈالتے ہیں تو ہم کو کوئی ایسا حکم نہیں ملتا جو رقص کی حرمت پر دلالت کرے، سوائے اُس صورت کے جب کہ رقص معیوب، خلاف ادب اور بیہمی خواہشوں کو برانگیختہ کرنے والا ہو۔ ابن حجر اور ان کے علاوہ دوسرے جلیل القدر مسلمان علما نے تصریح کی ہے، کہ رقص اس صورت میں حرام ہے جبکہ اس میں لچک اور مٹک پائی جائے۔ اس لئے کہ لچک اور مٹک اس فعل کو خواہش سے ملا دیتی ہیں لیکن مطلق رقص حرام نہیں ہے، کیونکہ یہ حدیث میں وارد ہے کہ حبشیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں آنحضرت کے سامنے رقص کیا ہے، اور آنحضرت نے بڑی دیر تک کھڑے ہو کر اس رقص کو دیکھا، اور حضرت نے عائشہؓ کو دکھایا۔

علما اور فقہا کے اقوال بالاتفاق اس حکم کو ثابت کرتے ہیں۔ امام نووی منہاج میں لکھتے ہیں کہ رقص مباح ہے بشرطیکہ اُس میں لچک اور مٹک نہ ہو، امام الحرمین کہتے ہیں کہ رقص حرام نہیں، کیونکہ وہ چند سیدھی اور ٹیڑھی حرکتوں سے عبارت ہے البتہ اس کی کثرت تہذیب کے منافی ہے، اسی طرح صاحب العمدہ نے جو شوافع میں سے ہیں، کہا ہے کہ اصل رقص مباح ہے، العماد سہر وردی، رافعی اور حلبی نے اپنی کتاب منہاج میں رقص کو مباح لکھا ہے بشرطیکہ اُس میں مٹک نہ ہو لیکن شیخ الاسلام عزالدین عبدالسلام نے تو رقص کو علی الاطلاق جائز قرار دیا ہے، اور وہ خود بھی رقص کرتے تھے۔ اسی طرح امام سیوطی، سراج الدین بلقینی، عبدالوہاب شعرانی وغیرہ علما نے لکھا ہے، اور امام غزالیؒ نے اسکے جواز پر یقین کرتے ہوئے لکھا ہے کہ رقص سرور و نشاط کی تحریک کا سبب ہے اور ہر سرور مباح ہے لہذا اسکی تحریک بھی جائز ہے۔ اور اگر وہ حرام ہوتا، تو حضرت عائشہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حبشیوں کا رقص نہ دیکھتیں،

صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے، کہ جب وہ مسرور ہوئے ہیں تو انھوں نے رقص کیا ہے جسکا سبب انکی مسرت تھی، اور حضرت حمزہ کی بیٹی کے قصہ میں[1] وارد ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ کیا تم حبش کے رقص کو دیکھنا چاہتی ہو۔ اور بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ عید کا دن تھا اور اہل سودان ڈھال اور چھوٹے نیزوں کے ساتھ رقص کرتے تھے تو آنحضرت نے مجھ سے فرمایا کہ کیا تم اسے دیکھنا نہیں چاہتیں۔ میں نے کہا ہاں چاہتی ہوں۔ آپ نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا کیا میرا رخسار آپکے رخسار پر تھا۔ اور آپ نے فرمایا کہ شروع کرو اے بنی ارفدہ" یہانتک کہ جب میں تھک گئی، تو آپ نے فرمایا، کیا بس، میں نے کہا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا اچھا اب جاؤ[2]۔

امام غزالی کہتے ہیں کہ یہ تمام احادیث صحیحین میں وارد ہیں، اور ان سے ثابت ہوتا ہے کہ غنا اور رقص حرام نہیں ہیں۔ پہلے امور کی اباحت میں، دوسرے اس فعل کا مسجد میں کیا جانا، تیسرے آنحضرت کا فرمانا کہ شروع کرو اے بنی ارفدہ اور یہ کھیل کا حکم دینا، اور اسکی خواہش کرنا ہے، چوتھے

---

[1] اس قصہ کی تفصیل بخاری اور احیاء العلوم جلد ۲ صفحہ ۲۵۰ میں دیکھو۔ [2] بخاری باب العیدین

کارخانہ اضوء علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا مال ناپسند ہو تو قیمت سہ محصول واپس ہو سکتی ہے

دیر تک کھڑے رہکر اسے دیکھنا اور سُننا، پانچوین آنحضرت کا ابتدا مین حضرت عائشہؓ سے یہ فرمانا کہ کیا تم دیکھنے کی خواہش رکھتی ہو۔ اور یہ کوئی اضطراری فعل نہ تھا، یہ تمام قیاسات اور بخصوص رقص وغنا اور قال وغیرہ کی اباحت اور جواز پر دلالت کرتے ہین۔

لہذا ہر ملک کے مسلمان علما نے باوجود اختلاف مذہب وحالات جملہ اقسام رقص کے متعلق یہی کہا ہے، اور اسی خیال کی اکثر فقہا تائید کرتے ہین جو غنا کے جواز کے قائل ہین۔ اور یہی حضرات صوفیا کا مذہب ہے لیکن فن رقص تشدد پسند اور دین مین سختی پیدا کرنے والے فقہا کے حملون سے محفوظ نہین رہا، یہ فقہا ہر ایسے شخص کو ساقط العدالت سمجھتے تھے، جو غنا سے اشتغال رکھتا ہو۔ اور جو شخص تصویر بناتا، یا کوئی مجسمہ تیار کرتا وہ ان کی نظر مین مشرک سمجھا جاتا تھا۔ لہذا اس مخالفت سے اس فن کو بھی وہی نقصان پہونچا جو دوسرے فنون جمیلہ کو پہونچا ہے،

ان تمام مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان علمانے رقص کے جواز پر سنت اور قیاس سے دلائل پیش کئے ہین سنت تو وہی حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے جو صحیحین مین مسجد کے اندر رقص حبشی کے متعلق وارد ہے اور قیاس یہ کہ فرع اپنی اصل کے ساتھ علت حکم مین مساوی ہونا چاہیئے، لہذا یہان بھی اصل فعل اہل حبش۔ اور حضرت علی اور ان کے شریک صحابہ پر قیاس کیا جاسکتا ہے، لہذا ثابت ہوا کہ اسلام نے رقص کو حرام قرار نہین دیا جب تک کہ اس مین شک اور لچک کی حرکتین نہ پائی جائین جو شہوات بہیمی کو برانگیختہ کرتی ہون۔ اور یہ اس ترقی یافتہ شریعت کا حکم ہے جو اخلاق کی پاکیزگی اور رفعت کی حمایت کرتی ہے، اور یہی حمایت اقوام کے ناموس اور ادب کی حمایت کے لئے مطلوب ہے،

مسئلہ رقص کے متعلق جو کہ ہم نے بیان کیا ہے یہ ایک منصف مزاج طالب حق، اور ایک کجرو متعصب دونون کیلئے کافی ہے۔ اور ہم اسی پر اکتفا نہین کرتے بلکہ آگے یہ ثابت کرینگے کہ مسلمانون نے رقص کے بارہ مین صرف اسی حد تک اظہار خیال نہین کیا ہے بلکہ علمی حیثیت سے اس مین بہت کچھ حصہ لیا ہے۔

رقص کی تاریخ اسلامی تمدن مین

مسلمانون نے رقص کا شمار مجمل علوم وفنون کیا ہے اور جسکو ہم ایک ذلیل چیز خیال کرتے ہین۔ اُسے ہمارے عرب اسلاف ایک بڑا فن سمجھتے تھے اُنھون نے اسکو اظہار عواطف اور وجدانیات کا ذریعہ، اور ہوشیاری اور کمال کا سبب قرار دیا تھا۔ انھون نے رقص کو صرف کھیل اور دل بہلانے کی چیز تصور نہین کیا، بلکہ اسکے متعلق لکھا ہے :—

"رقص ایک علم ہے جو حرکات موزون کی کیفیت سے بحث کرتا ہے اس حیثیت سے کہ وہ حرکات دیکھنے والے کی طبیعت مین نشاط وسرور پیدا کرین" عربون نے اس فن کے اقسام اور احکام کے متعلق متعدد کتابین لکھی ہین[۵۱]۔

عربون کی اقسام رقص

جو ممالک اسلامی حکومتون کے زیر نگین تھے، اُن کے مختلف حصون مین مختلف قسم کے رقص پائے جاتے تھے، اہل خراسان، فارس، مصر، مغرب، اور اندلس سب کا طرز رقص ایک دوسرے سے مختلف تھا، بلکہ ایک حکومت مین جو رقص تھا وہ دوسری حکومت کے رقص سے اختلاف رکھتا تھا۔ دولت اموی اور عباسی مین جو رقص کی قسمین اور اس کی شکلین تھین وہ حکومتہائے اندلس مغرب، فارس اور ترکون سے علیحدہ تھین، اسی طرح فاطمیین اور مالیک کے عہد حکومت کے رقصون مین اختلاف تھا۔ اسی طرح عورتون، اور مردون کا رقص ایک دوسرے سے علیحدہ صورت رکھتا تھا۔ ہم ان تمام حکومتون کے اقسام رقص کو چھوڑ کر صرف سلطنت عباسیہ کے رقص کو لیتے ہین جس نے ایک طویل عرصہ تک حکومت کی ہے، اور اسکا تمدن بھی بلحاظ اپنے اثرات اور وسعت کے بہت شاندار تھا

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی ایک شاخ گلزار حوض حیدرآباد دکن مین ہے

ہم ذیل میں اُن تمام انواع رقص کا ذکر کرتے ہیں جو عباسیوں کے دور حکومت میں عروج پر پہنچی تھیں۔

اس عہد میں اقسام رقص آٹھ تھے، خفیف، ہزج، رمل، خفیف الرمل، ثقیل الثانی، خفیف الثانی۔ خفیف الثقیل الاول اور ثقیل الاول، لیکن افسوس ہے کہ اب ان اقسام رقص کا صرف نام باقی رہ گیا ہے، اور ان کی تفصیلات زمانۂ ماضی کی تاریکیوں میں پوشیدہ ہوگئیں[1]

رقص کے قواعد اور شرائط عربوں نے فن رقص میں چند شرطیں مقرر کی تھیں، جن کی تکمیل ضروری تھی مثلاً خفت، رمت، حرکات رقص کو بہترین طریقہ پر ادا کرنا۔ رقص کی مختلف حرکات میں سرکت کی لطافت اور خفاء کو شامل کرنا، گردن کا طویل ــــ کمر کی باریکی، جسم کی خوبصورتی۔ دامن کا گول ہونا۔ پیروں کی لچک، انگلیوں کی نرمی، اور ان کا ہر طریقہ سے مڑنے کے قابل ہونا۔ جوڑوں کی نرمی، حالت رقص میں سرعت انتقال، خوش خرامی، کمر کی لچک، نظام نفس کی درستی، دیر تک عمل رقص میں مشغول رہنے کی طاقت انواع رقص میں ایک حسین تصرف کرنا، اور ہر ایک جزئی حرکت کے احکام و قواعد کا لحاظ رکھنا، رقص میں نکھر جانے کی لطافت، قدموں کا اپنے مدار پر قائم رہنا، دائیں اور بائیں پیر کے عمل کا ایک ہی طریقہ پر برابر ہونا، وغیرہ وغیرہ

عربوں کے رقص میں قدموں کے اٹھانے اور رکھنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ہر قدم کا اوپر نیچے جانا اور آنا آہنگ موسیقی کے ساتھ ساتھ اور دوسری صورت یہ ہے کہ تال کے ساتھ قدم زمین پر جائے اور خالی پڑا اٹھ جائے یا بالکل اس کے برعکس۔

علامہ ابن خلدون نے اس تناسب کو اس طرح لکھا ہے کہ تناسب رقص کہیں بسیط ہوتا ہے اور اکثر لوگوں میں طرفی طور پر پایا جاتا ہے، ان کو اس کے حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

رقاص جماعت کے آداب جس طرح ایک رقاص فرد کے لئے خاص قواعد اور قوانین ہیں اسی طرح ایک رقص کرنے والی جماعت کو بعض اصول کا پابند ہونا پڑتا ہے، اور نہایت سختی سے ان قواعد کا لحاظ کیا جاتا ہے، جیسا کہ آج کل اہل یورپ کی مجالس رقص میں اس قسم کے آداب کی رعایت ضروری خیال کیجاتی ہے، ان شرائط میں اہم ترین شرط یہ ہے کہ رقاص جماعت میں بدنظمی اور بے ترتیبی پیدا نہ ہو۔ اور ان کی حرکات میں رقص کی نوعیت تبدیل نہ ہو جائے۔ اور رقاص جماعت میں وہ شخص داخل نہیں ہو سکتا جو مقابلہ دوسرے رقاصین کے مہارت کم رکھتا ہو یا اس میں سرعت انتقال کا وصف نہ پایا جائے۔ یا دیکھنے والے اس میں تصنع محسوس کریں۔ ان قواعد کی رعایت رقص صوفیہ میں بھی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ غزالی اور نویری لکھتے ہیں کہ آداب رقص میں یہ امر قابل لحاظ ہے کہ رقص کرنے والی جماعت کے ساتھ محفل رقص میں ایسا شخص شامل نہ ہو جس کے رقص میں نقل پایا جائے۔ اور اس کی وجہ سے رقص کے نظام میں بے ترتیبی پیدا ہو۔ اس لئے کہ وہ رقص جس میں تکلف نہ پایا جائے مباح ہے، اور جو شخص سچائی سے رقص کیلئے مکمل ہو (یعنی اسکا جذبۂ رقص سچا ہو) تو وہ حاضرین پر بھاری نہیں ہوتا۔ بشرطیکہ اُن کے قلوب صداقت اور بے تکلف کا صحیح معیار ہوں[2]

مشہور رقاص تاریخ اسلام میں بہت سے مشہور رقاصوں کے نام محفوظ ہیں، دولت عباسیہ کے زمانۂ عروج میں کبشیہ اور عبدالسلام فن رقص میں بڑے کامل الہرگ تھے، صاحب آغانی نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ یہ دونوں نہایت باکمال رقاص تھے لیکن اسحاق موصلی جو عربی موسیقی

---

[1] مسعودی جلد ۲ صفحہ ۳۲۵ [2] احیاء العلوم ج ۲ صفحہ ۲۵۱۔ نہایت الارب نویری جلد ۴ صفحہ ۲۰۸

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا شمامۃ العنبر بہترین عطر ہے

مین زبردست ماہر گزرا ہے رقص مین ان دونون پر سبقت لیگیا ہے" ابو الفرج اصفہانی اسحاق موصلی کے اس رقص کا تذکرہ کرتے ہوئے جو واثق باللہ کے سامنے اُسنے کیا تھا لکھتا ہے" اسحاق کھڑا ہوا اور اسنے نہایت طرب انگیز رقص کیا" اسکا رقص کیش اور عبد السلام سے بھی بہتر تھا حالانکہ وہ دونون نہایت اچھا رقص کرنے والے شمار کئے جاتے ہین" اسپر واثق باللہ نے کہا" اسحاق سے زیادہ کوئی اس فن مین کامل نہین رکھتا"[۵۱]

مصر و اندلس مین تمدن اسلامی کے عہد عروج مین فن رقص مین بہت سے لوگون نے کمال پیدا کیا تھا اس دور کے مشہور رقاص جنہون نے تمام اسلامی ممالک مین شہرت حاصل کی تھی وہ بادشاہون کے حضور مین رقص کرتے تھے حمید بن احمد بن ابرہیم ابو الحسن اور اسکا بھائی ابراہیم تھا یہ دونون ملک اشرف شاہ مصر کے دربار مین حاضر ہوئے اور رقص اور موسیقی کا کمال دکھایا۔ ابن حجر نے" درر کامنہ" مین اسکا تذکرہ کیا ہے[۵۲] ان کے علاوہ مشہور رقص کرنے والون مین جعفر رقاص بھی تھا جسکا تذکرہ آئندہ ہوگا۔

حالت رقص مین پیرون کی حرکت کو مصعب ہندی نے ایک رقاص کی تعریف مین کس خوبی سے بیان کیا ہے۔

عجبت من جلین یتیما یہ یلعبن ہالولوًا و تلوانہ۔ کان فیہین یلیعاتہ[۵۳] یعنی مین اسکے دونون پاؤن دیکھکر بہت متعجب ہوا جو اسکے بالکل قابو مین ہین۔ کبھی وہ ان دونون کو اٹھاتا ہے اور کبھی وہ دونون اسے اٹھاتے ہین۔ گویا کہ دو سانپ (پے در پے) اسکو کاٹ رہے ہین"

ایک خوبصورت رقاص کے وصف مین ابن خروف اندلسی کا قول بھی خوب ہے جس سے رقص کے متعلق اندلسی ذوق کا پتہ چلتا ہے

ومنزع الحرکات یلعب بالنھی	اپنے حرکات رقص مین تنوع پیدا کرکے دلون کے ساتھ کھیلتا ہے
لیس المحاسن عند خلع لباسہ	جو لباس سے عریان ہوکر سراپا حسن نظر آتا ہے
متأودًا کالغصن وسط ریاضہ	وہ لچکتا ہے مثل اس شاخ کے جو باغ کے درمیان ہو،
متلاعبًا کالطفل عند کتاسہ	اور اس طرح کھیلتا ہے جسطرح سرِ راہ بچہ مستقہ کے پاس کھیلتا ہو،
بالعقل یلعب مقبلًا او مدبرًا	وہ پیچھے پھرکر اور مقابل ہوکر لوگون کی عقلون سے اسطرح کھیلتا ہے
کالدہر یلعب کیف شاء بناسہ	جسطرح کہ زمانہ لوگون سے جیسا وہ چاہے کھیلتا ہے، وہ
ویضم القدمین منہ راسہ	اپنے دونون پاؤن سے اپنے سر کو ملا دیتا ہے،
کالسیف ضمّم ذباب لریاسہ[۵۴]	جسطرح تلوار دستہ اور نوک سے دہری ہوکر ملجاتی ہے

اور سری زریاب ایک رقاص کے متعلق کہتا ہے

اذا خلجت انامل لرقص	جب اسکی انگلیان رقص کیلئے حرکت کرتی ہین،
تری حب القلوب الیہ تزدی	تو قلوب کی محبت اسکی طرف کھینچتی چلی جاتی ہے،
جیبی انت احسن من تثنی	اے میرے دوست تو اُن سب مین زیادہ حسین ہے جو لچک کے ساتھ

---

[۵۱] اغانی جلد ۵ صفحہ ۹۲ [۵۲] درر کامنہ ابن حجر تلمی جلد ۲ حرف ح [۵۳] محاضرات الراغب اصفہانی جلد ۱ صفحہ ۳۴۴ [۵۴] نفح الطیب جلد ۲ صفحہ ۱۳۸

علاوہ عطر حنا کے اور تمام عطر بھی کارخانہ اصغر علی سید علی تاجر عطر لکھنؤ سے ملسکتے ہین

علی وتر واحسن من تلوی ــــ نغمۂ ساز پر متحرک ہوتے ہیں، اور اُن سب سے خوبصورت ہے جو رقص کیلئے حرکت کرتی ہیں،

رقص کرنے والی عورتوں کا شمار مردوں سے بہت زیادہ ہے اور عربوں کے زمانۂ تمدن میں جو رقص کرنے والی کمال پیدا کرتی تھی اُسکی شہرت تمام ملک میں ہو جایا کرتی تھی رنازنین خوبصورت عورتیں جو بہ لحاظ بخارائی کے رقص کیلئے موزوں ہوتی تھیں اور اُن میں وہ تمام خوبیاں پائی جاتی تھیں جو رقص میں کمال حاصل کرنے کیلئے ضروری تھیں، اُنہیں فن خاص طریقہ سے سکھایا جاتا تھا۔ ایسی لونڈیاں خاص طور پر تلاش کیجاتی تھیں جن کی کمر باریک، اعضاء سڈول، پیر نازک، انگلیاں اور جوڑ نرم ہوں اور یہی وہ شرطیں تھیں جو عربوں کے نزدیک رقاص میں ضروری خیال کیجاتی تھیں۔ ایسی جامع الشرائط لڑکیوں کو فن رقص کے ساتھ موسیقی کی بھی تعلیم دیجاتی تھی تاکہ اُن کے حُسن وجمال اور محاسن رقص اور نغمات موسیقی سے ذوق سماعت وبصارت۔ دونوں لطف اندوزیوں اور حیات کی مسرت تکمیل کو پہنچے۔ خلفاء، شاہان اسلام اور امراء نے مجالس رقص میں شرکت کی ہے اور مشہور صاحب فن المہرین کا رقص دیکھا ہے۔

بغداد کے آلات رقص دولت عباسیہ کے زمانۂ ترقی میں اس فن سے اسدرجہ دلچسپی لیجاتی تھی کہ بغداد و اعراق کے دوسرے شہروں میں رقص کیلئے خاص قسم کے آلات ایجاد کئے تھے۔ ابن خلدون ابن مہدی اور دوسرے اہل بغداد و اعراق کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ رقص کیلئے خاص قسم کا لباس اور آلات بنائے گئے تھے اور وہ اشعار بھی خاص اوزان کے ہوتے تھے جن کے ترنم پر رقص کیا جاتا تھا۔ لوازم رقص میں سے لکڑی کے بنے ہوئے گھوڑے ہوتے تھے جن پر زین کسا ہوا ہوتا تھا اور چھت سے معلق کر دیے جاتے تھے۔ عورتیں اثنائے رقص میں مختلف حرکات کرتی ہوئی ایک دوسرے کی طرف دوڑتی پیچھے ہٹتی اور گھوڑوں پر کود کر سوار ہو جاتی تھیں۔ اسکا بغداد اور اعراق کے تمام شہروں میں رواج تھا اور وہاں سے اور ممالک میں بھی پھیل گیا تھا۔[1]

اندلس کے آلات رقص اور ناچنے والیاں ابن خلدون کی تاریخ پڑھنے سے واضح ہوتا ہے کہ عربی شاعری میں رقص کیلئے مخصوص اوزان تھے جو رقص کے وقت گائے جاتے تھے اور عباسیوں کے زمانہ میں جبکہ رقص کو بڑی ترقی ہوئی تھی اشعار رقص ایک مستقل حیثیت رکھتے تھے۔ اسیطرح لباس اور بعض آلات بھی ناچنے کیلئے مخصوص تھے۔ آلات رقص میں کوچ کہتے ہیں اور رقص اسپی میں (Carrousal chevaux de bois) کہلاتے ہیں۔ بغداد کی عورتوں کی ایجاد تھے۔ یہ فن عراق سے براہ مصر اندلس تک پہونچا۔ شقندی اپنے رسالہ تفصیل الاندلس علی بر العدوہ میں لکھتا ہے اہل اندلس کو رقص سے خاص دلچسپی تھی منجملہ لوازم رقص کرج کا شمار کیا گیا ہے اس نے اشبیلیہ میں آلات رقص و سرود میں خیال، کرج، وطہ، مونس، کثیرہ، زلامی، طنبورہ، قضار، عود، قانون، رباب وغیرہ کو دیکھا ہے[2]

اگرچہ یہ آلات اندلس کے دوسرے شہروں میں بھی پائے جاتے تھے مگر اشبیلیہ میں انکی تعداد بہت زیادہ تھی۔ ابن رشد کہتا ہے کہ جب کسی عالم کی وفات ہوتی تھی اور اسکی کتابیں بیچی جاتی تھیں تو انہیں قرطبہ بھیجا جاتا تھا اور اگر کوئی مطرب مرتا تھا تو اُس کے آلات طرب اشبیلیہ

---

[1] مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۲۵ مطبوعہ مصر [2] مقتبس جلد ۱ صفحہ ۳۵ و ۳۸ نفح الطیب جلد ۲ صفحہ ۱۴۲ و ۱۴۴ مطبوعہ یورپ ۱۸۵۵ء

مین فروخت ہوتے تھے - ابن رشد کے اس بیان سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بمقابلہ دوسرے شہرون کے اشبیلیہ مین فنون جمیلہ کا زیادہ رواج تھا -
اسکے بعد شقندی نے اندلس کے دوسرے شہرون کا حال لکھتے ہوئے شہر عابدہ کے متعلق لکھا ہے کہ وہان کی رقاصہ عورتین اپنے فن کے لحاظ سے مشہور تھین اور تلوار سے کھیلنے مین بھی خاص مہارت رکھتی تھین -

خیال، رقص وطرب کا ایک مشہور آلہ ہے - اسکا تذکرہ شقندی نے کیا ہے - اسکو خیال الظل - خیال رقص اور خیال جعفر راقص بھی کہتے ہین - جعفر اس کے موجد کا نام تھا - خفاجی نے شفاء الغلیل مین لکھا ہے کہ اور جعفر خیال کے موجد کا نام ہے جیسا کہ ابن عبد الزاہد کہتا ہے

ایا کم ان تنکروا جعفراً	خبردار جعفر اور اسکے ساتھیون کے کمال کا ہرگز انکار نکرو
ذالک الخیالی واصحابہ	وہ جعفر جو خیالی یعنی موجد "خیال" ہے
فنیل مصر کم لہ جعفراً	مصر کا دریائے نیل بھی کہی جعفر دن کا مالک ہے -
مختلف یخرج فی بابہ [1]	جو مختلف ہین اور اپنے اپنے "بابہ" کو لیکر نکلتے ہین -

صرف اندلس کی رقاصہ عورتین خیال رقص کو استعمال نہین کرتی تھین جیسا کہ شقندی نے ذکر کیا ہے بلکہ یہ کھیل مصر و عراق وغیرہ کی مشرقی عورتون مین پایا جاتا تھا - چنانچہ وجیہہ منابی کے اشعار جو اُس نے خیال سے کھیلنے والی ایک لڑکی کے متعلق لکھے ہین اس بات پر دلالت کرتے ہین اشعار یہ ہین -

و جاریۃ حشوقتہ اللھوا قبلت	اور بہت سی لڑکیان جبکا کھیل دلنشین ہو طرح سامنے آتی ہین -
بحسن کزہر الروض تحت کمام	حسن کے ساتھ، جس طرح پھول شگوفون کے نیچے،
اذا ما تغنت قلت شکوی صبابۃ	اگر وہ نغمہ ریز ہو تو مین کہونگا اس کا نغمہ شکوہ محبت ہے
وان رقصت قلنا حباب مدام	اور اگر رقص کرے تو ہم کہینگے کہ وہ (اپنی لطافت حرکت مین) شراب کا حباب ہے
ارتنا خیال الظل والستر دونہا	اسنے خیال الظل ہم کو دکھایا اور وہ پردہ کے پیچھے تھی،
فابدت خیال الشمس خلف غمام	تو ایسا معلوم ہوا کہ گویا ہم آفتاب کو ابر کے پیچھے دیکھ رہے ہین -
تلعب اشخاصا لہا خلف ستر ہا	وہ اپنے خاص لوگون کے پس پردہ کھیل رہی ہے -
کما لعبت افعالہا باناس [2]	جس طرح اپنے افعال سے ایک مخلوق کے ساتھ کھیلتی ہے -

"دکر" ایک خاص قسم کا رقص تھا جس مین شہر عابدہ کی عورتون نے مہارت حاصل کی تھی اور سوئت تک بصرہ مین زنگی یہ کھیل کھیلتے ہین اسی طرح "اخراج القری" "مرابط" "قنوخہ" بھی خاص کھیل تھے جن مین جسم کی سبکی اور شوخی اور مہارت کی ضرورت تھی - شقندی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اندلس کی عورتین مردون کی طرح تلوارون کے ساتھ رقص کرتی تھین، کاٹھ کے گھوڑے پر سواری کرنا ایک دوسرے پر حملہ کرنا بھاگنا

---

[1] شفاء الغلیل صفحہ ۲۴۴ مطبوعہ مصر [2] مطالع البدور فی منازل السرور جلد ۱ صفحہ ۲۶۱

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا عطر حنا خاص ترکیب سے بنتا ہے

کو زیادہ سب مرد زنانہ کھیل کھیلا کرتی تھیں۔

عورتوں کے رقص میں اہل اندلس کا خیال

فن رقص کو اہل اندلس نے نہایت مکمل اور باقاعدہ کرلیا تھا جیسا کہ ابن خلدون لکھتا ہے کہ اہل اندلس کی بتاصہ عورتوں کے متعلق ابن حمدیس شاعر سے اندلس کے ایک ادیب نے استدعا کی کہ وہ اندلس کی کسی رقاصہ کا وصف اپنے کلام میں اسطرح بیان کرے کہ اہل اندلس کے ذوق رقاصی اور غنائی کی پوری تشریح ہو۔ اندلس کی رقاصہ اپنی انگلیوں سے ہر عضو کی طرف اشارہ کرتی ہے جس پر محبت نے اپنا اثر ڈالا ہو۔ اگر آنسو کا ذکر آتا ہے تو اپنی آنکھ کی طرف اشارہ کرتی ہے اگر وجد محبت کی تکلیف بیان کیجاتی ہے تو دل پر ہاتھ رکھتی ہے اسی طرح محبوب کے ناز و ادا عاشق کے تذلل و پرستاری کو اپنے اشارات و حرکات سے اس طرح ظاہر کرتی ہے کہ اصل واقعہ کی تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے اس پر ابن حمدیس نے یہ شعر کہے۔

واقصة بالسحر فی حرکاتها	اور بہت سی رقص کرنے والیاں ایسی ہیں کہ اپنی ساحرانہ حرکات سے
تقیم بہ وزن الغناء علی عدّ	غنا کے اوزان کو اپنی حد پر قائم رکھتی ہیں۔
منغمة الفاظها بترنم ــــ	اپنے الفاظ کے نغموں سے ایسا ترنم پیدا کرتی ہیں کہ
کسا معبدًا من عزة ذلة العبد	غلاموں کے مالک باعزت شخص ان کی محبت میں ذلیل ہیں
تدوس قلوب السامعین برخمتہ	سامعین کے دلوں کو اپنی سریلی آواز سے پامال کرتی ہیں
بها لعقلت مالحون من العدد	اور کوئی لحن ایسا نہیں ہے جو اس آواز میں نہ پایا جائے
تقد بیوت القصن من حرکات	انکا قد ایسا ہے کہ انکے مقابلہ میں نکلنے والی شاخ شرم سے ساکن اور پژمردہ ہے،
کمردنا واین القصن من نزهة القد	اور واقعہ میں یہ ہے کہ شاخ میں وہ لطافت کہاں جو قد میں پائی جاتی ہے
وتحتبها عما تشیر بامثل	تم انھیں دیکھکر یہ خیال کروگے کہ وہ اپنی انگلیوں سے
الی ما یلاقی کل عضو من الوجد	اپنے ہر اس عضو کی طرف اشارہ کرتی ہیں جو محبت کی مصیبتیں جھیل رہا ہے،
بنا لابها ما تشتکی من جوی الهوی	اور سوزش تکلیف آلام محبت کی جو شکایت وہ کرتی ہیں وہ حقیقت میں انکی ذات میں نہیں بلکہ ہماری ذات میں پائی جاتی ہے۔
وتوسع اشواق مخدرة الخدر[1]	اور شوق کے ایسے آنسو بہائے جاتے ہیں جنہوں نے رخساروں میں گڑھے ڈالدیئے ہیں

ابن حمدیس ایک طویل قصیدہ میں موسیقی پر رقص کرنے والی عورتوں کے متعلق کہتا ہے۔

وسود الذوائب لیسجنها ــــ	اور ایک سیاہ گیسوں والی اپنی گیسوؤں سے اس طرح کھیلتی ہے
کسعی الاساود فوق الکثیب	جس طرح کالے ناگ کسی پر دوڑ رہے ہوں

---

[1] دیوان ابن حمدیس صفحہ ۱۱۱ و صفحہ ۹۳ مطبوعہ روما ۱۸۹۷ء

کارخانہ اصغر علی محمد علی ابتک اس منیجر کی نگرانی میں ہے جو چالیس سال سے کام کر رہا ہے

توافق بالرقص اقدامہن۔ —	حالت رقص مین ان کے قدم اسقدر ہم آہنگ ہوتے ہین
یطان بہن نغمات الذنوب	کہ ان سے نغمۂ کا غیر معصم پہلو نمو ہوجاتا ہے
یشرن الی کل عضو بما	وہ اپنے ہر عضو کی طرف اشارہ کرتی ہے،
یحل بہ فی الہوی من کروب	اور بتاتی ہے کہ اس مین آلام محبت جاگزین ہین۔
بسطنا لہا وھی مثل القضون	ہم اُسکے لئے فرش ہوگئے۔ اور وہ تر و تازہ شاخ کی مانند ہے
تمیس بہن الصبا والجنوب	جس کیساتھ باد صبا اور جنوبی ہوا اٹکھیلیان کرتی ہو۔
علی الارض منا خدود والوجوہ	زمین پر اسکے لئے ہمارے رخسار فرش ہین۔
دہین الضلوع خدود القلوب [1]	اور پہلو مین دل کے رخسار فرش ہو چکے ہین۔

اور رقاص عورتون کی درازدامنی کا وصف اسطرح کرتا ہے۔

ومن راقصات سابجات ذیولہا	اور بعض رقص کرنے والیان
شواذ مسک فی العبیر تضمخ —	اپنے مشک اور عنبر سے رنگین دامنون کو لٹکائے ہوئے ہین۔
کما جررت اذیالہا فی ہدیلہا۔	جب وہ رقص مین دامن کشان ہوتی ہین تو ایسا معلوم ہوتی ہین
حمایم ایک او طواویس تبذخ [2]	جیسے جنگل کی مست کبوتریان یا اترانے والے طاؤس

اقسام مذکورہ کے علاوہ اہل اندلس مین اور مختلف انواع رقص کا رواج تھا چنانچہ جماعت شفالیہ (Chevalier) کا خاص رقص مشہور تھا اور ان سے اس رقص کو اہل یورپ نے سیکھا چنانچہ وہ خود اسکا اعتراف کرتے ہین اُنہون نے متعدد اقسام کے رقص سیکھے ہین۔ اور اب بھی اسپین والون کے رقص مین عربی آثار پائے جاتے ہین۔ (باقی)

خیمہ جات وریان وسامان چرمی

ہمارا کارخانہ ۱۸۷۶ء سے جاری ہے اور ہندوستان مین اور ہندوستان کے باہر نہایت نیکنامی سے مدت سے سامان بھیج رہا ہے۔ ہمارے یہان خیمہ جات دوریان بہترین قسم کی اور چرمی سامان مناسب قیمت پر روانہ کیا جاتا ہے۔ فہرست حسب الطلب اردو یا انگریزی مین بھیجی جا سکتی ہے:۔

(پتہ اخبار کا خط و کتابت مین "نگار" کا حوالہ دیجئے) المشتہر محمد حسین اینڈ کو۔ ٹینٹ مرچنٹس۔ فتحگڈھ یوپی

[1] دیوان ابن حمدیس صفحہ ۱۱۱ و صفحہ ۹۳ مطبوعہ روما ۱۸۹۷ء [2] دیوان ابن حمدیس صفحہ ۱۱۱ و صفحہ ۹۳ مطبوعہ روما ۱۸۹۷ء

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا تیل بانو ہیر آئل استعمال کیجئے قیمت فی شیشی ۸؍

غزل

زندگی صورت خوابیست کہ خوابیست عجیب — درمیانِ من و اوشکل حجابیست عجیب
او کہ غافل زمن و منکہ پریشان دراو — دفترِ ناز و وفا یا چہ حسابیست عجیب
دل برصدمہ جانکاہ بجا می باشد — بین کہ وین موج ہوا را چہ مجابیست عجیب
دیدِ جز عارضِ تابندہ قراری نہ کند — حسن شرمندہ کہ این رنگ نقابیست عجیب
ہوش رفتہ کزما بود بجا می آریم — زاہدا! آنچہ کہ خوردیم شرابیست عجیب
ایکہ دلتنگ نشینی بہ درِ ہر کارے — جانب میکدہ برخیز کہ بابیست عجیب
ہوس یک سخنے بود نگہ جذبی — آن سوالِ عجب و این چہ جوابیست عجیب
تابِ مردن کہ بغم دارد و مردن نتوان — دل کہ در سینہ ما ہست عذابیست عجیب

کیفیا جان بلبی آخر کارش دانی
درہ عشق فنا شو کہ ثوابیست عجیب (کیفی چریاکوٹی)

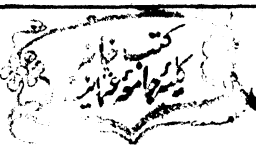
زندگی صرف اگر درپے ہر سود نہو — وسعتیں اتنی ہوں پیدا کہ تو محدود نہو
پھونکدے نقش و نگار ہوس عیش و نشاط — یعنی عبرت کدۂ دہر میں محصود نہو
ذرہ ذرہ بنے آئینۂ نیرنگ جمال — شورش حسن باندازۂ محدود نہو
توڑ دے توڑ دے سرشتۂ امید و امل — اس خرابات میں آوارہ پے سود نہو
بے حقیقت ہے ضیاگستری حسن ایاز — آئینہ دار اگر حیرت محمود نہو
زندگی نام ہے اک جذبہ پرستاری کا — وائے وہ بندہ کہ جس کا کوئی معبود نہو

بے نیازانہ گذر عرصۂ ہستی سے سعید
ہمت پائے جنوں خستہ مقصود نہو (سعید رزمی)

سالومی

آسکر وائلڈ کے مشہور ڈرامہ کا ترجمہ مطبع سے چھپ کر آگیا ہے قیمت ۱۲ علاوہ محصول منیجر نگار سے طلب کیجئے

ہندوستانی عطریات کا سب سے بڑا کارخانہ اصغر علی محمد علی لکھنؤ کا ہے



عالم کا مذہب

گو اہل نظر اور ارباب ہوش کو اس بات کی ضرورت نہین ہے، تاہم مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مین شروع ہی مین اس امر کی تصریح کر دون کہ لفظ مذہب سے میری مراد "دین" نہین بلکہ "مذہب وسلک" ہی ذیل کی سطور مین مجھے صرف اسی سے بحث کرنا مقصود ہے کہ طالب علم یا اور وسیع الفاظ مین، ایک عالم شخص کا مذہب وسلک کیا ہوتا ہے اور وہ کیونکر بنتا ہے لیکن قبل اسکے کہ مین آگے بڑھون اس کو بھی واضح کر دینا چاہتا ہون کہ لفظ "عالم" سے میرا مقصود محض ان حضرات سے نہین ہے جن کو اس عمومی اور متداول لفظ عالم سے یاد کیا جاتا ہے، اور جس کو جمع کے صیغہ سے "علماء" یا اور زیادہ تفصیل کے ساتھ "علماء دین"، یا اور بہترین صفت کے ساتھ "علماء دین متین" کہا جاتا ہے: بلکہ اس سے ہر وہ شخص مقصود ہے جو کسی خاص شعبۂ علوم کا ماہر ہو اور افسوس پھر وہی لفظ آتا ہے) عالم ہو — عام اس سے کہ وہ علم دینی ہو یا دنیوی۔ علیٰ ہذا القیاس اس لفظ کے مفہوم مین ہر مضمون اور علم کے مصنف اور مؤلف بھی شامل ہین۔

یہ امر بیان کا محتاج نہین ہے کہ خدائے خالق نے ہر انسان کو دل ودماغ دیا ہے، جن کو ہر شخص اپنی اپنی عقل وبصیرت اور حواس ظاہری وباطنی کی استعداد کے مطابق استعمال کرتا ہے، اور اپنی موروثی اور کسبی علم اور تجربہ اور اپنے ماحول کے کوائف اور حالات وواقعات سے دن رات مستفید ہوتا رہتا ہے اور اس گوناگون تجربہ سے اپنے نفس اور پھر دنیا وما فیہا کے متعلق رائین قائم کرتا رہتا ہے: اور یہی وہ رائین اور خیالات ہین جن پر وہ اپنی زندگی کے لئے ایک عمومی طرز عمل کی بنیاد قائم کرتا ہے، اور اپنے خیال کے مطابق وہ ایسی روش پر چل کر اپنی ماحول سے مطمئن رہتا اور اپنے خیالات مین کامیاب ہوتا ہے۔ ان تجربون اور تمام واقفیت ماحول وغیرہ کا خلاصہ ایک لفظ "دو علم" مین آجاتا ہے اور علم، جیسا کہ مین نے اوپر کہا ہے، ایک موروثی اور ذاتی ہوتا ہے اور ایک وہ ہوتا ہے جو استاد کی مدد سے حاصل ہو پھر اساتذہ کی ذات دو صورتون مین جلوہ گر ہوتی ہے، شخصی اور کتابی پہلی صورت مین استاد کا فیض براہ راست پہنچتا ہے اور دوسری صورت مین اس کے خیال اور رائے کا اظہار تحریر کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ تاہم دونون صورتون مین استاد کا فیض براہ راست پہنچتا ہے اور دوسری مین اس کے خیال اور رائے کا اظہار تحریر کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ تاہم دونون صورتون مین استاد استاد ہی رہتا ہے اور اس کی تعلیم اور تلقین کے فیض سے سننے یا پڑھنے والا بہرہ یاب ہوتا ہے۔

ایک عام نگاہ سے دیکھا جائے تو ہر شخص کا مذہب وسلک اس کے پیشہ سے بنتا ہے، خواہ وہ پیشہ کسی نوع اور قسم کا ہو۔ اور ہونا بھی یہی چاہیے، کیونکہ ہر شخص اپنے تمام علم اور تجربہ کو اپنے پیشہ مین کام لیتا ہے، —

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا کارخانہ ۵۰ سال سے جاری ہے

اور اُس کی یہی کاربراری اُس کے خیالات اور اُس کی رائے کے قائم کرنے مین کام آتی ہی یہی وہمہ ہے کہ ہر فرد بشر دنیا و مافیہا کی تمام اشیا کی ماہیت و اصلیت اور ہر نوع کے مسئلہ کا جواب حل کرنے اور پیش کرنے کے لئے اپنے پیشہ کے متعلقہ امور سے دلائل لاتا ہے۔ دوسرے الفاظ مین یون کہنا چاہیئے کہ ہر شخص کائنات کے تمام قوانین کا (جس حد تک بھی وہ ان کو سمجھ سکتا ہے) خلاصہ کرکے اپنے پیشہ کے لئے ایک راہ پیدا کرلیتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ یہ راہ اُسے کبھی صحیح راستہ سے بھٹکنے نہ دیگا۔ فی الحال ہم صرف علما اور مصنفین کی حالت پر غور کرنا چاہتے ہین۔

جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے، مین ان ہر دو شخصیتون کو صرف ایک لفظ "عالم" ہی تعبیر کرونگا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ عالم اور ادبیات ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہین: اور حقیقی عالم وہی ہے جو ادبیات کو ادبیات سمجھے، نہ وہ کہ جو محض الفاظ کے پھیر مین رہے اور واقعات اور امور کے ہجوم مین اپنے آپ کو گم کر دے۔

پروفیسر مُوّے نے خوب لکھا ہے کہ "انسان اس خارجی ہستی مین بمنزلہ ایک قیدی کے ہے، اور ہر انسان کا مذہب فی الحقیقت وہ راز سربستہ یا وہ مستقل ذریعہ ہے جو اُسے اس قید خانہ سے نجات دلوا دے۔ وہ یہ چاہتا ہے کہ اُسے کوئی ایسی سبیل ہاتھ آجائے جس سے وہ اس قید خانہ کی دیوارون کو توڑ کر باہر نکل جائے: اور جو وہ باہر نکل آنے پر بھی اپنے آپ کو دنیا مین پاتا ہے، مگر اب یہ نئی دنیا اس قسم کی ہوتی ہے کہ اس مین بہت سے حقوق ملجاتے ہین اور وہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ مین قید خانہ سے نکل کر اب آزاد ہون"۔ بعینہٖ یہی کیفیت اُس عالم کی ہے جو ایک عالم کا صحیح اور مستقل مذہب نہین رکھتا، وہ ایسا ہے کہ گویا خاص اور خود ساختہ "حال" مین مبتلا ہے، مگر وہ "حال" دوسرون کے لئے کافی ہے اُسے کائنات اور اُس کے امور تک دسترس حاصل نہین ہے، بلکہ وہ چیز جسے وہ اپنے خیال مین "دنیا" اور "حال" سمجھے ہوئے ہے حقیقت مین اس سے زیادہ نہین ہے کہ وہ الفاظ مین اوافقردن کی شناخت اور زشت کے ایک جال مین محبوس ہے، ایک گورکھ دھندے مین پھنسا ہوا ہے۔ اسے عالم نہین بلکہ دوکاندار کہنا چاہیئے اور دوکان داری بھی ایسا جسکا متاع صرف انہین چیزون مین محدود ہے اور ان کے علاوہ اُس سے اور کسی چیز کی توقع رکھنا بیکار ہے۔ لیکن اُس مین یہ دوکان داری کی شان کیون ہے؟ محض اس لئے کہ اُسکا کوئی خاص مذہب نہین ہے، جو اُسے بیک وقت آزاد مگر اپنے خاص رنگ اور طرز کا مقید کردے! اُس کی یہ گرفتاری ہزار آزادیون سے بڑھکر ہے اور یہی آزادی اور یہی ہمہ گیری وہ چیز ہے، جو اُسے ہر صحیح ذوق رکھنے والے کی نگاہ مین عزیز بنا دیتی ہے۔

پروفیسر آزاد مرحوم نے "سپاک دنماک" مین ایک مقام پر "حال"، اور "ماضی"، اور "مستقبل" کی ماہیت کو خوب واضح کیا ہے۔ وہ اردو کے لفظ "ہے" کو پیش کرکے کہتے ہین کہ اس لفظ کے ادا کرنے کے وقت جب ہم ہ کی آواز پیدا کرچکتے ہین اور ے ابھی پیدا نہین ہوتی تو وہ ماضی مین اور ی مستقبل مین ہوتی ہے ان دونون حروف کے ادا کرنے کے وقفہ کے درمیان مین جو کچھ وقت ہے وہ حقیقی "حال" ہے۔ اب "حال"، ——

بے مثل روح گلاب بحساب ۸۰ روپیہ فی تولہ کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے طلب کیجئے

کی اس بے مائگی کو سامنے لکھ کر غور کیجیگا تو معلوم ہوگا کہ ہر عالم کو اپنی تقریر اور تحریر مین صرف زمانۂ ماضی سے تعلق ہوتا ہے : کیونکہ اس کی تقریر اور تحریر اُس کے علم اور تجربہ کا خلاصہ ہوتی ہے جو اُسے کائنات کے غائر مطالعہ کے بعد حاصل ہوتا ہے اور یہ امر قطعی اور یقینی ہے کہ تقریر یا تحریر کے وقت اس کا وہ تمام علم اور تجربہ ماضی کی چیز ہوجاتی ہے ۔

یہی سبب ہے اس امر کا کہ ایک (صحیح معنی مین) عالم کے علم سے (تقریری ہو یا تحریری) فیض یابی کا ذوق رکھنے والے شاذ و نادر ہی ملتے ہین - ان شاذ ہستیون سے قطع نظر کرکے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ عموماً عالم ایک کس مپرس ہستی رکھتا ہے، کیونکہ ہر وہ شخص، (اور تقریباً کوئی شخص اس حال سے خالی نہین) جو اپنے خیال مین ایک خاص اور معین خارجی حال مین زندگی بسر کرتا ہے، عالم کو، ماضی سے متعلق دیکھ کر، اسے بالکل ایک غیر ضروری چیز اور ذہن کے لئے محض ایک سامان عیش سمجھتا ہے — بعینہ جیسے کہ ایک غریب آدمی قورمہ پلاؤ کو صرف عید الضحیٰ کے لئے وقف سمجھتا ہے اور جانتا ہے کہ اس پر اسکی زندگی کا دارومدار نہین ہے ۔ اور اس خیال کی بنا یہ ہے کہ عالم کی ہستی کو ماضی سے وابستہ سمجھا جاتا ہے ۔ لیکن مقام حسرت یہ ہے کہ ایسا سمجھنے والون کو یہ معلوم نہین ہوتا کہ ایک عالم ماضی کو ماضی صرف اس حیثیت سے سمجھتا ہے کہ اس کی نگاہ مین یہ بھی "وقت" یا "زمانہ" کی ایک شان ہے، اور یہ کہ اس کا مذہب اس ماضی کو بھی اس کے لئے حال (اور وہ بھی پست نظر لوگون کے حال سے بہتر حال) بنا دیتا ہے، کیونکہ وہ چیز جسے وہ عالم ماضی مین تلاش کرتا ہے، اور اپنی محنت شاقہ اور فضیلت سے پا بھی لیتا ہے، وہ اُسے ماضی یا حال کی صورت مین نہین بلکہ **دوام** کی شکل مین پا لیتا ہے ۔ وہ دوام پر قابض ہو جاتا ہے، اس پر کامل یقین رکھتا ہے — اور اس حس دوام کو ان لوگون تک پہنچا دیتا ہے جو اس سے فیضیاب ہون ۔ وہ زمان و مکان کے اس ہر وقت کے بدلتے اور گزرنے والے اختلافات اور تضادات مین دوام کو ڈھونڈھ نکالتا ہے، اور اس دوام سے دوسرون کو بھی دوچار کر دیتا ہے ۔ اس صورت مین ظاہر ہے کہ اگر ہم علوم و فنون کی ان تحریرون کو اپنی نگاہ اور یادداشت مین محفوظ کر لینے کے عادی نہ ہوتے تو لامحالہ ہم یہ سمجھتے کہ دوام کی یہ حس اور تخیل عالم کی خود ساختہ چیز ہے ۔ یا بہت سے بہت یہ کہ اُسے دوام کا احساس محض اتفاقیہ ہوتا ہے اور وہ نتیجہ ہے اُسکی اُس کشمکش حیات کا جس مین وہ مبتلا ہے - مگر ہماری نگاہ اور یادداشت مین ان امور کا محفوظ اور جمع کر دینا صرف عالم کا کام ہے : اُسی کا کام ہے کہ ہمکو بھی دوام سے آشنا کر دے اور ہمارے اعتقاد کو اُس مین راسخ اور مضبوط کر دے ۔ مگر ایسا کرنے کے لئے اُسے اپنے پیشہ سے مدد لئے بغیر چارہ نہین ہوتا ۔

مثال کے طور پر عربی یا سنسکرت کے کسی عالم کو لیجئے ۔ یہ صرف عربی کے "عالم" کا کام ہے کہ وہ اس زبان کا مطالعہ کرنے کے بعد نہایت احتیاط سے عربی زبان کے پیش کردہ خیالات مین اُن تمام تفصیلی خیالات مین ایک تفریق اور تقسیم قائم کر دے جو آج کارآمد ہین اور وہ جو آج محض بے کار ہین — یہ الفاظ دیگر یہ اُسی کا منصب ہے کہ اس زبان کے

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا کارخانہ ۵۰ سال سے جاری ہے

مردہ اور زندہ خیالات میں تمیز اور تفریق کرے ۔ کیونکہ خود زبان ہی سے ہمیں یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اُس کے خیالات زندہ ہیں یا مردہ، وہ صرف ایک خاص زمانہ کے لئے تھے یا دوام کے لئے ۔ یہی وجہ ہے کہ مرد سنسکرت کا عالم اُسے زندہ سمجھکر مطالعہ کرتا ہے اور مطالعہ کے دوران میں اُس پر اس طرح رائے ترنی کرتا ہے جس طرح کوئی اور شخص کسی موجودہ اور زندہ زبان کے مطالعہ میں کرتا ہے ۔ سنسکرت اُسے ایسی ہی معلوم ہوتی ہے کہ گویا وہ زندہ ہے اور لوگ اُسے بے تکلف استعمال کر رہے ہیں ۔ اور چونکہ وہ اپنی تمام کوشش اور جانفشانی صرف اس امر میں صرف کر دیتا ہے کہ اس مردہ زبان کا مطالعہ کرکے اس کارگاہ حیات میں **زمان** کے اس زبردست آثار میں سے **دوام** کو کھوج نکالے، اس لئے اُسکی یہ تمام محنت اور عرق ریزی بالکل بیکار معلوم ہوتی ہے اور کوئی شخص اس پر حرف گیری نہیں کرتا اور نہ کر سکتا ہے ۔ برعکس اس کے اگر پنڈت، یا "مولوی" سنسکرت یا عربی کے مطالعہ کرنے کے بعد بدستور **ماضی** کے بھنور میں پھنسے رہیں اور ان کو کبھی یہ محسوس نہ ہو کہ انہیں (**دوام** تو ایک طرف) **حال** سے بھی کوئی علاقہ ہے، تو واللہ کہ ان کی یہ تمام دردسری محض بیکار ہے: اُنھوں نے اپنی عزیز عمر کو تلف کر دیا، اور کبھی اُن عوام سے ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھے جن کے لئے حال بھی کبھی حقیقی حال کے معنی نہیں رکھتا!

اب اس مختصر بحث ہی کے بعد آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ جب تک ایک عالم کا کوئی خاص **مذہب** نہ ہو اُسکے متعلق یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ اس میں **تمیز** اور **تفریق** کا مادہ موجود ہے: کیونکہ ایسی صورت میں **ماضی** اُسکے لئے محض **ماضی** (بلکہ یوں کہنا بہتر ہوگا کہ ایک تاریک **ماضی**) ہوتا ہے، اور چونکہ وہ ہر چیز کو **ماضی** کے لباس میں ملبوس دیکھتا ہے اس لئے اس کے لئے ہر چیز اور ہر امر کی اہمیت بالکل مساوی ہے ۔ اُس کی نگاہ اُن میں کوئی فرق نہیں سمجھتی ۔ وہ اپنے خاص **زمانہ** کی زنجیر دن میں جکڑا ہوا ہے اور اپنے خیال میں اس سختی سے مقید ہے کہ وہ اپنے اُس خاص **زمان** و **مکان** کی خصوصیات سے باہر نکلنے کی ہمت بھی نہیں رکھتا! وہ اپنے خاص اور محدود خیالات اور احساسات کا اسی طرح معتقد (نہیں بلکہ پرستار) ہے جس طرح کوئی جاہل مطلق اپنے توہمات اور واہیات پر راسخ اعتقاد رکھتا ہے اور اُنپر خفیف سے خفیف حملہ کے لئے بھی ہر اہل ہوش سے جنگجوئی کے لئے تیار ہو جاتا ہے ۔ **ایسا عالم قدامت** سے اُسی طرح مرعوب ہوتا ہے جس طرح ہم میں سے اکثر **جدت** سے مرعوب اور مغلوب ہیں ۔ وہ اپنے مطالعہ کی جانفشانی میں صرف ایسے خیالات کو انتخاب کرکے ان کی غلامی اختیار کر لیتا ہے جو بالکل مردہ ہیں ۔ حالانکہ اُسی زبان میں اُسے ایسے خیالات بھی مل سکتے تھے جو اب بھی بعینہٖ اُسی طرح زندہ اور پُر روح ہیں جس طرح وہ اب سے سیکڑوں اور ہزاروں برس پیشتر تھے ـــــ اور صرف یہی نہیں کہ آج زندہ ہیں بلکہ جریدۂ عالم میں **دوام** کے لئے **ثبت** ہو گئے ہیں **ماضی** و **حال** سے آزاد ہیں، اور اپنے ہر شیدائی کو بہ آواز بلند پکار رہے ہیں کہ آؤ! ادھر آؤ! ہم یہاں ہیں، غار میں نہیں چوٹی پر ہیں، ہم تم کو **دوام** سے آشنا کر سکتے ہیں! اگر ایسا عالم نہ کان رکھتا ہے نہ آنکھ اور اس لئے اُن تک نہیں پہنچ سکتا کسی قوم (یا مردہ) زبان کے خیالات کا **ماضی** و **حال** سے اس طرح آزاد ہونا اور **دوام** سے اس طرح یکجان ہونا ہی وہ جوہر ہے جو اُن کو ایک صحیح عالم کی دسترس سے صحیح طالب تک پہنچاتا اور اُسے اُن کی اس کیفیت سے سرشار کر دیتا ہے ۔ وہ خیالات ہمہ گیر ہیں، دوامی ہیں اور یہی اُن کا حسن ہے، یہی اُن کے قیام کا باعث ہے، یہی وہ چیز ہے جس کے لئے ایک صحیح پنڈت اور مولوی شبانہ روز کی جانفشانی سے سرگرم جستجو ہے!

بے مثل روح گلاب بحساب ۸۰ روپیہ فی تولہ کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے طلب کیجئے

اس میں شک نہیں کہ نفس کی بعض خواہشیں اور اشتہائیں ایسی ہیں وہ جو تمام بنی نوع انسان میں مشترک ہیں، لیکن وہ خصوصی اور شخصی ہوتی ہیں نہ کہ عمومی اور ہمہ گیر۔ وہ ہم کو ہمارے اس خارجی **حال** سے آزاد نہیں کرتیں بلکہ اس میں اور بھی زیادہ جکڑ دیتی ہیں۔ ان کا اظہار ہمیشہ محض ایک ہنگامی، مختصر اور حالاتِ وقت کے مطابق محدود اظہار ہوتا ہے: آئندہ نسلوں کے لئے اس میں ایک تاریخی دلچسپی مضمر ہوتی ہے کیونکہ اُن کو صرف واقعات سے تعلق ہوتا ہے۔ برعکس اس کے ایک دوامی چیز کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ جذبات کی ترجمانی کرتی ہے، اور جذبات بھی وہ جن کو خود **دوام** عالم کے سینہ میں جوش زن اور اس کے قلم میں موج زن کر دیتا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ صرف دوامی چیز ہی میں یہ استعداد ہوتی ہے کہ وہ حالات و کوائف کے ان آفاق گیر تغیر و تبدل میں جذبات کو اس طرح جاری و ساری کر دے۔ پھر یہ ایک صحیح عالم ہی کا دل و دماغ ہے کہ وہ ایسی **دوام** شخص کو اپنے اندر جگہ دے، اور اُسی کا کام ہے کہ وہ اُس کو اپنے الفاظ یا قلم سے دوسروں کے دل و دماغ ... تک پہنچا کر اُن کو بھی کیف سے سرشار کر دے۔ ایسے عالم کا مضمون زندہ ہوتا ہے، اُس کی زبان ایک جیتی جاگتی تصویر ہوتی ہے، اُس کی شخصیت ایک حقیقت ہوتی ہے: کیوں کہ وہ خود زندہ جاوید ہے، اُس کا تجربہ آفاق گیر حقائق پر مبنی اور سرچشمۂ سرمدی سے سیراب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ علامۂ **اقبال** کو بے ساختہ ترجمانِ حقیقت کہہ اُٹھتے ہیں! یہی صفت ہے جس نے مولوی معنوی کو "**مولوی**" کا لقب دیکر حیاتِ ابدی کا جامہ پہنا دیا ہے! یہ دوامی کیفیت ہر قوم کی ادبیات میں پائی جاتی ہے۔ لیکن اس کی دریافت کے لئے تمیز کا مادہ درکار ہے:

اور یہ ایک نہایت مشکل اور دقیق کام ہے کہ معمولی چیزوں سے جدا کر کے اُس کو محسوس کیا جائے۔ پھر اقوامِ عالم کی تمام ادبیات میں سے ایسی تحریروں کے پا جانے کے بعد یہ محسوس اور معلوم ہوتا ہے کہ ان سب میں سے بعض ایسی ہیں کہ ان کے اثر اور برکت سے دنیا سنوار ہوئی ہے اور اُسکی وجدانیات میں اور ترقی ہوگئی ہے، اور بعض ایسی ہیں کہ جن کو ابھی تلاش کرنا باقی ہے، جو ابھی تک تاریک **ماضی** میں ملفوف ہیں اور بقول حضرت اقبال کے

ع جو ابھی اُبھرے نہیں ہیں خاورِ ایام سے

اور یہ کام صرف ایک "**عالم**" کا ہے! اور صحیح عالم وہی ہے جو ان کو معلوم کرلے اور ان کی عالمتاب ضوء سے دنیا کو منور کر کے دنیا کے جاودانی علم میں بیش از بیش اضافہ کر دے! اُسی کا کام ہے ـــــ اور یہی اُس کا مذہب و مسلک ہے ـــــ کہ وہ اپنی تحریر سے فیضیاب ہونے والے کے دل و دماغ میں وہ وسعت پیدا کر دے کہ جس میں **دوام** سما جائے، اور اُس کی شخصیت میں وہ قدرت اور طاقت پیدا کر دے کہ وہ اپنی مضمر باطنی طاقت سے بنی نوع انسان کو واقعات اور نفوس کی حقیقت کا احساس کرا دے اور ان کو صحیح معنی میں اللہ کی اشرف مخلوقات بنا دے اُس کی تحریر کی غرض و غایت یہ ہوتی ہے کہ ... پڑھنے والا یہ محسوس کرے کہ وہ ایک طرف تو قدیم بزرگوں کے دربار میں کھڑا ہوا اُن کے چھوڑے ہوئے خزانوں کے دیانت دارانہ استعمال کے متعلق جوابدہی کر رہا ہے اور دوسری طرف آئندہ نسلوں سے متوجہ ہے اور ان سے وعدہ کر رہا ہے کہ میں تم کو راستہ دکھا سکتا ہوں جس پر چل کر تم **دوام** تک پہنچ جاؤ گے ـــــ اُس پر وہ حالت وہ کیفیت طاری ہو جائے کہ جہاں **ماضی**، **حال** اور **موت** و **حیات** سب مترادف ہو جاتے ہیں اور **سوا دوامِ فرد** اور **دوامِ قوم** کے وہ اور کسی چیز کا نقش اپنی ہستی پر مرتسم نہیں پاتا: کیونکہ یہی کیفیت ہی مضطرب مگر پرسکون حالت وہ چیز ہے جو فرد کو اور قوم کو قوم بناتی ہے۔ یہی وہ "روزِ زندہ تمنا ہے" جسکا **اقبال** دلِ مسلم کے لئے طلبگار رہے ـــــ کہ

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا ٹیلیفون نمبر ۱۳۹ ہے

یارب دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے — جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے

اسی کا پیدا کرنا اور پروئے کار لانا عالم کا اصلی مقصد ہے۔ اس کے ہر ہر لفظ، ہر ہر حرف میں یہ اضطراب، یہ بیقراری، یہ ناشکیبائی، یہ ناقناعت پسندی پنہان ہوتی ہے۔ وہ باغ عالم میں قدم رکھتے ہی گلِ دوام کو تاک لیتا ہے، اور جہان جہان اُسے پاتا ہے چن چن کر اپنے دراز و وسیع دامن میں بھر لیتا ہے اور اپنی محفل میں واپس پہنچ کر ان کو ہر عالی ظرف ہستی کے سامنے پیش کرتا ہے اُن کا طرہ بنا کر اسکی دستار میں ٹانک دیتا ہے اور بے اختیار کہہ اٹھتا ہے :-

من ہمین یک گل بدستارت زنم — محشرے بر خواب سرشارت زنم
تا ز خاکت لالہ زارے بر دمد — نغمہ ہائے خفتہ سر بیرون زند

(اقبال)

محمد نعیم الرحمان (ام - اے)

غزل

چیدم گلِ نظارہ کہ ہرگز نچیدہ — آئینہ دیدہ ولے خود را ندیدہ
بودم نگاہبان در چشمِ دگوشِ خویش — دزدیدہ در حریمِ دلِ من رسیدہ
جان و دلم فدائے تو جان و دلِ مرا — از دستِ روزگار ستمگر خریدہ
از فکرِ ننگ و نام برستم کہ در جہان — رسوائے عام گشتم و تو ہم شنیدہ
آوارگیٔ این دلِ آوارۂ من ست — اے خارِ راہِ یار چہ بیجا خلیدہ
نازم بشانِ دلبری و بندہ پروری — پیوستہ بدشمن و از من بریدہ
سازِ طرب ز گردشِ گردون مجوی میر۔
کز چشمِ دہر قطرۂ اشکِ چکیدہ

میر ولی اللہ (بی اے) ایبٹ آباد

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی ایک شاخ کلزار حوض حیدرآباد دکن میں ہے

فطرت سے جنگ

(مسلسل)

اجنبی نے مجھے اشارے سے پلنگ کے قریب ایک کرسی پر بیٹھ جانے کو کہا۔ پھر اُس نے میری آنکھوں پر بھی ایک نیلی عینک چڑھا دی اور بتایا کہ مجھے آدھے آدھے گھنٹے کے بعد دیوار کے آلون سے کاغذ کی دہجیاں علیحدہ کرکے انہیں قرینے سے رکھنا ہوگا اسکے بعد وہ کمرے کے باہر چلا گیا اور دس منٹ کے بعد واپس آیا تو مین نے دیکھا کہ وہ ایک بکس لا رہا تھا جو تھا تو چھوٹا لیکن شاید وزنی بہت تھا۔ احتیاط سے اُسے کھولکر اجنبی نے ایک نازک سی پچکاری نکالی اور اُسے خوب دھو لینے کے بعد بکس کے اندر سے ایک چھوٹی شیشی نکالی جسکے اندر نہایت روشن اور سُرخ روغن یا عرق بھرا تھا پچکاری بھر کر اجنبی پلنگ کے قریب آیا اور ہاجرہ کی گردن کی ایک رگ تلاش کرکے پچکاری اُسمیں چبھو دی اور سارا عرق رگون مین اُتار دیا۔ اور پھر چلا گیا۔ بعد کو مجھے معلوم ہوا کہ وہ بھاری بکس سیسے کا تھا اور سُرخ عرق ریڈیم کا ایک خاص مرکب تھا۔

اَب مین تھا اور وہ کمرہ اور اسکے مختلف اوضع آلے اور میرے سامنے ہاجرہ کی میت رکھی تھی۔ مین نے ڈرتے ڈرتے میت کے گال پر ہاتھ رکھا تو میرے ہاتھ کو ایک جھٹکا ہوا اور ہاتھ میت کے جسم سے اس زور سے علیحدہ ہوا کہ اگر مین نے دوسرے ہاتھ سے کرسی کا بازو پکڑ نہ لیا ہوتا تو مین گر گیا تھا شاید میت کے جسم مین برقی قوت دوڑ رہی تھی کیونکہ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ بجلی کے پنکھے کا بٹن دباتے وقت بھی میرے ہاتھون کو اسی طرح کا جھٹکا ہوا تھا۔ لیکن اس قلیل عرصہ مین مین نے پھر محسوس کیا کہ میت کا جسم گرم تھا۔ اسنے مجھے کچھ دیر کے لیے حیران کر دیا۔ کیونکہ آخر یہی وہ میت تھی جو ایک وقت بالکل سرد پڑی تھی پھر اب اس مین زندگی کی حرارت کیونکر آگئی؟ مین ابھی اسی اُدھیڑ بُن مین تھا کہ مجھے یاد آیا کہ آدھ گھنٹہ ختم ہوگیا ہے۔ مین نے اُٹھ کر آلون سے کاغذ کی دہجیاں الگ کرلین۔ انپر نمبر چھپے ہوے تھے۔ انھین قرینے سے رکھ کر مین پھر اپنی کرسی پر آ بیٹھا۔ چھ گھنٹے کے بعد اجنبی نے مجھے اپنے کمرے مین جانے کا اشارہ کیا اور مین باہر چلا گیا۔

.....

اس روز سے متواتر پانچ سال تک مین ہر روز دن کے چوبیس گھنٹون مین باری باری چھ چھ گھنٹے ہاجرہ کے پاس بیٹھا کرتا اور میرا کام صرف یہ تھا کہ ہر آدھ گھنٹے کے بعد دیوار کے آلون سے کاغذ کی دہجیاں علیحدہ کرلیا کرون۔ اجنبی وقت مقررہ پر آکر پچکاری دے دیا کرتا تھا۔

پورے پانچ سال کے بعد بھی مجھے معلوم نہ ہوا کہ یہ اجنبی کون تھا اور کہان کا رہنے والا تھا اور ہم لوگ ملک کے کس حصہ مین تھے۔ گھر اور اُسکے قریب کے جنگل کے علاوہ مین نے مکان سے سو گز کے قدم نہین بڑھایا تھا۔ اس عرصہ مین مین بارہ سے سترہ برس کا ہو گیا تھا مونچھین نکلنے لگی تھین اور بغیر کسی کے بتاے اَب مجھے بہت سی اُن باتون کی تمیز ہو گئی تھی جنھین مین پہلے نہ جانتا تھا۔

ہندوستانی عطریات کا سب سے بڑا کارخانہ امیر علی محمد علی لکھنؤ کا ہے

حالانکہ اس طویل مدت تک ہاجرہ سوتی ہی رہی لیکن اُس کے نمُوین ذرہ برابر بھی کمی نہ ہوئی۔ وہ ہاجرہ جو مرتے وقت صرف دس برس کی بچی تھی اب پندرہ سال کی جوان دوشیزہ تھی۔ شاید مجھے یہاں اس کے کہنے کی ضرورت نہیں کہ وہ اُنس اور محبت جو مجھے اس لڑکی سے پہلے تھی اس پانچ سال کی سلگتی تیمارداری کے بعد اب کسی اور نام سے تعبیر کرنے کے قابل ہوگئی تھی۔ اور میرا اِنہماک اب اس درجہ بڑھ گیا تھا کہ بارہ گھنٹوں کے بدلے مین سولہ سولہ گھنٹے اور اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے پلنگ کے قریب مجاوری کیا کرتا۔ اور گو اب اجنبی کو کافی فرصت رہتی پھر بھی وہ گھر سے بہت ہی کم باہر نکلتا۔ گونگا حبشی نوکر جنگل سے پرندے اور خرگوش پھنسا کر لے آتا اور اجنبی انہین اپنے اُس خاص کمرے مین جہان مجھے اب بھی جانے کی اجازت نہ تھی بند کر دیا کرتا۔ دوسرے دن ان کی لاشین باہر پڑی ہوتین جنھین حبشی دفن کر دیتا۔

پانچوین سال کے آخر مین مین نے یہ دیکھا کہ اجنبی اکثر تین تین اور چار چار دن اپنے کمرے سے باہر نہین نکلتا۔ حبشی پہلے سے بہت زیادہ پرند پکڑ کر لاتا اور اُنکی لاشین دوسرے دن دفن کر دیتا۔ اور اس تین چار دن کی گوشہ نشینی کے بعد جب کبھی وہ باہر آتا تو ہاجرہ کے جسم مین پچکاری دیتا۔ لیکن ایسے موقعہ پر دوا مختلف ہوتی پچکاری کے بعد اجنبی دیوار کے آلون کے قریب جا کر کاغذ پر چھپے ہوے نمبر ٹٹولتا اور پھر مایوس صورت بنا کر سر ہلاتا ہوا اپنے کمرے مین چلا جاتا۔ اسی طرح دو تین مہینے گذر گئے۔

ایک دن کوئی دن کے دس بجے ہونگے کہ اجنبی نے مجھے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ مین ساتھ ہولیا۔ اور ہم لوگ اس کمرے مین داخل ہوے جہین ابھی تک مین نے قدم نہ رکھا تھا۔ کمرے کے چار دن طرف برقی اور سائنس کے آلے رکھے تھے۔ اجنبی نے جیب سے تپنچہ نکال کر سامنے رکھدیا اور نہایت متانت سے کہنے لگا۔

"رشید۔ اس عرصہ مین تم خود جان گئے ہوگے کہ مین کس دُھن مین ہون"

مین نے سر ہلا کر کہا "ہان"

"تمھین تعجب ہوگا کہ مین بھی تمھارے ہی شہر کا رہنے والا ہون۔ لیکن مین کون ہون کیا ہون۔ اور یہان کب سے ہون اگر وقت ملا اور فرصت رہی تو کسیدن بتا دون گا۔ ابھی تک تمھارا مجھ سے ناآشنا رہنا ہی بہتر ہے۔ مین نے اس وقت تک اس کی کوشش کی کہ ہاجرہ زندہ ہو کر اٹھ بیٹھے۔ لیکن اب تک میری ساری کوششین بے سود اور بیکار ثابت ہوئین۔ مین یہ کر سکا کہ اس بچی کا خاکی جسم زندہ رہ گیا اور اس مین نمو قائم رہ گیا۔ لیکن روح نہ آنا تھی نہ آئی۔ لیکن مین نے اپنی کوشش مین کبھی کمی نہ کی اور اس پانچ سال کی محنت اور مشقت کے بعد مین نے وہ شے ایجاد کی ہے جسکے ذریعہ سے مین میت مین صرف جان ہی نہین ڈال سکون گا بلکہ تمھارے عزیز ہاجرہ اُٹھ کر تمھارے ساتھ چل پھر بھی سکے گی۔ لیکن رشید یاد رکھو کہ اگر اسکے بعد تم نے بھاگنے کی کوشش کی یا کسی سے کچھ کہا تو تم ہوگے اور اس تپنچہ کی گولیان"

مین نے اسے لرز لرز کر بتایا کہ مین ایسے محسن کا ساتھ کبھی بھی نہ چھوڑون گا۔

ایک پنجرے سے اجنبی نے ایک کبوتر نکالا اور اسکے سر پر ایک ایسی ضرب لگائی کہ کبوتر لوٹ کر ٹھنڈا ہوگیا۔ اس کے بعد اجنبی نے

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا ٹیلیفون نمبر ۱۲۹ ہے

الماری سے وہ ہی بہاری بکس نکالا پچکاری دھوئی اور چھوٹی سی شیشی نکال کر اسے بغور محبت بھری نظر سے دیکھنے لگا۔ عرق کا رنگ اب بھی بہت ہی روشن اور سرخ تھا لیکن سرخی کے ساتھ ذرا نلاہٹ بھی تھی۔ نلاہٹ تھی بھی یا نہیں یہ نہیں کہہ سکتا لیکن ایک عجیب طرح کی تڑپ تھی جو آنکھوں کو خیرہ کئے دیتی تھی۔ مہین پچکاری بھر کر اجنبی نے تھوڑا عرق کبوتر کے جسم میں اتار دیا۔ دس منٹ کے بعد کبوتر کے مُردہ جسم میں حرکت ہوئی اور آدھے گھنٹے کے بعد وہ اُٹھ بیٹھا۔

شیشی لیکر اجنبی ہاجرہ کے کمرے میں آیا۔ ہاجرہ اسی طرح سو رہی تھی۔ پچکاری بھر کر اجنبی نے ہاجرہ کی پشت گردن کی کوئی خاص رگ تلاش کرنی شروع کی۔ اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ سانس چڑھی ہوئی تھی اور پیشانی پر پسینے کے قطرے جمع ہو گئے تھے جب اُسے وہ خاص رگ مل گئی تو اجنبی نے ایک لمبی سانس لیکر پچکاری چھوڑ دی اور دوا ہاجرہ کے جسم میں اُتر گئی۔ اجنبی پیچھے ہٹا اور چند منٹ تک نیت کو غور سے دیکھتا رہا۔ پھر دیوار کے قریب آکر آلون کو غور سے دیکھنے لگا۔ چند منٹ کے بعد اس نے مجھے اشارہ کر کے بلایا اور آلون کی طرف بٹھایا۔ میں نے دیکھا آلہ نمبر جلد جلد چھیڑ رہے تھے اور ایک نہایت ہی نازک آلے میں جواب تک ساکت تھا ایک عجیب ہیجان تھا۔ ایک برقی شرارہ تڑپ کر ادھر اُدھر ہو رہا تھا۔ اجنبی پلنگ کے قریب جلد آیا اور ہانپتا ہوا میت کو دیکھتا رہا آدھے گھنٹے کے بعد ہم نے محسوس کیا کہ جسم کے اوپر کی چادر کو حرکت ہو رہی تھی کچھ دیر کے بعد پلکیں ہلنے لگیں۔ اور چار گھنٹے کے بعد میری ہاجرہ جسے دنیا مردہ تسلیم کر چکی تھی میرے سامنے پلنگ پر بیٹھی تھی۔ اجنبی کسی اور دوا کی فکر میں باہر چلا گیا۔ لیکن میں سر جھکائے خوشی کے آنسو بہا رہا تھا۔

.....

ہاجرہ کو زندہ ہوئے آج چودہ مہینے گزر گئے لیکن ہمارے لئے ہاجرہ ویسی ہی مُردہ تھی جیسی پہلے۔ خدا یا۔ اجنبی کے علم و عمل نے ہاجرہ کے خاکی جسم میں جان تو ضرور دیدی تھی اور وہ لڑکی جس کو اس کے گھر کے لوگ مردہ جان کر سپرد خاک کر چکے تھے آج چودہ مہینوں سے ایک حسین دوشیزہ کی شکل میں چل پھر رہی تھی لیکن اس کی چال ڈھال وضع ترکیب جانور جیسی تھی۔ میں نے سمجھا تھا کہ پانچ سال کی نیند کے بعد جب وہ اُٹھیگی تو مجھے ضرور پہچان لیگی۔ میں جو اُس کا سب سے بڑا دوست غمخوار و ہم سبق تھا۔ دل نے کیا کیا منصوبے باندھ رکھے تھے کیسی کیسی حسرتیں میرے دل کو بیتاب کر کے میری رگوں میں خون کی سرعت بڑھا رہی تھیں۔ مگر وہ ہاجرہ جو اس مدت سے ہمارے ساتھ تھی نہ دیکھ سکتی تھی اور نہ سُن سکتی تھی اور سب سے مصیبت کی بات یہ تھی کہ جہاں وہ ہماری کچھ سُن نہ سکتی تھی وہاں اپنی بھی کچھ کہنے سے بالکل قاصر تھی۔ کیسن ہاجرہ کا وہ خاکی جسم جسے میرے سامنے دفنا کر دیا تھا چل پھر رہا تھا لیکن اسکے علاوہ میری کمسنی اور بچپن کی ہمجولی ہاجرہ کا کہیں نشان بھی نہ تھا۔ ایک نہایت ہی حسین لڑکی جس کے سر کے بال کمر کے بھی نیچے لٹکتے رہتے تھے اور جسکی رسیلی آنکھیں کھلی تو ضرور رہتی تھیں لیکن جو دیکھنے سے معذور تھیں جسکے یاقوت جیسے سرخ لبوں کو میں خموش بیٹھا دیکھا کرتا تھا۔ اک ذی روح تصویر کے مانند ہمارے گھر میں ادھر اُدھر گھوما کرتی تھی۔

ابتداء میں اجنبی نے بہتیرا سر مارا۔ مختلف جتن کئے۔ کئی جگر نشتر لگائے۔ نجکشن دیئے۔ دوائیں کھلائیں۔ روغن مالش کئے۔ لیکن نہ منہ سے کوئی آواز نکلی نہ آنکھوں نے دیکھنا نہ کانوں نے سنا۔ اجنبی دوا دارو کا قائل نہ تھا۔ ایک دن میں ایک جھاڑی کے اندر

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا نیل بانو میرا ئل استعمال کیجئے نیت فی شیشی ۸ر

چھپا رو رو کر خدا سے ہاجرہ کی صحت کی دعائیں مانگ رہا تھا۔ زمین میرے گرم آنسوؤں سے تر تھی اور میری پیشانی زمین سے ملی ہوئی تھی چھ سال سے مین نے خدا کا نام بھی نہیں سنا تھا لیکن جب مین نے دیکھا کہ اجنبی کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی تو مین نے اپنے اُس خدا کو یاد کیا جس کا نام مین نے اپنے گھر پر سنا تھا اور جسکے بارے مین مجھے یقین دلایا گیا تھا کہ وہ بڑا کارساز ہے۔ مین نے ابھی سجدہ سے سر نہ اٹھایا تھا کہ میری پیٹھ پر ایک لات پڑی۔ مین نے گھبرا کر سر اٹھایا تو اجنبی غصہ مین بھوت بنا کھڑا تھا۔ کڑک کر بولا "یہ دعائیں کس سے کی جارہی تھیں؟ خدا سے؟ اُسے دیکھا بھی ہے کبھی۔ یا وہی جس کا نام گھر پر سنا کرتا تھا؟ مین نے سر ہلا کر کہا "ہاں"

"بیوقوف۔ ارے آخر خدا ہے کہاں؟ وہی نا جو ہم مین جان دیدے۔ بیجان کو جان دار بنا دے۔ سو تو نے خود دیکھ لیا کہ مین نے تیری آنکھون کے سامنے مردہ کو زندہ کر دیا۔ پھر بھی وہی خدا کی رٹ لگا رکھی ہے۔ وہ ہی ناک رگڑنی اور سجدے کرنے جنہوں نے جو کبھی خدا کا نام لیا"

مین سہم کر ہٹ گیا۔ لیکن دل نے قبول نہ کیا میری دینی تعلیم مولانا قربان علی مرحوم کی دینیات کی پہلی دوسری تک محدود تھی لیکن اتنی بات دماغ کو ضرور پریشان کیے ہوے تھی کہ گو اس اجنبی نے مردے کو زندہ کر کے خدا کی ہمسری کر لی یا خدا ہی ہو گیا تو پھر ہاجرہ بول کیون نہ سکتی تھی۔ دیکھ کیون نہ سکتی تھی۔ مین اُس خدا سے التجا کر رہا تھا جو صرف زندہ ہی نہین کر سکتا بلکہ جسکے قبضۂ قدرت مین سب کچھ ہے۔

بہر حال جیسا کہ مین نے بیان کیا۔ اجنبی نے عرصہ تک ہاجرہ کی قوت باصرہ اور سامعہ کے عود کر آنے کی کوششین کین لیکن جب وہ بالکل ناکامیاب رہا تو اُس نے ہمت ہار دی اور آزردہ ہو کر دوسرے تجربون مین مشغول ہو گیا۔ اب میری بھی اُسے کم ضرورت تھی ہان اکثر وہ مجھے اپنے خاص کمرے مین لیجا کر بتایا کرتا کہ سائنس کیا ہے اور مختلف گیس کیسے بنتے ہین۔ اور انکے خواص کیا ہین۔ انکے مرکب کیسے بنتے ہین اور مختلف تجربون کا مقصد کیا ہے اکثر وہ مجھے ریاضی کی باتین بھی بتایا کرتا۔ اکثر اپنے تجربون مین مجھ سے مدد بھی لیتا اور بعد کو چند تجربے بھی مجھ سے کرواتا۔ بعض باتین تو مین اچھی طرح سمجھ کر کرتا اور بعض یون ہی اٹکل سے۔ خدا نے مجھے ذہین پیدا کیا تھا تھوڑے ہی عرصہ مین مین بہت سی باتین جان گیا۔

جہان ہاجرہ مین دیکھنے۔ سننے اور بولنے کی طاقت نہ تھی وہان قدرت نے جس کی قوت کو بڑی ترقی دیدی تھی مجھے وہ صرف چھو کر پہچان لیتی۔ اکثر میرے دامن کا صرف اُس سے چھو جانا مجھے پہچان لینے کو کافی ہوتا۔ اجنبی کو بھی وہ پہچان لیتی لیکن اُس سے اُسے ایسی نفرت تھی کہ اگر وہ قریب آنے کی ہمت کرتا تو شیرنی کی طرح اُس پر جھپٹتی۔ اگر وہ کسی سے مانوس تھی تو مجھ سے اور اگر اُسے کوئی چھو سکتا تھا تو مین تھا۔ ورنہ اَدرون کے لئے وہ انسانی جامہ مین ایک خونخوار جانور تھی۔

چونکہ اجنبی اب اپنے دوسرے تجربون مین مشغول رہتا اس لئے مجھے اب ادہر اُدہر گھومنے کی اجازت مل گئی تھی اور گھنٹون مین ہاجرہ کا ہاتھ پکڑے جنگل اور پہاڑون مین گھوما کرتا۔ جنگل کے پھول توڑ کر مین ہار بناتا اور اُسے ہاجرہ کے گلے مین ڈال دیتا۔ ہاجرہ اُس ہار کو دیکھ تو نہ سکتی تھی لیکن اسے اپنے نازک ہاتھون مین لیکر مخمل جیسے نرم گالو

بے مثل روح گلاب بحساب ۸۰ روپیہ فی تولہ کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے طلب کیجیے

برابر رکھتی اور اسکا چہرہ خوشی سے لال رنگ ہو جاتا۔ اکثر کچھ دیر بعد وہ ہار اتار کر میرے گلے مین ڈال دیتی اور میرے سامنے کھڑی ہو کر یون دیکھتی جیسے دیکھ رہی ہو۔ رفتہ رفتہ ہاجرہ مجھسے بہت ہل گئی اور اکثر جب ہم دونون جنگل مین گشت لگاتے لگاتے تھک کر بیٹھ جاتے تو وہ نہایت بے تکلفی سے اپنا سر میری گود مین رکھکر لیٹ جاتی اور مین اپنا ہاتھ اوسکے نرم لیکن کنگھی سے عنیر آشنا بالون پر پھیرا کرتا۔ ایک دفعہ کسی خاص جذبہ نے مجھے چند لمحون کے لئے خود فراموش کر دیا اور مین نے اپنے لب ہاجرہ کی پیشانی پر رکھدیئے۔ ہاجرہ تڑپ کر دور جا کھڑی ہوئی اور مجھے بغور دیکھنے لگی۔ غصہ سے اوسکا چہرہ تمتمایا ہوا تھا اور سانس کی آواز صاف آرہی تھی۔ مجھے یقین ہوگیا کہ وہ مجھ پر حملہ کریگی۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد وہ ٹھنڈی ہوئی۔ مین گھر کی طرف چلا اور وہ میرے پیچھے پیچھے چلی۔ لیکن اسکے وہ میرا ہاتھ بھی پکڑے تھی۔ اسکے بعد دس بارہ دن تک وہ گھر سے باہر نہین نکلی۔ بعد کو اوسے جب میری طرف سے بالکل اطمینان ہو گیا تو پھر ساتھ جانے لگی۔ ایک دن ہم دونون یون ہی گھومتے گھومتے گھر سے بہت دور نکل گئے۔ دو اونچے پہاڑون کے درمیان ایک نہر تیزی کے ساتھ بہ رہی تھی۔ اور اوسکا شفاف پانی اوپر سے گر کر عجیب دلکش موسیقی پیدا کر رہا تھا۔ چارون طرف پھولون کے ڈھیر تھے۔ اور اطراف کے سارے بلبل شاید اسوقت اسی جگہ جمع ہو گئے تھے۔ ہم دونون نہر کے دوطرف کھڑے ہو کر ایک دوسرے پر پھول پھینک رہے تھے۔ میرا پھول پڑتے ہی ہاجرہ اپنا پھول اس تیزی سے پھینکتی تھی کہ مین اپنی جگہ سے ہٹنے بھی نہ پاتا تھا کہ اوسکا پھول مجھ پر ہوتا تھا۔ دیر تک ہم یون ہی کھیلتے رہے اور آس پاس کی ہمین مطلق خبر نہ تھی۔ یکایک ایک بہت سخت اور مہیب دھماکا ہوا۔ اور اسکے ساتھ ایسی کڑک شروع ہوئی کہ مین نے سمجھا کہ سارا آسمان پھٹ کر گر پڑیگا۔ اندھیرا گھپ ہوگیا۔ دھماکے کے ساتھ ہی ہاجرہ نے ایک چیخ ماری اور میری طرف دوڑی بیچ مین نہر تھی گرتے گرتے بچی۔ لیکن مین جھپٹ کر اوسکے قریب تھا۔ عرصہ تک دھماکا اور تڑاقہ ہوتا رہا۔ بادل کے گرج کی انتہا نہ تھی اور پانی موسلا دھار برس رہا تھا۔ اور دونون ایک دوسرے سے چمٹے ہوئے ایک بڑے درخت کی آڑ مین لرزتے کھڑے تھے۔ ہاجرہ بید کی طرح کانپ کانپ کر مجھے چمٹی جا رہی تھی اور مین اپنے ہاتھ سے اوسے اور قریب کر لیتا تھا۔ نیا سر اوسکے سر پر تھا۔

دو گھنٹون کے بعد بادل کی گرج رکی اور پانی تھما۔ ہاجرہ آہستہ آہستہ مجھسے الگ ہونے لگی۔ کچھ ٹھٹکر اوسنے مجھے دیکھنا شروع کیا لیکن وہ آنکھین جو مجھے آج دو برس سے دیکھا کرتی تھین اور پھر دیکھ نہ سکتی تھین اسوقت کچھ عجیب انداز سے دیکھ رہی تھین۔ اون آنکھون مین ایک خاص قسم کی چمک تھی اور آنسو کے قطرے گرنے کے لئے بیتابی سے ادھر اُدھر گھوم رہے تھے مین نے دیکھا کہ ہاجرہ کی انگلیان کانپنے لگین اور وہ میری طرف جھکی۔ لب مرتعش ہوئے ..... "رشید"

. . . . . .

دیر کے بعد جب ہم نے خوشی کے آنسو بہانیسے فرصت پائی تو گھر کا خیال آیا اور ہم دونون ہاتھ مین ہاتھ دیے ہوئے طرف چلے۔ ابھی ہم گھر سے دور ہی تھے کہ مین نے دیکھا کہ جہان پر ہمارا گھر تھا۔ وہان اب سوائے ایک خوفناک اور عمیق غار

اتمعہ علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا عطر خاص ترکیب سے بنتا ہے

کے کچھ بھی نہ تھا اور گرد کے پہاڑ دن کا پانی بہ کر اُس غار میں جمع ہو رہا تھا۔ میرا سر چکر کھانے لگا اور میں ایک آہ کر کے وہیں بیٹھ گیا۔

شاید تم یہ سننے کے مشتاق ہو گے کہ آخر ہمارا گھر ہوا تو کیا ہوا۔ مجھے معلوم ہے کہ میں نے بہت ہی کم تعلیم پائی تھی۔ اور سائنس کی چند باتیں مجھے صرف اجنبی کے ساتھ رہنے سے معلوم ہو گئی تھیں لیکن جو میں اب تک سمجھ سکا ہوں وہ یہ ہے۔

اجنبی نے ہاجرہ کو زندہ کرنے کے بعد مریخ تک جانے کی کوشش شروع کی تھی۔ اور اس لئے اُسنے ایک ایسی ہوائی بنانی چاہی تھی جو ہمارے کرۂ ارض سے مریخ تک جا سکے۔ اسی کوشش میں اُسنے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا تھا جو پہلے تو نائٹروجن کے ایک خاص اور اسوقت تک لامعلوم لیکن نہایت ہی طاقت سے پھٹنے والے مرکب سے بھرا تھا اور اُس ہوائی میں ایک ایسی کل لگی تھی جو خود اُوپر جاتے ہوئے اپنی ضرورت کے لئے نائٹروجن بناتی جاتی تھی اور اس ہاری باری سے چلنے والے مرکب کے پھٹنے سے وہ ہوائی کرۂ ارض سے اور دور ہوتی جاتی تھی یہانتک کہ اپنی کشش سے نکلکر وہ مریخ کے دایرۂ کشش کے اندر آجانے کے بعد مریخ تک بآسانی پہنچ سکتی تھی۔

اسی ارادہ اور اسی اصول پر اجنبی نے ایک چھوٹی سی ہوائی بنائی تھی جسے وہ تجربا اوپر بھیجنا چاہتا تھا۔ اور اب مجھے یاد آتا ہے کہ اُسنے مجھسے کہا بھی تھا کہ بہتر ہے کہ تم ٹہلتے ٹہلتے زرا دور چلے جاؤ۔ میرا ذاتی خیال ہے اور ممکن ہے کہ میں اس میں بلکل ہی غلط ہوں کیونکہ میں اپنی علمی انتہا تک بیان کر چکا ہوں۔ لیکن بہت غور و فکر کے بعد میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ شاید جب یہ ہوائی اُوپر جاکر پھٹی اور اُسنے ہوا سے نائٹروجن لیکر مرکب بنانا شروع کیا تو تھوڑے ہی عرصہ میں اسقدر نائٹروجن نکال لیا کہ آکسیجن اور ہائیڈروجن کی بہت زیادتی ہو گئی۔ اور ہوائی کے پھٹنے سے ہوا میں سخت ہیجان پیدا ہو گیا اور ہوا کے مختلف حصے ایک دوسرے سے رگڑ کھا کر برقی قوت پیدا کرنے لگے جس سے ہوا کے مختلف گیسوں میں آگ لگ گئی اور برقی قوت نے آکسیجن اور ہائیڈروجن کو ملا کر مرکب کر دیا جس سے پانی بنگیا۔ شاید اسی برقی قوت ..... کی پیدائش تھی جو مجھے تڑاقے کی طرح سنائی دے رہی تھی اور ممکن ہے کہ کوئی شرارہ اجنبی کے مکان پر اس طرح گرا جسنے سارے مکان کو جلا کر صرف خاک ہی نہیں کر دیا بلکہ جہاں وہ گھر تھا وہاں ایک غار ہو گیا۔ یا ممکن ہے کہ مکان کے اندر ہی کسی آلے کے پھٹنے سے سارا گھر اڑ گیا ہو

ہماری داستان ختم ہو گئی۔ ہاجرہ نے وطن جانیسے انکار کیا اور ہم دونوں نے یہیں پہاڑ دن میں بود و باش اختیار کر لی۔

علی اکبر کاظمی (بی اے) کیمبرج

رقاصہ۔ کی جو تصویر اس مہینے میں شائع ہو رہی ہے وہ علیحدہ بھی چار آنے کا ٹکٹ بھیجکر منیجر نگار کے پاس سے مل سکتی ہے۔

ہندوستانی عطریات کا سب سے بڑا کارخانہ اصغر علی محمد علی لکھنؤ کا ہے

انتخاب کلام میر پر ایک نظر

انجمن ترقی اردو حیدرآباد نے جس مہتم بالشان کام کا بیڑا اٹھایا ہو وہ قوم کے لئے نہایت حوصلہ افزا ہے اور امید کیجاتی ہے کہ اگر جانفشانی اور سرگرمی سے کارکنان انجمن اپنی اس اہم و دشوار خدمت میں مصروف رہے تو ادب اردو کے افق سے ایک ایسا آفتاب طلوع ہوگا جسکی ضیا باری ساری فضائے ہند کو "مطلع انوار" بنا دیگی۔ لیکن افسوس ہے کہ کتابوں کے ترجمہ اور تالیف ترتیب و اشاعت میں غیر معمولی تاخیر و تعویق ہوتی ہے جس سے شیدایان ادب کو سخت انتظار کرنا پڑتا ہے۔ اس انجمن کے قیام کو بیس سال سے زیادہ ہی زمانہ گذرا ہوگا مگر اس مدت مدید میں جتنی اور جیسی کتابیں شائع ہوئی ہیں کچھ زیادہ حوصلہ افزا نہیں ہیں تاخیر کے علاوہ ایک اور فروگذاشت انجمن سے ہو رہی ہے وہ یہ کہ اس امر پر بھی توجہ کرنا مناسب نہیں سمجھا جاتا کہ کتابیں ملک کے بہترین افراد سے ترجمہ کرائی جائیں جس زمانہ میں علامہ شبلی اس انجمن کے سکریٹری تھے کتابوں کے ترجمہ کرانے کا یہ انتظام تھا کہ بذریعہ اخبار اعلان کر دیا جاتا تھا کہ فلاں کتاب کا ترجمہ کرانا مقصود ہے ارباب قلم فلاں فلاں باب کا ترجمہ نمونہ کے طور پر۔ انجمن میں بھیجیں، جسکا ترجمہ انجمن انتخاب کریگی وہی شخص اس کتاب کے ترجمہ پر مامور کیا جائیگا" یہ ترکیب کسقدر مفید تھی۔ چنانچہ ہربرٹ اسپنسر کی کتاب "فلسفہ تعلیم" اس زمانہ میں اسی صورت سے ترجمہ کیگئی جو میرے خیال میں انجمن کی تمام کتابوں میں نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔ اگر برابر یہی روش قائم رہتی تو "مشاہیر یونان و روما" وغیرہ کا یہ حشر نہوتا کہ رسالۃ الحسین اسکی دھجیاں اڑا دی گئیں کتابوں کا ترجمہ اگر بہترین نہو تو کم از کم نمایاں عیوب و نقائص سے مبرا تو ہو "مشاہیر یونان و روما" کی طرح چند اور کتابوں کا یہی حال ہے جن میں ایک "انتخاب کلام میر" ہے جسپر کچھ اپنے خیالات حوالۂ قلم کرتا ہوں۔

میر تقی میر کی جو حیثیت شعرائے اردو میں ہے ارباب نظر سے پوشیدہ نہیں ہے اردو کا یہی ایک شاعر تو ایسا نظر آتا ہے جسکی آجتک کسی نے مخالفت نہ کی۔ ورنہ اسوقت تک جتنے شعرائے اردو پیدا ہوئے ایک گروہ انکا ہمیشہ مخالف رہا۔ آج بھی ہندوستان میں ایک طبقہ ایسا موجود ہے جو غالب و اقبال تک کے کلام کا معترف نہیں ہے۔ آتش و انیس، داغ و امیر و حالی و اکبر وغیرہ سب کے سب تیر مخالفت کے زخم خوردہ ہیں۔ لیکن میر ایک ایسا شاعر ہے جسکا مدح سے مذمح شاعر بھی مداح ہے، مخالف سا مخالف شخص بھی معترف ہے۔ یہاں تک کہ اسکا معصر سودا بھی اسکا عظمت شناس نظر آتا ہے۔ میر کی اس ہمہ گیر مقبولیت کا کوئی سبب نہیں ہو سکتا۔ مگر اس کا یہ سبب نہیں ہے کہ میر کا سارا کلیات محاسن سے معمور ہے اسکا ہر شعر قابل تعریف ہے۔ میر کے کلام پر مولانا آزردہ کی تنقید کسقدر جچی تلی ہے "لیکن بغایت پست و بلند شعر بغایت بلند است" علاوہ ازیں کلیات اتنا ضخیم ہے کہ اسکے مطالعہ کی ہر آنکھ زحمت نہیں اٹھا سکتی۔ اسلئے ضرورت تھی کہ کلیات کا بہترین انتخاب شائع کیا جائے۔ چنانچہ انجمن ترقی اردو نے ایک انتخاب شائع کیا جسکی ترتیب مولوی عبدالحق صاحب بی اے

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا تار کا پتہ صرف حنا کافی ہے

سکریٹری انجمن نے کی۔ مین نے بڑے شوق سے اُسکو منگا کر دیکھا اور شروع سے آخر تک مطالعہ کیا مگر بہت افسوس ہوا کہ کلیات میر کا جیسا انتخاب ہونا چاہیئے تھا ویسا بالکل نہ ہوا۔ رسائل و جرائد مین جو اس پر تبصرے نکلے مین نے انکا بھی مطالعہ کیا۔ عام طور پر مولوی صاحب کی جانفشانی و عرق ریزی کا اعتراف ہر رسالہ نے کیا۔ مگر رسائل آرا کی پبلک ہم خیال نہین ہو سکتی۔ مین مانتا ہون کہ مدیرون نے "انتخاب کلام میر" کا مطالعہ تو ضرور کیا ہوگا مگر کچھ ضرور نہین ہے کہ اُنہون نے پورے کلیات میر" کو بھی دیکھا ہو۔ ان حضرات نے میری ہی رائے ناقص کی ہمنوائی کی اور فرمایا کہ کسی شاعر کے کلام کا انتخاب بہت مشکل ہے۔ ممکن ہے کہ جس شعر کو انتخاب کرنے والا قابل انتخاب نہ سمجھے دوسرے کی نظر مین قابل انتخاب ہو۔ کیونکہ طبائع مختلف ہوتی ہین، ایک چیز جو ایک شخص کی نگاہ مین مقبول نظر آتی ہے دوسرے کی نظر مین مردود تو جہہ سمجھی جاتی ہے لہذا انتخاب کی بہترین صورت یہ ہے کہ صحیح الذہن نقادون کی ایک انجمن قائم کیجائے جو کامل غور و فکر کے بعد شعرون کا انتخاب کرے۔

انتخاب کے شروع مین مولوی صاحب موصوف کا ۳۰ صفحون کا ایک مقدمہ بھی ہے جس پر معارف نے صحیح تنقید کی تھی مولوی صاحب سے جو توقع تھی پوری نہ ہوئی۔ اس مین میر کے کلام پر سیر حاصل بحث نہین ہے، جن کوائف پر ظاہرا رائے کیا گیا ہے قشنہ و نامکمل ہے، اور تنقید و تبصرہ کے سلسلہ مین جو لکھا گیا ہے محض سطحی اور بلند معیار کے درجہ سے گرا ہوا ہے۔ ضرورت تھی کہ میر کے کام پر ویسا ہی فلسفیانہ تبصرہ کیا جاتا "جیسا کہ ڈاکٹر بجنوری نے دیوان غالب پر کیا ہے اب بھی ملک مین ایسے بلند پایہ نقاد موجود ہین جو تنقید عالیہ کے ماہر ہین اور میر کے کلام پر فلسفیانہ تبصرہ لکھ سکتے ہین خصوصاً مولانا نیاز فتحپوری کو مین اس خدمت کی طرف متوجہ کرتا ہون۔ کیا مین امید کرون کہ فرصت کے اوقات کو مولانا اسکی تالیف مین صرف کرین۔

نفس انتخاب کے متعلق مین یہ کہنا چاہتا ہون کہ جن اشعار کو مولوی عبدالحق صاحب نے منتخب کیا ہے ان مین سے بہت سے ایسے اشعار ہینگے جو قابل انتخاب نہ تھے علی ہذا جن اشعار کو نظر انداز کر دیا گیا ہے اُن مین صدہا اشعار قابل انتخاب تھے۔ مین یہ سمجھنے سے قاصر ہون کہ آخر مولوی صاحب کا یہ معیار انتخاب کیا ہے؟ یا وہ کس نصب العین کی بنا پر اشعار کا انتخاب کرتے ہین؟ جب معمولی شعرون کو جگہ دی ہے۔ اور عمدہ اشعار کو چھانٹ دیا تو مولوی صاحب کی نظر انتخاب کے متعلق کیا فیصلہ ہو سکتا ہے؟ کیا ذوق سلیم و وجدان صحیح کا یہی اقتضا ہے کہ خذف پاروں کو جواہرات پر ترجیح دی جائے؟

آنکہ از دست چو ایشان گوہر ناشناس ہر زمان خرہرہ را با در برابر می کنند

معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب نے کلیات میر کا بالاستیعاب مطالعہ نہین کیا ہے ورنہ انکی دوربین نگاہون سے بیشمار اشعار ہرگز نظر انداز نہ ہو سکتے تھے۔ یا ممکن ہے کہ وہ اشعار ہی انہین پسند نہ آئے۔ یا کلام کا انتخاب سرسری نظر سے کیا ہے اگر جلدبازی کے دامن انتخاب مین نہ آسکے بہرکیف وجہ کچھ بھی ہو انتخاب ہرگز دلپذیر و پسندیدہ نہین ہے۔ اگر طوالت کے خیال سے

اصغر علی محمد علی ناجیہ عطر لکھنؤ کی ایک شاخ گلزار حوض حیدر آباد دکن مین ہے

ابونصر فارابی

جن مشاہیر کو مرے ہوئے صدیاں گذر چکی ہیں اُنکے تذکروں میں عبرت اور مصیبت کی ایک دنیا آباد ہوتی ہے۔ کسی باکمال کے زندۂ جاوید ہونے کا یہی تو ایک معجزہ ہے کہ لوگ اُسکو یاد رکھیں اور اُسکی یاد سے اپنے خیالات کی اصلاح کرتے رہیں۔ فلسفہ کا معلم ثانی لیکن اہل اسلام کا معلم اول (ابونصر فارابی) انہیں لوگوں میں سے ایک ہے جو زندہ ہے اور دنیا میں جب تک اُسکے دماغی افکار باقی ہیں زندہ رہیگا۔

فارابی نے "معلم ثانی" کا خطاب سطح حاصل کیا کہ فلسفۂ یونان کی بے شمار تصنیفات خلفائے عباسیہ کی بدولت عربی میں ترجمہ ہو چکی تھیں لیکن اکثر ترجمے ناقص تھے اور باہم مختلف۔ نوح بن نصر نے جو خاندان سامانیہ کا ماجد (تھا) فارابی کو اکابر فرمائش کی کہ ان تراجم کو سامنے رکھکر ایک صحیح اور جامع ترجمہ تیار کردے، فارابی نے اس فرمائش کی تعمیل کرکے کتاب کا نام "تعلیم ثانی"۔ رکھا، اس واقعہ کو تاریخی حیثیت سے یاد رکھنا چاہیئے کہ علمائے اسلام میں فارابی نے "معلم ثانی" کا خطاب اس کتاب کی بدولت حاصل کیا تھا، افسوس ہے کہ وہ کتب خانہ جس میں اس کتاب کا مسودہ فارابی کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا جل کر خاکستر ہو گیا

اسلام کی تیسری صدی (دسویں صدی عیسوی) میں "معلم ثانی" پیدا ہوتا ہے، اصل کے اعتبار سے فارسی (ترکی؟) تھا، اسکی کنیت ابونصر اور نام محمد بن اوزلغ تھا، فاراب اسکا آبائی وطن تھا۔ اسکی پیدائش اس زمانہ میں ہوئی تھی جبکہ فن تاریخ نے گہوارے سے پاؤں نکالنا شروع کئے تھے اسلئے اسکے ابتدائی حالات سے تاریخ ساکت ہے۔ اسکا باپ ایک فوجی عہدہ دار تھا اسلئے ابونصر کی ابتدائی تعلیم سپاہیانہ انداز کی ہوئی ہوگی ظاہر ہے چونکہ خاندان کو آگے چلکر اُسے "معلم ثانی" بنانا تھا اور خدا نے غیر معمولی دماغ و حافظہ بھی عطا فرمایا تھا اسلئے اُسنے اپنی مادری زبان کے علاوہ دوسری زبانوں کو بھی سیکھا اور پوری قابلیت حاصل کرلی۔ عربی زبان کے ملک کی دوسری زبان کی اور نہ مادری اسلئے اُسکی تحصیل سے اُسوقت حد درجہ گریز رہا۔ مگر اُسنے اس ضروری کمی کو پورا کرنیکا ارادہ کرلیا۔

ابن خلکان نے لکھا ہے کہ "فارابی فلسفیوں پر اپنا مثل نہیں رکھتا تھا اور جن علوم و فنون سے اُسکا دماغ بہرہ اندوز تھا اُنمیں کوئی شخص اُسکا مقابل نہ تھا۔ شیخ الرئیس بوعلی سینا نے اپنی تصنیفات میں اسکی کتابوں کا تتبع کیا اور اُسکے اقوال سے مستفید ہوا۔ علم کے شوق نے اُسکو گھر سے نکالا اور اسے نکل کر مختلف شہروں میں سیاحی کرتا اور ہر جگہ کے واقعات و حالات، رسوم و رواج اور معاشرت سے واقفیت پیدا کرتا ہوا۔ بغداد پہنچا جو اُسوقت اشیاء میں علوم و فنون کا مرکز بنا ہوا تھا اور جہاں کی علمی شعاعیں دور دور پھیلی ہوئی تھیں، بغداد کے شاہی دربار میں علماء و فضلاء کی سند میں ایک امتیازی شان پیدا کئے ہوئے تھیں۔ فارابی نے دیر میں عربی کی تحصیل شروع کردی، بسر اوقات کیلئے ایک معمولی سی ملازمت کرلی، کوئی کہتا ہے کہ محافظ کی خدمت پر تھا۔ کوئی باغبانی بتاتا ہے۔ خیر جو کچھ بھی ہو مگر یقینی ہے کہ نہایت عسرت سے بسر کرتا تھا اور معاش کی قلت ایک چراغ کیلئے تیل بھی مہیا نہ کرسکتی تھی مگر چوکیدار کی فندیل اسکے لئے روشن تھی جسکے سہارے وہ تمام تمام رات پڑھنے پر مستعد رہتا۔ عربی کی تحصیل میں اُسنے ایسی الوالعزمی یا ضعیفی و کوشش کی کہ تھوڑے ہی دنوں کی لگاتار محنت نے اُسنے عربی کو اپنی مادری زبان بنالیا۔ اُسکے بعد منطق کی طرف متوجہ ہوا اور حکیم ابوالبشر متی بن یونس سے منطق کا درس لینے لگا۔ ابوالبشر کی برابری کا دعویٰ اُس زمانہ میں کوئی نہ کرسکتا تھا۔ تالیفات میں جس عبارت اور لطف استدلال کو مدنظر رکھتا تھا ابوالبشر کی تقریر عالمانہ اور نہایت برجستہ و شستہ ہوتی تھی اہم سے اہم علمی مسائل کو وہ ایسے سہل ممتنع طریقہ سے حل کردیتا تھا کہ پڑھنے والے اور سننے

کارخانہ صفر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا مال تا پسند ہو تو قیمت منہ محصول واپس ہو سکتی ہے

دائے حیران و ششدر رہجاتے اسی لئے ابن خن کے علماء کا اس بات پر اجماع ہے۔ کہ ابونصر فارابی جو دقیق معانی و مطالب کو سہل الفاظ اور آسان و سلیس عبارت میں سمجھا دیتا ہے یہ حکیم ارسطو کا فیضان ہے۔

فارابی نے بغداد ہی میں علوم فلسفہ کو بھی پڑھا۔ اور ارسطو کی تمام کتابوں کو بھی جمع کیا (سکو تصانیف ارسطو سے اسقدر عشق تھا کہ خود اُسنے لکھا ہے کہ میں نے ان کتابوں کو دو دو سو مرتبہ پڑھا ہے۔ نیز اسی کا قول ہے کہ میں نے ارسطو کی کتاب (سماع طبیعی) کا چالیس مرتبہ بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے، اور میری رائے میں ابھی اُسکے کم مطالعہ کا محتاج ہوں۔ کسی نے فارابی سے پوچھا کہ فن کا سب سے بڑھکر کون ماہر ہے تم یا ارسطو اُس نے کہا اگر میں ارسطو کا زمانہ پاتا تو اُسکے شاگردوں میں خاص امتیاز رکھتا۔ فلسفہ کے متعلق ابونصر کا یہ قول ہے کہ فلسفہ یونانی لفظ فلاسفی کا معرب ہے۔ کلمہ فلاسفی فیلا اور سوفیا دو لفظوں سے مرکب ہے فیلا محبت اور دوستی کو کہتے ہیں اور سوفیا حکمت کے معنوں میں آتا ہے لفظ فیلسوف اسی فلاسفی سے مشتق ہے۔ اسکا صحیح یونانی تلفظ فیلسوفوس تھا، عربی لب و لہجہ نے اسکی صورت بدلکر فیلسوف بنا لیا۔ اسکے معنی حب حکمت کے ہیں۔ یہ لقب اُسی شخص کے لئے موزوں ہے اور اُسی کو مل سکتا ہے جس نے اپنی زندگی کا مقصد علم و حکمت کی خدمت اور اُسکی ترقی کی کوشش ٹھہرایا ہو۔

ابونصر فلسفہ کا امام تھا اُس نے محققانہ بلکہ مجتہدانہ انداز سے فلسفہ کے تمام شعبوں میں اپنے کمالات کا حقیقی ثبوت دیا ہے۔ ابوالقاسم صاعد القرطبی نے طبقات الحکماء میں لکھا ہے کہ فارابی فی الحقیقت مسلمانوں کا فیلسوف ہے۔ فن منطق کو ابوحنان خیلانی سے (جسکا انتقال بغداد میں بعہد خلیفہ مقتدر ہوا) اخذ کیا، اسلام کے تمام فنون کو قید ضبط میں لایا، ان علوم کی تحقیق و تدقیق میں سب پر فوقیت لے گیا۔ اُن کے غوامض و اسرار کو حل کیا اُن کی تعلیم و تعلم اور ضروری باتوں کو آسان اور قریب الفہم کر دیا۔ ان علوم میں متعدد کتابیں، دلکش عبارت اور لطیف اشاروں میں تصنیف کیں اپنے ایک اور نادر کتاب علوم کی تقسیم و غایت کے بیان میں اُسنے لکھی تھی، یہ اپنے طرز کی پہلی کتاب ہے۔ اس سے پہلے کسی نے اس موضوع پر کچھ نہیں لکھا تھا۔ اس کا ایک نسخہ اسکوریال (واقع اسپین) کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

فارابی نے بغداد میں مسلسل تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہاں تک کہ ان میں کامل اور اپنے ہمعصروں سے ممتاز ہو گیا۔ بغداد ہی میں وہ کر بڑی بڑی کتابیں تصنیف کیں، بغداد سے دمشق پہنچا اور وہاں چند روز قیام کر کے مصر چلا گیا۔ اُس نے اپنی کتاب "سیاست مدن" میں ذکر کیا ہے کہ اُسکی تالیف کا آغاز بغداد میں ہوا اور اتمام مصر میں۔ ۹۵۰ء میں یہ کتاب لیڈن (ہالینڈ) میں طبع ہوئی اور اب مصر میں بھی چھپ گئی ہے جب مصریوں کی علالت سے فارابی کے علم کا دائرہ سیر ہو گیا تو سیاح فارابی نے دمشق کا راستہ لیا اور وہیں کا ہو کر رہ گیا اُسوقت وہاں سیف الدولہ بن حمدان کا عہد تھا جس نے فارابی کے ساتھ شریفانہ برتاؤ کیا اور قدردانی کا سلوک۔

طالب علمی کا زمانہ ختم کر کے ابونصر نے خود درس کا سلسلہ شروع کیا۔ طلبہ کثرت سے اُسکی طرف رجوع ہونے لگے وہ تنہائی کو نعمت سمجھتا تھا اور علمی مسائل پر غور و خوض اور تصنیف و تالیف کا مشغلہ رکھنے کے لئے دریا کا کنارہ اور باغوں کی سیر بہت مرغوب طبع تھی۔ درویشانہ زندگی نے اسباب راحت کو ٹھکرا دیا تھا۔ دنیاوی شان و شوکت کو وہ نمائش سمجھتا تھا۔

امیر سیف الدولہ نے اپنے بیت المال سے چار درہم یومیہ مقرر کر دیئے تھے اس پر قناعت کرتا تھا۔ اس حکیم جلیل القدر کو دیکھئے اور چار درہم یومیہ کو خیال کیجئے۔ ایک درہم ساڑھے تین ماشہ چاندی کا ہوتا ہے گویا اُسکی ساری معیشت چاندی کی آجکل کی ارزانی کے لحاظ سے ایک روپیہ

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی ایک شاخ کلزار حوض حیدر آباد دکن میں ہے

رہنے کے قریب، یا اُس زمانے کے نرخ کا لحاظ کرکے اس سے دوگنی یا تگنی ہوگی ابونصر کا خانہ گھر تھا اور نہ سامان خانہ داری پر نظر کرکے یہ خیال ہوتا ہے کہ فارابی شاید حضرت مسیح کی زندگی کا مقلد تھا۔ نہ لباس کی صفائی کا خیال تھا اور نہ پھٹے پرانے پر نظر علم اُسکا اُوڑھنا بچھونا تھا اور ہر وقت اُسکی تلاش جستجو میں انہماک تھا۔ یا سیر و سیاحت سے دلچسپی،

ابونصر کی تصانیف سو اسو کے قریب بتائی جاتی ہیں اسکی تصانیف کا بڑا حصہ چھوٹے چھوٹے رسالوں پر تھا اسی لئے اکثر کمیاب ہیں اب چند گنتی کی روگئی جن میں کچھ اصل عربی میں ہیں اور بعض کا عبرانی میں ترجمہ پایا جاتا ہے۔ ارسطو کی کتاب ارغنون (تنظیم المنطق) کا اس نے نہایت پاکیزہ ترجمہ کیا تھا۔ فارابی کے تصنیف و تالیف کے اصول میں قابل تقلید یہ بات ہے کہ ترجمہ لفظی نہیں کرتا تھا۔ بلکہ کتاب کے صحیح مفہوم کو اپنے روزمرہ کی سیدھی سادی زبان میں استدر خوبی کے ساتھ ادا کردیتا تھا گویا خود اپنا خیال بے تکلفی سے ظاہر کررہا تھا منطق اور الہیات میں امام فن مانا جاتا ہے۔ امام غزالیؒ اور اکثر علماء اسلام نے فارابی پر کفر کے فتوے تک دیدیئے تھے۔ ظاہر اس تکفیر کی یہ وجہ معلوم ہوتی ہے، کہ اسکی کتابیں حشر اجساد سے انکار کرتی ہیں جو درحقیقت حکمائے یونان کے اقوال کی ترجمانی ہے نہ کہ فارابی کا عقیدہ چنانچہ رسالہ فصوص جو فارابی سے منسوب کیا جاتا ہے۔ ان خیالات کا نمائندہ ہے۔ فارابی ایک ہی وقت میں حکیم بھی تھا اور فلسفی بھی منطقی بھی تھا اور ادیب بھی، فقہ و احادیث، مذہب و مناظرہ غرضکہ جملہ علوم عقلی و نقلی کا جامع تھا۔ مولانا نفیسی جو بہت بڑے حاذق اطبا میں گذرے ہیں، اپنی کتاب شرح اسباب میں فرماتے ہیں کہ فارابی اپنے کو لیا میں قبلا تھا اور یہ بھی نقل کیا ہے کہ اکثر فلاسفہ جیسے افلاطون اور دوسرے حکما جو اسکے ہم پلہ تھے۔ یہ سب لوگ اپنے دماغی افکار کی وجہ سے اسی مرض میں مبتلا تھے۔ بوعلی سینا نے خواری میں مشہور تھا جیسا کہ اہل تاریخ نے مشہور کیا ہے۔

سیف الدولہ کا دربار ہر فن کے کاملین کا مجمع تھا۔ ایک روز فارابی بھی ترکی لباس میں اسکے شاہانہ دربار میں پہنچ گیا اور سیف الدولہ کے سامنے کھڑا ہوگیا، سیف الدولہ نے بیٹھ جانے کے لئے اشارہ کیا، فارابی نے کہا۔ کہاں بیٹھوں میں جس جگہ کے لائق ہوں وہاں یا تم جس جگہ کے لائق ہو وہاں؟ بادشاہ نے کہا تم جس جگہ کے لائق ہو۔ یہ سنکر فارابی لوگوں کو پھاندتا ہوا بادشاہ کی مسند پر جا بیٹھا اور اسکو دَبکے دیکر ہٹا دیا بادشاہ کے جلو میں غلام حاضر تھے جن سے وہ ایک غیر معروف زبان میں بات چیت کیا کرتا تھا جسکو اُن غلاموں کے سوا کوئی دوسرا نہیں سمجھ سکتا تھا بادشاہ نے غلاموں سے کہا کہ اس شخص کو اپنی گستاخی و بے ادبی کا خمیازہ اسطرح بھگتنا چاہیئے کہ اگر اس نے میرے سوالات کے معقول جواب نہ دیئے تو تم لوگ اسکو جلا کر خاک میں ملا دینا۔ فارابی اسی زبان میں جواب دیتا ہے "کہ اے بادشاہ صبر سے کام لے ہر کام کے انجام کا لحاظ ضروری ہے" بادشاہ تعجب سے پوچھنے لگا کہ کیا تم اس زبان کو جانتے ہو۔ فارابی نے کہا کہ میں سب زبانوں سے زیادہ جانتا ہوں۔

یہ واقعہ روضۃ الصفا سے ماخوذ ہے مگر عقل سلیم اسکو قبول کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتی اس لئے کہ فارابی کا علم و حکمت، تہذیب و انسانیت اور بادشاہ کا رعب و سطوت یہ تمام باتیں ہرگز اس امر کی مقتضی نہیں کہ فارابی سے ایسا خلاف تہذیب امر وقوع میں آیا ہو۔ فارابی نے سیف الدولہ کے دربار میں علماء و فضلاء سے مختلف مباحث پر کلام شروع کیا، کون تھا جو اُسکے مقابلہ میں ٹھہر سکتا۔ جو لفظ نکالتا تھا وہ علمی خزانہ پر اُترا ہوا، علمائے دربار حیران ہوگئے اور جواب دینے کے بجائے اُسکی تقریر کو قلمبند کرنا شروع کردیا جب دربار برخاست ہوا تو بادشاہ نے فارابی کو روک لیا اور تنہا اُسکی تواضع کی، فارابی نے کہا میں انکا عادی نہیں اور نہ کبھی اس سے اپنے ہونٹوں کو تر کیا ہے، ہاں گانا جو

کارخانہ اصغر علی محمد علی اینڈ کمپنی کی نگرانی میں ہے جو چالیس سال سے کام کررہا ہے

مین غذاے روحانی سمجھتا ہون اس سے ضرور دل بہلا سکتا ہون۔ بادشاہ نے مغنیون کو حاضر ہونے کا حکم دیا جنھین کو لوگون کیطرح کو کنہ لگین ہر قسم کے ساز چھڑ گئے لیکن ادھر یہ حال تھا کہ جو ساز شروع ہوتا تھا فارابی ٹوک دیتا تھا اور کوئی نہ کوئی نقص نکال دیتا تھا۔ بادشاہ نے پوچھا کیا تم موسیقی سے بھی واقف ہو؟ فارابی نے کہا جی ہان جانتا ہون اور یہ کہکر اپنی کمر سے اُتنے ایک تھیلی نکالی اور اسمین سے چند لکڑیان نکالین پھر ان کو آپس مین ملاکر اس ترکیب سے بجایا کہ تمام دربار زعفران زار ہوگیا۔ دوسری ترکیب سے اس ساز کا چھڑنا تھا کہ لوگون نے رونا شروع کیا تیسری ترکیب نے سونے والون کو خواب کی صورت مین بدلدیا اور سب کو اُسی غفلت مین چھوڑ کر چلدیا۔ الغرض فارابی موسیقی مین بھی بالثبوت مانا گیا ہے۔ تاریخ حکما کا مؤلف لکھتا ہے کہ اُس نے ایک ایسا حیرت انگیز باجا بجایا کہ اس کے نغمے سامعین کے جذبات مین آگ لگا دیتے تھے۔ ایک بگڑا گرفارابی کا اتفاق سے نزر ہوگیا اور اُس نے اپنا ساز چھیڑ دیا تو بگڑا مہ بجا ہوجاتا تھا ایک واقعہ بھی درج کیا ہے جو صاحب روضۃ الصفا کے بیان کئے ہوے واقعہ سے بہت ملتا جلتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ قانون (سہ تار) اسی کی ایجاد ہے۔ روضۃ الصفا مین لکھا ہے کہ فارابی عسقلان کے سفر مین ڈاکوؤن کے ہاتھ مین آگیا۔ جبکہ اُس کے پاس کے سب چیز چھین لی گئی تھے۔ سیف الدولہ کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو اُس نے قاتلون کی گرفتاری کا حکم دیا جب وہ پابزنجیر حاضر کئے گئے تو سیف الدولہ نے حکم دیا کہ ان ظالمون کو فارابی کی قبر کے پاس لے جاکر سولی دی جاے ۳۳۰ھ یا ۳۳۹ھ مین ۷۰ یا ۶۹ برس کی عمر پاکر فارابی نے دمشق مین اپنی فلسفانہ اور حکیمانہ زندگی کو تمام کیا اور دمشق کے باہر دفن ہوا۔ سیف الدولہ نے اپنے چار خاص عالمون کے ساتھ جنازہ کی نماز پڑھی۔ چار عالم اور ایک سیف الدولہ کے سوا کوئی چوتھا شخص جنازہ کی نماز مین شریک نہ تھا۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ شامیون کے تعصب کیوجہ سے سیف الدولہ ایسے جلیل القدر باد شاہ کو بھی یہ پسند نہ کیا کہ مرنیکے بعد فارابی کے معتقدات مذہبی کو صدمہ پہنچے۔ اس لئے اُس نے چند اپنے ہی علما کے ساتھ نماز جنازہ پڑھا کر اسکو خاک کردیا۔ یہ بھی مشہور ہے کہ فارابی نے سیف الدولہ سے یہی وصیت بھی کی تھی۔ یہ ابن خلکان اور طبقات الاطبا کی سرخانہ رداتین ہین۔

فارابی کی تصانیف مین اُس کے لکھے ہوے اشعار بھی پاے جاتے ہین منجملہ اُن اشعار جو اُسکی طرف منسوب ہین، بعض وہ ہین جو اُسنے اپنے احباب کو خطون مین لکھے تھے، ایک حکیم و فلسفی کی شاعرانہ فکر بھی دیکھ لیجیے:۔

ان لقاعد جسمی عن لقائکم ۔۔۔ الا وقلبی الیکم سبق عجل

گو میرا جسم تمہاری ملاقات سے باز رہا ..... مگر ..... میرا دل تمہارا ہی رہتا ہے، اور تمہارے پاس آنے مین جلدی کرتا ہے

وکیف یقعد مشتاق بحیرته ۔۔۔ الیکم ابا عثار وق لاهل

بھلا وہ مشتاق قرار سے کیونکر بیٹھ سکتا ہے جسکو شوق اور امید دونون ابھار ابھار کر تمہاری طرف لیجا رہی ہون

فان نهفت تمالی عنکم وطن ۔۔۔ وکیف ذاک مالی لم یزل

پس اگر مین اٹھون بھی تو تمہارے سوا میرا کوئی وطن نہین اور بیٹھ کیسے سکتا ہے جبکہ تمہارا خیال میرے لئے کوئی نہین ہے

وکم تعرض لی الاقوام ۔۔۔ قبلکم ۔۔۔ یستاذنون علی تبلونه صلوا

اور تم سے پہلے لوگون نے مجھے کتنا ہی چھیڑ چھیڑ کر۔ میرے دل مین جگہ کرنیکی اجازت چاہی لیکن اُنکی رسائی نہو سکی

ہوش بلگرامی

کارخانہ ضمیر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا تار کا عرف حنا کا ہے۔

عود شباب

افسانہ

(۱)

ہر شام جب شفق مغرب کی زرین سرخیاں اولمپس کی مقدس چوٹیوں پر لالہ پاشی میں مصروف ہوتیں، اور دیوتاؤں کے محبوب مسکن کی دلفریب وادیاں آفتاب کی آخری بشاعوں سے منور ہو جاتیں تو بوڑھا ساحر ایک طویل آہ سرد کے ساتھ افسردگیوں کی نیند سے بیدار ہوتا۔ اپنے بوسیدہ ربط کو اٹھاتا۔ اور داس کوہ میں پانی کے ایک بلورین چشمہ کے کنارے جا بیٹھ جاتا۔ اسکے لرزاں ہاتھ ربط کے رنگ آلودہ تاروں کو نغمہ آفرینی کا پیغام دیتے اور مقدس مسکن کی مقدس فضا اسکی موسیقی سے معمور ہو جاتی۔ یہ اسکا معمول تھا

ہر صدا جو ربط کے تاروں کی لرزش سے پیدا ہوتی، دنیائے عہد اولین کی معصومیت کی تفسیر بن کر اس وادی کی وسعتوں پر چھا جاتی جس کی پاک بلندیاں ابھی تک انسانی معصیت کی عریانیوں پر خندہ زن تھیں۔ اور دیوتاؤں کے بلند قہقہے جو ابن آدم کے فرزندوں کے کان نہیں سن سکتے۔ خاموش ہو جاتے حسین اور مطلعت دیویاں اپنے دلفریب مشاغل کو چھوڑ کر ہمہ تن محو ہو جاتیں۔ اور آسمانی ہستیوں کی یہ مختصر سی آبادی۔ خاموش ہو جاتی۔

ایک شام جب آفتاب کی روشنی میں ہلدی پیدا ہو گئی تھی۔ ساحر حسب معمول اپنے گوشۂ انتہائی سے نکلا۔ بربط شانہ پر تھا۔ اور نگاہ ان بلندیوں پر جن کی آبادی کو وہ مدت سے اپنے ساز کی نغمہ آفرینیوں سے مسحور کرتا رہا تھا۔ آہن بھرتا اور ڈگمگاتا آیا۔ اور اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ نغمے حسب معمول تاروں سے بے تابانہ لپکنے اور مضطر بانہ کیفیتوں سے وادی میں گونجنے لگے۔ نسیم فردوسی بیقرار ہو کر جنبش میں آئی۔ اور ساز کی رنگینیاں جمین قدرت نے ہمیشہ کے لئے اس وادی کی خدمت پر کر دی تھی۔ چمک اٹھیں پھول بے تاب ہو گئے۔ اور غنچوں نے بے اختیار منہ کھول دیئے۔ اپالو دیوتا جس کے جبروت اقتدار کا عکس آفتاب کی جلوہ بینیں نمایاں ہے۔ آج اسقدر متاثر ہوا۔ کہ والہانہ طور پر پکار اٹھا۔ اے خاطی انسان کے بربط نواز فرزند۔ مانگ کیا مانگتا ہے۔

بوڑھے ساحر کے ہاتھ سے بربط چھوٹ گیا۔ وہ فرط عقیدت سے سجدے میں گر گیا۔ اور بولا "پاک اولمپس کی پاک بلندیوں کے مقدس دیوتا۔ میں شباب مانگتا ہوں"۔ اسکے بعد خاموشی چھا گئی۔ اپالو کے منور چہرہ پر ایک خفیف سی تبسم کی لرزش پیدا ہوئی اور اس نے جواب دیا "جا۔ تیرے بربط کے نغموں کی شیرینی کے بدلے میں اولمپس کے دیوتاؤں کے سردار تیری التجا قبول کی۔ کل صبح آفتاب کی پہلی شعاع جب تیری جھونپڑی کی شکستگی کو روشن کرے گی۔ تو تو اپنے آپ کو جوان پائیگا"۔ ساحر فرط خوشی سے چلا اٹھا فیاض دیوتا تیری تعریف ہو۔ محبت اور عشق کی برکتوں سے میرے عہد شباب کو منور کر دے"۔ آواز آئی "ایسا ہی ہوگا۔ جا کل کی آنے والی گھڑی کا انتظار کر۔ مگر اولمپس کے سردار کی نوازش کا راز افشا نہ کرنا"۔ بوڑھے مسافر نے کانپتی ہوئی زبان سے شکریہ ادا کیا۔ اور خوشی خوشی گھر واپس آیا۔ جب وہ اپنے شکستہ جھونپڑے میں پہنچا۔ تو رات کی تاریکی پھیل چکی تھی۔ تمناؤں کے ہجوم میں غوطہ زن ہو کر۔

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا مال ناپسند ہو تو قیمت سمیت محصول واپس ہو سکتی ہے

اس نے اپنے آپ کو اپنی ٹوٹی ہوئی چٹائی پر گرا دیا۔ اس کا مایوسی کے نشہ سے سرشار دماغ حوالی کی امنگوں کو قابو میں نہ رکھ سکا۔ اور وہ بیہوش ہو گیا۔ رات بھر اسی عالم سکرات میں پڑا رہا۔ اور جب صبح اپنی ہنگامہ خیزیوں کو لے کر اُفق مشرق سے برآمد ہوئی۔ تو بوڑھا ساحر اس کے استقبال کے لئے اپنے جھونپڑے سے باہر نکلا۔ لیکن آفتاب کی پہلی شعاع اسکے جسم کو گرم نہ کر چکی تھی کہ ساحر کی جریان شباب کی رعنائیوں میں تبدیل ہو گئیں (اسکے دل میں جذبات کا سمندر موجزن تھا۔ اور اسکا دماغ جوانی کی کیفیتوں سے مسحور ہوا جاتا تھا۔ اس کا جی چاہتا تھا (اور کیوں نہ چاہتا) کہ اس محدود رقبہ کی تنگیوں کو جہاں بڑھاپے کی بے دست و پائی نے اُسے محصور کر رکھا تھا چھوڑ دے۔ اور اُن لذتوں کے لئے اپنی توانائی وقف کر دے، جو شباب کی سرور آفرینیوں نے اسکے لئے مہیا کر دی تھیں۔ اُسنے ایک حقارت بھری نگاہ اپنے جھونپڑے پر ڈالی۔ اُسکا دل بڑھاپے کی اُس یادگار سے بیزار ہو گیا۔ اُسنے اپنے بڑھاپے کے واحد رفیق اونگھتے ہوئے ربط سے بھی منہ پھیر لیا۔ اُسکی بوسیدہ ہڈیوں کو استغنا کے پاؤں سے ٹھکرایا۔ اور جوانی کی سرزمین کو محبت کی مسرتوں سے آباد کرنے کا تہیہ کر لیا۔ وہ کہتا تھا "مین محبت کرون گا۔ مین کس قدر نادان تھا۔ کہ گذشتہ زندگی کی قیمتی گھڑیوں کو ربط کی نغمہ سرائی مین ضائع کر دیا۔ اور ایسے شغل سے جسکا انبساط الپس کی بلندیوں کو جاودانی مسرتوں سے معمور رکھتا ہے۔ محروم رہا۔ اب مین اپنے دل کو حُسن و عشق سے بہرہ یاب کرون گا۔ اور اپنی زندگی کی نئی ملتوں کو جن مین اپالو نے شباب کے جوش سے کامیاب بنایا ہے۔ الفت کے قدمون پر ڈالون گا۔ جب میرے جذبات کی شورشین ربط کے تارون سے ہمکنار ہو کر نکلین گی۔ تو دنیائے عشق کے افسانے سوز و ساز کی رنگینیون سے منور ہو جائین گے۔ مین آرزؤن کی سرزمین کو سرسبز کر دون گا۔ اور آہون کی ناکامیون کو امید کی فراوانیون مین تبدیل ۔

(۳)

دامن کوہ مین ایک مرغزار تھا۔ جسے آب و ہوا کی لطافت نے سبزیون سے مالا مال کر دیا تھا۔ بہار کے جلوے ہمیشہ اُسکی آغوش مین کھیلتے رہتے۔ اور خود رو پھولون کے رنگ اسکو ہمیشہ رنگین بنائے رکھتے تھے۔ پہاڑ کی بلندیون کی برف ڈھل ڈھل کر اُسکی آبیاری کرتی تھی اور اپنی روانی سے اسے شاداب بنائے رکھتی تھی۔ یہ سرزمین جسے کیوپڈ نے محبت کی جذبہ رانیون کے لئے منتخب کیا تھا نئی نئی پرواز خلق کے چھپون اور انکے پرون کی پرواز سے آباد تھی۔ اسی سبزہ زار کے ایک سرا پا بہار گوشے مین جہان درختون کی گھنی شاخین ایک کنج خلوت بنانے کے لئے آپس مین ہمکنار ہو رہی تھین۔ بوڑھا ساحر جسکو اب جوانی کی کامیابیون نے سرور و انبساط سے معمور کر رکھا تھا۔ ایک حسن دلکش کے حضور مین دوزانو بیٹھا ہوا کہہ رہا تھا "میرے ربط کے تارون کی صدائین اپنی ناکامی کی معترف ہین۔ اور میرے ہنگامہ خیز جذبات اپنی نارسائیون کا اقرار کرتے ہین۔ کیونکہ اے نادرۂ روزگار جولیا! میری موسیقی تیری بے پناہ نگاہون سے مسحور ہو چکی ہین! اور تیری سیاہ آنکھون نے میرے دل کی تمناؤن مین ایک تلاطم بپا کر دیا ہے۔ مین تیرے شوق دیدار کی مسرتون کی روانی مین بہا جاتا ہون۔ آ میرے قلب کی ہوشربا کیفیتین تیرے قدمون پر نثار ہونے کے لئے بے تاب ہین اور عشق تیرے حسن کی سحر آفرینی پر فدا ہونے کے لئے بے چین" وہ اپنے آپ کو قابو مین نہ رکھ سکا۔ اور یہ کہہ کر حسین جولیا کے قدمون پر گر پڑا "اے الپس کے با اقتدار دیوتا تیری تقدیس

جولیا کے نازک گلابی ہونٹ ایک روح تبسم سے رنگین ہو گئے۔ اور اسکا دامن حسن گریٔ محبت کی سرخیوں سے چمک اٹھا۔ کیونکہ عشق جب اپنے جذبات کو اظہار شوق میں محو کر دیتا ہے۔ تو حسن کی زینت آرائیاں بے حسن ہو جاتی ہیں۔ جولیا کی نگاہیں اعتراف محبت کی روشنی سے معمور ہو گئیں۔ اُسنے فتحمندانہ انداز سے اپنے پرستار کو دیکھا۔ اور بولی "جولیس۔ اُٹھ۔ کہ بہار کی جلوہ پاشیاں نسیم جانفروز سے ہمکنار ہو رہی ہیں اور آب روان کی لرزشیں آفتاب عالم تاب سے ہم آغوش ہو کر عالم بے خودی میں رقص کر رہی ہیں۔ پرندے ہماری کامیابی کے گیت گاتے ہیں۔ اور مرغزار کے سبزہ پوش فرط سرور میں جھوم رہے ہیں۔ اُٹھ۔ کہ حسن فطرت کے دیوتا نے سبزہ زار کو بہار کے نور سے منور کر دیا ہے۔ اور قلیم عشق کی وجدانی کیفیتیں ہماری منتظر ہیں۔ آ کہ قدرت کی اعجاز نمائی کو انسانی محبت کی جاودانیوں سے منور کر دیں" جولیس اُٹھا۔ مگر اس حالت میں کہ خوشی کے آنسو اسکے رخسارون پر ڈھلک رہے تھے۔ اُسنے اپنی نگاہیں اُٹھائیں۔ اور بے خود ہو کر اپنے آپ کو جولیا کے آغوش میں ڈال دیا۔

(۴)

جاہ و اقتدار کی خودسری نے جولیس کے شباب کو ہوس رانیوں میں بدل دیا۔ اسکا گنہگار دل معصیت کی تاریکیوں میں گم ہو گیا۔ اور اسطرح سے اُسنے آبا لوکی دی ہوئی نعمت کی ہتک کر کے اُسکی پرستون کو پاؤں سے روند ڈالا۔ جولیا کی سرد آہیں اور گرم آنسو با وجود اپنی تمام لجاجت اور عاجزی کے اُسے گمراہیوں کی سرزمین سے واپس نہ لا سکے۔ وہ گنہگاریوں کی تاریک گہرائیوں میں بڑھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ نازنین جولیا اُسکی جانب سے مایوس ہو گئی۔

(۵)

جب جولیا کی زندگی کی رونق مایوسی اور نا امیدی کی افسردگیوں پر ختم ہو کر ویران و برباد ہو چکی تو اُسنے جولیس کی آئے دن کی ستم رانیوں سے تنگ آکر ارادہ کر لیا۔ کہ انسانی جور و جفا کی ظلم انگیزیوں کی داستان دیوتاؤں کے بااقتدار شہنشاہ کے گوش گذار کرے۔ اور اپنے خون شدہ دل کی حسرتوں کو وہ الہیس کی قدسی صفات مملوک کے پاؤں میں ڈال دے۔ چنانچہ ایک رات جب کہ جولیس کے معصیت آفرین تبسم سے پاکدامنی کی ہنسی اڑا رہے تھے۔ جولیا بستر سے اٹھی (ارادے کا استحکام اسکے کمزور اور نحیف جسم کو سنبھالے ہوئے تھا) اور جولیس کی خوابگاہ میں داخل ہو گئی۔ اور بے اختیار ہو کر پکاری "اپالو" اپالو کی فیاضی کو اپنی بد اعمالیوں سے ذلیل کرنے والے انسان اپنی فریفتگی کا افسانہ میرے افسردہ تبسم کی شکنوں میں پڑھ۔ میری آنکھیں مدتوں تیری جفا کاریوں کا ماتم کرتی رہیں۔ تیرے کنا کا میوس نے انہیں خاموش کر دیا۔ تو نے اپنی کس پرسی کا نمانہ فراموش کر دیا ہے۔ مگر یاد رکھ وہ دیوتا جسنے تجھ کو اپنے بدل انعام سے سرفراز کیا ہے۔ میرے دُکھ درد کے آنسو بھی قبول فرمائیگا۔ میں آج ہمیشہ کے لئے سیاہ کاریوں کی اس چار دیواری سے جسے تیرا غرور شاہی محل کے نام سے پکارتا ہے۔ رخصت ہوتی ہوں۔ خبردار ہو جا۔ کیونکہ سیاہ کاریوں کی عمر تھوڑی ہوتی ہے۔ اور بدعملیاں بہت جلد بے بسی میں بدل جاتی ہیں" وہ خاموش ہو گئی۔ جولیس جسکا دماغ اسوقت شراب لالگون کی مستیوں کا منت پذیر تھا۔ چلایا۔ یہ دیوانی کون ہے۔ دربان۔ یہ شاہی محل میں کیسے آگئی" دربان بھاگا گیا۔ مگر جولیا جا چکی تھی۔

(۶)

شام ہو چکی تھی۔ اور دن کا فرمانروا یعنی آپالو روشنی کے طویل سفر سے ابھی ابھی واپس لوٹا تھا شفق کا تبسم اُسکے نورانی ہونٹوں کو شگفتہ کر رہا تھا۔ اور اُسکی پیشانی انوار آسمانی کے جلووں سے تابندہ تھی۔ جب اُسکے سریع السیر قدموں نے الہیس کی [illegible] کو پرستون سے منور کر دیا۔ اور

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا عطر خاص ہر موسم میں استعمال ہو سکتا ہے۔

اُسکی عظمت و بزرگی کے پرستار بڑھے۔ کہ اُسکے نورانی ہاتھوں کو اپنی فرمان برداری کی عقیدت مندیوں سے چومیں۔ تو یکایک شور وشیون کی صدائیں اُسکے فیح الشان مسکن کے دامن میں بلند ہوئیں۔ اور دیوتاؤں کی آرام گاہیں دکھی اور دردمند دلکی فریادوں سے لرز اُٹھیں۔ دیوتا کی باجبروت پیشانی شکنوں سے سکڑ گئی۔ اور اُسکا سفید و پُرخ چہرہ جوش غضب سے تاریک ہوگیا۔ معاً آسمان پر کالے بادل چھاگئے۔ رعد کی سہم صداؤں نے خاطی دنیا کی آبادیوں کو گھیر لیا زمین وسمت خوف وہراس کی اندوہناک مصیبتوں سے لبریز ہوگئی اور آدم کے نادہندہ بیٹوں کے شور اور پکار نے فضا کو معمور کر دیا۔ یہ حالت تھوڑی دیر تک رہی المپس کی فردوس نما دیوتاؤں کا یا اقتدار شہنشاہ اپنے پرستازوں کی عقیدتمندیوں کو دیکھ کر مسکرا دیا۔ گرجنے والے بادلوں نے اپنی غضبناک صداؤں کو لپیٹا۔ اور دبیز ہوگئے۔ عناصر کی باہم ہنگامہ آرائی ختم ہوگئی۔ اور آسمان کی پیشانی ستاروں کی روشنی سے چمک اُٹھی۔ جب دنیا کو اس قہر وغضب سے نجات ملی تو النسان کی تسم رانیوں کے فریادی نے پھر اپالو کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ اُسنے حاجب کو حکم دیا۔ کہ جائے اور دریافت کرے۔ کہ کون ہے۔ حاجب نے اپنا پردار عصا اٹھایا۔ اور عالم بالا سے زمین کی پستی کی جانب اُڑا۔ دامن کوہ میں پہنچکر اُسنے ایک پریشان حال عورت کو دیکھا۔ کہ سجدے میں پڑی ہے اور اپنی بدبختیوں کا ماتم کر رہی ہے۔ حاجب بولا "تو کون ہے"۔ عورت نے روتے ہوئے جواب دیا "میں بدنصیب جولیا ہوں"۔ دیوتاؤں کے پردار ایلچی نے سر پھیر کر آنسوؤں کے دو چار قطرے زمین پر گرائے کیونکہ دیوتا فانی انسان کے سامنے نہیں روتے۔ اور پوچھا "تو کیا چاہتی ہے"۔ دکھیا عورت نے اپنا سر اٹھایا۔ اور پھٹے ہوئے دامن سے آنسو پونچھ کر بولی "روشن چہرہ والے حاجب کیا تو اپالو ہے"۔ وہ بولا "نہیں۔ میں اُسکا پیغامبر ہوں"۔ جولیا نے کہا "رحمدل دیوتا۔ جا تجھے مجھ سے کیا کام۔ میں اور میری فریادیں تیرے آقا کو پکارتی ہیں"۔ جولیا یہ کہکر پھر سجدے میں گر پڑی۔ اور رنج وملال کی جگر دوز صدائیں پھر اُلمپس کے سکون کو تہ وبالا کرنے لگیں۔ اب اپالو اپنے تخت زرین سے اُٹھا۔ اُسنے اپنی جہان بین آنکھیں دنیا کی پستیوں کی جانب دائیں اور دیکھا۔ کہ دامن کوہ کی گھاٹیوں میں حوا کی ایک بدقسمت بیٹی پیشانی سنگریزوں پر رکھے اپنی تقدیر کو رو رہی ہے۔ اُسکا باخبر دل انسانی محبت کی ناہمواریوں کو دیکھ کر تڑپ اُٹھا۔ اور وہ پکارا "ماتم بند کر۔ اپنی پیشانی اُٹھا۔ اور بتا۔ کہ تو اپالو سے کیا چاہتی ہے"۔ جولیا بولی "عشق ناکام نے میری ہستی کو بے رونق بنا دیا ہے۔ اور محبت کی تلخ افسردگیوں نے میری مختصر زندگی کی خوشیوں کو پامال کر دیا ہے۔ اسلئے میں اپنی تمنا کی فسردگی کو تیرے قدموں پر ڈالنے کے لئے لائی ہوں میری نذر کو قبول کر۔ اور جولیس کی ہوس رانیوں کا خاتمہ کر دے"۔ جولیا خاموش ہوگئی شام کی تنہائیوں نے افسردگی کی چادر میں منہ چھپالیا۔ بہار کی رنگینیاں مکدر ہوگئیں۔ انسانی جذبات کے عبرتناک انجام کے غم انگیز افسانے نے فضائے عالم کی وسعتوں کو تاریک کر دیا۔ اور اپالو کی پرنور جبین جوش انتقام سے سکڑ گئی اُسکی غضب آلود نگاہیں اُوپر کی طرف اُٹھیں۔ اور بجلی اپنی تباہیوں کا سامان لیکر بادلوں کی ظلمتوں پر چھا گئی۔ رعد نے اپنی صداؤں کو خاطی دنیا کی فراخ سطح پر پھیلا دیا۔ ہوا حرکت میں آئی اور انسانی دل جن کی جسارت ناپاکیوں کے طوفان سے خائف نہیں ہوتی۔ قدرت کی سخت گیریوں کو برسر پیکار پا کر خوف ودہشت سے کانپ اُٹھے۔ آسمان کی بلندیاں انتقام کی ہنگامہ آرائیوں سے تاریک ہوگئیں۔ اور اپالو کے انتقام آتشین نے اُسکے مجلسر کو شعلوں کے آغوش میں دیدیا۔ گناہ کی مختصر سی سنگین دنیا کچھ مدت کے لئے روشن ہوگئی۔ اور جب قہر وجبر دیوتا کا رفرما اپنا آتشین فرض ادا کر چکے۔ تو اپالو نے ایک آہ سرد بھری اور مڑا۔ کہ جولیا نے بڑھ کر اُسکا دامن تھام لیا "اور بولی اے۔ دائمی اقتدار کے مالک دیوتا۔ تیری تقدیس ہو۔ میری تلخ کامیوں کی فریاد ——— اپالو بات کاٹ کر بولا "تیری ناکامیوں کا انتقام لیا جا چکا ہے۔ گذشتہ زندگی کی تلخیوں کو بھول جا۔

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا عطر حنا ہر موسم میں استعمال ہو سکتا ہے۔

شباب کی رعنائیاں پھر ایکبار تیری ہین۔ جا عشق کی دانشگیون سے کھیل۔ اور اپنے حسن عالم افروز سے آدم کے فرزندون کو بہلا" جولیا کچھ اور کہنا چاہتی تھی۔ مگر آپالو جا چکا تھا۔ اب رعد کی گرج آفق مشرف کی دوری مین گم ہوگئی۔ اور برق سوزان کی تیزی نے سرعت سے تابیدن کے اسباب کو سمیٹ لیا۔ ہوا کی تیزی سکون سے بدل گئی۔ اور آسمان کی کدورتین زائل ہوگئین۔ نہنگامہ خیز رات کے گذر جانے کے بعد صبح نمودار ہوئی۔ اور نسیم سحر نے پھر ایکبار دنیا کو سکوت و سکون کا پیغام پہنچایا۔ تو جولیس اور اسکی عشرت گاہ کی خاک پر ماتم کرنے والون کے ہجوم نے ایک زاہد فریب حسینہ کو دیکھا۔ کہ پھٹے پرانے کپڑے پہنے شباب کی تمام رعنائیون کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ اور اپنی برادرین انگلیون سے رکابہ کے ساتھ کھیل رہی ہے۔ یہ جولیا تھی۔

(۷)

ناشکر گذار جولیس کی یاد اعتدالیون کے بے نشان مزار پر جولیا نے ایک مختصر سی نشست گاہ تعمیر کرائی۔ اور عین اُس جگہ پر جہان شباب کی جدید ارمانیان امارت کی فراوانیون سے ہمکنار رہا کرتی تھین۔ حسن نہنگامہ خیز نے اپنی جلوہ آرائیون کے لئے ایک کنج خلوت کا انتخاب کیا۔ جو جلد عاشقان نام کی سرد آہون سے معمور ہوگئی۔ لوگ خلوص و ایثار کے نذرانے لے کر جولیا کے حضور مین آتے اور نامراد واپس جاتے۔ دولت و اقتدار اپنے تمام جلوون کے ساتھ فخر و غرور سے آتی اور عجز و انکسار سے سر جھکا کر لوٹ جاتی۔ شجاعت اور بہادری کی ولولہ انگیزیان سرعت سے قدم بڑھاتین۔ اور نگاہون کی تاب نہ لاکر شکست خوردہ واپس جاتین۔ آخر کار جیت جولیا کے حسن نے تمناؤن کی دنیا مین ایک نہنگامہ پیدا کر دیا۔ تو پھر سر آہن دیوتاؤن کی پاک آبادی کی طرف بڑھین یعنی پھر ایکبار اپالو کا مقدس سکن داد خواہون کی چیخون سے گونج اٹھا۔ الپس کا فرمانروا مسکرا دیا۔ اور حاجب کو حکم دیا۔ کہ جولیا کو اسکے حضور مین پیش کرے۔ جولیا مسکراتی ہوئی آئی۔ اور اپالو کے تخت زرین کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑی ہوگئی۔ اور بولی "۔ دیوتاؤن کے شہنشاہ تیری مرضی پوری ہو" اپالو مسکرایا اور بولا "اب تیرا جذبہ انتقام پورا ہو گیا ہوگا۔ ادھر دیکھ"

جولیا کی نگاہون کا اپالو کی نگاہون سے ملنا تھا کہ اُسکا انسانی لباس اتر گیا اور وہ الپس کی غیر فانی خلوق مین شامل ہوگئی

امیر حسن ناز سیالکوٹی

یہ کسکو اپنی سنانا تھا یادگار مجھے — ازل کے روز ملا دل جو داغدار مجھے
بقدر ظرف محبت کی بھی ہوئی تقسیم — چمن کو پھول ملا سینۂ فگار مجھے
گلون مین رہ کے مرا دل شگفتہ ہو نہ سکا — خزان کا رنگ دکھاتی رہی بہار مجھے

محجون گورکھپوری

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا شمامۃ العنبر بہترین عطر ہے

خمسہ بر غزل میر تقی میر علیہ الرحمۃ

غرور تاجداری نے مزین کرکے زندان کو کیا پابستۂ زنجیر جب یوسف سے مہمان کو
خبر اسکی ہوئی جس روز سے اک خستہ ماں کو نسیم مصر کب آئی سوا دشہر کنعان کو
کہ پھر جھولی نہ یاں سے لیگئی گلہائے حرمان کو

زمانے بھر کا غم شاید مری حصے میں آیا ہے کہ خود رویا ہوں اور محفل کی محفل کو رلایا ہے
یہہ کیسی خاک سے تونے مرا پتلا بنایا ہے زبان نوحہ گر ہوں میں قضا نے کیا ملایا ہے
میری طینت میں یارب سوختہ دلہائے نالاں کو

صلہ نومیدیٔ جاوید کا اک اشک تر بس ہے نہیں تو جانے والے ایک عبرت کی نظر بس ہے
تری بے اعتنائی سے حذر بس ہے حذر بس ہے کوئی کانٹا سر رہ کا ہماری خاک پر بس ہے
گل گلزار کیا درکار ہے گور غریبان کو

کسی پہلو قرار آتا نہیں بسمل کو اے ناصح تڑپتا ہے ہوائے خنجر قاتل کو اے ناصح
بہت مشکل ہے تو سمجھے میری مشکل کو اے ناصح یہہ کیا جانوں ہوا سینے میں کیا اس دل کو اے ناصح
سحر خون بستہ تو دیکھا تھا میں نے اپنی مژگان کو

نہ کچھ خوف خدا اسکو نہ کوئی عار گزرے ہے وہ چارہ ساز بنکر زخمیوں کو مار گزرے ہے
کوئی پوچھے تو یہہ کہتا ہوا اک بار گزرے ہے صدائے آہ جیسے تیر جی کے پار گزرے ہے
کسو بیدرد نے کھینچا کسو نے دل سے پیکان کو

(نواب) جعفر علی خان اثر لکھنوی

اصغر علی خوشخط تاجر عطر لکھنؤ کا ٹیلیفون نمبر ۱۳۹ ہے

بشریت کا مہد اولین

یا

یا سرزمین مابین النہرین

(دجلہ و فرات)

جغرافیۂ قدیم کے علمانے سرزمین مابین النہرین یعنی میسوپوٹیمیا کی حد بندی میں اختلاف کیا ہے بعض کا خیال ہے کہ اس ملک کی جنوبی حد خلیج فارس تک پہنچتی ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ اسے موجودہ عراق عرب کی جنوبی سرحد تک سمجھنا چاہیئے۔ دنیا کی قدیم روایات اور قبل تاریخ کے افسانوں میں اس ملک کا ذکر کیا ہے، توریت میں اس کو آرام النہرین اور فدان آرام کے نام سے یاد کیا گیا ہے، قدیم مصریوں نے اسے نہرینا یعنی سرزمین نہرین لکھا ہے، اور یہی نام مصر کے ان نقوش میں ملتا ہے، جو مسیح علیہ السلام سے آٹھ صدی پہلے کے ہیں۔ آرامی زبان میں اس کو "بیت نہرین" یعنے نہرین کا درمیانی ملک کہتے ہیں۔

اقسام زمین کے لحاظ سے اس ملک کے دو حصے ہیں، ایک وہ جو دریائے فرات کے کنارے کنارے نہر خابور تک پھیلا ہوا ہے، اور یہ حصہ زیادہ آباد و شاداب ہے، دوسرا بقیہ حصہ ملک ہے، جو دریائے دجلہ کے کناروں تک شمار ہوتا ہے،

بعض اہل جغرافیہ کا یہ غلط خیال ہے کہ مابین النہرین صرف اس سرزمین کو کہتے ہیں جو دریائے فرات اور نہر خابور کے درمیان واقع ہے۔ کیونکہ یہ اصطلاح اس وقت کی تھی جبکہ ۱۵۶ سنہ ق م میں اس ملک پر رومن سلطنت کا قبضہ ہو گیا تھا، چونکہ ان کے مقبوضہ علاقہ کے سیاسی حدود فرات اور خابور کے درمیانی علاقہ میں منحصر تھیں، اس لئے صرف اس حصہ پر مابین النہرین کا اطلاق کیا گیا، ورنہ حقیقت میں مابین النہرین اس تمام علاقہ کا نام ہے، جو فرات اور دجلہ کے درمیان واقع ہے البتہ ان دونوں دریاؤں کے منابع کے قریب جو ملک ہے، اسے اکثر علمائے جغرافیہ نے آرمینیا کا جز تسلیم کیا ہے، لہذا اس تحقیق کی بنا پر مابین النہرین کے حدود حسب ذیل ہیں۔

مغرب میں دریائے فرات، مشرق میں دریائے دجلہ، شمال میں پہاڑوں کا وہ سلسلہ جس کا قدیم نام جبال طوروس ہے اور آجکل اسے قرہ جہ داغ کہتے ہیں، اور یہ وہ کوہستانی سلسلہ ہے، جس میں دریائے دجلہ فرات ہو کر گزرتے ہیں، اور ان پہاڑوں سے گذرنے کے بعد یہ دونوں دریا ایک وسیع اور سرسبز میدان میں ایک دوسرے سے دور ہوتے ہوئے چلے جاتے ہیں اور جنوب میں اس سرزمین کی حد فاو سیمرہ کے پاس اس مقام سے کچھ آگے ختم ہوتی ہے جہاں دجلہ و فرات ایک دوسرے سے قریب ہو کر پھر علیحدہ ہو جاتے ہیں، آخری تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں اہل بابل نے زراعت کی سیرابی کے واسطے نہایت باقاعدہ چھوٹی اور بڑی نہریں کھودی تھیں، اور اس سیرابی کے بدولت یہ ملک آبادی میں خطۂ افضل ہو گیا تھا،

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا عطر خاص ترکیب سے بنتا ہے

اس ملک کی مٹی اور اُسکے طبعی خواص کا مطالعہ کرکے علمائے طبقات الارض (جیالوجسٹ) اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ ازمنۂ قدیم میں (تخلیق انسان سے لاکھوں برس پہلے) خلیج فارس انھیں حدود سے شروع ہوتی تھی،

ارض مابین النہرین کا رقبہ (۵۵۲۰۰) میل مربع ہے، شمالی حدود کے قریب جہاں دجلہ و فرات پہاڑوں سے نکلتے ہیں، زمین کی بلندی سطح سمندر سے صرف (۱۶۵) فٹ رہ گئی ہے،

ملک کے دو حصے اور انکی تاریخ ——— ہم پہلے میسوپوٹیمیا کو باعتبار اقسام زمین دو حصوں میں تقسیم کر چکے ہیں۔ لیکن جغرافیہ کی ایک جماعت نے اس ملک کو تین حصوں پر اس طرح تقسیم کیا ہے،

(۱) بلاد شمالی جو دریائے خابور سے مغرب کی طرف واقع ہیں۔

(۲) بلاد شمالی و مشرقی،

(۳) بلاد جنوبی۔

قسم اول اُن بلاد کو شامل ہے جس کا ذکر اسفار توریت میں ارام النہرین اور "فدان آرام" کے نام سے آیا ہے۔ اور یہ بلاد سلوقین (خلفائے سکندر) کے زمانہ میں "اورہونہ" یا "اورہونہ" کے نام سے مشہور تھے۔

بلاد شمالی پر مختلف سلطنتوں نے حکومت کی ہے اس کا پایہ تخت شہر ادیسہ تھا جسکو آج کل "اد" یا "رہا" کہتے ہیں۔

قسم ثانی یعنی بلاد شمالی یا مشرقی مملکت اشوریہ قدیمہ میں داخل تھی اور اس کا پایہ تخت شہر نینوی تھا جو دجلہ کے مغربی ساحل پر ایک بڑا تاریخی شہر تھا۔ اس شہر کے کھنڈر موجودہ شہر موصل کے بالکل سامنے ہیں۔

قسم ثالث یعنے بلاد جنوبی حکومت بابلیہ قدیمہ میں داخل تھے جس کا پایہ تخت شہر بابل تھا یہ شہر بھی تاریخ میں بڑی شہرت رکھتا ہے اس کا محل وقوع دریائے فرات کے مشرقی کنارے پر ہے۔

یہ ارض مابین النہرین کی مختصر جغرافی تقسیم ہے جو تاریخی حالات سے قبل بطور مقدمہ درج کیگئی۔ اب ہم اس ملک کی تاریخ پر ایک اجمالی نظر ڈالتے ہیں کیونکہ اس سرزمین کا تفصیلی حال لکھنے کے لئے سیکڑوں جلدیں بھی کافی نہیں۔

مملکت بابل ۔ ارض مابین النہرین یا میسوپوٹیمیا میں یہ مشہور ترین سلطنت گذری ہے اور حقیقت میں اس کی تاریخ ان تمام حکومتوں کی تاریخ کو شامل ہے جو دریائے فرات اور دجلہ کے کناروں پر قائم ہوئیں اس سلطنت کے حدود شہر حِت سے جو فرات پر شمالی طرف واقع ہے شہر سامرہ تک جو دجلہ پر جنوب کی طرف ہے پھیلی ہوئی تھیں اس کا پایہ تخت بابل مسیح علیہ السلام سے دو ہزار برس پہلے اپنے تمدن کے لحاظ سے دنیا میں مشہور تھا بلکہ ان قدیم آثار سے جن کی تحقیقات علمائے آثار نے کی ہے ثابت ہوتا ہے کہ بابلی تمدن کا آغاز تین ہزار برس قبل مسیح سے ہے۔

تاریخ اس کی پوری نہیں کرتی کہ بابلی قوم کی اصل کیا تھی لیکن اس قدر ضرور پتہ چلتا ہے کہ اس قوم کے دو مختلف حصے تھے اور انہوں نے ۵۰۰۰ ق م میں قبائل سامیہ کو مابین النہرین سے نکال کر ان کی جگہ سکونت اختیار کی۔

اس قوم کے شہری لوگ کچی اینٹوں کا مکان بنا کر رہتے تھے، مکانات کے درمیان میں مسجد ہوتا تھا، کاشت کاری اور وحشی جانوروں کے

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی ایک شاخ گلزار حوض حیدرآباد دکن میں ہے۔

نسکار پر گذر تھی اور مذہب بت پرستی اور ستارہ پرستی تھا ان کی سب سے قدیم سلطنت جس کے آثار شہر ابلیس (قادسیہ) میں پائے گئے ہیں تقریباً ۳۰۰۰ تین ہزار پچاس ق م میں قائم تھی۔ یہ سلطنت (۹۹) سال تک رہی اور اس عرصے میں (۶) بادشاہوں نے حکومت کی اسکے بعد ۲۹۲۵ ق م میں دولت قیسیہ کا غلبہ ہوا اُسنے بھی تقریباً ایک صدی تک حکومت کی اور اُس میں (۸) بادشاہ گذرے ۲۸۱۵ ق م میں دولت ارکیہ کا قیام ہوا جس میں ایک بادشاہ لوجال زاجیسی نے (۲۵) سال حکمرانی کی اس نے شہر لجش یا لخیش کو جلا دیا تھا پھر ۲۸۰۰ میں دولت عقادیہ قائم ہوئی جس میں (۱۹۷) سال حکومت رہی اور بارہ بادشاہ گذرے سب سے پہلے کا نام شارو کین تھا سبض کا خیال ہے کہ یہ ہی سرجن تھا جس کا ذکر توریت میں آیا ہے۔

شارو کین دولت سامیہ کا مؤسس اول ہے جس کی حکومت بابل عیلام اور شام پر رہی ۲۶۰۰ ق م میں دولت ارکیہ ثانیہ قائم ہوئی اور صرف بارہ سال تک اس کا دورہ رہا اور اس قلیل مدت میں پانچ بادشاہ گذرے آخر میں ان پر بادشاہ غوطہ بانی سلطنت غوطیہ نے قبضہ کر لیا۔ پھر حکومت اوریہ کا آغاز ہوا اور اس کا دورہ ۱۱۹ سال رہا۔ اسکے بعد دولت اسینیہ ۲۲۵ سال تک رہی۔ اور یہ عیلامی حکومت تھی پھر ۱۵۰۰ ق م میں دولت بابلیہ اولیٰ کا قیام ہوا۔ اس حکومت کا بانی ساموابو تھا۔ اس میں سب سے مشہور بادشاہ حمورابی گذرا جسکا دور حکومت ۱۹۵۰ ق م سے شروع ہوتا ہے اس نے حکومت کے لئے قوانین اور نظامات بنائے جس میں سب سے مشہور "قانون حمورابی" ہے جس کا نسخہ اینٹوں پر لکھا ہوا علمائے آثار کو مل گیا ہے۔ انگریزی میں اسکا ترجمہ اولڈ سٹ لا ان دی ورلڈ کے نام سے شائع ہوا ہے اور قابل دید ہے اس قانون کے بہت سے احکام توریت سے ملتے جلتے ہیں۔

اس دولت کا خاتمہ حیشون نے کیا اس قوم نے بابل پر قبضہ کر کے اس میں آگ لگا دی پھر دولت بابلیہ ثانیہ پھر آلیہ پھر ارکیہ کا قیام ہوا اس چوتھی حکومت نے زیادہ شہرت حاصل کی اسکا سب سے مشہور بادشاہ نبوخذ نصر اول تھا جو ۱۱۴۵ ق م میں بادشاہ ہوا جسکو عبرانی نبوکد نصر کہتے ہیں اس نے بابل کو بنی علام کے تسلط سے آزاد کیا فلسطین پر حملے کئے اسکے بعد پے در پے حکومتیں بابل پر گذریں پھر نبوپولاسر نے ایک نئی بابلی حکومت کی بنیاد رکھی یہ شخص کلدانی امراء میں سے تھا جس نے ۶۲۵ ق م میں بغاوت کی اور سقوط نینوی کے بعد مملکت اشور پر قابض ہو گیا اسکے بعد نبوخذ نصر ثانی کا زمانہ آیا جس نے سلطنت کو متحد کر کے ترقی دی مصر پر حملہ کیا بہت سی لڑائیاں لڑیں اور مشہور فتح ۵۹۷ ق م کے شروع ہونے سے پہلے حکومت بابل کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا اور ملک ایران کے قبضہ میں آیا ایرانی عہد حکومت کو موخرین دولت اخمینیہ کے نام سے یاد کرتے ہیں ایران کے قبضہ میں یہ ملک (۲۰۸) سال تک رہا اور دس بادشاہوں نے حکومت کی۔

۳۳۱ ق م میں سکندر اعظم نے بابل اور سرزمین مابین النہرین کے ایک بڑے حصہ پر قبضہ کیا تخ سکندری کے بعد یہ ملک یونانی حکومت میں شامل کر لیا گیا اس حکومت کو تاریخ دولت سلوقیہ کے نام سے یاد کرتی ہے یہ دور ۱۹۲ سال تک رہا اور ۱۲ بادشاہوں نے حکمرانی کی جن میں سلوقس اول اور فیلوقوز مشہور ہیں سلوقیہ کے بعد دولت باطیہ کا آغاز ہوا اس میں ۶ بادشاہوں نے ۱۴۶ سال تک حکومت کی ۱۳۸ ق م میں دولت ساسانیہ کا اس ملک پر قبضہ ہوا (۲۸) بادشاہوں نے ۴۱۰ سال سلطنت کی جن میں اردشیر اول بانی سلطنت ساسانیہ

ہندوستانی عطریات کا سب سے بڑا کارخانہ اصغر علی محمد علی لکھنؤ کا ہے

اور یزدجرد فنا خاص طور پر مشہور ہیں۔ ۶۳۶ء میں حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں عربوں نے مابین النہرین پر حملہ کیا اور حضرت سعد وقاصؓ نے قادسیہ کی لڑائی میں ایران فتح حاصل کی اور مابین النہرین کی تمام سرزمین عربوں کے قبضہ میں آگئی۔ خلافت راشدہ اور بنی امیہ کے عہد میں اس ملک کو اسلامی اثر و اقتدار روز افزوں ترقی کرتا گیا بنی امیہ کے بعد کئی صدی تک یہ ملک عباسی خلافت کا مرکز گاہ رہا یہاں تک کہ چنگیز خان کے پوتے ہلاکو تاتاری نے ۱۲۵۸ء میں بغداد پر حملہ کر کے سلطنت عباسیہ کے آخری خلیفہ مستعصم باللہ کو شہید کر دیا اور خلافت عباسیہ کا خاتمہ ہو گیا۔

زوال خلافت عباسیہ کے بعد دولت تاتاریہ کا دورہ رہا اس کے بعد ۱۵۰۱ء میں شاہ اسمٰعیل اول بادشاہ ایران نے حملہ کر کے بغداد فتح کر لیا یہ وہ زمانہ تھا جبکہ ترک قسطنطنیہ فتح کر چکے تھے (۱۴۵۳ء) اور انکی سلطنت بڑے عروج پر تھی سارا یورپ ان کے نام سے کانپتا تھا ترکوں کی سیاسی مصلحت اس کی مقتضی نہ تھی کہ ان کے پہلو میں ایک زبردست ایرانی حکومت قائم رہے انہوں نے کم از کم سرزمین مابین النہرین کو اپنے قبضہ میں رکھنا ضروری سمجھا جیسا کہ آج کل ولایت موصل کا ترکی سلطنت میں شامل رہنا اپنی بقا کے لئے ضروری خیال کرتے ہیں چنانچہ ۱۵۳۴ء میں سلطان سلیمان اعظم نے بغداد پر فتح حاصل کی لیکن پوری ایک صدی بھی اس قبضہ پر نہیں گذری تھی کہ ۱۶۲۰ء میں یہ ملک پھر ایرانیوں کے پاس واپس چلا گیا۔ پھر شاہ عباس اول کے عہد حکومت میں سلطان مراد خان رابع نے دوبارہ بغداد اور تمام عراق پر قبضہ حاصل کیا تین صدی سے زائد عرصہ تک اس ملک پر ترک قابض رہے اور موصل بغداد اور بصرہ کی ولایتیں عثمانی سلطنت کا سب سے زیادہ زرخیز حصہ شمار کیا جاتا تھا لیکن گذشتہ جنگ عظیم میں یہ ملک ترکی سلطنت سے علیحدہ ہو کر اس قوم کے قبضہ میں آگیا جو اب ملک کے مذہب زبان، رسم و رواج، معاشرت، غرض کسی شعبۂ حیات میں ان سے مشابہت اور مناسبت نہیں رکھتی۔ اور اسکا وطن اصلی بھی سرزمین مابین النہرین سے ہزارہا میل دور واقع ہے۔ اس نے چالیس سال تک اس ملک پر قبضہ رکھنے کا خیال ظاہر کیا ہے تاکہ اس عرصہ میں میسوپوٹیمیا کے لوگ مہذب بنجائیں کیونکہ انگریز اپنے خیال میں تمام دنیا میں تہذیب پھیلا دینے کے ذمہ دار ہیں اور یہ غالباً اس لئے کہ اگر اس قسم کی تہذیب نہ پھیلائی جائے تو دنیا کے وسیع ترین ملک سے جو اسوقت برطانوی جھنڈے کے نیچے محکومانہ زندگی بسر کر رہے ہیں انگلستان والوں کے کھانے کے لئے غلہ اور دوسری ضروریات زندگی کیونکر میسر آسکتی ہیں اور نہ ان ممالک کے علیحدہ اور خود مختار ہونے پر لندن میں عظیم الشان مکانات سر بفلک عمارات اور اموال و ثروت کا مظاہرہ دکھائی دے سکتا ہے۔

یہ خلاصہ ان اقوام کی تاریخ کا جنہوں نے عہد تاریخ سے اسوقت تک مابین النہرین پر حکمرانی کی اب ہم اس ملک کے مشہور تاریخی شہروں کا حال مختصراً ذیل میں سپرد قلم کرتے ہیں۔

اس سرزمین کے مشہور شہروں میں سے ایک اویسا یا اور فاتا اسکے جنوب میں شہر حاران کے کھنڈر واقع ہیں حاران کا ذکر توریت میں متعدد جگہ آیا ہے اس شہر کی اہمیت اسوقت سے جاتی رہی جب سے یہ شہر تاتاریوں کے قبضہ میں آیا۔

اور فا کے قریب شہر سروج ہے اس کا ذکر بھی توریت میں آیا ہے جب اس پر یونانیوں کا قبضہ ہوا تو انہوں نے اس شہر کا نام بتھ رکھا لیکن آج بھی یہ شہر اپنے قدیم نام سروج سے مشہور ہے۔

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا تار کا پتہ صرف اتنا کافی ہے

دریائے فرات کے بائیں کنارے پر شہر اپامیہ ہے جسے آج کل بیرجک کہتے ہیں اور جنوب کی طرف شہر نقا تورم ہے جو سلوقیین کے دور حکومت میں عروج پر تھا اور اس کی تجارت نے بڑی وسعت حاصل کی تھی اس شہر کو سکندر اعظم کے حکم سے بادشاہ نیقاتور سلوقی نے اپنے نام پر بنایا تھا آج کل اسکا نام الرقا ہے اور شایہ شہر کرکیشس یا کرکیش جس کا ذکر توریت میں ہے اس جگہ تھا جو آج کل قلعۃ النجم کے نام سے مشہور ہے۔

مابین النہرین کے شمالی شہروں میں نصیبین خاص طور پر مشہور ہے یونانی اسکو نصیبس کہتے ہیں تجارتی لحاظ سے بھی اس شہر نے شہرت حاصل کی تھی اور دولت اشوریہ کے عہد حکومت میں سیاسی مرکزیت بھی رکھتا تھا رومن سلطنت اور فارس کے مخاصمانہ نے اس کی اہمیت کو اور بھی بڑھا دیا تھا ابتدا میں اس پر لوکلس رومانی نے قبضہ کیا پھر ایک عرصہ کے بعد رومن تسلط سے نکل گیا پھر شہنشاہ اورلیانوس نے دوبارہ واپس لیا۔ اور شہنشاہ سویروس نے یہاں فوجی استحکامات بنوائے جو اورلیانوس رومانی کے زمانے تک اس پر رومیوں کا قبضہ رہا پھر ایرانیوں نے حملہ کرکے واپس لے لیا سیاسی نقطۂ نظر سے رومن سلطنت کے لئے اس شہر کا نکل جانا بے حد مضر تھا چنانچہ بادشاہ انسطاسیوس نے نصیبین کے جواب میں شمالی مغربی جانب ۵۰۸ء میں ایک زبردست قلعہ تعمیر کرایا جسے قلعۂ دارا اس کہتے تھے اور اب دارا کے نام سے مشہور ہے یہ رومانیوں نے سرحد پر متعدد قلعے بنوائے جن میں انطونیوپولس سب سے زیادہ مشہور ہے اس کو بعد میں قسطنطین نے اور زیادہ مضبوط کرکے اپنے نام سے مشہور کیا اور اس قلعہ کے آثار اب تک حاران اور نصیبین کے درمیان اس جگہ کے قریب واقع ہیں جو آج کل نزار کے نام سے شہرت رکھتا ہے۔

رومن حکومت کے بنوائے ہوئے قلعوں اور شہروں میں مادین بھی قابل ذکر ہے اس شہر میں ایک قدرتی قلعہ ہے اور شہر ایک پہاڑ پر واقع ہے جس کی بلندی سطح سمندر سے (۴۲۶۵) فٹ ہے اس کے چاروں طرف باغات ہیں اور آب وہوا بھی معتدل ہے رومی قلعوں میں دیار بکر بھی مشہور تھا رومن فوم اسکو آمیدہ کہتی تھی اور اب بھی اسکا نام قرہ آمید ہے قرہ ترکی زبان میں سیاہ کو کہتے ہیں کیونکہ یہاں کے پتھر سیاہ رنگ کے ہیں اس لئے ترک اسے قرہ آمید کہتے ہیں قسطنطین اکبر نے اس کے مستحکم کرنے میں بڑا اہتمام کیا تھا لیکن چھٹی صدی عیسوی میں شاپور ثانی ساسانی شاہ فارس نے اس قلعہ کو رومیوں سے فتح کرلیا پھر پانچویں صدی میں رومیوں نے واپس لے لیا پھر ایک عرصہ کے بعد دوبارہ ایرانیوں کے قبضہ میں آیا اسکے بعد یہ شہر انھیں کے پاس رہا یہاں تک کہ ۶۳۸ء میں اس پر عربوں نے قبضہ کیا پھر چند انقلابات کے بعد ۱۵۱۰ء میں اس پر ترک قابض ہوگئے اور اس وقت تک انھیں کے پاس ہے۔

مابین النہرین کے شہروں میں ایک شہر ہے جس کا قدیم نام ارفاخا اس کا کچھ ذکر ہم پہلے کرچکے ہیں سلوقس اول نے اس شہر کو وسعت دی اور یہاں استحکامات بنوائے۔ اور اسے گرد و پیش کے ممالک کا پایۂ تخت مقرر کیا یہ شہر دولت اشوریہ کا بھی پایۂ تخت رہا ہے جو پہلے سلوقیین پھر رومن سلطنت کے ماتحت رہی تھی ایک روایت یہ بھی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا یہ حاصر تھا اور ان دونوں کے درمیان مراسلت بھی ہوئی تھی ان خطوط کا ترجمہ اسیبوس نے یونانی زبان میں کیا ہے لیکن تحقیق اس روایت کو غلط ثابت کرتی ہے

تیسری صدی عیسوی کی ابتدا میں رومن سلطنت نے اس پر قبضہ کیا پھر یہ شہر مختلف سلطنتوں کے حصہ میں آتا رہا یہاں تک کہ اس پر عربوں کا تسلط ہوگیا ۱۰۹۷ء میں بادشاہ بلدون صلیبی نے اس پر قبضہ کیا اور اپنے کو امیر ادیسا کے نام سے شہرت دی بارہویں صدی کے نصف تک یہاں پر صلیبیوں کا دور رہا پھر ۱۱۴۴ء میں امیر زنگی خان بادشاہ موصل نے اور فرانکو صلیبیوں سے واپس چھین لیا اور ۱۲۱۶ء میں سلطان سلیم ثانی

کے زمانہ میں اس پر ترکوں کا قبضہ ہوگیا اور اسوقت تک ہے،

مابین النہرین کے درمیانی ملک تین شہر موصل ہے جو قدیم شہر نینوی کے پاس واقع ہے نینوی دولت اشوریہ کا آخری پایۂ تخت تھا جو ۶۰۶ ق م تک یہ شہر قائم رہا پھر ویران ہوگیا ابھی تک اسکے قلعہ کے آثار اور کچھ حصہ اس وقت تک باقی ہے جس کی بلندی ۴۰ ۰ اور ۵۰ فٹ تک ہے، یہ قلعہ بارہ میل کے احاطہ میں شہر کے گرد تھا،

موصل میں جامع یونس مشہور ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس میں یونس علیہ السلام کی قبر ہے یونس علیہ السلام کو توریت میں یونان کے نام سے یاد کیا گیا ہے، سنحاریب اشوری کا اس شہر میں ایک عالیشان قصر تھا جس کے آثار قدیمہ اُس کی عظمت کا پتہ دے رہے ہیں جنوب مغرب کی طرف عمارات نمرود کے آثار ہیں، جسے توریت میں کالح کہا گیا ہے (تکوین ۱۰ : ۱۱)

مابین النہرین کا مشہور ترین شہر بغداد ہے جو دریائے دجلہ کے بائیں کنارہ پر واقع ہے جس جگہ بغداد کا شہر ہے وہاں دجلہ کا عرض ۵۰۰ گز ہے آج کل بغداد کی آبادی تقریباً دو لاکھ ہے جو مسلمانوں، یہودیوں اور عیسائیوں پر مشتمل ہے یہ شہر قدیم شہر "بغداد" کے کھنڈروں پر بنا ہے جسکے آثار ابھی تک باقی ہیں جن میں سے ایک شہر کا بندرگاہ ہے جہاں کشتیاں ٹھہرتی ہیں جو انیٹوں کا بنا ہوا تھا اور اس پر بنوخذنصر کا نام منقوش تھا،

شہر بابل جو مملکت بابل کے عہد عروج میں اسکا پایۂ تخت تھا اسکے آثار بغداد سے ۳۵ میل دور واقع ہیں آج بابل چند ٹوٹے پھوٹے کھنڈروں سے عبارت ہے لیکن زمانہ گذشتہ میں ایشیا کا سب سے بڑا شہر تھا یونان کے مشہور مورخ ہیروڈوٹس نے لکھا ہے کہ بابل بہت بڑا شہر تھا اسکا محیط ۵۵ میل کا تھا (موجودہ لندن اور پیرس کا ملکر محیط ۵۵ میل ہوتا ہے) شہر پناہ کی بلندی ۳۳۰ فٹ اور عرض ۶۰ فٹ کے قریب تھا یہ کیفیت متعلق تو اس روایت میں کوئی بات قابل تعجب اور غیر ممکن نہیں ہے کیونکہ واقعی بابل ایشیا کا عظیم ترین شہر تھا) مگر شہر پناہ کی بلندی اور عرض ضرور مبالغہ شامل ہے کیونکہ اس قدر بلند دیوار نہیں بن سکتی اتنے شہر پناہ کے واسطے اسقدر بلندی کی ضرورت ہے،

جب سکندر اعظم اس شہر میں داخل ہوا تو اسکا محیط صرف ۱۰ میل رہ گیا تھا اسی مسافت میں اسکے موجودہ کھنڈر پھیلے ہوئے ہیں، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ دریائے فرات نے بھی اس شہر کے ایک بڑے حصہ کو کاٹ ڈالا ہے،

بابل کے آثار بافیہ میں ایک بڑی عمارت کے کھنڈر ہیں جو القصر کے نام سے مشہور ہے یہ ایک ٹیلہ پر واقع ہے جس کی بلندی ۵۰ فٹ ہے جنوبی سمت میں قصر بنوخذنصر کے آثار ہیں۔ اس محل کے موجودہ آثار میں تخت شاہی کا صحن ہے یعنی جہاں تخت شاہی رکھا جاتا تھا اس کا طول ۱۷۵ فٹ ہے اس کا ذکر صحیفہ دانیال میں ایک قصہ کے ساتھ آیا ہے اسکو مناتقیل کہتے ہیں،

ٹیکری کے شمالی جانب تخت قصر کے ایک دوسرے محل کے آثار ہیں، مشرقی جانب معابد اور دوسری عمارات کے آثار پائے جاتے ہیں جن کی تفصیل اس مختصر مضمون میں نہیں ہوسکتی، بابل سے ایک میل سے کچھ زائد فاصلہ پر بنوخذنصر کے اُن معلق باغات کے آثار ہیں جن کا شمار دنیا کے مشہور عجائبات میں کیا گیا ہے ان کو بنوخذنصر نے اپنی بیوی سمیرامیس کے لئے بنوایا تھا اور جنوب مغرب کی طرف بارہ میل کے فاصلہ پر برسپ یا برسیب کے آثار موجود ہیں اور کہا جاتا ہے کہ یہ مشہور برج بابل کا بقایا ہے،

حقیقت میں بشریت کا عہد اولین یعنی سرزمین مابین النہرین کی تاریخ اس قدر وسیع اور دلچسپ ہے کہ اسکے لئے مورخین نے صدہا جلدیں لکھی ہیں،

کارخانہ اصغر علی محمد علی کے عطریات خالص عمدہ اور ارزاں ہیں

مسیح سے چھ ہزار سال پہلے یہان کی انسانی آبادی نے تمدن کی طرف قدم بڑھانا شروع کر دیا تھا اس ملک کی گذشتہ عظمت کا نشان یہان کے آثار قدیمہ سے ملتا ہے جن کو علمائے آثار نے ایک کتب سلسلہ مین کر دیا ہے اب ہم اس مضمون کو ختم کرتے ہوئے مزید تفصیل آئندہ فرصت پر چھوڑتے ہین۔

(ماخوذ از عربی) ابوالمحاسن محمود علی خان

حسن و عشق

پردہ دار ہستی تھی ذات کے سمندر مین — حسن خوب کھل کھیلا اس صفت کے منظر مین
حسن چھا گیا اگر کل شاہ خاور مین — جو ازل مین دیکھا تھا دیکھتے ہین محشر مین
عشق محشر آرا کی طور پر گری بجلی — حسن لنترانی کی رہ سکا نہ چادر مین
حسن عشق مین ہے یا عشق حسن مین مکنون — جوہر آئینہ مین یا آئینہ ہے جوہر مین
مجھکو کیا خبر کیا گزری گل اور بلبل مین — چشم پوش مستی تھی اس برہنہ منظر مین
چارہ گر کو وحشت ہے ارتقائے الفت سے — پاؤں مین جو چکر تھا آرہا ہے وہ سر مین
فرط سوز الفت مین دیکھکر سکون دل کا — بجلیان مچلتی ہین بادلون کے محشر مین
رند در صوفی سب مست اسکی دہن مین ہین — جانے کتنے میخانے بھر دئے ہین کوثر مین
چرخ کیا اتر آیا آج فرش گیتی پر — رند بھی ہین چکر مین میکدہ بھی چکر مین

مٹے وہ ہوش برفگن در نظر ہو بیہوش
مست کیون نہو کیفی ایک ہی نگاہ مین

کیفی (چریا کوٹی)

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا کارخانہ ۵۰ سال سے جاری ہے

فریب خیال

(افسانہ)

رشید کبھی مستانہ قدموں کے ساتھ اور کبھی غصہ و برہمی کی تیز رفتار سے برآمدہ کی کوئی سو مرتبہ پیمائش کر چکا ہو گا لیکن اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا فیصلہ کرے اور فیصلہ نہ کرے تو کب تک اپنی بدمزہ و غیر مطمئن زندگی کی تلخیوں کو برداشت کئے جائے ـــــ اُسنے اپنی مٹھی کھول کر ایک پرچہ کاغذ کا نکالا اور دیکھنے لگا دیکھا اور پھر تازہ برہمی کے ساتھ ٹہلنے لگا۔

وہ اس وقت اپنی گزشتہ زندگی پر تنقید کر رہا تھا حال کی امید و بیم کے تجزیہ میں مصروف تھا اور اپنی مستقبل پر بھی ایک سرور انگیز نگاہ ڈالتا جا رہا تھا جس کی بیک گرونڈ (Back ground) اُس کو کیسر نقش و نگار نظر آ رہی تھی تھوڑی دیر بعد اُس نے پھر اُسی تحریر کو دیکھا اور اب اُس کے خیال نے الفاظ کی اور جذبات نے آواز کی صورت اختیار کر لی:۔

"میں کہ اس وقت علمی دنیا کی تمنائیں میرے ساتھ وابستہ ہیں۔ میں کہ میرے قلم سے ہر ہر لفظ معیار ادب بنکر نکلتا ہے اور جہاں وہی میں کہ جس کے افکار دماغ اور زائیدہ ہائے خیال کا ایک ایک نقش لطیف مستقبل آذر کدہ سمجھا جاتا ہے" (وہ اپنی اس ادبیت سے متاثر ہو کر خود ہی تن گیا) کسقدر دردناک فیصلہ فطرت کا ہے کہ وہی میں اپنی ازدواجی زندگی کے اعتبار سے اُس شعبۂ حیات کے لحاظ سے جو آج مہذب دنیا میں تمام ذہنی و دماغی ترقیوں کا سرچشمہ خیال کیا جاتا ہے اس قدر بدنصیب واقع ہوا

یہ تحریر رشید کی بیوی کی ! سواد تحریر بلا شبہ ہو گو اب اختیار ہی میں کچھ لکیریں کاغذ پر بن گئی ہیں حرفوں کا جوڑ دیکھئے کسقدر مسلسل ہے جیسے کوئی ہکلا رہا ہو۔ املا تو خیر کیا درست ہو گا۔ جب کہ اُن کے باپ کو بھی اسکا سلیقہ نہیں اور نعرہ کو نارہ منفعہ کو منجشن لکھنا اور بولنا انکا روزمرہ ہے۔

مجھے کسقدر شرم آتی ہے جب کوئی دریافت کرتا ہے کہ آپ کی شادی کہاں ہوئی ہے نہ کوئی بڑی دنیاوی جاہ و ثروت نہ کوئی علمی قابلیت و شہرت نہ کوئی ذاتی وجاہت ـــ یہ معمولی طبقہ کے لوگ اور معمولی انسانوں کے اندر نشو و نما پائے ہوئے جانور کیا سمجھ سکتے ہیں کہ میں کیا چیز ہوں اور دنیا مجھے کس نگاہ سے دیکھتی ہے سال گزشتہ جب میں اُن حضرت (خسر) کو اسٹیشن پونچانے گیا تو میں نے اسی خیال سے کہ خدا جانے کیا حماقت اُن سے سرزد ہو جائے افضال (رشید کا دوست) کو منع کیا تھا کہ اس کے اسٹیشن آنے کی ضرورت نہیں لیکن وہ نہیں مانا پھر کیا وہ وقت میں بھول سکتا ہوں جب حضرت نے میرے اور افضال کے سامنے ہی ناول بیچنے والے کو بلایا اور اُس سے چار چار آنے میں شہنشاہ عیار کی "مٹھی چھرمی" اور "بانکی ساقن" خرید کر

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا ٹیلیفون نمبر ۱۳ ہے

کنکھیوں سے ہمارے لوگوں کی طرف بھی دیکھا گویا اپنی نزدیک بڑا زبردست سکہ اپنی قابلیت کا ہم پر جما رہے تھے۔ اور ادھر میرا خرم کے مارے یہ حال تھا کہ نگاہ اوپر نہ ہوتی تھی۔

والد مرحوم اپنی فراست و دانائی کے لحاظ سے خواہ کتنا ہی فائق مرتبہ کیوں نہ رکھتے ہوں لیکن یہ یقینی ہے کہ وہ بعض شتابیں فطرت نہ تھے اور انھوں نے میری شادی کے مسئلہ میں اسقدر استبداد سے کام لیا کہ دنیا کا کوئی حساس دماغ اسکو برداشت نہیں کر سکتا۔ ہر چند جسوقت انہوں نے میری شادی کی میں طالب علم تھا اور اُن کے ہاتھ میں ایک بندۂ بیچارہ کی حیثیت رکھتا تھا لیکن وہ یہ تو سمجھ سکتے تھے کہ میری دماغی افتاد کیا ہے اور میں کیونکر ایک جاہل عورت کے ساتھ زندگی بسر کر سکتا ہوں۔

ذرا طریق خطاب ملاحظہ ہو:۔

"میرے سرتاج"

استغفر اللہ وہی دقیانوسیت، وہی استبداد پیدا کرنے والی فرسودگی، ہزار مرتبہ سمجھایا کہ مجھے کسی ایسے کروہ لفظ سے مخاطب نہ کیا کرو بلکہ بغیر کسی تمہید کے مطلب کی بات شروع کر دیا کرو لیکن وہ تو دماغ کی راہیں قدرت کی طرف سے پیچیدہ بنا دی گئی ہیں سیدھی کیونکر آ سکتا ہے۔

"یہاں بہمہ وجہ (وجوہ) خیریت ہے اور آپکی خیریت خود آوند (خداوند)
کریم سے نیک فاہاں (خواہاں)"

اللہ تجھے خیریت چاہنے والی کو دنیا سے اُٹھا لے پھر دوبارہ نیقرے نظر سے نہ گزر سکیں، ایسی انداز تحریر پر میری خیریت چاہی جاتی ہے، نہ ہر دیکر مزاج پرسی کی جاتی ہے۔ بارہا کہا کہ تو خط نہ بھیجا کر لیکن اظہار محبت کی تکمیل بہلا بغیر میری جان سے کیونکر ہو سکتی ہے۔

عرصے (عرصہ) سے آپ نے اپنی خیریت ....
پھر وہی خیریت، ضد، ٹھیری نا۔ "امعۃ ول جاہل یدتیر"
"سے آلا (اطلاع) نہیں دی، دلکو بہت فکر ہے"

بجا ہے درست ہے یہ بیدماغ اور فکر کیونکر اگر مجھ میں حس ہوتی تو کب کی فکر کے مارے مر چکی ہوتی لیکن ایسے بے غیرتوں اور بے حسوں کو فکر، تردد اور تاثر سے کیا واسطہ۔ جانور ہیں، جانور! کہا رہے ہیں جی رہے ہیں

میں جانتی ہوں کہ آپ کو مجھ سے محبت نہیں ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے کیونکہ میں
جاہل ہوں اور کسی طرح آپکی بیوی بننے کے قابل نہیں ہوں لیکن کچھ ہو میرا
محبت تو کم نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ تو میرا دین ہے ایمان ہے خدا کے لئے

ہندوستانی عطریات کا سب سے بڑا کارخانہ اصغر علی محمد علی لکھنؤ کا ہے

کبھی کبھی تو اپنا حال لکھ دیا کیجئے، میری خاطر نہیں، سعیدہ کی خاطر سے کہ باز
(بعض) دفعہ (دفعہ) وہ آپ کو یاد کرکے رو دیتی ہے"

خدا جانے یہ جملہ کیونکر ایسا مربوط ہو گیا کہ چلتے چلاتے باز اور دفعہ کے دو چرکے ہانو لگا ہی گئیں ہان یہ سعیدہ ہی کا خیال ہے جو اس وقت تک مجھے روکے ہوئے ہے، ورنہ خدا جانے میں کب کا آزاد ہو چکا ہوتا غضب تو یہی ہے کہ ایک نااہل اور جاہل ماں کی تربیت اسکے مستقبل کو بھی تباہ کر رہی ہے اور میرے لئے اس میں بھی عار ہے کہ میں اسکو اپنی بیٹی کہوں ——— ؟

رشید کا غصہ دفعتہً پھر بڑھ جاتا ہے اور اس تحریر کے پرزے پرزے کرکے منتشر کر دیتا ہے۔ تھوڑی دیر تک پھر ٹہلتا ہے لیکن اس مرتبہ اسکے چہرہ سے خاص قسم کی مسرت ٹپکتی ہے، رفتار میں بھی بجائے اضطراب کے سکون ہے، اور چہرہ پر غصہ کے بھیانک نقوش کی جگہ لطف و نشاط کے خطوط نمایاں ہیں ——— وہ جیب سے دوسرا خط نکالتا ہے اور آرام کرسی پر بیٹھکر پہلے لفافہ کو دیر تک دیکھتا ہے :—

"انگریزی کا خط اور ایسا خوبصورت، اس درجہ لطیف صنعت! لفافہ کا رنگ تو دیکھئے حسن ذوق کی آخری حد ہے۔

پھر لفافہ کے اندر سے اسی کے ہمرنگ ایک کاغذ نکالتا ہے اور پڑھنے لگتا ہے :—

"..... رشید" ———

اسکو کہتے ہیں ذوق کی لطافت، ادبی نزاکت حسن معنی کہ صرف نقطے لگا کر کس طرح یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہر چند تم ہو تو "میرے" ہی لیکن میں تم کو ایسا لکھ نہیں سکتی، یہی ہے وہ شاعرانہ لہجہ اور یہی ہے، وہ قیامت زا، ادا جس کو

پرسش ہے اور پائے سخن درمیان نہیں

سے تعبیر کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بلا کا ذہن پایا ہے۔

میں یہ کب تک لکھے جاؤں کہ زندہ ہوں بے غیرتی اور اسپر یہ اصرار!
خدا کے لئے اس احساس کو میرے اندر قوی نہ ہونے دیجئے، کیونکہ زندگی
نام ہے صرف بے حسی کا"

کیا طرز ادا ہے! کسقدر دلکش اسلوب بیان ہے۔ شوق میں جان دیدینے کا مفہوم نہایت پامال بات ہے لیکن یہاں اسکا کہیں ذکر نہیں کیا گیا، حالانکہ مدعا وہی ہے۔

آپ سے بارہا عرض کیا کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجئے، لیکن آپ
نہیں مانتے، کسی وفادار ہستی کی دلشکنی اگر نمک پاشی نہیں، تو اسکی

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا عطر حنا ہر موسم میں استعمال ہو سکتا ہے۔

مترادف ضرور ہے"

سبحان اللہ نمک پاشی سے اعراض کرکے خندہ زنی کہنا جو شاعر کی زبان میں عین نمک پاشی ہے کسقدر بلیغ انشاے مترادف! ظالم کا مبلغ علم تو دیکھئے، عام لوگوں کی طرح مرادف نہیں لکھا بلکہ مترادف لکھا جس کو خواص ہی لکھ سکتے ہیں۔

"آپ تفصیل دریافت فرماتے ہیں؟ اچھا تو سنئے شب گزشتہ جو میری اور سوگوار راتوں سے کم تاریک نہ تھی اس تفصیل کے اجمال کو یوں ظاہر کرسکی ہوں:—

کیا ہوگیا نسیم کو پھر یہ خبر نہیں
اک چیخ تو سنی تھی دم انتہائے شب

کیا اس سے زیادہ تفصیل آپ چاہتے ہیں؟ اگر یہی خواہش ہے تو اس وقت کا انتظار کیجئے (جو غالباً دور نہیں ہے) جب میرے لبوں پر ہمیشہ کے لئے مہر سکوت ثبت ہوچکی ہوگی کہ اس کے بیان کے لئے ایسے ہی سکون مطلق کی ضرورت ہے۔ اسی نہیں میں ایک خیال اور نظم ہوگیا تھا جس کا مفہوم اب میرے ذہن میں بھی نہیں ہے:—

دامان صبح پر نظر آتا تو ہے ... مجھے
ہاں ایک داغ بے اثری دعائے شب"

پہلا شعر کس قیامت کا ہے اور کس درجہ میر کا رنگ لئے ہوئے ہے، دوسرا شعر بالکل مومن کا معلوم ہوتا ہے آفتاب کو دامن صبح کا ایک داغ کہکر دعائے شب کی بے اثری کے اثر کو ثابت کرنا کسقدر بلیغ انداز بیان ہے۔ مدعا صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ اگر شب ہجر کی صبح ہوئی بھی تو کیا، جب کہ ایک مہجور کا دن بھی داغدار ہوتا ہے، لیکن اس کو بیان کیا اس انداز سے کہ رات کی دعائیں خواہ کتنی ہی بے اثر رہی ہوں لیکن بیضرور ہے کہ وہ آفتاب کی صورت میں دامان صبح پر ایک دھبہ چھوڑ گئی ہیں، پھر اسی کے ساتھ ضمناً التہاب عشق کا اظہار جس حسن کے ساتھ ہوگیا، وہ ایک جداگانہ لطف ہے۔

خیر یہ باتیں نہ کہنے کی ہیں نہ سننے کی وقت آجائے تو صورت دیکھنے کی ہیں۔ چھوڑئے ان قصوں کو۔ اب یہ بتائیے کہ آپ کا ڈرامہ ظلمت

کارخانہ اصغر علی محمد علی کے عطریات خالص عمدہ اور ارزاں ہیں

دنور" مکمل ہوکر شائع ہو جائے گا۔ آپ نے بڑا اظہار کیا کہ اس کے ناقص اجزا بھیجکر مجھے بیتاب بنا دیا، ہرچند یہ حقیقت ہے کہ آپ کے خیالات سے پورا لطف اٹھانیکی اہلیت مجھ مین نہین ہے لیکن اپنی قابلیت کے لحاظ سے جو کچھ مین آپ کی تحریر سے سمجھ لیتی ہون وہ بھی سرد ہونے کے لئے کافی ہے۔ مین نہین سمجھ سکتی کہ ایک انسان کیونکر الفاظ پر ایسی زبردست قدرت حاصل کر سکتا ہے اور اس درجہ بلند خیالات کی بارش مسلسل اور متواتر کس طرح ہو سکتی ہے۔ آپنے شیطان کو کیرکٹر پیش کرکے فی الحقیقت اُس لقصور انسانی کو بیدار کرنا چاہا ہے جس کے وجود کا علم بھی ابتک لوگون کو نہین ہے۔ حیرت کرتی ہون کہ کتنے آدمی اس کے سمجھنے والے آپ کو مل سکینگے۔ مگر آرٹ ان باتون سے بے نیاز ہے صنعت کسی اعتراف کی محتاج نہین، گلاب کا پھول جنگل کی جھاڑیون مین بھی وہی صنعت رنگ دیتا ہے خواہ نگاہ انسانی اُس تک پہونچے یا نہ پہونچے معاف کیجئے مین نے بہت سمع خراشی کی اب اجازت دیجئے کہ اس تحریر کو ختم کروں

نسیم"

نسیم کا جو خط آتا ہے وہ تازہ اور زیادہ گہرا اثر دل پر چھوڑ جاتا ہے حیرت ہے کہ کس فضا مین اسکی تربیت ہوئی ہے اور اسقدر بلند خیالات اس کے دماغ مین پیدا ہونے کا کیا سبب ہے پھر سنجیدگی کا یہ عالم ہے کہ باوجود اتنے عرصہ سے خط و کتابت ہونے اور باوصف اس حقیقت کے کہ وہ مجھ سے محبت کرتی ہے، آج تک ایک لفظ بھی بے تکلفی یا بے اختیاری کا اسکے قلم سے نہین نکلا۔

کتنی بار دلی زبان سے اُسنے یہ بھی خواہش کی مین کلکتہ جاکر اُس سے ملون لیکن اس کمبخت کاروبار سے فرصت ہی نہین ہوتی اور حقیقت تو یہ ہے کہ مین خود بھی پس و پیش کرتا ہون کہ مہا دالنے کے بعد وہ میری طرف سے اُن خیالات و توقعات کو واپس لے لے جو اس وقت تک تحریروں کے ذریعہ سے اسکے دل مین پیدا کر سکا ہون۔ لیکن آخر اسکا نتیجہ کیا ہوگا اس ڈرامہ کا اختتام کیا ہو سکتا ہے یا کیا ہونا چاہیئے .....،،

اسکا خیال اس حد تک پہونچا تھا کہ عباس آگیا اور اُسنے آتے ہی رشید کی صورت دیکھکر سمجھ لیا کہ آج پھر حضرت پر بحران

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا کارخانہ ۵۰ سال سے جاری ہے

عشق طاری ہے۔

——— وہ کیسوں کیا کوئی اور تازہ چہرہ سوصول ہوا ہے؟

——— میں یہ پوچھتا ہوں کہ تم کسی وقت انسان بھی ہوتے ہو یا نہیں، خدا کے لئے کبھی تو سنجیدہ بن جایا کرو، میں ہزار دفعہ کہہ چکا کہ معاملہ مذاق کی حد سے گزر گیا ہے اور اگر جلد میں نے کوئی فیصلہ نہ کیا تو ممکن ہے کوئی زیادہ قبیح صورت پیدا ہو جائے لیکن تمہیں تو دوسرے کی تکلیف سے صرف لطف اٹھانا آتا ہے تم کیوں کوئی صائب مشورہ دینے لگے"

——— "آپ میں عقلمند، میں بیس دفعہ کہہ چکا کہ سعیدہ کی ماں کو طلاق دو اور کلکتہ جا کر نسیم کو بیاہ لاؤ، اس سے زیادہ دل خوش کن مشورہ تمہارے لئے کیا ہو سکتا ہے؟"

——— وہ تو میں سمجھتا ہوں۔ کہ کوشش کے بعد بھی تم کبھی متانت اختیار نہیں کر سکتے"

——— "اچھا یہ منظور نہیں تو نسیم سے خط و کتابت بند کرو، بیوی کو پاس بلاؤ اور وہ زندگی بسر کرو جو شریف خاندانوں کا دستور ہے۔ اور ہاں، ایک تیسری صورت اور بھی ہو سکتی ہے اور وہ یہ کہ نہ ایک کو طلاق دو اور نہ دوسری سے شادی کرو لیکن اسکو مطلقہ کے حکم میں رکھو۔ اور اس کو متکوحہ کی شان سے"

——— "اور ایک چوتھی صورت اور بھی تو ہے کیا یہ ممکن نہیں کہ صفیہ کو طلاق دے کر نسیم سے نکاح کر لوں؟"

——— "یہ صورت ناقابل عمل ہے، کیونکہ اول تو مجھے اسی میں کلام ہے کہ نسیم تم سے شادی کرنا چاہتی ہے اور اگر خفا نہ ہو تو کہوں کہ وہ تم سے محبت بھی کرتی ہے یا نہیں، لیکن اگر بفرض محال وہ نکاح کے لئے راضی ہوئی بھی تو اس کی اولین شرط یہ ہوگی کہ صفیہ کو طلاق دو"

——— "ممکن ہے ایسی صورت پیش آئے، لیکن پہلے ہی سے اس پر یقین کر کے کیونکر راہ عمل مقرر کیجا سکتی ہے"

——— "کیوں دماغ خراب ہوا ہے؟ نسیم اور کسی سے شادی کرنے پر راضی ہو جائے! آپ تو کیا چیز ہیں، کہ آپ کا سارا کارو بار بھی اس کے ایک حقیر ترین ناز معشوقانہ کی قیمت نہیں ٹھیر سکتا، یہ وہ بلائے بد ہے کہ فورڈ کے کارخانہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دے، میں نے اسے دیکھا نہیں اور نہ میں اسکی حقیقت سے آگاہ ہوں، لیکن صرف اسکی تحریروں سے یہ اندازہ کیا ہے کہ وہ دنیا میں کسی سے محبت نہیں کر سکتی اور ہر اس شخص سے اظہار الفت کے لئے آمادہ ہو سکتی ہے جس کے اندر کچھ بھی خون نچوڑنے کے لئے آسے مل سکتا ہے۔

علاوہ اس کے میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ خود تم کو اسقدر غلط فہمی کیوں پیدا ہو گئی ہے۔ دنیا میں تین چیزیں ہیں جن کی طرف ایک عورت کا میلان ہو سکتا ہے، اول حسن صورت، سو وہ آپ کو قدرت سے ملا نہیں، دوسرے دولت، وہ بھی تمہارے پاس نہیں اگر لفظ دولت کا صحیح مفہوم لیا جائے، رہی تیسری چیز قابلیت و فہرست، سو اپنی خصوصیت میں بھی بہت سے لوگ تم سے زیادہ نمایاں و ممتاز نظر آتے ہیں ——— خدا کے لئے اپنے ہاتھ سے اپنے پاؤں پر کلہاڑی نہ مارو، اور ان کو لکھ دو کہ اگر محض شہرت و اقتدار ہی پسند ہے تو براہ کرم مہاتما گاندھی سے شادی کی درخواست کریں"

اصغر علی تاجر عطر لکھنؤ کا عطر ننا خاص ترکیب سے بنتا ہے

—" اس سے زیادہ تحلیل وتجزیہ تمہارے اختیار سے باہر ہے اس لئے تم نہیں سمجھ سکتے کہ محبت ان باتوں سے بے نیاز ہے اور جس طرح

بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

ایک مسلم حقیقت ہے اسی طرح اس رمز سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ

عشق گاہے بے سبب ہم خنہ در دل می کند

میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ واقعی اس کو مجھ سے محبت ہے یا اگر محبت بھی ہے تو اسکی نوعیت کیا ہے لیکن یہ ضرور کہونگا کہ خوش قسمت ہے وہ شخص جس کی زندگی کو نسیم اپنی معیت سے پُر نور بنا دے اور اسی خیال کے ماتحت میری تمنا بھی یہی ہے۔ اس کی تحریروں سے البتہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ میری طرف رغبت مائل ہے جس کو میں سوائے خوش قسمتی کے اور کیا کہہ سکتا ہوں ؟"

—" خیر خوش قسمتی یا بدقسمتی کا حال تو بعد کو معلوم ہوگا اور خدا نے چاہا تو وہ چیز جسے تم خوش بختی کہتے ہو کمبختی ہی نکلے گی۔ فی الحال رائے زنی بیکار ہے لیکن یہ تو بتاؤ کس خاندان کی لڑکی ہے اور اسکی تعلیم کہاں اور کس حد تک ہوئی ہے ؟"

—" یہ مجھے خود نہیں معلوم میں نے تو کسینج کلب (Exchange Club) کے شعبۂ ادبیات کا ممبر ہونے کے بعد فہرست میں اس نام کو دلچسپ دیکھ کر خط بھیجدیا اور اسکے جواب میں جو اسکی تحریر آئی تھی وہ تم بھی دیکھ چکے ہو اور اُس غزل کی بے انتہا تعریف کر چکے ہو جس کا یہ شعر تمہارے نزدیک تیغ فانی ہے

مرا کیا ذکر ہے تم آنکھ بھر کر دیکھ لو جس کو
وہی دنیا سے کھو جائے وہی دیوانہ ہو جائے

پھر رفتہ رفتہ نوبت اس حد تک پہونچ گئی کہ تم کو لکچر دینے کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ میں نے ایک مرتبہ ....."

رشید کی تقریر ختم نہ ہوئی تھی کہ ڈاکیہ نے لاکر چند خطوط دئے، جن میں سب سے پہلے رشید نے یہ کہتے ہوئے کہ "لیجئے ایک اور خط اُن کا آگیا" ایک بڑے لفافہ کو چاک کیا جس میں تحریر تو نہایت مختصر تھی کہ :-

"میں میوزک کانفرنس میں شرکت کی غرض سے لکھنؤ آرہی ہوں"

لیکن اسی کے ساتھ ایک تصویر بھی تھی جس کے نیچے یہ تحریر درج تھی :-

"تاکہ آپ مجھے پہچان لیں —— نسیم"

رشید دیر تک تصویر کو دیکھتا رہا اور پھر بہ اس کے حوالہ کرکے خود پیر پٹک کر اس طرح بیٹھ گیا جیسے کوئی بڑی سخت مصیبت اس پر نازل ہوئی ہو۔

اس وقت تک رشید کی جو کچھ گرویدگی نسیم کے ساتھ تھی اس کا بڑا سبب صرف یہ تھا کہ نسیم نہ صرف تعلیم یافتہ بلکہ ادب کا صحیح ذوق رکھنے والی ثابت ہوئی تھی اور شاید ایک ہلکا سا تعلق اس فلسفہ سے بھی تھا کہ ابتک وہ نگاہوں سے دور رہی لیکن اب جو تصویر اسنے دیکھی تو اس کی گرویدگی دفعتہً محبت میں تبدیل ہوگئی اور پس وپیش کا وہ عالم کہ اسے کیا کرنا چاہیئے دفعتہً دور ہوگیا اور اُس کے دیکھتے ہی

۱؎ جرعطر اصغر علی محمد علی کا مال ناپسند ہو تو قیمت مع محصول واپس ہو سکتی ہے

اُسنے یہ فیصلہ کرلیا کہ اگر حقیقی مدعا زندگی کا ہوسکتا ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ نسیم کو شریک زندگی بنالیا جائے۔

ایک سرو قامت، زیادہ سے زیادہ ۱۸ سال کی لڑکی، بنگال کی نظلی آنکھیں، خدوخال نہایت ذہین، ریشمی ساری مین نہایت خوش وضعی کے ساتھ لپٹی ہوئی ——— یہ تھا مجموعہ تصویر کے سیاہ وسفید خطوط کے امتزاج واختلاط کا ——— ہرچند بحیثیت مجموعی اُس مین کوئی ایسی ندرت نہ پائی جاتی تھی جو صاحب تصویر کے غیر معمولی حسن کی شہادت مین پیش کیجاسکے لیکن رشید چونکہ پہلے ہی بڑی حد تک مغلوب ہو چکا تھا اور اب تصویر کے جابجا ملکے سایوں نے جن کو مشاق مصور کی پنسل نے پیدا کیا تھا اُس کے صنعت پسند دماغ کو اور زیادہ متأثر بنا دیا تھا اُسلئے وہ دیکھتے ہی سرنگوں ہوگیا اور دفعتہً اسکے دماغ مین اسقدر کثیر خیالات اور جذبات کا ہجوم پیدا ہوا کہ اسکا سر چکرانے لگا اور تھوڑی دیر کے لئے وہ ایسا محسوس کرنے لگا کہ وہ اس آسمان زمین سے علیحدہ کسی اور جگہ پھینک دیا گیا ہے، جہان انسان خواب وبیداری کے درمیان ایک سکر کی سی زندگی بسر کرنے پر مجبور رہے۔

ہرچند رشید، تعلیم کے لحاظ سے کسی خصوصیت کا مالک نہ تھا لیکن اپنی فطرت وذہنیت کے اعتبار سے یقیناً وہ عام سطح انسانی سے کسیقدر بلند واقع ہوا تھا۔ وہ ایک شریف مگر معمولی خاندان کا شخص تھا جس مین تعلیم کا رواج زیادہ نہ تھا لیکن چونکہ یہ قدرت کی طرف سے ذہین دماغ لیکر آیا تھا اُس لئے اسنے خود اپنی کوشش وکاوش سے عربی فارسی کی ضروری تعلیم کے ساتھ انگریزی بھی حاصل کی اور پھر مطالعہ سے اُسنے اپنی قابلیت مین کافی اضافہ کرلیا۔ لوگوں کا خیال ہے اور ایک حد تک غلط بھی نہین کہ شروع ہی سے اُسکا میلان طبع انفرنجیت کی طرف زیادہ تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی معیشت ومعاشرت نے بالکل انگریزی اصول اختیار کرلئے اور وہ یورپ کی ہر ادا کو نگاہ پسندیدگی سے دیکھنے لگا۔ اسکی شادی خاندان ہی مین چچا کی لڑکی سے ابتداء عمر مین ہوگئی تھی اور چونکہ شادی کے بعد بھی عرصہ تک اسکے ذوق مین کوئی خاص انقلاب پیدا نہ ہوا تھا اُس لئے وہ بھی اس زمانہ تک اس تعلق سے مطمئن رہا لیکن جب رفتہ رفتہ انگریزی اثر نے اسکے دماغ پر قابو حاصل کرلیا تو اُس کو صفیہ سے نفرت ہونے لگی اور اسکے بعد اُسنے شاعری، ادب نگاری اور تصنیف وتالیف کے سلسلہ مین ملک کے اندر کچھ شہرت حاصل کرلی تو اس نفرت مین اور اضافہ ہوگیا کیونکہ اگر پہلے اس کو صفیہ سے اس لئے بیزاری تھی کہ اُسے جدید طرز سے خوشنما ساری باندھنا نہین آتا، اپنے بالوں کو مختلف انداز سے سنوارنا نہین جانتی، وہ زینت اور آرایش کے جدید اصول سے ناواقف ہے، اس کی رفتار اور گفتار مین کوئی لوچ نہین ہے، پردہ کی شدت سے پابند ہے تو اب اس مین ان الزامات کا اضافہ ہوگیا تھا کہ وہ اس کے مضامین نہین سمجھ سکتی، وہ اس کی ادبی شہرت کی اہمیت کا اندازہ نہین کرسکتی اور اس کے کہے ہوئے شعروں مین سے کسی معمولی شعر تک بھی اس کے ذہن کی رسائی نہین ہے۔

صفیہ قدرتاً ذہین تھی اور اس مین کلام نہین کہ اگر اسکی تعلیم وتربیت کا اہتمام کیا جاتا تو آسانی سے رشید اسکو اپنے ذوق کا بنا سکتا تھا لیکن چونکہ وہ حد درجہ سرعت پسند تھا اور چاہتا تھا کہ ایک ہی دن مین اسکے اندر انقلاب پیدا ہوجائے، اس لئے مہینہ دو مہینہ تک یہ کوشش کرنے کے بعد مایوس ہوگیا اور اُس نے فیصلہ کرلیا کہ اب یہ کیکر صرف دماغ سے کہین یہ اچھا ہے کہ صفیہ کو اسکے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ یہی ہوا اور رفتہ رفتہ اسکی بیگانگی نے نفرت وبیزاری کی صورت اختیار کرلی۔ ہفتوں ہو جاتے تھے اور وہ مردانہ

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا کارخانہ ۵۰ سال سے جاری ہے

نشست سے اٹھکر گھر کے اندر نہین جاتا تھا اور اگر کبھی وطن سے باہر چلا گیا تو مہینون اُس نے یہ بھی نہ پوچھا کہ صفیہ مرتی ہے یا جیتی ہے ——
چونکہ رشید کی ماں زندہ تھی اس لئے وہ اپنی بہو اور پوتی کو سنبھالے ہوئے بیٹھی تھی ورنہ رشید نے اپنے طرز عمل سے کوئی دقیقہ اپنے آپ کو بداخلاق ثابت کرنے مین نہ اٹھا رکھا تھا۔ اسی طرح اُسنے کئی سال وطن مین بسر کئے لیکن اتفاق سے کاروبار کی ضرورتون نے اُسے کسی دوسری جگہ چلے جانے پر مجبور کر دیا اور وہ سب کو خیر باد کہکر اور اپنے خیال مین ہمیشہ کے لئے قطع تعلق کر کے لکھنؤ چلا آیا۔

رشید اس قدر معمولی شکل وصورت کا انسان تھا کہ زیادہ سے زیادہ اسے صرف "بے عیب" کہہ سکتے تھے لیکن فطرت نے اس کمی کو اس طرح پورا کر دیا کہ دماغ غیر معمولی دیدیا اور زبان وقلم مین خاص قوت و دلیعت کر دی۔ یہی اصل راز اس کامیابی کا تھا اور اسی نے اس کی بہت سی اخلاقی برائیون پر پردہ ڈال رکھا تھا۔

چونکہ ازدواجی زندگی کے لحاظ سے وہ اپنے آپ کو بدنصیب جانتا تھا، اس لئے بخیال بہت سی آرزؤں کے جن کی تکمیل کے لئے وہ ہر وقت بیتاب رہا کرتا تھا' اُس کی ایک آرزو یہ بھی تھی کہ کوئی نہایت شائستہ وتعلیم یافتہ عورت اس کو مل جائے لیکن وہ ہنوز اس مین کامیاب نہ ہوا تھا۔ اب نسیم کے ساتھ خط وکتابت کرنے اور اسکی تصویر دیکھ لینے کے بعد البتہ اس کو یقین ہو گیا کہ شاید تکمیل آرزو کی ساعت آگئی ہے اور اس لئے یہ معلوم کر کے کہ وہ لکھنؤ آرہی ہے، اُس نے اپنی نئی زندگی کی ساری اسکیم بھی مرتب کر لی اور نسیم کی پزیرائی کے لئے طیاریون مین مصروف ہو گیا۔ (باقی)

(ماخوذ از مرقع لکھنؤ) نیاز فتحپوری

وارداتِ قلب

آغاز ہوا ہے الفت کا اب دیکھئے کیا کیا ہوتا ہے — یا ساری عمر کی راحت ہے یا ساری عمر کا رونا ہے
شاید تھا بیاض شب مین کہین اکسیر کا نسخہ بھی کوئی — اے صبح یہ تیری جھولی ہے یا دنیا بھر کا سونا ہے
تم پھول سمجھتے ہو جنکو وہ میری پیاری ساتھی ہین — تم ڈوب بتاؤ ہو جسکو وہ میرا نرم بچھونا ہے
تدبیر کے ہاتھون سے گویا تقدیر کا پردہ اٹھتا ہے — یا کچھ بھی نہین یا سب کچھ ہے یا مٹی ہے یا سونا ہے
ٹوٹے جو یہ بند حیات کہین اس شور و شر سے نجات ملے — تا کہ وہ دنیا ای افسر صرف ایک لحد کا کونا ہے

حامد اللہ افسر (میرٹھی)

ہندوستانی عطریات کا سب سے بڑا کارخانہ اصغر علی محمد علی لکھنؤ کا ہے

علی گڈھ جبلی

تانگے والون، شوفرون، سپاہیون، بے فکرون، لوہارون، نجارون، معمارون، بلغمی مہاجنون اور تاریک خیال مولویون کی آبادی کو اگر "اسلامی ہند" کہتے ہین تو ہمین کوئی اعتراض نہین، لیکن اگر اسلامی ہند سے مراد وہ مسلمان آبادی ہے جس مین، علما، فلاسفہ، وصلحا، مصنفین ومؤلفین، محققین ومورخین، ارباب سیاست واصحاب فکر وفراست داخل ہین تو ہم آپ سے کہتے ہین کہ ان سب کے نزدیک "مسلم یونیورسٹی علی گڈھ" کا وقار اوس کی عظمت وعزت نہایت رفیع ہے، لیکن اس سربرآوردہ جماعت مین یونیورسٹی یا علی گڈھ کالج کی تمام تر توقیر وسربلندی سرسید علیہ الرحمۃ کے اعلان کی بنا پر ہے جس مین انہون نے کہا تھا کہ

"یہان کے فارغین علم وحکمت کے اکتساب کے ساتھ ہی قومیت وقومیت
کے زندہ کرنے والے ہون گے"

مرحوم کا یہ وہ اعلان تھا جو دنیا کے متمدن سے متمدن ممالک اپنی تعلیم گاہون کے متعلق کیا کرتے ہین، اور یہ امر واقعہ ہے کہ متمدن ممالک کی ایسی ہی تعلیم گاہون کو نتائج ہین جنین آج انگریزون سے لیکر وہ بدوی افراد بھی شامل ہین جو کسی ایسی ہی قومی درس گاہ سے استفادہ کرکے اپنے ملک اپنی قوم اور اپنے مذہب کے لئے وجہ افتخار وعزت بنے، اور یہی وہ تصور ہوسکتا ہے جس کے ساتھ ہندوستان کا ہر صاحب علم وبصیرت علی گڈھ کو دیکھنا چاہتا ہے،

لہذا ہم جو آج سارے ہندوستان مین سب سے زیادہ، قابل لائق، ایم اے، مولوی، فاضل، روشن خیال، بیدار مغز، اور مفلس واقع ہوئے ہین کچھ ایسے ہی تصورات کے عملی نمونے دیکھنے کے لئے علی گڈھ جانے کے لئے تیار ہوئے، گو پچاس سال کے عملی نمونے خوب خوب دیکھ لینے کے بعد اس مرتبہ پھر علی گڈھ جانا "آزمودہ را آزمودن" کا بقیہ حصہ ضرور تھا، لیکن جس طرح ایک اردو شاعر کسی جگہ "مشاعرہ" کی خبر سنکر بلا اذن بھی طرح مین غزل کہنے پر مجبور رہتے ٹھیک اسی طرح ایک علمی آدمی خصوصًا اخبار نویس کے لئے کسی جگہ بھیڑ اور ہجوم کی اطلاع بس ہے، خاص کر ایسے وقت مین علی گڈھ نہ جانا جبکہ "کارکنون نے ذوق نظر" کے بھی تمام اسباب فراہم کرنے کا اعلان کر دیا تھا نہ کفران نعمت؟

پس آل انڈیا نیشنل کانگریس کانپور کے قتل سے فراغت ہوئی تو وطن واپس ہونا دوبھر ہو رہا تھا اور ہشیم تماشہ طلب کو "کسی نئے مجمع" کی تلاش مین جب جمائیان آنے لگین تو کانپوری میزبان کی اجازت کے بعد پوری آن بان سے بستر کو ایک لکڑی مین لٹکا کر کاندھے پر رکھ سالنس جو ردکا تو کانپور کے بڑے اسٹیشن پر جا پہونچے اور پوری عجلت سے بستر فرسٹ کلاس ویٹنگ روم کے سامنے رکھدیا تاکہ رخصت کرنے والے احباب اور اجلہ تیاسات تجمین کہ ہم فرسٹ کلاس مین سفر کرنے والے ہین، اتفاق سے آج مسافرون کی بھی کثرت تھی جب ہم نے "بابو جی" سے فرسٹ کلاس ٹکٹ مانگا تو انہون نے کہا کہ آپ دیر مین آئے اس لئے فرسٹ اور سیکنڈ کے ٹکٹ تو فروخت ہوگئے البتہ تھرڈ کلاس کے کچھ ٹکٹ ابھی تک

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی ایک شاخ گلزار حوض حیدرآباد دکن مین ہے

میرے پاس ہین اُن مین سے ایک دی سکتا ہون وہ بھی اپکی لیڈرانہ پوزیشن کے اثر سے، لہذا ہم نے تھرڈ کلاس کا ٹکٹ لے لیا جو ہماری عادت کے قطعاً خلاف تھا، لیکن ۱۹۲۳ء مین ایک علی گڈھی بیرسٹر صاحب کے ساتھ فیض آباد سے پٹنہ تک کا سفر کیا تھا جس مین انہون نے ہمین یہہ سکھا دیا تھا کہ

صرف انگریزی لباس پہن لو، اور تھرڈ کلاس کا ٹکٹ لیکر فرسٹ مین
بیٹھ جاؤ، جب منزل مقصود بقدر دو اسٹیشن رہ جائے تو اس ٹکٹ کو
فرسٹ کے ٹکٹ سے بدلوالو،

پس اس حساب سے جب ہم اسٹیشن "ہاترس" پر پہونچے تو اسٹیشن ماسٹر سے وہی سبق دہرایا لیکن اسکو کیا کہیئے کہ اسٹیشن ماسٹر ہاترس بھی تھے ہمارے ہی بھائی فوراً تاڑ گئے مگر پورے ضبط کے ساتھ مسکرا کر فرمایا کہ جہان آپ اتنی دور تھرڈ کلاس مین آئے ہین وہان علی گڈھ تک دو تھرڈ ہی مین چلے جایئے، اس وقت مارے خوشی کے ہمارے چہرہ کا جو رنگ تھا اُسے تو دیکھا صرف خدا نے لیکن ہم نے بھی ارادہ کرلیا کہ اب فرسٹ کلاس ہی مین جائینگے لہذا اس حالت مین کہ بستر تو ہر دو مین اور ہم فرسٹ مین جون ہی علی گڈھ کے پلیٹ فارم پر قدم رکھا کیا دیکھتے ہین کہ ڈپٹی کلکٹر کے چپراسی کلکٹر سلام کر رہے ہین ہم جواب سلام بھی نہ دینے پائے تھے کہ ٹکٹ کا مطالبہ ہوگیا، ہر چند اسوقت سوائے خدا کے ہمین دنیا مین کچھ دکھائی نہین دے رہا تھا پھر بھی ہم نے خود کو سنبھال کر یہ ترکیب اختیار کی کہ زنانے سے انگریزی بولنا شروع کردیا جسکا ایک حرف بھی وہ نہ سمجھے لیکن جب اُس پر بھی ٹکٹ کلکٹر ہی بنے رہے تو اردو زبان مین صاف صاف کہدیا کہ

اودھ کے شاہی خاندان کے مٹے ہوئے رکن ہین، گورنمنٹ نے وثیقہ تک ضبط
کرلیا ہے تمہین کیا خبر کس رنگ مین رہتے ہین؟

تھا کوئی بلا ہنس خاموش رہ گیا اور ہم مع بستر پلیٹ فارم کے دروازہ سے جا لگے۔ مولوی ..... ایم، اے، ایل ایل بی اور مسٹر .... ایس سی حیدرآبادی علی گڈھ مین ہماری تاریخ ولادت سے باخبر تھے دیکھا تو سامنے کھڑے ہانپ رہے ہین ہمین دیکھتے ہی مارے خوشی کے فٹ بال ہو گئے ادھر ہم نے بھی بستبرداری کی خفت یون دور کی کہ عضہ کا چہرہ بنا کر بستر دے مارا اور کہا لاحول ولا کوئی قلی تک نہین، اب جو نظر اٹھا کر دیکھا تو رضا دون کا تھیٹر ہو رہا تھا، ایک لیڈر صاحب سے دس بارہ رضا کار جھوے جا رہے تھے کوئی بستر چھینتا تھا تو کوئی صندوق وہ تو لیڈر صاحب نے۔ لباس منبوط پہن رکھا تھا ورنہ رضا کار دن کا جذبۂ فدویت اُسے بھی بستر بنا دیتا، معلوم ایسا ہو رہا تھا کہ اسوقت وفد حجاز بندرگاہ رابغ پر اترا ہے اور سلطان ابن سعود نیلی وردی والی فوجین اُسے اپنی حفاظت مین مکہ معظمہ تک پہونچانے کیلئے گھیر رہی ہین،

آج بڑے سویرے مسلم لیگ کا اجلاس ہے، خدا علی گڈھ کے تانگے والون کو نمونیہ کے مرض سے بچائے رکھے صبح کی اذان ہی کے وقت سے تانگہ حاضر ہے" کی عدالتی آواز آگئی، گو اسوقت ہم کانپوری سفر کی تھکن اور سردی کے بیباپے حملون سے شکست کھا کر لحاف سے دبکے ہوئے تھے، پھر بھی اور ہاتھ پاؤن چھپی فرما رہے تھے لیکن وہ تو آئے اسی غرض سے تھے، وضو کے ایمان آزما امتحان سے فارغ ہو کر ساتھیون کو اوٹھایا مگر سردی کا یہہ عالم تھا کہ آج صبح کی نمازین دو سنتین اور دو فرض ہی پڑھ کر رہ گئے تانگہ نہایت خوش گلو تھا جسکے ہر عضو سے ترنم اور موسیقی کے نغمے بلند ہو رہے تھے

کارخانہ اصنع علی محمد علی کے عطریات خالص اور عمدہ اور ارزان ہین

چونکہ تانگہ میں ہم کبھی پیچھے نہیں بیٹھتے اس لئے کہ اس حساب سے آدمی الٹا چلتا ہے جو صریح حماقت ہے لہذا تانگہ والے کے پاس بیٹھ گئے، اتفاق سے تانگہ "کلاک ٹاور" کے پاس سے گزرا اور چونکہ اس سے قبل ہم یہاں کے جغرافیہ سے واقف نہیں تھے لہذا یہ سمجھکر کہ "کلاک ٹاور" کسی بڑے بزرگ کا مزار ہے گئے فاتحہ پڑھنے، تانگہ والے کو جو دیکھا تو مسکرا رہا تھا بس اس کی اس مسکراہٹ پر ہمیں اپنی غلطی کا احساس ہوا، اور معاملہ اس سے آگے نہ بڑھنے پایا۔

بڑی فکر یہ تھی کہ جبلی کے میدانِ حشر میں خدا دو جماعتوں سے بچالا ئے، ایک وہ جس میں ہمارے وطن کے بڑے نفطی دوست، بڑے نفطی ہمدرد، اور بڑے نفطی قدردان" شامل ہیں، دوسری وہ جماعت جس میں ایسے ایڈیٹروں کا خطرہ تھا جن کے ساتھ ہمنے کام کیا، روٹیاں کھائیں اور بازاروں میں گھومے، مگر ہم نے ترکیب یہ کی کہ ایک چادر اوڑھ لی تھی جہاں کوئی شناسا ملا فوراً "زیر نقاب" والا معاملہ کر لیا، پھر بھی سلطان جہان نمبر ۱ میں وطن کے تین آدمیوں اور "ایڈیٹرس کانفرنس" میں پانچ ایڈیٹروں نے پہچان ہی لیا، اب ہم مع اہل وعیال یعنی ہمراہیوں سمیت اس میدانِ حشر میں داخل ہوئے جہاں جبلی کے فلک بوس اور خیمے تنے ہوئے تھے، جس وقت اس کے دروازہ پر پہونچے تو وہ سائنٹیفک تختہ نظر آیا جس کے حروف میں رنگا رنگ پانی دوڑا کر "ویل کم" کے الفاظ کو روشن کیا جاتا تھا، اس انگریزی زبان کے "ویل کم" کے سوا جب ہم نے اس کے قریب، اردو، فارسی، عربی، سنسکرت، پنجابی، گجراتی، غرض کسی ایک ہندوستانی زبان میں بھی "خوش آمدید" کا تختہ نہ پایا تو ہم کسی قدر جھجک گئے اور خیال پیدا ہوا کہ شاید یہ تمام میدان "صرف انگریزوں کی آمد" کے لئے ہے مگر وہ تو مسٹر بی ایس سی نے کڑک کر کہدیا کہ

یہ پہلا نمونہ ہے یہاں کی تربیت کا کہ ہم اپنی مادری زبان کی محبت اور
عظمت سے بیگانہ ہو گئے،

آگے جو بڑھے تو معاملہ اس سے بھی زیادہ خطرناک نظر آیا یعنی ایک بورڈ پر لکھا تھا "جبل مرکب"، ہم نے فوراً ہی قدم روکئے اور گھبرا کر بی ایس سی سے کہا کہ "بھاگو" بھاگو" انھوں نے کہا خیر تو ہے ہم نے کہا دیکھتے نہیں، جاہل گھوڑا اس طرف بندھا ہوا ہے انھوں نے کہا کہ یہ مرکب نہیں مرکب ہے یعنی کسی تعلیم یافتہ نے مسلمانوں کی اقتصادی پستی دور کرنے کے لئے رسالہ سود ہند" کے ساتھ رسالہ "جبل مرکب" جاری کیا ہے اور اردو ادبیات میں مسلمانوں کی اس حالت کو نمایاں کرنے کے لئے اس سے بہتر کوئی نام بھی نہیں تھا، اور جو آگے بڑھے تو جبلی کے محکمات انتظامی کے دفاتر نظر آئے جہاں دفتر تنظیم کانفرنس کے دروازہ پر ڈاکٹر کچلو صاحب کے سودیشی پر میوٹ سیکرٹری منشی حسین میرا نیٹر اخبار لاحول کھڑے مسواک کر رہے تھے، انھیں دیکھکر اور ان کے اخبار کا نام یاد کر کے بی ایس سی فوراً ہی بولے لیجئے یہ تیسرا نمونہ،

غرض اب مناسب یہی سمجھا کہ جلد پنڈال میں پہونچ جائیں، ہمارا داخلہ چونکہ غیر سرکاری تھا اس لئے کوئی سلامی نہیں اتاری گئی، پنڈال یوں تو نہایت سائنٹیفک اصول سے بنایا گیا تھا مثلاً پولس کے پہیروں کو نیلے اور سفید رنگ کے کپڑوں سے ایسا من توہنم تو من غنوی کر دیا تھا کہ ایک نکتہ عمارت اور اس میں فرق محسوس نہیں ہوتا تھا، اسپیچ پر سرسید، حالی، اور محسن الملک کی تصاویر تھیں، چونکہ ہماری تصویر زیر میں پہونچی تھی اس لئے آویزاں نہیں کی گئی، البتہ اخبار نویسوں اور رپورٹروں کی نشست اس جگہ بنائی گئی تھی جہاں کسی تھیٹریکل کمپنی آف انڈیا میں ہارمونیم ماسٹر بیٹھتا ہے یعنی اسٹیج کے نیچے، اور اسی لئے ہم نے اس نشست میں بیٹھنا توہین سمجھا، حاضرین

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا ٹیلیفون نمبر ۱۳۱ ہے

کی قعد اس لئے کہ تھی کہ مسلمانوں میں صرف زبانی اتفاق کافی پھیل گئی ہے جو کوئی نقصان کی بات نہیں، جب حاضرین شور و غوغا سے فارغ ہوئے تو ناظم اعزازی مسلم لیگ نے رپورٹ سنانا شروع کی جو خدا ہی کے فضل سے ختم ہوئی اور سر عبدالرحیم صاحب نے اپنا خطبۂ صدارت شروع فرمایا جو خالص انگریزی زبان میں تھا گویا ہم سب حاضرین آئرلینڈ کے رہنے والے تھے، جلسہ میں تہذیب صرف اسقدر باقی تھی کہ لوگ خطبۂ صدارت کی کاپیاں لیکر باہر چلے جا رہے تھے البتہ خطبۂ صدارت کی عرضیوں پر کہیں کہیں صاحب صدر خود انڈر لیا کرتے تھے، اور حاضرین تالیاں بجا دیتے تھے گویا صدر صاحب کوئی تماشہ ہیں، اب اگر مسلم لیگ کی اس حالت پر کوئی شخص جل رہا ہوگا تو وہ محمد علی شوکت علی ہونگے جو چار و ناچار کی شطرنج کی طرح اپنی اپنی کرسیوں پر اس لئے پہلو بدل رہے تھے کہ آج مسلم لیگ کے بادشاہ کو بات ہی دیکر اٹھیں گے، چنانچہ دوسرے دن انہوں نے فرمایا کہ مسلم لیگ کو چاہیے کہ وہ گورنمنٹ سے صاف اور زوردار الفاظ میں کہہ دے کہ اگر مسئلہ موصل میں مسلمانوں کی مایۂ صد نازش قوم ترکی پر کوئی زیادتی کی گئی تو ہم یہ کریں گے وہ کریں گے مگر وہ تو خدا کا شکر ہے کہ سر علی امام صاحب کا مذہبی جوش کام آگیا اور انہوں نے اس تجویز کو رد کر کے معاملہ ختم کر دیا ورنہ مسلم لیگ محمد علی کے ورغلانے سے ایسا ریزولیوشن پاس کر دیتی تو ہم سب لوگ پنڈال کے اندر ہی گرفتار ہو جاتے اور ہمارے اہل و عیال ہمیں موٹی کوٹھری پر ہی دیکھتے لہٰذا کہ محمد علی نے دوسرے اجلاس میں تقریر کر کے ہمارا دل ہلا دیا لیکن اس سے ہوتا ہی کیا ہے بس یہی ہوا کہ ہم تمام حالات کو چھوڑ کر ایک خیمہ میں جا پڑے اور تاثر بایں عالم رہا کہ مسٹر، بی، ایس، سی، بول اٹھے کہ بھئی یہ چوتھا نمونہ،

غرض ان حالات کے ساتھ جب ہم لیگ کے اجلاس سے فارغ ہوئے تو مولوی، ایم، اے، ایل، ایل، بی، فرمانے لگے کہ چلو جبلی کے میدان کا تماشہ دیکھ لو، یہاں سے چند ہی قدم آگے بڑھے ہوں گے کہ علی گڈھ اولڈ بوائز کی ایک نہایت نمازی پرہیزگار جماعت آتی ہوئی دکھائی دی، اعلیٰ درجہ کے کشمیری کے سوٹ، خدام ہات باندھے پیچھے پیچھے اور دہن مبارک سے سیگریٹ اور سگار کے لمبے لمبے ابر بلند ہو رہے تھے سنا ہے کہ یہ لوگ یہاں اس لئے آئے تھے کہ اپنے قومی بھائیوں کو دکھا دیں کہ دیکھو ہم اس چندہ کے کالج سے تعلیم پاکر غریب اور بے کس مسلمانوں پر اس طرح حکومت کرتے ہیں، اب یہ اور بات ہے کہ اس حالت میں ان حضرات سے قومی، معاشرت، آداب مذہبی، قومی زبان، اور خدا ترسی کے اوصاف مٹ گئے ہوں جو کسی صحیح تعلیم کے صحیح نتائج ہو سکتے ہیں لیکن ابھی ہم ان لوگوں کی ان قومی خصوصیات کو منا ہوا پاکر افسوس کے گنبد ہی میں تھے کہ آنکھیں ایک اور تماشہ سے دوچار ہوئیں یعنی یہ کہ یہ اولڈ بوائز تو وہ تھے جو ۹۵ فیصدی کے حساب سے نپولین اور کلیڈ سٹون بن کر رہ گئے ہیں۔ لیکن یہاں کے وہ ۵ فیصدی طلبہ جو آج علم و اصول اور سائنس و فلسفہ کی رو سے صحیح طالب علم فارغ التحصیل اور وطن پرست اور مذہب پسند کہے جاتے ہیں ان کا حال اپنی جگہ پر کچھ کم نہ تھا مثلاً مولانا شوکت علی جب آپ مسلم لیگ سے نکلے تو اولڈ بوائز کی کافی تعداد نے آپ کو گھیر لیا آپ جو مولانا کو ان لوگوں نے گھیرا تو مولانا لگے مصافحہ کرنے اور طریق مصافحہ یہ اختیار کیا کہ عربوں کے رسم و رواج کے موافق آپ ہر ملنے والے کی پیشانی اور اسکے قریب کے ان دونوں حصوں کو بوسہ دیتے تھے جہاں "خال ہندو" واقع ہوتا ہے، کیوں صاحب اگر علیگڈھ کے اولڈ بوائز نے اپنی قومی زبان، لباس، تہذیب، عمل، اور مذہبی آداب کو بھلا کر انگریزی تہذیب اختیار کر لی ہے تو آپ نے یہ رسم کس ہندوستانی معاشرت سے اخذ فرمائی ہے؟ اور کیا اس طرح اگر اولڈ بوائز انگریزی کے لحاظ سے نیم انگریز خطۂ ہندوستان ہو گئے ہیں تو کیا آپ اس عربی رسم سے نیم عرب خطۂ عربستان نہیں ہو گئے پھر بتلائیے کہ علی گڈھ کے طلبہ سے عالم اسلام رہا نہ گھبرائے ہیں؟

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا تار کا پتہ صرف خبا کافی ہے

فی الجملہ مولانا کا انداز مخاطبہ تبلا رہا تھا کہ انھیں اپنے ان قومی و مذہبی بھائیوں سے کسدر جہ یاس ہے خدا مولانا کو اپنی اصلی پر توفیق استقامت دے کہ وہ ان جذبہ سے متاثر نہ ہوئے اور یہی کہتے رہے کہ جبتک آپ سب اصول عمل کو نہ بدلیں گے ہم آپ سے غیر ہی بنے رہیں گے،

یہاں سے بڑھے تو شبلی کیمپ، حالی کیمپ، وغیرہ کے پاس گئے خیال تھا کہ شبلی کیمپ میں مرحوم کی تصویر ہوگی جس کے دائیں طرف سید سلیمان اور بائیں طرف عبد السلام بیٹھے ہونگے اور بیچ میں ضخیم البم کی جلد بن رکھی ہونگی، اسطرح حالی کیمپ میں تصویر کے ساتھ انکا مسدس بھی ہوگا لیکن جب قریب پہونچ تو دیکھا کہ ان میں بڑے خوفناک مسافر ٹھیرے ہوئے ہیں جنکی ہر ادا سے غریب مسلمان ڈر کر الگ ہو جاتے تھے یہاں سے بی، ایس، سی، اس طرف لیگئے جہاں کچھ بک ایجنسیاں تھیں ان میں "پیالہ بک ایجنسی" بھی تھی یہاں چونکہ مجمع کافی تھا اس لئے کچھ دیر ٹھہر گئے اور اس ایجنسی پر آنے والے حضرات کے نقرئی سنتے رہے پھر جو نظر اٹھائی تو کیا دیکھتے ہیں کہ غائبانہ دوست مولوی سید سجاد حیدر ایڈیٹر ترکی زبان میں چلے جا رہے ہیں لمبی تیز، اور ان کے عقب میں وطن کے چند ملاقاتی آ رہے تھے اس لئے ہم یہاں سے آگے بڑھے یہاں سے بی، ایس، سی، اوس تعلیمی نمائش میں لیگئے جہاں "عملی تعلیم" کو پہاڑ کر کے دکھلایا گیا تھا مثلاً اگر کسی طالب علم کو "ہاتھی کے متعلق کچھ بتلانا ہے یا اونٹ کے اعضا کی تشریح درکار ہے تو ان دونوں نحیف دلاغر جانوروں کو لاکر کلاس میں باندھ دیا جائیگا اور پھر بتلائیں گے کہ یہ ہیں وہ جانور جنکا قصہ کتاب میں تم پڑھ رہے ہو، اسی طرح اردو زبان کے حروف تہجی سمجھانے کیلئے کلاس میں ایک بڑا بانس کھڑا کرینگے جو الف کی طرح سیدھا ہوگا، غرض جو کام ایک منٹ میں پرانی وضع کے "میاں جی" کرتے تھے اب "عملی تعلیم" کے ذریعہ سے وہ تین منٹ میں ہوا کریگا اور نتیجہ دونوں کا یکساں یعنی سمجھانا،

آج اردو اخبارات کے ایڈیٹروں کی کانفرنس تھی پہونچے تو دیکھا خان بہادر مولوی شبیر الدین صاحب خطبۂ صدارت پڑھ رہے ہیں اور کوئی سو سوا سو مسلمان سامنے بیٹھے ہوئے اونگ رہے ہیں، خطبۂ صدارت ختم فرما کر خان بہادر صاحب بیٹھنا ہی چاہتے تھے کہ نہ معلوم کس اذیت کی وجہ سے پھر اٹھ کھڑے ہوئے اور سینہ تان کر بولے کہ "بس دیکھ لیا مسلم لیگ کے لیڈروں کو" اور بس دیکھ لیا خلافت کانفرنس کے لیڈروں کو" اور بس دیکھ لیا ان کو" اور بس دیکھ لیا تحکو اور ہمکو کہ اتنی بڑی ایڈیٹر کانفرنس میں ایک بھی شریک نہ ہوا،

غرض خدا خدا کر کے خان بہادر صاحب کو جھلایا تو کھڑے ہوگئے سید جالب صاحب دہلوی اور کہا نتے ہوئے فرمایا کہ کوئی جو اردو اخبارات کی شکایت کرے، ممدوح کا یہ فرمانا تھا کہ تمام حاضرین لحاف پھینکر کھڑے ہو گئے اور لگے شکایتیں کرنے، جن میں سے ایک شکایت بھی صدر صاحب نے نہ سنی کہ آپ قدرتاً ضعیف کیوجہ سے اونچا سنتے ہیں خیال ہے کہ بدرالحسن صاحب جلالی ایڈیٹر مدینہ تھے جنھوں نے اس ہنگامہ کو رفع کر کے اصل کارروائی شروع کی یعنی تجاویز، جب تجاویز کا سلسلہ شروع ہوا تو بستر باندھ لیا اور یہ وظیفہ پڑھتے ہوئے اٹھ آئے کہ ؎

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو ایک قطرۂ خون نہ نکلا

ملا رموزی

جوصاحب

مارچ ۲۳ء، نومبر ۲۳ء، دسمبر ۲۳ء اور جنوری ۲۵ء کا نکار فروخت کرنا چاہیں، براہ کرم مولوی محمد شہود صاحب عید گاہ روڈ دھنباد سے خط و کتابت کریں۔ انھیں ان پرچوں کی سخت ضرورت ہے۔

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی ایک شاخ گلزار حوض حیدر آباد دکن میں ہے

اور میراث حقیقی بھی نہ پاسکے، خوب زار و زار روئے حضرت محمود نے سمجھایا۔ کہ جو ہونا تھا ہو گیا، رونے سے کیا ہوتا ہے، اب اپنے دل کی طلب کو پوری کرو، کامیابی تمہارا ساتھ دے گی، اور انشاء اللہ بامراد واپس ہو جاؤ گے۔ آپ آنسو پونچھ لئے، اور یہ کہتے ہوئے کہ ؎

زمن بہر چہ کنی بادرا ضیم حقا کہ ہر چہ از تو رسد جز عطا نمی بینم

اپنے تینوں شیخ کے حوالے کر دیا۔ انہوں نے خاص لطف و محبت سے تربیت کی، اور جنہی دنوں میں یہ نظر آگیا کہ حالت میں نمایاں تبدیلی ہو رہی ہے، اور سحاب کرم کے چھینٹوں نے مزرع طلب کو شاداب کر دیا ہے حضرت محمود نے پہلے ہی ان احوال کے طاری ہونے سے مطلع کر دیا تھا۔ چنانچہ جب آپنے صبر و سکون سے تمام مرحلے طے کرلئے تو ارشاد و ہدایت کی اجازت ملی، اور خلافت محمود کا تاج پہنکر احمد آباد کو روانہ ہوئے۔ نعمانی نے لکھا ہے :-

"ازاں روز ببعد کسے کہ او را دید مست بادۂ وحدت می گردید"

قاضی کمال الدین کو اس طرح آپ کے دہلی جانے اور حضرت نصیر الدین سے بیعت ہونے سے انکار ہے، وہ کہتے ہیں، -

"پدر بزرگوار ہنگام رحلت او را در خلوت طلب داشتہ از انعام اولین و آخرین نوازش فرمود"

لیکن یہ صحیح نہیں۔ علامہ کا انتقال دہلی میں ہوا ہے، اور آپ اسوقت احمد آباد میں تھے۔

احمد آباد واپس پہنچے تو یہاں مولانا نظام الدین صاحب کو سخت بیمار پایا، آپ باوجود سفر کی تکان کے تیمار داری میں مصروف ہو گئے، لیکن کاسۂ زندگی لبریز ہو چکا تھا، والد کے انتقال کی تپش لگتے ہی چھلک پڑا۔

والدہ کیلئے یہ دوسرا صدمہ تھا جس سے انکا سارا غرور حیات بھی چکنا چور ہو گیا۔ شوہر عزیز کی موت کے جانگداز آنسو بھی خشک نہ ہوئے تھے کہ یہ روزگار رونا پڑا، ضبط تو کر سکیں قلب کی حرکت بند ہوئی اور پھل بسیں۔

ایک ہی تاریخ ایک ہی وقت میں دو جنازے اٹھے، ایک ماں کا، دوسرا بھائی کا۔ تمام عزیز و اقارب جمع تھے، گھر مجلس عزا بن رہا تھا، سب کی آنکھیں نمناک تھیں۔ لیکن آپکی آنکھیں بالکل خشک، اور آپکا چہرہ رنج واندوہ سے بے اثر تھا۔

اسی تنہائی میں ایک جگر گوشہ، اور اسکے بعد رفیقۂ زندگی سے جدا ہونا پڑا، مگر آپکی رضا پیشگی اب بھی متزلزل نہ ہوئی۔ ان باتوں سے عشق اور گیان دن بدن بڑھتا جاتا تھا۔ لوگ آتے، مصیبتوں پر مصیبتیں ٹوٹ پڑتیں، لیکن آپ کو خبر بھی نہ ہوتی۔ ایکدفعہ آستین میں سانپ چڑھ گیا۔ مگر آپکو پتہ نہ چلا، خادموں نے جسم سے اترتے دیکھا تو مارا۔ ایکدفعہ حجرہ میں نماز پڑھ رہے تھے کسی کو نے سے کھٹکا کرنے نے ڈنک مارا، اور آپ بدستور نماز میں مشغول رہے۔ بیماری میں طبیب کو بلانے کی ممانعت تھی۔ کہ جس نے بیمار ڈالا ہے وہی شفا دینے والا ہے، روحانیت اسقدر ترقی کر گئی تھی، اور قیود بشریت سے اتنے بلند ہو گئے تھے کہ دنوں بے آب و دانہ رہتے تھے، اور کوئی پہچان بھی نہ سکتا کہ بھوکے ہیں یا تھکے سیر۔

اخبار الاولیا کے ایک راوی کا بیان ہے کہ ہجرت ثانی کے بعد سے آپکی غذا صرف چار تولہ روگئی تھی، گیہوں کے بجائے جو کی روٹی کھاتے، اور گوشت کے سالن کی جگہ ساگ کی بھجیا ہوتی تھی۔

ریاضت اور مجاہدہ کا یہ حال تھا کہ رات رات بھر نماز میں کھڑے رہتے، اور ایک ہی رکعت میں پورا قرآن ختم کر دیتے تھے۔ دن کو اکثر جنگل سے لکڑیاں چن لاتے اور بازار میں بیچکر معذوروں کو دیدیتے جس زمانہ میں طبیعت ناساز ہوتی تو پیاں بنتے تھے۔

ہندوستانی عطریات کا سب سے بڑا کارخانہ اصغر علی محمد علی لکھنؤ کا ہے

سبحانی کو جذب و مستی سے محبت ہے، وہ آپ کو مجذوب کی حیثیت سے پیش کرنا چاہتے ہیں، لیکن ایسا کہنا و سمجھنا آپ کے کمال عرفان کی توہین ہے، یہ صحیح ہے کہ آپ پر جذب طاری تھا، اور اکثر کیفیت سکر میں مدہوش رہتے تھے، لیکن ہر مدہوش مجذوب نہیں ہوتا۔ کیا خبر کہ وہ بظاہر مدہوش اور بباطن ہوشیار ہو جاننے والے جانتے ہیں کہ مستی و ہشیاری کے درمیان بھی ایک کیفیت ہوتی ہے اور بے خودی و سرشاری میں فراست و دانائی کا بھی ایک مقام ہوتا ہے، دریا میں آب شور و شیریں کی لہریں ایک ساتھ بہتی ہیں، انسانی قلب میں بھی سکر و صحو، مستی و ہشیاری کی کیفیتیں بھی ایک ساتھ پیدا ہو کر قائم رہ سکتی ہیں یہ کہنا درست نہیں ہے کہ جذب و سرمستی عقل و خرد کی متحمل نہیں ہو سکتی، اور ہوش و خرد جذب و وارفتگی کے ساتھ ساز نہیں کہا سکتے۔

صوفی جب تجلی ذات کے مقام پر فائز ہوتا ہے تو اس پر علی قدر استعداد سکر و صحو کی کیفیتیں طاری ہوتی ہیں۔ وہ اپنے حال کی سرشاری و ارتقام کی زندگی میں ہر تعلق و معاملہ سے بالکل بیگانہ ہو جاتا ہے، محسوسات و مالوفات کو بھی چھوڑ دیتا ہے۔ لوگ اس کیفیت کو جذب سمجھتے ہیں، لیکن یہ عین ہوشمندی ہے کیونکہ یہ جو کچھ کیا جاتا ہے جان بوجھ کر کیا جاتا ہے ؎

گر بدانم کہ وصال تو بدین دست دہد　　دل و دین را ہمہ در بازم و تو تیر کنم

مگر اسکے مدارج مختلف ہیں صحو کی کیفیت ایسی ہوتی ہے جس پر سکر کا غلبہ ہوتا ہے اس میں فرائض و واجبات بالکل ساقط ہو جاتے ہیں اور سکر میں ایک درجہ ایسا آتا ہے کہ ہوشیار یاں بھی اسکے آگے بیہوشیاں نظر آتی ہیں۔ اس کیفیت کو نشر الصحو کا مقدمۃ الجیش سمجھنا چاہیئے۔ جو رہ رو ان طریق اس رنگ میں ترقی کرتے ہیں وہ اپنی ذات سے گذر کر دوسروں کیلئے بھی مفید ہوتے ہیں، ان کا فیضان بعد موت بھی جاری رہتا ہے، وہ ترقی کرتے ہوئے اقطاب و اوتاد کے درجہ تک پہنچ جاتے ہیں، دنیا کیلئے ان کا وجود بمنزلہ آفتاب کے ہوتا ہے۔ لیکن جن پر سکر صحو آمیز کا غلبہ ہوتا ہے ان کی حالت دیوانی ہوتی ہے وہ نہ بالکل بیہوش ہو جاتے ہیں، اور نہ بالکل ہوشیار ہی رہتے ہیں۔ وہ زندگی ایک مستمر تلون ہوتی ہے۔ وہ کبھی شہر و آبادی میں آجاتے ہیں اور کبھی جنگل و ویرانہ میں جا بیٹھتے ہیں،

بہرحال اہل حیران دونوں کا ایک خاص تناسب سے باہم اجتماع ہے، یعنی مخلوق کی طرف سے مدہوشی اور خالق کی طرف ہوشیاری۔ یہ اجتماع ابتدا ہوتا ہے شیخ پر یہ کیفیت۔ صحو سکر آمیز سے شروع ہوئی تھی۔ کچھ دنوں تو سکر کا غلبہ رہا، لیکن اسکے ساتھ صحو بھی عنان گیر تھا، فرائض و واجبات کیطرف سے غافل نہ ہوئے۔ جب مزاج اعتدال پر آیا تو صحو نے فتح پائی اور دونوں کے درمیان ایک مساویانہ عہدنامہ ہوا۔ اپنی کمزوریوں کی اصلاح کی، سکر کی سرشاریوں نے دامن گلشن رہورہا تھا صحو کے پانی سے اسکو دھویا، درس و ہدایت کیلئے طیار ہوئے، پند و مواعظ کی مجلسیں مرتب کیں، خانقاہ میں امر بالمعروف منادی کی تربیت ہونے لگی، گم گشتگان راہ کو صراط مستقیم کی طرف بلایا، اور ہر شخص کو کعبۂ حقیقت کی طرف صدائے عام دی۔ سلسلۂ نقشبندیہ میں لکھا ہے،

"شیخ در کیفیت سکر مدہوش و بے حال بود، لاکن در قیام امر بالمعروف و نہی عن المنکر از صحو و ہوشیاری بسیار مغلوب" (صفحہ ۷۵)

یوں سمجھو کہ خود بھی عشق میں لذت خموشی سے لطف اندوز بھی تھے، اور خالق کی جانب عقلمندی و ہوشیاری کی شراب سرشاری بھی بانٹتے تھے۔ لکھا ہے کہ آپ عشق الٰہی میں ایسے فنا ہو گئے تھے کہ جو قدم حدود اللہ سے باہر پڑتا، بزور قوت اسے مجبور کر دیتے کہ وہ صراط مستقیم کی طرف ہٹ آئے۔ رہروان طریق کی اعانت و دستگیری کیلئے آپنے اپنی زندگی بالکل وقف کر دی تھی۔

آپ کے چار فرزند تھے، جن میں ایک محمد شیر قوا ری میں اور دوسرے آغاز شباب میں فوت ہو گئے۔ تیسرے کیفیت جذب میں گھر سے نکلکر لاپتہ ہو گئے تھے،

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا ٹیلیفون نمبر ۲۶ ہے

جو تھے جو سب سے بڑے تھے آپ کے جانشین ہوئے، کہ کمالات ظاہری و باطنی میں وہی کامل تھے۔
تین بجے روز جمعہ ۱۵ جمادی الاول کو رات کے دو بجے انتقال کیا، خانقاہ میں نماز جنازہ ادا کیگئی، اور وہیں ایک گوشہ میں دفن کر دئے گئے۔

ناظر دہلوی

غزل

چشم را کاوش مژگان تو دیدن ندہم — دل ہمہ خون کنم از دیدہ چکیدن ندہم

غنچہ بودیت چو بردن داد تو دلتنگ مباش — من ز دل بوئے وفائے تو رمیدن ندہم

نگذارم کہ تو با خود ہمہ تنہا باشی — من ترا ہم بحریم تو رسیدن ندہم

ذوق بے بال و پری تا پر پرواز شکست — چشم را گر ہوسے ہست پریدن ندہم

ننمایم بتو حال دل صد پارۂ خویش — من ترا زحمت صد نالہ کشیدن ندہم

جان من، جامہ ترا تنگ در آغوش کشد — جامۂ ہستی عشاق دریدن ندہم

تا گزیدہ است لب لعل شکر خائے ترا — من ترا نیز لب خویش گزیدن ندہم

کیست آن کو بر سد تا بحریم نازت — کہ خود ترا بخیال تو رسیدن ندہم

بیخود اکنون کہ بدستم سر نفش دادند
از قیامت بر سد صبح دمیدن ندہم

بیخود موہانی (ام۔ اے)

کارخانہ اصغر علی کے عطریات خالص عمدہ اور ارزان ہیں

ماجرا

شب کہ بزم عالم کا ذرہ ذرہ اپنا تھا
کیا بتائین اے ہمدم ہائے کیا نظارہ تھا

آشنائے مسلم تھا ساقی مے عرفان
میکشی ہماری تھی، میکدہ ہمارا تھا

برق طور سینا تھی اور تھا دل مسلم
جلوہ گاہ راز و ناز آئنہ ہمارا تھا

کیا جمال رنگین ہی کیا خیال رنگین ہے
دلربائی کیا شی ہی، دلربا ہمارا تھا

عالم دنی کیا ہی، ہم خدا کے طالب تھے
ہمتین ہماری تھین، حوصلہ ہمارا تھا

بادۂ حقیقت کا دور چلے بڑی شے ہے
یہ تو ایک ادنی سا شغلہ ہمارا تھا

جستجو نے پہونچایا منزل حقیقت تک
وادئ طلب مین خوف رہنما ہمارا تھا

علم سے محبت اور اسقدر محبت تھی
علم جسکو کہتے ہین، دلربا ہمارا تھا

مژدۂ حقیقت ہی عالمان یورپ کو
فلسفہ تمہارا کیا، فلسفہ ہمارا تھا

عارف آیات اہل دل ہمارے تھے
فلسفہ حقیقت مین حق نما ہمارا تھا

بوعلی و فارابی، ابن رشد و غزالی
اہل علم و دانش کا قافلہ ہمارا تھا

دانش ارسطو نے سو سبق لئے جسمین
علم جانتا ہے وہ مدرسہ ہمارا تھا

خاک چھانی دنیا کی جستجوئے علمی مین
علم اور حقیقی علم مدعا ہمارا تھا

یہ تلاش علمی تھی، سیکڑون برس پہلے
پا پیادہ پھرتے تھے، ڈھونڈھنا ہمارا تھا

شاہد حقیقت ہین اندلس کے ویرانے
جن مین اک بڑا بہاری مدرسہ ہمارا تھا

یہ تو ہم نہین کہتے، ہم خدائے عالم تھے
ہان خدا کے بندے تھے اور خدا ہمارا تھا

اس طویل قصے کا، اسقدر خلاصہ ہے
سب خدائی تھی اپنی جب خدا ہمارا تھا

حیف سرگذشت اپنی آج اک فسانہ ہے
ہم بھی کیا کہین گویا! یہ بھی اک زمانہ ہے

آج ہم کہین کس سے بیکسی کا افسانہ
یہ زمین بیگانی، آسمان بیگانہ

بادۂ حقیقت کی اب کہان خریداری
اب کہان وہ بادہ کش، اب کہان وہ میخانہ

علم و فن کے چرچے اب کہین نہین ہوتے
اٹھگیا زمانے سے وہ سمجھنا، سمجھانا

اصغر علی محمد علی کا ٹیلیفون نمبر ۳۹ اہے

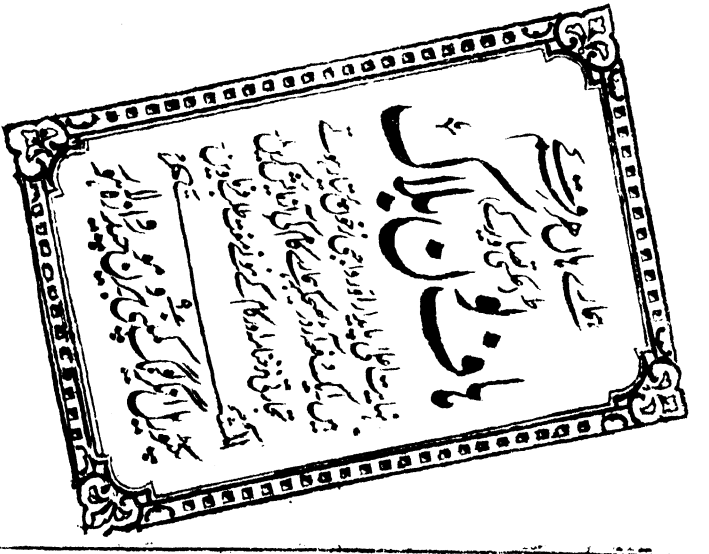
غیر کی شکایت کیا اپنی ہی جہالت ہے — علم کو مرض سمجھے، جہل کو دوا جانا
اپنی خود پرستی ہی انتہائے پستی تھی — غیر کو خدا سمجھے، غیر کو خدا جانا
زندگی کے مقصد کو بھول ہی گئے ہم تو — اپنی سرتمنا کو اصل مدعا جانا
علم سے عداوت کی، جہل ہے محبت کی — فکر نارسا ٹھہری، آہ کو رسا جانا
وقت کی یہ ناقدری عمر رُلائیگی — عمر جیسی نعمت کو ہنسنے پہ فنا جانا

ای فنائے سرشاری زندگی ہے دیداری
زیست کو اے مسلم! چاہیئے ہی ہشیاری

پھر تو ای دلِ مسلم! راز آشنا ہو جا — چھوڑ دی خودی اپنی بندۂ خدا ہو جا
راز سرفرازی کا بندگی میں پنہاں ہے — بندۂ خدا! پھر تو بندۂ خدا ہو جا
چھوڑ دی تنگ ظرفی، تلمِ حقیقت بن — قطرۂ حباب دل! آپ میں فنا ہو جا
غیر سے بھی الفت کر دامنِ نظر پھیلا — پھر تو ای دلِ مسلم! مثلِ آئینہ ہو جا
ذرہ سے دلِ مسلم! نیر درخشاں بن — نیرِ درخشاں سے عالم ضیا ہو جا

پھر وہی زمانہ ہو، پھر وہی ترانہ ہو
ای خرد! تو ہمراز ارتقا ہو جا

گویا جہان آبادی



کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا تار کا پتہ صرف حنا کافی ہے

(استفسارات)

نیوپلاٹنزم

(جناب سید اصغر حسین صاحب۔ بلاری)

فلسفۂ Neo-Platonism سے کیا مراد ہے؟ اسکی ابتدا کب ہوئی اور اس کی مختصر تاریخ کیا ہے؟ اس کے ساتھ اگر ممکن ہو تو اسلام کی تاریخ فلسفہ پر بھی کچھ روشنی ڈالئے۔

(نگار) اپنے ناحق اس سوال کے دو ٹکڑے کر دئے، کیونکہ تاریخ فلسفۂ اسلامیہ کے ضمن میں فلسفۂ Neo-Platonism (افلاطونیت جدیدہ) کا ذکر یوں بھی ضروری تھا۔

آپ کا استفسار ایک بسیط مقالہ چاہتا ہے مگر چونکہ آپ صرف "کچھ روشنی" پر قناعت کرنے کے لئے آمادہ معلوم ہوتے ہیں، اس لئے بسیط مضمون کو کسی دوسرے وقت پر منحصر رکھ کر مختصراً یہاں عرض کرتا ہوں:۔

جس وقت ہم اسلام کے متعلق کسی مسئلہ پر غور کرتے ہیں تو لازمۃً ہمارے سامنے سرزمین عرب کا نقشہ آجاتا ہے اور ہر بحث کا مبدا وہیں کی تاریخ قرار پاتی ہے۔ چنانچہ فلسفۂ اسلامیہ کی تاریخ پر تبصرہ کرتے وقت بھی بے اختیار ہمکو رجوع کرنا پڑتا ہے اسی ملک کی تاریخ کی طرف اور نیز اس امر کی جانب کہ قبل اسلام وہاں کی حالت اس مخصوص نقطۂ نظر سے کیا تھی۔ لیکن عرب قبل اسلام میں نہیں کسی فلسفی کا پتہ نہیں چلتا۔ البتہ شعراء اور حکماء ضرور تھے جن کے اقوال ملک میں بہت مقبول تھے طبیعی اسباب کی بنا پر انہوں نے محض ستاروں کے ضرور کچھ نام رکھ لئے تھے (کیونکہ رات دن کھلے ہوئے آسمان کے نیچے رہنے سے انھیں ستاروں کے مشاہدہ کا اکثر موقعہ ملتا تھا) لیکن اس میں کوئی علمی رنگ پیدا نہ ہوا تھا۔

جب ظہور اسلام ہوا تو اس وقت بھی فلسفہ کی نشو و نما کا کوئی موقعہ نہ تھا کیونکہ اس وقت سارے ملک کے امیال و عواطف کا مرکز صرف حیات مذہبی اور سیاست دینی تھا۔ خلفاء راشدین اور امویین کے عہد میں بھی ۱۳۲ھ تک فضا کی حالت قریب قریب یہی رہی۔ اور مسائل دینی کی اہمیت نے لوگوں کو کسی اور طرف متوجہ نہ ہونے دیا۔

عیون الانباء فی طبقات الاطباء میں بیشک بعض ایسے علماء کا ذکر پایا جاتا ہے جو طب میں کافی دستگاہ رکھتے تھے اور ابن خلکان نے خالد بن یزید و جعفر الصادق کے حالات میں یہ بھی تحریر کیا ہے کہ علم الکیمیا اور طب میں انہوں نے بعض رسائل بھی مرتب کئے تھے لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ اس زمانہ کا ذوق عام علم و فلسفہ تھا۔

جب دولت امویین کے زوال کا زمانہ آیا تو اس وقت دینی مسائل کے متعلق جو بحث ہوتی تھی اس کا تعلق علم کلام یا ما بعد الطبیعۃ سے تھا یعنی یہ کہ انسان مجبور ہے یا مختار، کبائر کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے یا نہیں، قرآن مخلوقات میں شامل ہے یا نہیں؟ لیکن یہ تمام مباحث حقیقتاً

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا ٹیلیفون نمبر ۳۹ ہے

سیاسی تھے جن کو نہ ہی رنگ مین پیش کیا جاتا تھا اور اس لئے علم و فلسفہ کا اطلاق ان پر بھی نہین ہو سکتا۔

جب دولت عباسیہ کے عہد مین فتوحات کا سلسلہ بہت وسیع ہو گیا اور حضارت اسلام عروج پر پہونچی تو علوم کی طرف بھی توجہ ہوئی اور منصور، رشید، مامون کے زمانہ مین علوم یونانی عربی زبان مین منتقل ہوئے۔ ان علوم مین نہ صرف طب، ہندسہ، ہیئت شامل تھے بلکہ فلسفہ: طبیعیات الٰہیات، منطق، نفسیات، اور سیاست و اخلاق کی کتابین بھی ترجمہ کی گئین۔ اور اس طرح دوسری تیسری صدی ہجری مین افلاطون ارسطو، اقلیدس، بطلیموس اور جالینوس وغیرہم کی کتابین عربی مین آگئین لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو ہم اس عہد کو بھی اسلام کا عہد فلسفہ نہین کہہ سکتے کیونکہ سوائے ترجمہ کرنے کے انہون نے اپنی طرف سے کسی بات کا اضافہ نہین کیا اور نہ کر سکتے تھے کیونکہ وہ ہنوز اور تراجیم سے نہ گزر چکے تھے اور دور ابداع و اختراع ہمیشہ اس دور کے بعد آتا ہے۔ علم الکیمیا، طب، عضویات اور معدنیات مین بیشک انھون نے بعض ایسے قوانین کا اضافہ کیا جو علوم یونانی مین نہ پائے جاتے تھے لیکن دیگر علوم مین (مثلاً منطق، نفسیات، اور اخلاق) مین وہ بالکل فلسفۂ ارسطو اور افلاطونیۃ جدیدہ ——— (Neo-Platonism) کے متبع تھے

سب سے پہلے مسلمانون کو جس فلسفہ کی طرف توجہ ہوئی وہ یہی افلاطونیۃ جدیدہ کا فلسفہ تھا یہ فلسفہ کی وہ شاخ یا قسم تھی جس مین مذہب و فلسفہ کو ملانے کی کوشش کی گئی تھی اور دوسری صدی عیسوی مین بمقام اسکندریہ ظاہر ہوا تھا۔ اس فلسفہ کے بانیون کا مقصد یہ تھا کہ دین مسیحی کے ساتھ مذاہب شرقیہ، مذاہب یونان علی الخصوص افلاطون کے مسلک کو ملا دیا جائے۔ اور اس کی یہی وہ خصوصیت تھی جس نے مسلمانون کی اپنی طرف مائل کیا کیونکہ ان مین مذہبیت زیادہ قوی تھی اور وہ اسی فلسفہ کی طرف متوجہ ہو سکتے تھے جس مین مذہب کا بھی کچھ رنگ پایا جائے۔ مسلمانون نے جب افلاطونیۃ جدیدہ کا مطالعہ کیا تو وہ اس سے اسدرجہ متاثر ہوئے کہ بعد کو جب افلاطون و ارسطو کے فلسفہ کا مطالعہ کیا تو اسی تاثر کے ساتھ جو پہلے سے ان کے دماغ مین پایا جاتا تھا۔

مسلمانون مین سب سے پہلے جس نے اس لحاظ سے شہرت حاصل کی یعقوب الکندی تھا جو فیلسوف عرب کے نام سے مشہور ہوا۔ اسنے ترجمہ و نقل کے ذریعہ سے عربی زبان کو فلسفہ کی بہت سی کتابون سے الامال بنا دیا چنانچہ اخبار الحکماء اور فہرست ابن ندیم مین ۲۵۶ کتابین اس کی طرف منسوب کی گئی ہین۔

اس کے بعد ابو نصر فارابی رونما ہوا جو سیف الدولہ بن حمدان کے زمانہ مین پایا جاتا تھا۔ یہ کثیر زبانون کا ماہر تھا اور علاوہ لغت و فلسفہ کے موسیقی و ریاضی کا بھی ماہر تھا۔ یہ تعلیمات ارسطو کا اتنا شائق تھا کہ اسنے اسکی کتاب النفس کا سو مرتبہ مطالعہ کیا۔ چونکہ ارسطو کو معلم اول کہتے تھے اس لئے فارابی کو (اس لحاظ سے کہ وہ ارسطو کا بڑا مداح تھا) معلم ثانی کہنے لگے۔

فلسفۂ اسلامیہ مین جماعت اخوان الصفا کے تحریرات کا بھی خاص مرتبہ ہے یہ چند لوگون کی ایک جماعت تھی جنھون نے اپنے آپ کو اخوان الصفا کے نام سے ظاہر کیا۔ اس جماعت کا مقصود یہ تھا کہ اسلام کو بالکل فلسفہ کے ملبوس مین پیش کیا جائے ان کا قول تھا کہ "جب تک فلسفۂ یونانیہ اور شریعۃ عربیہ کا آمیزش نہ ہو جائے تکمیل حاصل نہین ہو سکتی" اس جماعت نے ۵۱ رسالے لکھے جن مین تصوف اور افلاطونیۃ جدیدہ کو مخلوط کر کے پیش کیا گیا تھا۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ جماعت باطنی اسماعیلی طبقہ سے متعلق تھی۔ ان کا زمانہ چوتھی صدی ہجری کا وسط تھا۔

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا طلبگون نمبر ۹ ۱۳ ہے

ان کے بعد ہی بوعلی سینا پیدا ہوا جس نے ایک فلسفی کی حیثیت سے بڑی شہرت حاصل کی۔ یہ نہ صرف طب کا ماہر تھا بلکہ الہیات و منطق کا بھی بڑا فاضل شمار کیا جاتا تھا الغرض تیسری، چوتھی، پانچویں صدی ہجری میں یونانی فلسفہ اسی طرح مسلمانوں میں پھیلتا رہا حتےٰ کہ ایک جماعت ایسی پیدا ہوئی جس نے الہیات کے متعلق ارسطو، افلاطون اور افلاطونیہ جدیدہ کی تعلیمات کا درس شروع کیا۔ یہ گویا علم کلام کی بنیاد تھی۔ اس سلسلہ میں علت و معلول، زمان و مکان، حرکت و سکون اور دور و تسلسل وغیرہ کی بحثیں شروع ہوگئیں اور متکلمین نے نہ صرف فلاسفہ بلکہ معتزلہ، زنادقہ اور حنابلہ وغیرہ کا بھی رد کیا۔ اس جماعت میں ابوالحسن اشعری، امام الحرمین اور باقلانی نے خاص شہرت حاصل کی۔ ان کے بعد غزالیؒ آئے اور انھوں نے فلسفۂ یونانی کا نہایت غائر مطالعہ کرکے اس کے رد میں تہافت الفلاسفہ لکھی جس نے لوگوں کو خالص تعلیم دینی اور تصوف کی طرف مائل کیا غزالیؒ کے بعد پھر جتنے لوگ آئے انھوں نے غزالی ہی کا تتبع کیا۔

اندلس اور شمالی افریقہ میں بہ نسبت مشرق کے فلسفہ کو زیادہ ترقی ہوئی اور حکم ثمانی کے زمانہ (نصف چوتھی صدی ہجری میں) علوم طبیعی نجوم، طب، کتب قارابی، رسائل اخوان الصفا کا بڑا سرمایہ اندلس منتقل ہوگیا۔ یہاں کے فلاسفہ میں ابن باجہ، ابوبکر بن طفیل اور ابن رشد کو خاص شہرت حاصل ہوئی۔ ابن رشد نے غزالیؒ کے رد میں تہافت التہافت لکھکر پھر ایک مرتبہ لوگوں کا رخ پھیر دیا اور فلسفہ کی گرم بازاری ہر جگہ نظر آنے لگی جب چھٹی صدی ہجری آئی تو فلسفیانہ بحثوں کا مدار صرف اسلاف کے اقوال رہگئے اور تحقیق و ابداع کی جگہ تقلید نے لے لی۔ بعد کو ابن خلدون نے ضرور اس داغ کو مٹایا اور فلسفۂ تاریخ و علم الاجتماع میں مجتہدانہ درجہ حاصل کیا۔ لیکن اس کے علاوہ پھر کوئی شخص نمودار نہ ہوا جو حقیقی معنی میں محقق کہلایا جاتا۔

* * * * *

بیدل کے بعض اشعار

(جناب مرزا رحیم بیگ صاحب۔ حصار)

بیدل کی شاعری کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے اور اشعار ذیل کا کیا مطلب ہے:۔

ہنوز دستمی بے اثر چہ نقاب شکن کنم از حیا — تو مگر بمن نظرے کنی کہ دمے عرق کنم از حیا

اگر دمد خط امتحان ہوس کتاب نہ آسمان — مژدہ برہم آرم ازین دو آن ہمہ یک ورق کنم از حیا

خمیست خرابات جنون عرصۂ جولان نمون — لغزش مستانہ خوش ست آبلہ پا نہ برا

کف پائے حجلہ نشین ملخیال کہ کمین ما — پئے آرزوئے جبین ما بچراغ رنگ حنا طلب

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا مال ناپسند ہو تو قیمت منہ محصول واپس ہو سکتی ہے

چو جاب غیر لباس تو چہ توقع و چہ ہراس تو نہ توانی و نہ قیاس تو چو کشند جانہ سپکرت

زلبند و پست بیاطر نگ اثر و نزد و دیر آگہی کہ چہ بافت سبزہ کلاہ سر و درخت چہ خندہ زد گل
بخیال غنچہ نشستہ ام بخیال آئینہ بستہ ام زدل شکستہ کجا روم چو بہار آبلہ پائے گل
تو بدستگاہ چہ آبرو ز طرب دفاکنی آرزو کہ بخستا کاسئہ رنگ و بو بمزاج خندہ گدائے گل

بکجاست آنقدرم بقا کہ تلافے کندم وفا عرق خجالت فرصتم نم انفعال زمانیم
بفسردنم ہمہ تن الم بتردد آبلہ درتدم چو غبار داغ نشستنم چو شریک ننگ دانیم

(نگار) بیدل کے متعلق ملک میں دو مختلف رائیں پائی جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس کے ہاں زبان کا کوئی لطف نہیں ہے خیالات میں ضرورت سے زیادہ آورد و تصنع ہے اور تخیل کی بلندی غیر مناسب حد تک بڑھکر معما ہو کر رہگئی ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ بیدل کی شاعری زبان کی شاعری نہیں ہے بلکہ صرف تخیل کی شاعری ہے اور چونکہ وہ بہت بلند ہے اس لئے ترکیب الفاظ اور اسلوب بیان میں پیچیدگی کا پایا جانا ضروری ہے کیونکہ مضامین کی رفعت مستلزم ہے الفاظ و ترکیب کی ندرت کو اور چونکہ ابداع و اختراع کو ہر معمولی دماغ پسند نہیں کرسکتا اور نہ کچھ سمجھ سکتا ہے اسلئے اکثر لوگوں نے اسکے کلام کو مہمل کہدیا۔ میرا میلان طبع بھی یہی ہے کہ میں اس دوسری رائے کو پسند کروں بات یہ ہے کہ بیدل نے اپنی تمام تصنیفات میں خواہ وہ نظم ہو یا نثر کی صرف ایک فلسفہ پیش کیا ہے اور وہ یہ کہ ذات باری کی کنہ تک پہونچنا امر محال ہے اور انسان اس باب میں بالکل عاجز ہے اس سلسلہ میں اُسنے وحدت الوجود کو بھی اکثر جگہ بیان کیا ہے اور صرف اسی ایک خیال کے تحت اُسنے ایسے ایسے بلند مضامین اور اسدرجہ نازک و پاکیزہ جذبات سے کام لیا ہے کہ اُن تک ہر ذہن کی رسائی ممکن نہیں ہے۔ یقیناً زبان کا لطف بیدل کے کلام میں نہیں ہے اور نہ ہوسکتا ہے کیونکہ اس کی شاعری کسی معمولی عاشق کی غزل سرائی نہیں ہے جس میں پیش پا افتادہ جذبات ہجر و وصال کا اظہار ہو بلکہ وہ بیان ہے اُن کیفیات کا جن کا تعلق اس مادی دنیا سے بالکل نہیں ہے اور اسکی شاعری ایک آواز ہے جو صرف اعماق روح سے پیدا ہوتی ہے اور جن کے قبول کرنے کے لئے وسیع ترین الفاظ کا ملبوس بھی تنگ نظر آتا ہے۔

یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ جب خیالات بلند، مضامین ارفع، جذبات نازک کیفیات غیر معمولی واردات قلب نادر ہونگے تو اُن کے بیان کرنے کے لئے عام الفاظ اور معمولی ترکیبیں کبھی کارآمد ثابت نہ ہونگی اور لامحالہ ان کے لئے کوئی جدید اسلوب بیان کچھ نئے الفاظ اختراع کرنے پڑینگے اور اسی حقیقت کا اظہار ہے یہ کہنا کہ:-

کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیان کے لئے

لیکن عام طور پر نہ دماغ ہی ایسے پیدا ہوتے ہیں جو اس حقیقت کو سمجھ سکیں اور نہ اُن کی قدامت پرستی ہی اس امر کی اجازت دیتی ہے

اصغر علی خاں نامی تاجر عطر لکھنؤ کی ایک شاخ گلزار حوض حیدرآباد دکن میں ہے

کہ وہ بڑی بات کو بغیر "استاد" کے قبول کرلین اس لئے بیدل کے کلام کو مہمل کہنے والے زیادہ نظر آتے ہین۔ اسی کشمکش مین عرب اقبال مبتلا ہے جب تک اُردو مین اُس نے اظہار خیال کیا دہلی لکھنؤ کی لسانیات بلائے جان بنی رہی اور اب جبکہ فارسی ملبوس اختیار کیا تو زبان دان حضرات اس مین جھول بتاتے ہین، حالانکہ جو کچھ وہ کہتا ہے نہ اس سے قبل لکھنؤ کا رند زمرہ اُسے پیش کرسکا اور نہ ایرانی زبانداني مین اسکی کوئی مثال نظر آتی ہے۔ لیکن جو نگاہین صرف سطح تک پہونچکر رہجاتی ہین، یا جنکے نزدیک صرف ظاہری آہنگ ہی اصل چیز ہے وہ بطون و حقیقت کے سمجھنے سے عاجز ہین اور اس لئے قابل عفو۔

ادبیات کا مسلّمہ اصول ہے کہ خیال کی نوعیت کے ساتھ طرز ادا کا بدلجانا ضروری ہے اور اگر کوئی شخص اس کا اہل نہین ہے تو اسکو صحیح معنی مین ادیب نہین کہہ سکتے۔ ڈپٹی نذیر احمد مرحوم کا ترجمۂ قرآن اسی لئے پسند نہین کیا جاتا کہ انھون نے اسکو توبتہ النصوح بنانے کی کوشش کی اور شبلی کوئی فسانہ نہ لکھ سکے کیونکہ مرآۃ العروس کی زبان پر اُن کو قدرت حاصل نہ تھی۔

جس طرح مذہب و سیاست دو علیحدہ چیزین ہین جس طرح تاریخ و فسانہ ایک دوسرے سے مختلف ہین اسیطرح اُن کے لئے طرز ادا بھی علیحدہ ہونا چاہیئے ورنہ اگر اصل چیز صرف زبانداني ہو تو اقرعلی داستان گو سے زیادہ سیرۃ نبوی لکھنے کا اہل اور انشا پھجو پیدا لکھنے کا مستحق لکھنؤ کے قمر وجاہ سے زیادہ اور کون ہوسکتا ہے۔

رنگ بیدل کو جو لوگ ناپسند کرتے ہین وہ یہی حضرات ہین جو اس اصول سے ناواقف ہین اور ہر خیال کو ایک ہی ملبوس مین دیکھنا چاہتے ہین پس یہ یقیناً تنقید کی بے اعتدالی قیام معیار کی نامناسبت اور ذہن کی نارسائی ہے جس کو کوئی ذی فہم دماغ جو ہر چیز کو اُسکی اصلی جگہ دیکھنے کا عادی ہے ہفوات سے زیادہ اور کچھ نہین سمجھ سکتا۔

بیدل جس آسانی کے ساتھ اپنے مدعائے دشوار کو بیان کرجاتا ہے اسکا حال اسوقت معلوم ہوتا ہے جب کوئی دوسرا اسکے تتبع کی کوشش کرے غالب سے زیادہ سخن گو و سخن سنج کون ہوسکتا تھا لیکن "طرز بیدل مین ریختہ لکھنا" اسکو بھی قیامت ہوگیا۔ البتہ چونکہ غالب کی ذات سیمیت بہت بڑی ہوئی تھی اس لئے اس مین اکثر جگہ بیدل ہی کے چراغ سے کسب ضیا کیا گیا اور بڑی حد تک کامیابی بھی ہوئی۔

بیدل کا کلام اپنے معنی کے لحاظ سے جس بلند مرتبہ کا ہے اسی طرح لفظی خصوصیات کے اعتبار سے وہ ایک خاص چیز ہے۔ ایک معمولی مضمون کو بھی وہ اپنے الفاظ و ندرت ترکیب سے آسمان پر پہونچا دیتا ہے۔ مثلاً قناعت کے پامال مضمون کو لیجئے کہ ہر شخص نے اُسپر خامہ فرسائی کی ہے لیکن بیدل محض انداز بیان سے اس مین ایسی ندرت پیدا کردیتا ہے کہ مضمون کی فرسودگی کی طرف خیال ہی منتقل نہین ہوتا۔ جب فرمانروائے حیدرآباد کی طرف سے نائہ طلب پہنچا تو بیدل نے اپنی قناعت کا اظہار کرکے دہان جانے سے ان الفاظ مین انکار کیا:۔

دنیا اگر دہند نہ جنبم زجائے خویش
من بستہ ام حنائے قناعت بہ پائے خویش

پہلے مصرعہ کا مضمون نہایت معمولی تھا لیکن دوسرے مصرعہ سے جو اسکی توجیہ کی گئی تو شعر عام سطح سے نہایت بلند ہوگیا۔ دوسری چیز جو بیدل کے لئے مخصوص ہے اسکے کلام کا توازن ہے آپ مشکل سے کوئی شعر ایسا پائین گے جس مین عدم توازن کا نقص پایا جائے

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا شمامۃ العنبر بہترین عطر ہے

توازن سے میری مراد یہ ہے کہ الفاظ کا اسقدر حسن کے ساتھ استعمال کیا جائے کہ سارا شعر موتی کی لڑی معلوم ہو اور اس مین کوئی لفظ ایسا نہ ہو جو ماقبل یا مابعد کے لحاظ سے غیر مناسب سمجھا جائے۔

تیسری خصوصیت بیدل کی یہ ہے کہ وہ دفتر کا دفتر چند الفاظ مین بیان کر دیتا ہے اور کبھی کبھی اوقات شعر کا تنگ میدان اسکو مجبور کر دیتا ہے کہ بہت سی درمیانی کڑیون کو ترک کر دے لیکن وہ جزئیت مجموعی اپنے وسیع خیال کو ایسے رنگ مین پیش کرتا ہے کہ ذہن سامع از خود اُن تمام متروک کڑیون کو مربوط کر کے مدعا تک پہونچ جاتا ہے اور پھر اسکی لذت مین غرق ہو جاتا ہے۔

"ذاتِ باری کے مظاہر کا تنوع اور اسکا وجود ظہار کے اسکا ذرہ ذرہ سے ظہور"۔ یہ ایسا مسئلہ ہے جس کو قریب قریب تمام صوفی شعرا نے بیان کیا ہے لیکن بیدل کی قدرت شاعرانہ ملاحظہ ہو لکھتا ہے :-

تجدید ناز آشفتۂ رنگ لباس آرائیت
بے پردگی دیوانۂ طرح نقاب انگلندنست

وہ یون بھی کہہ سکتا تھا کہ تیری لباس آرائی کے انداز کا وہ عالم ہے کہ ہر وقت اس سے نیا ناز پیدا ہوتا رہتا ہے اور تیری نقاب انگنی کی ادا کا وہ رنگ ہے کہ اس سے زیادہ بے پردگی اور کوئی نہین ہو سکتی لیکن اُسنے پہلے مصرع مین لفظ آشفتہ اور دوسرے مین دیوانہ کہکے شعر کو اس حد تک پہونچا دیا کہ اس سے زیادہ ترقی ناممکن تھی۔ تجدید ناز کے متعلق یون کہنا کہ وہ رنگ لباس آرائی کی فریفتہ ہے اور بے پردگی کو "طرح نقاب انگنی" کا دیوانہ کہنا مضمون کو جسقدر بلند کر دیتا ہے ارباب ذوق سے مخفی نہین۔

اسی زمین مین اسی مفہوم کو دوسرے شعر مین یون ظاہر کیا ہے :-

ہر جا بر دن چو شیدۂ خود را نجود پوشیدۂ در نور شمعت مضمحل فانوسی پیرا ہنست

شمع کے فانوس کا مضمحل ہو کر شمع کے چھپانے مین کامیاب نہ ہونا ایسی زیادہ بلند بات نہ تھی لیکن "خود را نخود پوشیدۂ" کہکر یہ ثابت کرنا کہ وہ فانوس بھی خود تیری ہی ذات ہے اور ذات بھی وہ جسکا حال یہ ہے کہ "ہر جا بر دن چو شیدہ است" ذہن کو خیال کی اس سرحد تک پہونچا دیتا ہے کہ اسکے آگے پرواز محال معلوم ہوتی ہے۔

اسی غزل کا ایک اور شعر ہے :-

در نو بہار م نزل چو شید از بانع از ل نہ آسمان گل و بنبل یک برگ سیر گلشنست

معترض سے کہئے کہ "نہ آسمان گل" کی ترکیب کو یہان سے علیحدہ کر کے کوئی دوسرا لفظ یا فقرہ استعمال کرے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ لفظ چو شید کے ثبوت کو تکمیل تک پہونچانے والا ہو۔ کیا اس مین کامیابی ممکن ہے ہرگز نہین۔

بیدل کی قدرت شعر گوئی کا ثبوت مشکل زمینون مین زیادہ ملتا ہے۔ بعض بعض ایسے پیچیدہ ردیف و قافیے کی غزلین ہین کہ اُن مین کسی اچھے شعر کا نکلنا بھی دشوار معلوم ہوتا ہے لیکن بیدل وہان بھی اسی طرح طلاق معانی نظر آتا ہے اور اسکی چست ترکیبون کا وہی عالم ہے۔ ایسی ہی ایک مشکل زمین کا مطلع ہے :-

---

بے مثل مرہم گلاب بحساب ۸۰ روپیہ فی تولہ کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے طلب کیجئے

تمام شوقیم لیک غافل کہ دل براہ کہ میخرامد ۔ جگر باغ کہ می نشیند نفس باد کہ میخرامد؟

فلسفہ وہی ہے، اور خیال وہی کہ کنہ حقیقت باری کا علم حاصل نہیں ہوسکتا لیکن انداز بیان لاجواب ہو اور اسکے ساتھ زمین کی دشواری پر نگاہ کرکے ردیف و قافیہ کا صرف دیکھو کہ کتنا مربوط و دلنشین ہے۔

اپنے آپ کو پرتو نور ربانی کا ایک مظہر قرار دیکر دوسرا شعر لکھتا ہے:۔

اگر نہ رنگ از گل تو دارد بہار ہستی ما ۔ بپردہ چاک این کتانہا فروغ ماہ کہ میخرامد؟

مقطع دیکھئے، اسی کو سحر حلال، شاعرانہ اعجاز اور ملہمات ربانی کہتے ہیں۔

مگر ز چشمش غلط نگاہے رسد بہ فریاد دل بیدل ۔ دگر نہ آن برق بے نیازی پئے گیاہ کہ میخرامد

سچ ہے اس شوخ خاشاک سے زیادہ خوش قسمت کون ہوسکتا ہے جس کو وہ برق بے نیازی اپنا نشیمن بنانا پسند کرے۔ بیدل سمجھتا ہے کہ کب اس برق کی بے نیازیاں متوجہ ہوسکتی ہیں اور اسلئے ایک عالم یاس میں کہتا ہے کہ اگر کوئی صورت اسکے حصول کی ہے تو صرف یہ کہ شاید کوئی نگاہ غلط انداز عنایت آجائے۔

اس شعر میں ایک ایک لفظ کو دیکھئے، یہ معلوم ہوتا ہے کہ جوہری نے نہایت احتیاط سے نگینے جڑدئے ہیں اور اگر ایک لفظ بھی علیحدہ کرکے دوسرا لفظ رکھدیا گیا تو وہ رنگ جاتا رہیگا جو بحیثیت مجموعی ان تمام نگینوں کی آب و تاب سے پیدا ہو رہا ہے۔

کہاں تک عرض کروں بیدل کا تو سارا کلام نظم ہو یا نثر اس لحاظ سے متحیر ہے! اور ساری عمر صرف کرنے کے بعد بھی ایک شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ اسکی لذتوں سے سیر ہوچکا ہے۔

شاید چہار عناصر کی ابتدا میں یہ سلسلۂ حدوث اس خیال کو ظاہر کرتا ہے کہ خدا کی حقیقت تک کون پہونچ سکتا ہے اور ہمارا یا کسی اور انسان کا اسکے بابت کچھ لکھنا یا اسکی حد میں کسی خیال کا اظہار کرنا کیا وقعت رکھتا ہے۔

اسی خیال کو لکھتے لکھتے وہ ایک جگہ جوش میں آکر کہتا ہے کہ:۔

"غبارے سطر آشفتگی ربہوا نگاشت، بنداشت مصنف کتاب آسمانم پرکاہ بنیاد فطرت بر باد گراشت، دانست نقشی طومار کہکشانم"

یہ عالم اسکی نزاکت خیالی کا ہے۔ الغرض بیدل میرے نزدیک ایک ایسا شاعر تھا جس کی مخالفت ملک میں ہونی ضروری تھی، ورنہ آج اسکے کمال کی کوئی یقینی دلیل پیش نہ کرسکتے۔

معاف کیجئے حکایت لذیذ تھی اسلئے درازی ملکی حد تک پہونچ گئی۔ اب آپ کے مرسلہ اشعار کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔

(۱) بنمود ہستی بے اثر چہ نقاب شرم کنم از خیا ۔ تو مگر بمن نظری کنی کہ دہی عرق کنم از خیا

مطلب یہ ہے کہ میں اپنی بے اثر نا کارہ و فانی ہستی کو ظاہر کرنے کے لئے کیا نقاب اٹھاؤں کہ مجھے ایسا کرتے ہوئے شرم آتی ہے یعنی میں کیا ہوں جو پردہ اٹھنے کے بعد کوئی مجھے دیکھے گا۔ زیادہ سے زیادہ وہ اگر کوئی صورت مجھے اپنے آپ کو ظاہر کرنے کی ہوسکتی ہے تو صرف اسطرح

کارخانہ اصغر علی محمد علی کے عطریات خالص عمدہ اور ارزاں ہیں

کہ تو ایک نگاہ مجھ پر ڈالے اور میں ایک لمحہ کے لئے عرق انفعال بنکر نظر آجاؤں بمقصود یہ کہ یوں تو میں کچھ بھی نہیں ہوں لیکن اگر تو کوئی نگاہ ڈالدے تو شاید تھوڑی دیر کے لئے ندامت کا سا پسینہ بنکر ظاہر ہو سکوں۔

(۲) اگرم دہند خط امتحان ہوس کتاب نہ آسمان مژہ برہم آرم ازین وآن ہمہ یک ورق کنم خیالی

اس شعر میں بیدل نے دیگر مخلوقات عالم کے مقابلہ میں انسانی شرف کو نہایت خوبصورتی سے ظاہر کیا ہے اور کہتا ہے کہ اگر کتاب آسمان جرأت کرکے مجھکو امتحان کی اجازت دے دے تو میں بغیر کسی پس وپیش کے سب کو ایک ورق خیال بنا کر رکھدوں یعنی میرے وسعت خیال اور رفعت فطرت کو دیکھ کر وہ شرمندہ ہے۔ مقصود یہ ہے کہ کائنات کی کوئی وسعت انسانی قوت مطالعہ کی وسعت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

(۳) نیست خرابات جنون عرصہ جولان فسوں لغزش مستانہ خوش ست آبلہ پیمانہ برآ

اس شعر میں بظاہر اشکال صرف "آبلہ پیمانہ برآ" کی وجہ سے لوگوں کو معلوم ہوتا ہے لیکن اگر اس کو یوں پڑھا جائے: "آبلہ پیما، نہ برآ تو اشکال رفع ہو جاتا ہے۔ اس میں "نہ برآ" فعل نہی ہے اور آبلہ پیمانہ کی ترکیب ویسی ہی ہے جیسے بادیہ پیمانہ با پیما وغیرہ۔ اس لئے شعر کا مطلب یہ ہوا کہ خرابات جنون میں اگر آنا ہے تو لغزش مستانہ کے ساتھ آؤ، اس طرح نہ آؤ کہ معلوم ہو آبلہ پیمائی ہو رہی ہے۔ یعنی پھونک پھونک کر قدم نہ رکھو آنا ہے تو بیدھڑک آؤ اور مستانہ وار آؤ۔

(۴) کفپائے حجلہ نشین ما بخیال کرد کمین ما پی آرزوئے جبین ما بچراغ رنگ حنا طلب

یہ شعر نازک ضرور ہے لیکن بلند نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ "اس وقت تو ایک معشوق حجلہ نشین کے کف پا کی یاد نے ہمارے خیال پر غلبہ پالیا ہے اس لئے ایسی صورت میں ہماری آرزوئے جبین اگر معلوم کرنا چاہتے ہو تو اسے چراغ رنگ حنا کی مدد سے تلاش کرو" یہ چراغ رنگ حنا "صرف کف پا" کی رعایت سے کہا گیا۔ مدعا صرف اتنا ہے کہ اس وقت ہماری جبین سائی کا مقصود اگر کوئی ہے تو صرف پائے حنائی کا خیال۔

(۵) چو حباب تنگیہ لباس تو چہ توقع و چہ ہراس تو نہ توانی نہ قیاس تو چو شکستہ جامہ پرکیں

مدعا یہ ہے کہ اے انسان تو جو اپنی زندگی کی امید و بیم میں بسر کر رہا ہے یہ سب فضول ہے کیونکہ خود امید جو کچھ ہے اسکا تعلق حباب کی طرح صرف ظاہری ملبوس سے ہے پھر جس طرح حباب کا ملبوس اتر جانے کے بعد کچھ نہیں رہتا اسی طرح تیرا تعلق جیب جسم سے نہ رہیگا اور جو اسکا ملبوس ہے تو تو رہیگا اور نہ تیرے قیاس و اوہام۔

(۶) زبلند و پست بساط رنگ اثر نرود ز دور اگہی کہ چہ بافت سبزہ کلاہ سرو چہ دوخت خندہ قبائے گل

بساط رنگ کے بلند و پست مناظر سے اثر پذیر ہونے کے بعد اتنا علم بھی حاصل نہ ہو سکا کہ سبزہ کلاہ سرو بنانے سے اور خندہ قبائے گل سینے سے عاری ہے۔ ظاہر ہے کہ سبزہ جو بہت پست ہے ترقی کرکے کلاہ سرو نہیں بن سکتا اور نہ خندۂ گل، گل کی چاک قبا کو سی سکتا ہے لیکن بساط رنگ کی کارگاہ اعتقدیہ کارخانہ ہے کہ وہاں رہکر تمیں اتنا بھی علم حاصل نہیں ہو سکتا۔

(۷) یہ خیال غنچہ نشستہ ام نخیال آئینہ دیدہ ام زدل شکستہ کجا روم چو بہار ام آبلہ پائے گل

کارخانہ اصغر علی محمد علی اینڈ کمپنی اس منیجر کی نگرانی میں ہے جو چالیس سال سے کام کر رہا ہے

یعنی میں ایک غنچہ کے دہان میں بیٹھا ہوا ہوں اور ایک آئینہ کے خیال سے وابستہ ہوں۔ اور وہ غنچہ یا آئینہ میرا دل شکستہ ہے پھر اب میں اسکو چھوڑ کر کہاں جا سکتا ہوں کیونکہ میری حالت تو ایسی ہے جیسے بہار کہ جس طرح پھول اُسکے پاؤں کا آبلہ ہے اسی طرح یہ میرا دل میرے پاؤں کا چھالا بنا ہوا ہے۔ نہ پھول بہار سے جدا ہو سکتا ہے اور نہ میرا دل شکستہ مجھ سے۔

(۸) تو بدستگاہ چہ آبروز طرب وفا کنی آرزو کہ نشستگاہ تو رنگ دو بمزاج خندۂ گل و گل

تو کس اقتدار پر یہ آرزو کرتا ہے کہ مسرت و طرب تیرے ساتھ وفا کرے۔ گلئے گل یہ تو چاہتا ہے کہ خندہ حاصل کرے لیکن اپنے کاسۂ رنگ دینے کو اس قابل نہیں بناتا۔ مدعا یہ ہے کہ ہم خود اسکے اہل نہیں ہیں کہ مسرت و لطف و کرم ہوں شکایت کس کی؟

(۹) کجاست آنقدرم بقا کہ تلافی کند وفا عرق خجالتِ فرصتم نم انفعالِ زمانیم

مجھ میں اسقدر بقا کہاں ہے کہ کوئی عہد تلافی کر سکوں میری ہستی تو گویا شرمندگی فرصت کا پسینہ اور انفعال زمانہ کا نم ہے۔ یعنی میرا وجود تو ایسا ہے کہ اگر لفظ فرصت اسکے آگے استعمال کیا جائے تو وہ شرم سے عرق عرق ہو جائے۔

(۱۰) بفسردنم ہمہ تن الم بتردد آبلہ در قدم چو غبار داغ نشستنم چو سرشک ننگ روانیم

فسردگی کے لحاظ سے یکسر درد و الم ہوں اور چلنے میں بالکل آبلہ پا اُسلئے کیا میرا بیٹھنا اور کیا میرا چلنا کہ اگر بیٹھوں بھی تو غبار کیطرح جو حقیقتاً بیٹھنے کے لئے عار ہے اور چلوں بھی تو آنسو کے مانند جو فی الحقیقت ننگ روانی ہے۔ اپنے آپکو آبلہ در قدم کہکے سرشک سے تشبیہ دینا نہایت خوب ہے۔

برکات ماہرہ شریف

یا

چٹنی بادشاہ پسند

ماہرہ شریف اپنے بزرگان دین اور خوش ذائقہ چٹنی کے باعث ہمیشہ مشہور رہا ہے اس چٹنی کو غیر ممالک میں بھی درجۂ قبولیت حاصل ہے۔ یہ آم کی چٹنی علاوہ لذیذ ہونے کے ہاضم و معدہ کی اصلاح کرتی ہے قیمت فی سیر ایک عدد روپیہ۔ علاوہ محصول و پیکنگ وغیرہ۔ ایک بار آزمانے کے بعد انسان ہمیشہ اس چٹنی کا خواہشمند رہتا ہے۔

نوٹ خریداران نگار کیلئے بشرطیکہ اپنا نمبر خریداری بھی تحریر فرمائیں اخراجات پیکنگ معاف۔ ریلوی محصول نصف۔ نصف قیمت پیشگی آنے پر مال روانہ ہوگا۔ مال نہ پہونچنے اور روپیہ واپس دینے کا کارخانہ ذمہ دار ہے۔ پتہ اور نام ریلوے اسٹیشن صاف لکھنا چاہئے۔ اس چٹنی کے متعلق اڈیٹر صاحب نگار کی رائے ملاحظہ فرمائیے۔ المشتہر:-

سید بادشاہ حسین۔ بہترین کاخ ماہرہ ضلع ایٹہ - یو۔ پی

کارخانہ اصغر علی محمد علی کے عطریات خالص عمدہ اور ارزان ہیں

مطبوعات جدیدہ

روح نشاط یہ مجموعہ ہے جناب اصغر گونڈوی کی غزلون کا جو بہترین طباعت وکتابت کے ساتھ چھوٹے سائز پر شائع ہوا ہے۔ جناب اصغر اسوقت ملک کے اُن شعرا مین سے ہین، جن کی شاعری کو متفقہ طور پر پسند کیا جاتا ہے، اور جن کے افکار کو یقیناً عہد حاضر کی بہترین دماغی پیداوار کہی جاسکتی ہے۔

اس مجموعہ مین جناب سہیل اور احسان علی صاحب بی اے کا دیباچہ ومقدمہ بھی شامل ہے جس مین نہایت تفصیل کے ساتھ حضرت اصغر کی شاعری پر بحث کی گئی ہے اور اس کے تمام محاسن پر ایک نقادانہ تبصرہ کیا گیا ہے۔

حضرت اصغر کی شاعری چونکہ زبان کی شاعری نہین ہے بلکہ تخیل کی ترجمانی ہے۔ اس لئے اس مین تمام وہ باتین موجود ہین جو ایک بلند خیال شاعر کے کلام مین ہونی چاہیئے۔ اس لئے اگر کہین کہین زبان کی غلطی پائی جائے تو قابل لحاظ نہین۔ اس وقت ہم اسپر تفصیلی تبصرہ کرنے کے لئے تیار نہین ہین اور نہ اسکی ضرورت معلوم ہوتی ہے کیونکہ اول تو اصغر کوئی غیر معروف شاعر نہین ہین اور دوسرے سہیل کے مقدمہ کے ہوتے ہوئے اسپر کچھ اور لکھنا بیکار سی بات ہے۔ قیمت اسکی دو روپیہ ہے جو مجموعہ کے مختصر حجم کو دیکھتے ہوئے شاید زیادہ سمجھی جائے لیکن اسکے محاسن کے لحاظ سے کم ہے۔ ملنے کا پتہ "بلگرامی بک ایجنسی لکھنؤ" ہے۔

تعلیمی مسایل خطبۂ صدارت ہے جناب مولوی سمیع اللہ بیگ صاحب (مرزا یار جنگ بہادر) کا جو حیدرآباد کے جلسۂ تعلیمی مین سنایا گیا تھا اور جو کتاب کی صورت مین پیش کیا گیا ہے۔ مرزا یار جنگ بہادر ملک کے اُن منتخب نفوس مین سے ہین، جو اپنی صحت فکر اور اصابت رائے کے لحاظ سے "سند" کا درجہ حاصل کر چکے ہین اور جنکا ایک ایک لفظ ملک وقوم کیلئے "میل راہ" کا حکم رکھتا ہے۔

فاضل صدر نے اس خطبہ مین تعلیم کے مسائل حاضرہ پر نہایت بسط وجامعیت کے ساتھ اپنے خیالات وتجربات کا اظہار کرکے ایک ایسا لایحہ عمل پیش کیا ہے کہ اگر رہنمایان تعلیم اسپر عمل کرین تو قوم کا مستقبل نہایت شاندار بن سکتا ہے۔ بحث کے سلسلہ مین دینی تعلیم اور مادری زبان کو ذریعۂ تعلیم بنانے کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے وہ ایسی حقیقتون پر مبنی ہین کہ اُن سے کسی شخص کو انکار نہین ہو سکتا، اسی طرح مسئلہ دارالاقامہ کے متعلق جو کچھ فاضل صدر نے ارشاد فرمایا ہے وہ بھی ملک کی خاص توجہ کا مستحق ہے۔ ضرورت ہے کہ ہر شخص جس کو مسئلہ تعلیم سے ذرا بھی دلچسپی ہے اسکا مطالعہ کرے اور مرزا یار جنگ بہادر کے قیمتی مشورون پر غور کرکے فیصلہ کرے کہ ملک کے مستقبل کی اصلاح کسدرجہ الہام پر منحصر ہے۔

ضخامت ۱۵۰ صفحہ، طباعت کتابت صاف۔ ملنے کا پتہ مکتبۂ ابراہیمیہ حیدرآباد دکن

باؤہ ناب مجموعہ ہے مولوی میر ولی اللہ صاحب بی اے۔ ال ال بی وکیل ایبٹ آباد کی فارسی رباعیات کا جو خوبصورت سائز پر نفیس طباعت وکتابت کے ساتھ دس جزو پر شائع کیا گیا ہے۔

تمام ماہرین فن، تے کارخانہ اصغر علی محمد علی کے عطر حنا کو بہترین عطر مانتا ہے

میر صاحب موصوف کا فارسی کلام ملک کے اکثر مشہور رسایل و جرائد مین شائع ہوتا رہتا ہے اور چونکہ آپ کا مقصود شاعری بلند ہے اس لئے ارباب ذوق اس کو بہت پسند کرتے ہین۔

میر صاحب کی شاعری کا مدعا، افراد قوم مین صحیح آزادی کی روح پیدا کرنا ہے۔ اور اسی مطمح نظر کو سامنے رکھکر آپنے رباعیان بھی لکھی ہین، آپ کا مشن یہ ہے کہ مسلمانون مین اسلام کی عملی روح پیدا ہو اور پستی سے نکلنے کی کوشش کرین چنانچہ آپ اس خیال کو ان الفاظ مین ظاہر کرتے ہین:-

عین اسلام کوشش پیہم　　عین کفرست زشتی و پستی

حساب عمر نے از ماہ و سال ست　　نہ اسقبیل و ماضی و حال ست
بود از کارہا اندازۂ عمر　　کہ عمر بے عمل خواب و خیال ست

اے آنکہ بجانقاہ نشینی بے کار　　برخیز و بیا کارے کن و تخم بکار
مطلوب تو در زاویۂ عزلت نیست　　موجود ہر جاست بدشت و کہسار

الغرض آپکے خیالات نہایت پاکیزہ ہین اور چونکہ خلوص نیت کے ساتھ انکا اظہار کیا گیا ہے اس لئے پڑھنے والے کے دل پر انکا خاص اثر ہوتا ہے۔ قیمت اس مجموعہ کی ایک روپیہ ہے اور میر صاحب موصوف سے ایبٹ آباد کے پتہ پر مل سکتی ہے۔

گلشن حیات ملک کے مشہور سخنور حضرت شاد عظیم آبادی کے سوانح حیات کا دوسرا اڈیشن ہے جسے ملا معین الدین احمد صاحب قیس رضوی نے مرتب کیا ہے۔ ابتدائی چار صفحات رسمی طور پر عرض حال کیلئے وقف کئے گئے ہین، اسکے بعد تین صفحات کی تمہید ہے جس مین ملک کی ناقدری کی شکایت کی گئی ہے اور پھر صفحہ ۱۵ سے ۵۲ تک حضرت شاد کا تذکرہ اور مرثیونکا انتخاب درج کیا گیا ہے۔

کتاب کا بڑا حصہ (صفحہ ۶۶ - ۳۴۳) تذکرۂ تلامذہ اور اُن کے نمونۂ کلام کے مذکر کیا گیا ہے اسکے بعد ۳۴۴ سے ۳۶۲ تک حضرت شاد کے کلام کا انتخاب پیش کرکے کتاب کو ختم کر دیا جاتا ہے۔

شاد کی شاعری زیادہ تعارف کی محتاج نہین، آپ اُن شعرا مین سے ہین جنہون نے قدامت پرستی کی زنجیرین توڑکر اردو شاعری مین اصلاح کی کوشش کی، اس سے قبل ہم آپ کے کلام کا نمونہ بھی درج نگار کر چکے ہین کتاب ہم ہین جناب قیس رضوی سے اپیل ہنرل لودی کثرہ پٹنہ کے پتہ پر مل سکتی ہے۔

قیل وقال اتحاد مذہب و فلسفہ کے سلسلہ کی پہلی کتاب جسے محمد فاروق صاحب ام۔ اس۔ سی (علیگ) نے مرتب کیا ہے، مضامین سے مصنف کی روشن خیالی اور وسعت نظر پر کافی روشنی پڑتی ہے اور خاص خاص عنوانات مثلاً مسئلۂ ارتقاء

گلاب، خس اور پانتری کے سوا کسی اور عطر کی بو مین نہین نکل سکتی۔ کارخانہ اصغر علی محمد علی کا یہی تجربہ ہے

ارتقائے شعور، ارتقائے مذہب، توحید والوہیت، الہام ونبوت، کفر واسلام، دعوتِ عمل وغیرہ پر نہایت سلجھے ہوئے انداز سے گفتگو کی گئی ہے ہر چند یہ کتاب ان لوگوں کے نزدیک جنہوں نے مذہب کے دائرہ کو نہایت محدود وتنگ سمجھ رکھا ہے، اپنے اندر کافی سامان تکفیر رکھتی ہے، لیکن اب تکفیر کی ارزانی نے اس کی اہمیت کو بھی اسقدر ضعیف کردیا ہے کہ اس سے کسی کارگر تحریر کا کام نہیں لیا جاسکتا۔

امید ہے کہ محمد فاروق صاحب اس کے باقی حصے بھی جلد شائع کرینگے جنکا وعدہ فاضل مصنف نے کیا ہے۔ یہ رسالہ مجلد شائع ہوا ہے اور علاوہ محصول ایک روپیہ میں منیجر نگار سے مل سکتا ہے۔

بہشتی جھومر نسوانی تعلیم وتربیت کے متعلق محمد مرزا خالصا صاحب دہلوی نے چند اسباق کا مجموعہ اس نام سے شائع کیا ہے جو زبان کے لحاظ سے بہت سلیس، اور درس کی حیثیت سے نہایت مفید اور فیتجہ خیز ہیں۔ ضرورت ہے کہ مسلمان گھرانوں میں لوکیوں کے سامنے ایسی ہی کتابیں پیش کی جائیں، تاکہ وہ ان کے مطالعہ سے اپنے مستقبل کو درست کرسکیں ضخامت تقریباً پانچ جزو، کتابت طباعت پاکیزہ، قیمت ۱ر ملنے کا پتہ مکتبۂ ابراہیمیہ۔ اسٹیشن روڈ۔ حیدرآباد دکن،

نقادی کے نکتے فن نقاشی کے متعلق محمد علی صاحب ردولوی کا مختصر سا رسالہ ہے، لیکن چونکہ ہماری زبان میں فنون لطیفہ کے متعلق بہت کم مواد نظر آتا ہے، اس لئے محمد علی صاحب کی یہ کوشش یقیناً قابل ستائش ہے اور فن تصویر کشی سے دلچسپی رکھنے والوں کیلئے مفید اطلاعات کی حامل ہے۔ ہم رمن تعلقدار پریس لکھنؤ سے مل سکتی ہے۔

قریۂ ویران جناب سید راحت حسین صاحب بی۔ اے نے انگریزی کے مشہور شاعر گولڈ اسمتھ کی مقبول نظم ڈزرٹڈ ویلج (Deserted Village) کا منظوم ترجمہ اس نام سے شائع کیا ہے۔ اس رسالہ میں پہلے ایک مقدمہ ہے جسکو اردو شاعری کی تاریخ پر ایک ماہرانہ تبصرہ کہنا چاہیئے، اس میں قابل مترجم نے نہایت جامعیت کے ساتھ اردو شاعری کے عروج وزوال سے بحث کرکے اس کے مختلف ادوار قائم کئے ہیں اور ہر دور کے شعراء کا مختصر ذکر کرکے شاعری کے محاسن وعیوب کو دکھایا ہے اور اخیر میں شاعری کے جدید دور سے بحث کرکے مقدمہ کو ختم کردیا ہے۔

مقدمہ کے بعد روداد کے عنوان سے اصلی نظم کے متعلق اظہار خیال کیا ہے اور پھر گولڈ اسمتھ کے حالات زندگی لکھکر نظم کا ترجمہ پیش کیا ہے۔

گولڈ اسمتھ کی یہ نظم اپنے جذبات کے لحاظ سے عجیب وغریب سمجھی جاتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ غیر زبان کے جذبات کو منتقل کرنا اور وہ بھی نظم میں نہایت دشوار امر ہے، لیکن سید راحت حسین اس میں بڑی حد تک کامیاب ہوئے ہیں ہر چند یہ ترجمہ [illegible] ہے اور نہ ہوسکتا تھا، لیکن مفہوم پر پوری طرح حاوی ہے۔ چونکہ نظم انگریزی اکزمینر کورس اور ایف۔ اے کورس میں شامل رہتی ہے [illegible] ہے کہ راحت حسین صاحب کا یہ ترجمہ طلبہ میں بھی مقبول ہوگا۔

ضخامت ۵۰ صفحات ہر تقطیع چھوٹی، کتابت وطباعت دلکش قیمت عہ ملنے کا پتہ مرغوب ایجنسی لاہور۔

تیغ اور مسلم منشی صاحب جالندھری کی ایک دل آویز نظم ہے جسے مرغوب ایجنسی لاہور نے اپنے مخصوص سائز پر شائع کیا ہے۔

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا عطر حنا ہر موسم میں استعمال ہوسکتا ہے

پہلے حصہ مین مسلم کا تیغ سے شکوہ ہے اور دوسرے حصہ مین اس شکوہ کا جواب ہے۔ ضخامت ایک جزو ہے اور قیمت ۲ر

خطاب بہ اقبال سید شوکت حسین صاحب (علیگ) کی ایک مختصر فارسی نظم چار جزو ہے جسے بشیر بک ڈپو کمالیہ (منٹگمری) نے شائع کیا ہے۔ اس مین ڈاکٹر اقبال کی اشک ریزی کا شکوہ کیا گیا ہے اور عمل کی دعوت دی گئی ہے۔ اگرچہ خاک بشیر بک جا بجا خود داعی کے بھی آنسو ٹپک گئے ہین۔ قیمت ۲ر

پردۂ غفلت یہ ڈرامہ متجبہ ہے سید عابد حسین صاحب بی۔ اے۔ ڈی، کی جنبش قلم کا جس مین مسلمان رئیسون کی معاشرت پر روشنی ڈالتے ہوئے نسائیات کے بعض اہم مسایل (تعلیم، پردہ، شادی وغیرہ) پر نہایت سنجیدگی کے ساتھ اظہار خیال کیا گیا ہے۔

اس وقت اردو مین ڈرامہ کی متعدد کتابین نظر آتی ہین، لیکن غالبًا یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ حقیقتًا پردۂ غفلت ہی ایک ایسا ڈرامہ ہے جسکو ہم صحیح معنی مین اس لفظ سے موسوم کر سکتے ہین۔

جس طبقہ کے حالات فاضل مصنف نے پیش کئے ہین، اسکے تمام خصوصیات اور خصوصیات کی تمام جزئیات کا لحاظ رکھا گیا ہے اور ڈرامہ کا مطالعہ کرنے والا ایسا محسوس کرتا ہے کہ تمام باتین واقعی اسکے سامنے ہو رہی ہین۔ اسی کے ساتھ جہان جہان مسائل معاشرت پر اصولی گفتگو کی گئی ہے وہان ایسے عمیق خیالات پیش کئے گئے ہین کہ ان سے زیادہ نفسی تجزیہ ممکن نہین اس مین ایک مزاحی کیرکٹر بھی ہے اور وہ بھی کم دلچسپ نہین۔

یہ کتاب برلن مین ٹائپ کے حروف مین طبع کرائی گئی ہے اور نہایت خوبصورت نمونہ ٹائپ کی طباعت کا ہے ضخامت ۱۴۶ صفحات۔ قیمت عہ ملنے کا پتہ شرکت ادبیہ علیگڈھ۔

چند جدید رسائل اس زمانہ مین جو چند جدید رسائل جاری ہوئے ہین ان مین سے قابل ذکر اکبر، نور جہان تجلی اور پریم ہین

اکبر ماہواری رسالہ ہے جسے الہ آباد کی انجمن دار الادب نے ۲۰½×۳۰½ سائز کے ۶۰ صفحات پر اکبر مرحوم کی یادگار مین جاری کیا ہے اس مین وقتاً فوقتاً اکبر مرحوم کے غیر مطبوعہ خطوط شائع ہوتے رہتے ہین اور افسانون، علمی مقالات اور ڈرامون کے علاوہ ایک ناول کا ترجمہ بھی مسلسل شائع ہوتا ہے طباعت و کتابت پاکیزہ ہے اور کاغذ بھی اچھا استعمال کیا جاتا ہے۔ قیمت سالانہ ۱ لیہ ہے۔

نور جہان، زنانہ رسالہ ہے جو ایک خاتون سعادت سلطانہ کی اڈیٹری مین امرت سر سے جاری ہوا ہے، بڑی تقطیع کے ۸۰ صفحات پر شائع ہوتا ہے اور قسم اول کی قیمت پانچ روپیہ اور قسم دوم کی قیمت تین روپیہ مقرر ہے۔

تجلی، مولوی سید ظہور احمد صاحب وحشی کا ماہوار رسالہ ہے جو ۲۰½×۳۰½ سائز کے ۲۴ صفحات پر دہلی سے ماہوار شائع ہوتا ہے۔ جنھون نے دین و دنیا کا مطالعہ کیا ہے انھین معلوم ہے کہ آپکے مضامین مین کسقدر تنوع اور ادبیت ہوتی ہے۔ اس رسالہ کا مقصود مسلمانون کی اقتصادی اور سیاسی اصلاح ہے سالانہ چندہ دور دیہ مقرر ہے اور دفتر تجلی فراشخانہ دہلی ہے

پریم، پنجگ کا ہفتہ وار اخبار ہے جو جنوری ۱۹۲۶ء سے جناب تاجور نجیب آبادی کی اڈیٹری مین لاہور سے جاری ہوا ہے۔ اسکے مضامین نہایت صاف و سلیس زبان مین ہوتے ہین اور متعدد تصاویر بھی بچون کی دلچسپی کیلئے دیجاتی ہین۔

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی سچائی، معاملہ کی صفائی اور مال کی عمدگی مشہور ہے

اقتباسات و معلومات

ہمالیہ کی بلند ترین چوٹی ایورسٹ ۲۹۱۴۰ فٹ ہے اور یہانتک پہونچنے کیلئے ہر سال جانون کی قربانی کیجاتی ہے۔ اس وقت تک ہوائی جہاز کے ذریعہ سے وہان پہونچنے کی کوشش نہین کی گئی تھی، کیونکہ کوئی شخص اسوقت تک جہاز کو اسقدر بلند نہین لیجا سکا تھا۔ لیکن اب مسٹر کالیئر وجس نے ۳۹۰۰۰ فٹ کی بلندی تک اڑکر تمام گزشتہ رکارڈ کو توڑ دیا ہے، اس امر کیلئے آمادہ ہوئے ہین کہ وہ ایک سبک لیکن نہایت بلند پرواز والے جہاز کو وہان تک لیجائین۔ انکے ساتھ امریکہ کا ایک مصور بھی ہوگا جو سنما کی تصویرین بناتا ہے

اس چوٹی پر اسکی بلندی کی وجہ سے آکسیجن کی بہت کمی ہے اور بیان کیا جاتا ہے کہ وہان کی ہوا بڑے بڑے پتھرون کو دور تک اڑا لیجاتی ہے۔ اس لئے اہتمام کیا گیا ہے کہ آکسیجن کی ایک خاص مقدار اپنے ساتھ لیجائین اور تھرمون کی پرواز سے بلند رہکر اس چوٹی کے مناظر کی تصویرین حاصل کرین۔

فرانس کے ایک پروفیسر ڈارسنوال نے دنیا کو اس عجیب و غریب تجربہ سے آگاہ کیا ہے کہ برقی آلات سے خواہ وہ کتنی ہی قوت کے ہون کوئی جاندار مر نہین سکتا۔ بلکہ وہ صرف ایک وقتی غفلت ہوتی ہے جو بعد کو دور ہو سکتی ہے۔

اسنے متعدد حیوانات پر نہایت شدید برقی قوت کا تجربہ کیا یہانتک کہ موت کی تمام علامتین نمودار ہوگئین، لیکن بعد کو اسنے پھران کو زندہ کر دیا۔

ٹرامویے اور ٹیلیفون وغیرہ کے تارون اور ستونون سے لپٹ کر موت کے حوادث اکثر ہوتے رہتے ہین لیکن اب اس تحقیق کے بعد یہ معلوم ہوا کہ اسوقت تک جتنے آدمی اس طرح مردہ سمجھے گئے وہ حقیقتاً زندہ تھے اور صرف جہل کی وجہ سے زبردستی مردہ بنا دئے گئے لیکن جب تک پروفیسر مذکور کی تدبیر عام ہوگی اس وقت تک خدا جانے کتنی جانین اور زیلی کی نذر ہو جائین گی

امریکہ ایک مہندس آرمسٹرانگ نے فولاد اور سمنٹ کے مصنوعی جزیرے بنائے ہین جن کا طول ۱۲۰۰ گز اور عرض ۶۰۰ گز ہے یہ جزیرے سمندر مین لنگرون کے ذریعہ سے قائم کئے جا رہے ہین تاکہ وسیع سمندرون پر اڑنے والے جہازون کیلئے اسٹیشن کا کام دے سکین

فرانس کے ایک موجد نے حال ہی مین ایک تصویر متحرک کو لاسلکی امواج کے ذریعہ سے منتقل کرنے مین کامیابی حاصل کی ہے۔ اسکا بیان ہے کہ سنہ ۱۹۲۶ء ختم ہونے سے قبل نہ صرف ایک مقرر کی تصویر بلکہ اسکے تمام حرکات و سکنات دنیا کے ہر گوشہ مین لاسلکی کے ذریعہ سے منتقل ہو سکین گے، یعنی لاسلکی کے ذریعہ سے سننا اور دیکھنا دونون ساتھ ہو سکیگا اور بالکل ممکن ہے کہ چند سال بعد چھوٹا اور

کارخانہ اصغر علی محمد علی کا عطر جسقدر پرانا ہوگا اتنی ہی اسکی خوشبو دیرپا ہوگی

اور سونگھنا بھی اسی طور پر ہو سکے۔

بعض محققین کا خیال ہے کہ جب انسان کسی امر کا خیال کرتا ہے تو اسکے دماغ سے ایک سلسلہ امواج کا پیدا ہو کر فضا میں پھیلتا ہے اور جبکہ ہر وہ شخص جس کا دماغ ان امواج کے قبول کرنے کا اہل ہے آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

اطالیہ کے پروفیسر کازامالی نے اسکا تجربہ بعض دماغی امراض میں مبتلا ہونے والے لوگوں پر کیا اور کامیابی ہوئی۔ اس نے ایک مرد اور ایک عورت کو کوٹھری میں بند کر کے مسمریزم کا سا عمل بنایا اور اُن کی دماغی امواج میں تحریک پیدا کی اور ایک لاسلکی آلۂ سماعہ کے ذریعہ سے اُن کے دماغ کے امواج کو سنا۔

گذشتہ جنگ عظیم کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس وقت تک اسکے نقصانات کا پورا علم بھی لوگوں کو حاصل نہیں ہوا اور ابتک ماہرین فن اسکا صحیح علم حاصل کرنے کیلئے کوشش کر رہے ہیں۔

حال ہی میں رسالہ کرنٹ ہسٹری کے ایک فاضل مضمون نگار نے اس بحث پر گفتگو کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ اس جنگ عظیم میں ۹۵ ۵ ۴۶۱ ۸ جانیں ضائع ہوئیں اور ۵ ۳ ۹۹۳ ۲۱۰ آدمی زخمی ہوئے گویا کُل ۰۰۰۰۰۰ ۶ ۵ افواج میں سے ۰۰۰۰۰۰۰ ۳ ہلاک و مجروح ہوئے۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ بیماری کی وجہ سے بہت کم موتیں وقوع میں آئیں اور یہ غالباً پہلا تجربہ ہے ورنہ اس سے قبل افواج کا نقصان جنگ سے اتنا نہیں ہوتا تھا جتنا بیماری سے تاہم امریکہ کی افواج کو نسبتاً بیماری سے زیادہ نقصان پہونچا۔ روس کے نقصانات ہر چند جرمنی سے کم ہوئے لیکن روس نے جنگ بھی پہلے ہی ختم کر دی تھی، جرمنی کا نقصان ۰۰۰ ۳ ۱۷۷ جانوں کا ہوا۔ لیکن رومانیا سب سے زیادہ خسارہ میں رہا کیونکہ اسکی ۰۰۰ ۵۷ آدمیوں میں سے ۷۶۰ ۵ ۳۳ ضائع ہوئے۔

اہل نیویارک کی راحت پسندی اور عیش پرستی کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ وہاں ۱۹۲ باضابطہ تھیٹر قائم ہیں اور ۵ ۴۸ عکاسخانے (سنما) ہیں۔ تھیٹروں کے اسٹیج میں ۷۱۶ ۳۰۹ آدمی آسکتے ہیں اور عکاسخانوں میں ۵۹ ۴۳۴ آدمیوں کی گنجائش ہے پھر ہجوم کا یہ عالم ہوتا ہے کہ ہمیشہ زرا دیر میں پہونچنے والوں کو باہر ہی اعلان نظر آتا ہے کہ "صرف کھڑے ہونے کی جگہ باقی ہے"

ریڈیو کو گزشتہ دو تین سال کے اندر وہاں اسقدر درجۂ قبول حاصل ہوا ہے کہ صرف سال حال میں وہاں کے باشندوں نے اسپر ۰۰۰۰۰۰ ۴ پونڈ صرف کئے ہیں۔ اس وقت امریکہ میں ۱۲۰۰ کارخانے ہیں جہاں ریڈیو کے آلات بنائے جاتے ہیں ان تمام کارخانوں میں تین لاکھ آدمی کام کرتے ہیں اور ۴۰۰۰ دوکانیں اسکا سامان فروخت کرتی ہیں۔

آفتاب کی شعاعوں میں ایک غیر مرئی رنگ ہے "قوی البنفشی" (Ultra - Violet) کہتے ہیں

دیسی عطریات کا استعمال کرنا ہے تو کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی فہرست طلب کیجئے

اب اس شعاع سے مہبت سے امراض دور کرنے کا کام لیا جاتا ہے۔ اور ولایت کے تمام اسپتالوں میں ایسے آلات موجود رہتے ہیں جن کے ذریعہ یہ شعاع مریض پر ڈالی جاتی ہے۔

اب امریکہ کے ایک ڈاکٹر نے ان شعاعوں کے محفوظ رکھنے کا ایک خاص طریقہ اور ایجاد کیا ہے یعنی مچھلی کے تیل پر وہ ان شعاعوں کو ڈالتا ہے اور یہ تیل قدرتاً ان شعاعوں کو جذب کر کے محفوظ کر لیتا ہے یہ تیل بچوں کو غذا کے بعد دیا جاتا ہے اور اس سے بالکل وہی فائدہ حاصل ہو سکتا ہے جو اصل شعاع سے حاصل ہوتا ہے۔

یورپ کے بعض علماء نے نہایت محنت و کاوش سے بندروں کی زبان سمجھنے میں کچھ کامیابی حاصل کی ہے اور وہ اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ بندر اپنے خاص اغراض کیلئے خاص الفاظ استعمال کرتے ہیں، چنانچہ لفظ غاک غذا طلب کرنے کیلئے اور کاہ ہا ہنسی کیلئے اور "ہو آوہ" خوف کے وقت نکالتے ہیں۔

انھوں نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب تصنیف کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ چمپنزی بندر کے منہ میں بجنسہ ویسے ہی اعضا نطق پائے جاتے ہیں جیسے انسان کے منہ میں اور اس میں انسان کی طرح ذہانت بھی پائی جاتی ہے جس سے وہ ایسے الفاظ استعمال کر سکتا ہے جو معانی پر دلالت کریں۔

جرمنی میں ٹیلیفون کی ترقی اس حد کو پہونچ گئی ہے کہ ڈاک گاڑی کے بیٹھنے والے جب کہ وہ نہایت تیزی کے ساتھ حرکت کر رہی ہو اپنے گھروں سے زیادہ ٹیلیفون گفتگو کر سکتے اور سن سکتے ہیں۔

تین منٹ گفتگو کرنے کیلئے ۵ مارک لئے جاتے ہیں۔

یورپ میں آج کل گھوڑوں اور بیلوں کے بجائے زراعتی موٹروں سے کام لیا جاتا ہے یہ موٹریں حالت حرکت میں زمین کو کھودتی، اور برابر کرتی جاتی ہیں، اوپر کا حصہ کی مٹی کھود کر اپنے ساتھ لیجاتی ہیں اور جہاں نشیب ہوتا ہے وہاں ڈال دیتی ہیں۔ یہ مخصوص گاڑیاں ہیں جو صرف زمین کو ہموار کرنے کی غرض سے بنائی گئی ہیں۔ یورپ سے زیادہ ایسی موٹروں کی ضرورت ان ممالک کو ہے جہاں آب پاشی سے کاشت کیجاتی ہے تاکہ زمین کی سطح برابر کو ہر جگہ پانی آسانی سے پہونچ سکے۔ کیا ہندوستان کے کاشتکاروں کا متمول اس حد تک پہونچ سکتا ہے کہ وہ ایسے آلات سے کام لیں۔

قیل وقال | اتحاد مذہب و فلسفہ کے متعلق بہترین کتاب مصنفہ محمد فاروق ایم۔اے سی قیمت مجلد عہ۔
منیجر نگار بھوپال

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا ٹیلیفون نمبر ۱۳۹ ہے



یہ وہی خضاب خوردنی ہے جسکے صرف بیس یوم کے متواتر کھانے چالیس دم کے بھی اندر سفید بال ہمیشہ کے لئے سیاہ دلائم ہو جاتے ہیں چہرہ کا رنگ روغن بھی جوان کیطرح دمکنے لگتا ہے نزلہ کو ہمیشہ کے لئے کھوتا ہے آنکھوں میں طلاقت و نور ترا و ہو جاتا ہے بال جیسے ہی وقت سے پہلے یا وقت پر سفید ہو گئے ہوں وہ سب از سر نو شمل قدرتی بالوں کے سیاہ ہو جاوینگے۔ بینائی کو سقدر تیز کرتی ہے کہ ذائد سے زائد چالیس قدم کے اندھیرے تک کی سوئی دیکھ لیتا ہے۔ قوت حافظہ کو بڑھاتا ہے اور عقل کی یہ حالت ہوتی ہے کہ جو کھاتے ہی مضمر قوت باہ کو اسقدر بڑھاتا ہے کہ اسکا کھانیوالا بعد استعمال اپنے کو قابل فخر جوانوں میں شمار کرنے لگتا ہے غرض اسکے کھانے سے حقیقی معنوں میں شباب قرآن ہوتا ہوا نظر آنے لگتا ہے اسلئے اب آپ اپنے کھوئے ہوئے خضاب کی شیشیاں تو ڈاک پھینکدیجئے اور اسے استعمال کیجئے بڑے بڑے سند یافتہ حکیم ڈاکٹر وید وغیرہ کو کہ زیادہ تر اسی سے روزگار کما کر شہرت حاصل کرتے اور صدہا روپیہ پیدا کرتے ہیں۔ جس تعجب یا گانوں میں اس کا ایک پارسل پہنچ جاتا ہے اسکے حیرت انگیز خواص کو دیکھکر تیز بالکل ہی صدر ہو جاتی ہے وجہ یہ ہے کہ سوی معمولی گانوں دیہاتوں آمد و رسد آتے ہیں لطف یہ ہے کہ ہر ہر طرف سے والا ہر جگہ سے حتی کہ سفر تک میں بھی استعمال کر سکتا ہے پرچہ کیساتھ استعمال ہمراہ پارسل ملیگا قیمت مکمل بکس خوردنی خضاب کی صرف سات روپیہ آٹھ آنہ۔ ڈبیس بکس عمدہ محصول ڈاک۔

المشتہر کارخانہ خوردنی خضاب حکیمی شفا لکھنؤ

نوٹ ۔ ہمارے نائب کے خریدار کو ماہل ۱ روپیہ کمیشن دیا جائیگا۔

عالیجناب آنریبل حضرت احمد صاحب سکریٹری کانگریس و مشہور مقرر فرماتے ہیں کہ آپکا سرمہ خضاب خوردنی کا استعمال کیا گیا سر سے کچھ بال جو بوجہ زلہ عالم شباب ہی میں سفید ہو گئے تھے بفضلہ اسکے استعمال سے بالکل سیاہ ہو گئے راہ مہربانی دوستوں کے لئے دیکھیں ارسال کیجئے

مقامی اخبار شیعہ کالج نیوز نے "جون ۲۲ء کے پرچہ میں ریویو کیا ہے کہ میں نے خضاب خوردنی کا تجربہ کیا تو واقعی سفید بالوں کے سیاہ کرنے میں بیحد مجرب ثابت ہوا علاوہ اسکے دافع نزلہ، قوی باہ، قوی بصر اور ہاضمہ وغیرہ کے حق میں تو اکسیر ہے۔

عالیجناب سید وحید الرحمان خانصاحب آنریری مجسٹریٹ درجہ اول مقام منڈاسور ان الفاظ میں اپنی تحریر فرماتے ہیں کہ آدھی داڑھی کے بال سیاہ ہو چکے ہیں چوتھائی باقی ہیں کہ آپکا خضاب استعمال کیا تو بقیہ بھی سیاہ ہو گئے۔ جلد بھیجدیجئے۔

عالیجناب پیر صاحب کارخانہ فقیری پھول پور پوسٹ آگرہ ضلع بتاب گڈھ درج تحریر فرماتے ہیں کہ آپکا خضاب خوردنی بہت مفید ثابت ہوا اس طرف میں اسکی دھوم مچگئی ہے لہذا جلد سے جلد چھ بکس بذریعہ وی پی۔ روانہ بھیجدیجئے۔

سید جالب صاحب دہلوی ایڈیٹر روزنامہ ہمدم نے ۲۹۔ جون ۲۲ء کے پرچہ میں خضاب ہذا کے اجزا کے متعلق ریویو فرمایا ہے کہ اسکے اجزا نظام انسانی خصوصاً اعصابی پر نہایت اثر کرتے ہیں۔ معدہ کو تقویت دیتے ہیں۔ غذا جذب نہ کرتی ہے اعصاب قوی نہ ہونے ہیں امراض بلغمی کا ازالہ ہو جاتا ہے ابھی چیزہے علاوہ اسکے ہر طرح اطمینان کیلئے صدہا میں سے چند مکمل شکریہ نامے ہماری دوسری اشاعت کے اخیر میں درج کرتا ہوں جنکی غالباً ہوئی شمار ہوں پڑھ لیجئے ایک بار آپ ہمارے دوسرے اخبار کے متعلق مصنف مقالات اصلاحی مصنف المفردات و مصنف فاروقیہ پیر کو کا پرنٹ و مصنف خزانۃ الادویہ وغیرہ کے علی خواص اور ہر پورے فائدہ

ہمارے مصنوعات کی نقل سے ہوشیار رہیں ہر شیشی پر ہمارا لیبل اور ٹریڈ مارک ہے اور ہر ڈبیہ پر ہمارا ٹریڈ مارک ہے۔

عشق کے مبتلا

اپنے حکام کے مظلوم دشمن کو پسپا کرنے کے خواہشمند۔ سچی محبت پیدا کرنے یا کسی کے دل پر اپنا قبضہ کرنے یا معزز سے معزز اور حجاب شعار معشوق کو بھی اپنا مطیع اور فرمانبردار بنا کر اپنی محبت میں دیوانہ اور فریفتہ کرنے اور خود سے اپنا عاشق بنانے کے خواہشمند حضرات اگر چاہتے ہیں تو مبلغ دو روپیہ آٹھ آنہ بذریعہ منی آرڈر بھیجکر نیز نام محبوب اگر معلوم ہو سکے ورنہ کچھ مضائقہ نہیں لکھکر تعویذ اور معوف عطیہ فقیر جسکے ذریعہ صدہا نہیں بلکہ ہزاروں نامراد حضرات اپنی مرادوں کو پہونچ چکے ہیں طلب فرما کر کلام الٰہی کا معجزہ دیکھئے تعویذ کو بازو پر باندھئے اور معوف یعنی پھونکا ہوا لوبان کی دھونی دیجئے پھر دیکھئے نہ کہئے نہ سنئے نہ کوشش کیجئے خود ہی بیقرار ہو کر انشاء اللہ تعالیٰ عمر بھر کے لئے وہ آپکا غلام بنجائیگا۔ اور خوشی سے ہر کام کرنے کیلئے آمادہ ہو جائیگا۔ اس تعویذ کا پاس رکھنے والا اگر کسی دشمن میں یا شب میں ذریعہ خواب کے کسی بزرگ کی حسین اور نورانی شکل دیکھے تو خائف نہ ہونا چاہئے علاوہ اسکے ہر مرض اور ہر ضرورت کے لئے تعویذ بھیجا جاتا ہے ہدیہ یہی ہی ہوگا۔ بلا قید مذہب و ملت ہر شخص اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

ایک تعویذ ایک ہی محبوب کے لئے کام آسکتا ہے۔ منگانے کا پتہ

پیر جی مشہد در عامل۔ لکھنؤ۔

۲۰ ناول دو روپیہ میں

جم تقریباً آٹھ سو صفحات لکھائی چھپائی اعلیٰ جسمیں جاسوسی عیاری تاریخی واقعات نصیحت حسن و عشق کے نوشتہ امیس بھی ہیں کچھ باتیں اپنی منگانے کا اعلان سے فائدہ اٹھائیے پھر نہ کہیئے گا کہ ناپسند ہوا اس سستی اور کوئی تجربہ تو ایسی کا وعدہ پیسہ واپس۔ مینیجر عظمت بک ڈپو۔ لکھنؤ۔

جوب لقمانی

ایک گولی کھا لیجئے ایک ہی گھنٹہ بعد قوت باہ قوت رجولیت اور امساک میں اس غضب کی قوت پیدا ہوتی ہے بے چینی ہوتی ہے لطف صحبت تو گھنٹوں رہتا ہے مزہ یہ ہے کہ اگر کمزور بھی ہونگے تو بھی کسیطرح کی تکان نہ معلوم ہوگی بلکہ دمبدم قوت میں اضافہ ہوتا رہیگا جبتک نرمی نہ چھوٹے فراغت ہوگی بعد فراغت ایک گولی کھالیں تو کمزوری اور تکان رفع ہو کر طبیعت پھر تازہ ہو جائیگی اور پھر دوبارہ جماع کرنیکی قوت پیدا کر دیگی جتنی مرتبہ مباشرت کرینگے ہر مرتبہ پہلی سی قوت پائینگے فی دس دس گولی بمعہ محصول ڈاک

روغن لقمانی یہ روغن بیحد مذہذ و مفرح ہے ایک ہی قطرہ عضو پر کار جماع کرنیسے وہ مزہ وہ لطف حاصل ہوتا ہے کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہیں رہتی مشغول و مستغرق سے فریفتہ ہو جاتی ہے زن و شوہر کے تعلقات کو حقیقی معنوں میں عشق کے درجہ تک پہونچاتا ہے بوجہ زیادتی لطف عاشق و معشوق نشہ شباب میں چور ہو کر بیقراری اور بے کلی و مستی اور بیہوش ہو جاتے ہیں اگر آپنے ابتک اسکا استعمال نہیں کیا تو گویا دنیا میں آپنے کچھ دیکھا ہی نہیں قیمت فی شیشی دو روپیہ محصول ڈاک کوئی دعا سب تحریرات نمونے پر واپسی قیمت کی شرط ہے مینیجر عظمت الکحلاج میدہ کلاں لکھنؤ

مایوس نہو

اگر جوانہ شباری ادویہ نے لوگوں کو بیزار کر دیا ہے تو ہم آپکو قوت رجولیت کے طلاسمی بیمثل نمونہ مصرف پانچ یوم کے مفت بھیجتے ہیں علاوہ محصول ڈاک کے طلب فرمائیں ہر عمر میں جسمیں انگریزی علاج سے مایوس ہو چکے ہوں عضو مخصوص کو موٹا قوی اور دراز کر کے جماع کی کوتاہی سیزچل کی کمزوری تمام تر کو دور کر کے دوبارہ شباب کا لطف پیدا کر دیتے ہیں نمونہ ۱۶ یوم کیلئے علاوہ محصول ڈاک دو روپیہ آٹھ آنہ میں طلب فرمائیں ۲۱ یوم تک جماع پر سہ گنی قوت حاصل ہو جائیگی اور بھی کریں تو پوری تشفی کی ہمارا عہد ہے کہ ۲۱ یوم کے بعد بھی اگر کوئی نقص رہ جائیگا تو پوری شیشی کے عوض دوسری شیشی بلا قیمت بھیجدیں گے مزید برآں ۲۱ یوم کے بعد ہمارا عہد ہے کہ اگر آپکو پوری طاقت حاصل نہ ہوگی تو پوری قیمت واپس کر دیں گے ۲۱ یوم کے اندر اندر اگر آپکی مرضی تبدیل ہو جائے تو ہم قیمت واپس کر دیں گے ۲۱ یوم کے بعد ہمارا عہد ہے کہ اگر آپکو پوری طاقت حاصل نہ ہوگی تو پوری قیمت واپس کر دیں گے ۲۱ یوم کے اندر اندر اگر آپکی مرضی تبدیل ہو جائے تو ہم قیمت واپس کر دیں گے مینیجر دواخانہ عظمت الحلاج لکھنؤ

اصلی کوک شاستر یا بہار عیش

المعروف لذت النساء باتصویر ۴۶ آسن والا

یہ وہ کوک شاستر ہے جو آجکل ہر ایک کتب فروش سے مل سکتی ہے بلکہ یہ وزیر کشمیر گلاب صاحب کے خاص الخاص بیاض سے کہ پرانی کوک شاستر کا لفظ بہ لفظ ترجمہ ہے جس کو اب تک عام لوگون کو تو کیا بڑے بڑے رؤسا کو بھی زیارت نصیب نہ ہوئی تھی آسمین وہ تمام باتین درج ہین جن کے جاننے کے لئے آپ سیکڑون روپیہ برباد کر چکے ہین اور پھر بھی مطلب حاصل نہین ہوا یہ کتاب سوائے ہمارے دوسری جگہ ہرگز نہین مل سکتی اس کتاب مین صدہا مفید اور ٹھوس مطلب کی باتین درج ہین عورت مرد کے متعلق ہزارہا سینہ بسینہ راز اور خاص حالتون کی عورت و مرد کی اکٹھی برہنہ تصویرین ..... ۴۶ بہترین آسن کا مفصل بیان طبی۔ مذہبی اور علمی اصول درج بھی ہین۔ بعد مین شکایت نہ کرین خفیہ دھڑا دھڑ بک رہی ہین آج منگا کر حسرت پوری کیجئے ورنہ ممکن ہے کہ پھر اسکی ایک جلد بھی باقی نہ رہے اور سوائے افسوس کے کوئی چارہ نہ رہے گا۔ خبردار دیکھئے غفلت مین نہ رہیگا۔ قیمت فی جلد دو روپیہ محصول ۴ علاوہ۔

ملنے کا پتہ:- مینیجر جنرل بک سپلائی کمپنی لکھنؤ۔

دیوان جان صاحب چھپ گیا

پچاس برس کے بعد دوبارہ زیارت کیجئے

لکھنؤ کے مشہور تریخی نگو شاعر میر یار علی صاحب جان مرحوم کا مایہ ناز دیوان جان صاحب چھپ گیا اگر آپکو لکھنؤ کی بیگماتی اور کمالی زبان اور واجد علی شاہ کے زمانہ کی معاشرت کا فوٹو دیکھنا ہو تو اسے منگا کر پڑھئے اور لطف اٹھائیے ادبی دنیا مین اس دیوان کی سخت ضرورت ہے

قیمت ایک روپیہ — کلیات جان صاحب قیمت ۴ر

مسنی کا پٹارا

یعنی ہنسنے ہنسانے کا زبردست ٹھیکہ دار

اقلیم مذاق کا بیشل تاجدار ہنسی دل لگی کا قافلہ سالار پڑھنے والون کو بات بات مین لوٹن کبوتر بنا دینے والا جسکے چٹ پٹے مضامین تمام کھایا پیا ہضم کر دینگے۔ صرف ایک کارڈ دھر گھسیٹئے تاکہ جلد سے جلد اودھ فوڈ سے پیشتر حاضر ہو کر آپکے اضمحلال کی دم کاٹ دے بیشک اگر اس کتاب کو بارہ مصالحہ کی چاٹ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا اول سے آخر تک دیکھ جائیے ایک فقرہ بھی ایسا نہ ملیگا جسکو پڑھکر سوء تبہ ہنسی نہ آوے یون سمجھئے کہ یہ کتاب ایک بزم عشرت ہے قیمت صرف ۸ر ظرافت جان ۸ر لطائف بیربل مکمل ۱ر جسینون کا مذاق ۴ر شوشانہ لطافت ۴ر بزم خیال ۸ر

پتہ:- مینیجر عظمت بک ڈپو لکھنؤ

عالیجناب شیخ عظمت الٰہی صاحب المتخلص عاملؔ سلونوی شہرہ آفاق مسمریزم و ہپناٹزم دانشمند کی عدیم المثال اور قابل قدر تصانیف

فریبی عاشق

مسمریزم و ہپناٹزم کی مافوق الطبیعات طاقتوں نے ایک یتیم کے کانوں کے پردوں کو بھر دیا ہے جسکی عجیب و غریب کارروائیاں دیکھکر آنکھیں آئینہ حیرت ہوگئی ہیں اگر آپکو اسکے اعلیٰ راز دیکھنے ہیں تو اس کتاب کو پڑھکر دیکھئے ایک بھی بھلائی شریف لڑکی پر ایک مسمریزم عاشق ہوتا ہے اور اسکا باپ خود اس لڑکی کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اس سے شادی کرے بلکہ لالچ اسکو بیوی بنایا جاتا ہے ایک بزرگ جسکا سینہ نور اسلام سے معمور تھا جس کے ارگرد پیمین حمایت کا جوش تھا اور اس جادوگر مسمریزم کو شکست فاش دیتا ہے اور اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ روحانیت پر کبھی مادیت غالب نہیں ہو سکتی قیمت ۸/ ناول

بدنصیب لڑکی

یہ ناول ایک شریف خاندان کی تعلیم یافتہ ہونہار اور حسین لڑکی کی تباہ شدہ زندگی کا مکمل فوٹو ہے جسنے پردگی کے نقصانات تعلیم غیر ضروری کی خرابیاں دکھائی گئی ہیں ایک فریب لڑکی کا بیٹا ہو کر ان باپ کے بہت کم قوانین عصمت سے ننگ و عار کو چھوڑنا اور برے مستقبل کا خیال نہ کرنا کیسی بڑی گناہ فاعل ۸/ ہنسی کا پتا ۱/

نواب سنہ ۲۱

نوابی دربار کے نوابی ٹھاٹ خوشامدی صفت خود غرض ہجوم بھوسے نواب کی اکڑفوں اور پرمن و عیش کی نیت کی صدائے بے ہنگام دل کا ایک معشوق دو عاشقوں کے چار فریق میں ایسا ستم ہو کہ نہ صرف اپنی بلکہ دادا پردادا کی جمع کی ہوئی دولت اور باپ کی گاڑی کمائی کو ٹھکانے نہیں اٹھا کر بے باق ہو جاتے ہیں اور بالکل اسکے مصداق بنتے ہیں

ڈاڑھی اور مونچھ کا صفایا ہے

فارغ السبال اسکو کہتے ہیں

یہ ناول نہیں بلکہ ناول گرہ ہے نہد و ستان کے بہترین غلامت نگار سجاد حسین مرحوم اوڈیٹر اودھ پنچ اودھ عالمگیر کے مشہور مسخرے وقائع نویس نعمت خان عالی کا رنگ اس سے صاف صاف ظاہر ہوتا ہے دیکھنا چاہیں ان کی لائبریری میں رکھنے کے قابل ہے جسے ایک مرتبہ پڑھکر مبالغہ ایکمرتبہ ہنسے تو زر قیمت کے ۱۰ سو نفع دیکر واپس کئے جائینگے۔

دام فریب

مکر و فریب کی دنیا کا دردناک ناول خوشکن عبرت آمیز حیرت انگیز عبرتناک طاہر کی زندگی کے حیرتناک نازوں کا انکشاف زنان بازاری کے فریب دغا کے کارنامے ہر خوبرو دلربا۔ یا بھیسے کو تباہ مذا۔ طاہر کے عاشق زار کی ہمدرد عقل دہ انیسا اس عیار ان طاہر کی مکر و فریب کی شکست فاش کا ایک سنسنی خیز منظر دکھا کر ثابت کیا گیا ہے کہ ایک بدچلن کا انجام کار ان کی نظر دنیا میں نہ بھاتی ہے ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ایسے دلچسپ ناول مدت کم آپنے دیکھے ہونگے قیمت ۸/

رسالہ قوت باہ عظمتی

آئین کہ مدتہا ہیں آج قدردان کمال کے

کاغذ پر رکھدیا ہے کلیجہ نکال کے

دنیا گرگداز ہے کہ دہ نسخہ دہ دوا آپ ہوں وہ دوائیں ہیں جن سے یوسان قوت باہ کے دیوانے ہو گئے سلسلہ تکلین ایک نئے انداز کے ساتھ پیش کرتا ہیں جنمیں مشرق و مغرب کے عہد قدیم و جدید کے یونان و روم و ایران و عرب کے ان تمام تجربات و معلومات و مشاہدات کا نچوڑ کامل و مکمل طور سے جمع کیا گیا ہے جو عورت مرد کی مواصلت سے متعلق رکھتی ہیں ساتھ ہی خواص جماع مخصوص جماع لذت و آسائش و زینت و تندرست اور خوبصورت بچے پیدا کرنے کی تدابیر فلسفہ عشق فلسفہ ازدواج انتخاب بیوی تعلقات زن میں لطف مباشرت اور صحبت کے طریقوں و غیرہ کی ایسی اثر تعلیم دی گئی ہے کہ ضعف کرفتہ سستی نامردی جریان عسرت انزال وغیرہ کا مفصل بیان مرضوں کی تشخیص اور بیدہ ہونگے اسباب و علاج اور مخصوص خاص خاص اغلام وغیرہ کی تمام پیدا کردہ خرابیوں کے دور کرنیکے بیشمار نسخے آزمودہ بغیر طاہر کئے ہیں یہ رسالہ نسخہ جات جو اہل کے موجود اطبا صدہا روپیہ دیکر بھی اکثر اعتبار کے لئے نہیں ہوتے بغرض فائدہ عام صرف ۸/ میں آپ بھی اگر منگا کر اپنی حسرت دور کر دیگے ہی

نگار بکڈپو لمیٹڈ

تصانیف علیا حضرت فرمانروائے بھوپال

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
سبیل الجنان - مذہبی و عالمانہ تقریرون کا بیش بہا مجموعہ خواتین ہند کے لئے عجیب و غریب نعمت ہے۔	عہ ۴ر	**معیشت و معاشرت** - یہ دونو کتابین اس پایہ کی ہین کہ اگر عورتین ان کا مطالعہ کرلین تو پھر انکو خانہ داری کے متعلق کوئی بات اُن سے فروگذاشت نہین ہوسکتی بیشل	
سیرت مصطفےٰ - سیرت رسولؐ کے متعلق بیشل کتاب نہایت مستند روایات پر۔	عہ ر	کتاب ہے اور ہر گھر کے لئے ضروری ہے	عہ ۱۲ر
عفت المسلمات - پردہ کے مسئلہ پر اس سے بہتر کوئی کتاب اسوقت تک شایع نہین ہوئی جسمین شرق و مغرب کے تمام علما کے آرا کا نچوڑ ہے۔	۸ر	**تہذیب نسوان** - یہ کتاب بھی امور خانہ داری کے متعلق ہے اور نواب شاہجہان بیگم خلد مکان کی بہترین تصنیف خیال کی جاتی ہے۔	۴ر
اخلاقی سلسلہ - اسمین اکابر و بزرگان اسلام کے تاریخی واقعات یکجا کرکے مکمل درس اخلاق دیا گیا ہے بچون عورتون اور مردون کے مطالعہ کے لئے بے مثل مجموعہ قیمت چار دن حصون کی حسب ترتیب :- ۸ر ۱۲ر ۱۴ر	۱۲ر	**پچون کی پرورش** - اس کتاب کی خوبی و اہمیت نام ہی سے ظاہر ہے اسمین ۱۱ مضامین ہین بچون کے متعلق ابتدائے حمل سے لیکر انکی نشو و نما کے حالات امراض اور علاج وغیرہ نہایت خوبی کے ساتھ ظاہر کیے گئے ہین	۸ر
مہذب زندگی - اخلاقی سلسلہ کا پانچوان حصہ	عہ ر	**ہندوستانی گھرونمین تیمارداری** جسمین ۴۰ نقشہ شامل ہین	۴ر
ترتیب اطفال - عورتون کے لئے بے مثل کتاب	۸ر	**فرائض باغبانی ہدایات باغبانی** - یہ دونون ہر متمدن خاندان کے لئے ضروری ہین۔	۴ر
مقصد ازدواج - نکاح کے پر تمدن و معاشرت نقطۂ نظر سے بے مثل محاکمہ۔	۸ر	**باغ عجیب** - تین حصون مین مع تصاویر بچون کے لئے اخلاقی سبق دلچسپ قصون کی صورت مین نہایت دلچسپ کتاب ہے۔	عہ ۵ر
حفظ صحت - خواتین کو اسکا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔	۱۳ر	**ہدیۃ الزوجین** - نکاح کے پہلے اور اُس کے بعد ہر مرد اور عورت کے لئے اس کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔	۸ر ۹ر
تندرستی - اس کتاب کا بھی ہر گھر مین ہونا ضروری ہے۔	عہ ر		
درس حیات - اخلاق و آداب کے سیر لیے مین فرہنگ و جی کے تمام ضروری مسائل مع متعدد تصاویر - دوم	۴ر ۱۲ر		
اسلام اور عورت - اس کتاب کا مطالعہ ہر خاتون پر فرض ہے	۴ر		

تصانیف جناب میمونہ سلطان بانو بیگم صاحبہ

ذکر مبارک - سیرت النبی کے متعلق بے مثل کتاب ہے ... ۵ر

خلافتِ راشدہ - اسکا موضوع نام سے ظاہر ہے - بچوں کے لئے اس سے بہتر کتاب اس موضوع پر نہیں مل سکتی ۱۴

سلکِ مروارید - اکابر اسلام کے دلچسپ یکجا واقعات ۴ حصوں میں ... ۶

گل و ریحان - بچوں کے لئے نہایت دلچسپ و مفید کہانیاں - ۸ر

فرائض مادری - نام ہی سے اسکی خوبی ظاہر ہے ۱۲

سیاحت سلطانی - بیگم صاحبہ بھوپال کے سفر یورپ کے نہایت دلچسپ حالات ..... قیمت قسم اعلیٰ عہ قسم دوم ۴ر

فرائض النسار - فرائض خانہ داری پر بے مثل کتاب ہے -

ہر گھر میں اس کتاب کا ہونا ضروری ہے - ۴ر

عجائباتِ قدرت - سائنس کے مسائل نہایت آسان زبان میں بچوں کے لئے ۶ر

دیگر مصنفین

جہان آرا - بنت شاہجہان کی سوانح عمری - اگر آپ عہد مغلیہ کی خواتین کی زندگی کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں تو اس کتاب کو ضرور ملاحظہ کیجیے - بے انتہا دلچسپ و سبق آموز ہے - ..... قیمت ۸ر

تذکرہ حضرت بھلے شاہ - پنجاب میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو بھلے شاہ سے واقف نہ ہو آپ سترھویں صدی کے نہایت مشہور بزرگ تھے - اور آپکے حالات نا پید تھے - اب شاہجہانی تحقیقات سے فراہم کرکے یکجا کئے ہیں اور آپکی شاعری پر بھی مفصل تنقید کی گئی ہے - قیمت ۸ر

تکملہ ان فصاحت - فارسی، عربی، اردو کے بہترین علمی، تاریخی، ادبی مطالعہ اس کتاب میں کوئی لطیفہ ذوق صحیح سے گرا ہوا نہیں ہے - عہ

لسان الغیب - حافظ شیرازی کی مکمل سوانح عمری اور انکے دیوان کی بہترین شرح دیکھنا چاہتے ہیں تو لسان الغیب کی دونوں جلدیں طلب فرمائیے - جلد اول مع مکمل سوانح عمری ۴۰۰ صفحات قیمت ۴ عہ جلد دوم ۴۰۰ صفحات قیمت ۴ر

کاسل الکرام - یعنی عمر و خیام کے مفصل حالات زندگی اور اسکی رباعیات کی مکمل شرح - تمام ارباب سخن کی رائے ہے کہ اردو میں اس موضوع پر اس سے زیادہ مکمل و مبسوط کتاب تک شائع نہیں ہوئی ۴۰۰ صفحات قیمت ۴ر

بندگی - امام ابن تیمیہ کی مشہور عالم کتاب "العبودیت" کا اردو ترجمہ جسمیں حقائق دینی و عقائد اسلامی اور تصوف کے صحیح مفہوم سے بحث کرکے فیصلہ کیا گیا ہے ضخامت ۴۸۰ صفحات - قیمت ۴ر

تصانیف مسز جی بخش پرسنل سکریٹری حضور سرکار عالیہ

جواہر پرزے : اونی ریشمی کپڑوں کے دھونے اور داغ دھبہ دور کرنے کی ترکیبیں صنعت و حرفت کے بہت سے عجوبہ نسخے ۴ر

منڈنگ :- موزہ بنیائن اور بنیان بننے کی ترکیبیں مع متعدد تصاویر کے ..... اول ۴ر دوم ۴ر

سیر یورپ :- ہز ہائنس نازلی بیگم مجرہ کا بیمثل سفرنامہ یورپ مع متعدد تصاویر کے ۴ر

مطبوعہ مقبول المطابع نظیر آباد لکھنؤ | منیجر نگار بھوپال | باہتمام سید مقبول حسین وصل بلگرامی

نگار

ایک علمی و ادبی رسالہ

مرتبہ

نیاز فتحپوری

صحابیات

یعنی عہد سعادت کی اٹھاون خواتین کے حالات نہایت مستند روایات کی بنا پر مع ایک فاضلانہ مقدمہ کے جسمین مسائل نسائیات پر نہایت اچھوتے انداز سے بحث کی گئی ہے۔ قیمت دو روپیہ آٹھ آنہ (بمعہ)

تصنیفات و تالیفات فیضی

شہاب کی سرگزشت

اُردو مین یہ پہلا افسانہ ہے جو تحلیل نفسی کے اصول پر لکھا گیا ہے یہ فسانہ ایک سال تک نگار مین شایع ہوتا رہا ہے اور اب ملک کے اصرار پر کتابی صورت مین شایع کیا گیا ہے۔ قیمت ایک روپیہ۔

تصویر ریاض نسائیہ بیگم

یہ تصویر صنعت و نقاشی کا ایک نادر نمونہ ہے اور یقیناً ایک کمرے کی زیبایش کا حسین موضوع آپکے شوق کی رعایت سے ہم نے اس تصویر کو جداگانہ فراہم کرنیکا انتظام کیا ہے۔ یہ تصویر گرین آرٹ پیپر پر چلیار کرائی گئی ہے۔ یہ وہی تصویر ہے جسکو حکومت نے نہایت گران قیمت پر خرید کر کے برٹش میوزیم کو دیدیا ہے۔ یہ تصویر ہم نے اب ٹائمز آف انڈیا پریس بمبئی مین طبع کرائی ہے اور حسن طباعت کے پہلی چھپی ہوئی تصاویر سے بدرجہا بہتر ہے۔ چونکہ اسکی مانگ زیادہ ہے اس لیے جلد طلب کیجیے۔ علاوہ محصول ۰۰۰ ۸

نگارستان

حضرت نیاز کے تمام اُن بہترین ادبی مضامین کا مجموعہ جو اس سے قبل مختلف رسائل مین شایع ہوکر شہرت دوام حاصل کر چکے ہین اگر آپ شائے عالیہ ادب لطیف کا صحیح لطف اٹھانا ہو تو اسے ملاحظہ کیجیے۔ قیمت دو روپیہ

گہوارۂ تمدن

اُردو مین اپنے موضوع پر پہلی کتاب ہے جسمین تاریخ۔ مذہبی روایات اور دیگر ذرائع سے ثابت کیا گیا ہے کہ تہذیب و شایستگی کی ترقی کس قدر عورت کی ممنون ہے اور مذنیت اسکی کتنی گرانبار ہے۔ قیمت دو روپیہ

منیجر "نگار" بھوپال

نرخنامہ اُجرت اشتہارات

تعداد طبع	ایک صفحہ	نصف صفحہ	ربع صفحہ
۱۲ مرتبہ	۱۰۰ روپیہ	۶۰ روپیہ	۳۵ روپیہ
۶ مرتبہ	۵۰ روپیہ	۳۰ روپیہ	۱۸ روپیہ
۳ مرتبہ	۳۰ روپیہ	۲۰ روپیہ	۱۲ روپیہ
ایک مرتبہ	۱۲ روپیہ	۷ روپیہ	۵ روپیہ

نوٹ

میعاد اشتہار کے اندر۔ اشتہار کا مضمون ایک مہینہ پہلے اطلاع دینے پر بدل سکتا ہے۔

اجرت ہر حال مین پیشگی آنا لازمی ہے۔

منیجر نگار بھوپال

نگار

اڈیٹر:- نیاز فتحپوری

فہرست مضامین اپریل سنہ ۲۶ء

ملاحظات ۲
فن رقص تاریخ اسلام کی روشنی مین ۴
اکبرآلہ آبادی و شاد عظیم آبادی سید شاہ ولی الرحمن بی۔اے۔کاکوی ۸
ہندوستان کی معاشی زندگی (ابوالمنصور حمید) ۲۲
میر اور عشق اثر لکھنوی ۲۶
غزل (فارسی) ہادی مچھلی شہری ۳۸
فلسفۂ مسرت ریاض احمد میرٹھی ۳۹
غزل میر ولی اللہ بی۔اے ۵۱
حضرت شیخ نظام الدین چشتی کاکوروی رحمتہ اللہ علیہ ناظر دہلوی ۵۲
قرون وسطیٰ مین مشرقی تجارت سعید رزمی ۵۷
فریب خیال (افسانہ) ۶۱
ہند و مسلمانون کے دور حکومت مین محمد یوسف اعظمی ۶۷
لارڈ رپن کا عہد حکومت ضیاالدین احمد برنی بی۔اے ۷۵
چند گوشت خوردرخت احتشام علی ام۔اس۔سی ۸۶
جذبات محمود (غزل) محمود اسرائیلی ۸۹ استفسارات ۹۰ تمنوی کا ایک شعر
بقیہ ملاحظات ۹۶

حسب حکم عملہ عساکر اہلوی تحریر نمود

تاریخ اشاعت بسم اللہ ہر ماہ کی پندرہ

نگار

ایڈیٹر: نیاز فتحپوری

قیمت سالانہ ہندوستان مین پانچ روپیہ ہندوستان سے باہر علاوہ محصول چھ روپیہ

جلد (۹)	اپریل سنہ ۱۹۲۶ء	شمار (۴)

ملاحظات

گزشتہ ماہ کا اہم ترین واقعہ، جس کا تعلق "نگار" سے نہ ہو لیکن مدیر و محرر نگار سے ضرور ہے، علیٰے حضرت فرمانروائے بھوپال کے چھوٹے شاہزادہ نواب محمد حمید اللہ خان بہادر بالقابہ کے مسئلۂ جانشینی کا طے ہونا ہے۔ ولیعہد بہادر مرحوم کے بعد اس مسئلہ نے جسقدر پیچیدگی و طوالت اختیار کر لی تھی، وہ متوسلین ریاست کیلئے بہت پریشان کن اور تکلیف دہ تھی اور ہر چند اصحاب فہم و ادراک جانتے تھے کہ حکومت ہند کبھی شرع و الضاف اور معاہدہ و قرارداد کے خلاف کوئی فیصلہ نہین کریگی، لیکن چونکہ دنیائے سیاسیات کے حدود و دائرۂ عمل و صداقت واقع ہوئے ہین، اس لئے کون کہہ سکتا تھا کہ وہان کی فضا کا اقتضا کیا قرار پائے گا اور نتیجہ کی نوعیت کیا ہوگی۔

اس سلسلہ مین سب سے زیادہ اہم اور قابل ذکر واقعہ علیٰے حضرت فرمانروائے بھوپال کا وہ عزم و استقلال ہے جو یقیناً انسانی صداقت سن کی تاریخ کا ایک یادگار واقعہ سمجھا جائے گا، علیٰے حضرت بالقابہانے باایںہمہ کبرسنی و پیرانہ سری جس ہمت و استقلال جس جرات و دلیری کا ثبوت دیا ہے، وہ نہ صرف عالم نسوان بلکہ دنیائے رجال مین بھی قابل تقلید و تتبع ہے۔

اس دوران مین ملک کے اخبارات دو مختلف رائین رکھتے تھے، بعض نہ ہائنس کو مشورہ دیتے تھے کہ وہ اپنے پوتے کے حق کو پامال کرنے کی کوشش نہ کرین اور بعض پرنس حمید اللہ خان بہادر کے طرفدار تھے، لیکن ان مین سے کسی نے حقیقت کو نہ سمجھا تھا اور ان کی رائین صرف ذاتی اغراض و توقعات کا نتیجہ تھین

واقعہ یہ ہے کہ ہز ہائنس نہ پرنس کے طرفدار و نہین تھین اور نہ اپنے پوتے کی مخالف جہانتک محبت کا واسطہ ہے، انکی نگاہ

ہندوستانی عطریات کا سب سے بڑا کارخانہ اصغر علی محمد علی لکھنؤ کا ہے

مین دونون ایک درجہ رکھتے ہین اوران کے قلب مین دونون کی جگہ برابر ہے، لیکن چونکہ ولیعہدی یا جانشینی کا فیصلہ محض قلبی تعلقات یا ذاتی بنا پر نہین بلکہ اس قانون وراثت سے وابستہ تھا جسپر مابین حکومت برطانیہ و ریاست بھوپال توثیق ثابت ہو چکی تھی، اسلئے ہز ہائنس کا پرنس حمید اللہ خان بہادر کیلئے سعی فرمانا اپنے فرزند کیلئے کوشش کرنا نہ تھا بلکہ حق وصداقت اور شرع وانصاف کی حمایت کرنا تھا عوام کی نظر اس مسئلہ مین صرف بیٹے اور پوتے کی تفریق تک تھی، لیکن ہز ہائنس کے سامنے اصول کا سوال تھا اور اگر اسوقت وہ خاموش بیٹھ جاتین تو صداقت اصول پر ہمیشہ کیلئے پردہ پڑجاتا اور مسلمان ریاستون کے مسئلۂ جانشینی مین شرع اسلامی کی اہمیت حکومت ہند کے نزدیک بالکل محو ہوجاتی۔

اسلئے اسوقت سوال صرف بھوپال اور وہان کی جانشینی کا نہ تھا بلکہ سوال اصول وحق کا تھا اہمیت شرع وانصاف کا تھا اور یقیناً ہندوستان کی تمام اسلامی ریاستون کو ممنون ہونا چاہیئے، ہز ہائنس کی ان مساعی کا جنہون نے آیندہ کیلئے اس مسئلہ کو بالکل صاف کر دیا یہانتک تو اصولی گفتگو تھی، لیکن اگر ذاتی حیثیت سے نگاہ ڈالی جائے تو بھی پرنس حمید اللہ خان بہادر کی اہلیت سے کسیکو انکار نہین ہوسکتا اور آپکے عہد وزارت ومیری کے کارنامے کافی شہادتین اس امر کی فراہم کرسکتے ہین کہ آپکا عہد حکومت ہر لحاظ سے "عہد سلطانی" کی بہترین یادگار ثابت ہوگا۔

خدا کرے علیٰ حضرت ام اقبالہا کا ظل عاطفت تادیر قائم رہے اور پرنس کو اپنی والدہ محترمہ کی خدمت کرنیکا فخر عرصہ تک حاصل ہو کہ اس سے زیادہ سعادت ایک انسان کیلئے اور کوئی نہین ہوسکتی۔

گزشتہ چند ماہ سے مین جن افکار وآلام کا شکار رہا ہون، ہرچند انکا تعلق بالکل میری ذات سے ہے اور مین اسکو پسند نہین کرتا کہ خواہ مخواہ ذاتی معاملات کو پبلک مین لایا جائے، لیکن چونکہ وہ تردات ایسے نہین ہین جن سے میری موجودہ مشاغل بالکل غیر متاثر رہ گزرجائین اس لئے اسکا اظہار ضروری ہے نہ اس لئے کہ مین ناظرین نگار سے دعا کی درخواست کرون کہ "شرمندۂ منی" ہونیکے لحاظ سے یہ بھی لفظ "دعا" سے کچھ کم نہین ہے، بلکہ مقصود صرف یہ ہے کہ اگر کوئی فروگزاشت میری طرف سے محسوس ہو تو اسکو میری مجبوری پر محمول کیا جائے۔

گزشتہ ماہ کے رسالہ مین نظم "حسن وعشق" مولانا کیفی چڑیاکوٹی کے نام سے شائع ہوگئی ہے۔ حالانکہ وہ جناب پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی کی ہے، مین دونون حضرات سے معافی کا طالب ہون۔

پانچ کے رسالہ مین جو تصویر رقاصہ کی شائع ہوئی ہے، اس پر عنوان درج ہونے سے رہگیا جس سے بہت سے لوگون کے خیال مین اضطراراً غلط صحیح پیدا کر دیا۔ اس تصویر کا عنوان "رقص ناجائز" ہے اور مین بعض ان ذوق نقاشی رکھنے والون سے معافی چاہتا ہون جنہون نے اسکو پسند کرکے مجھ سے جواز کیطرف اہل کرنیکی کوشش کی۔ متعلقہ مضمون مین رقص ناجائز کا جگہ ذکر آیا ہے، اسکے ساتھ اس تصویر کو متعلق سمجھا جائے۔

کارخانہ اصغر علی محمد علی کے عطریات خالص عمدہ اور ارزان ہین

فن رقص تاریخ اسلام کی روشنی مین

(یہ سلسلہ ماسبق)

عرب کی شاعری مین رقاصونکا وصف

ناظرین کو تعجب نہ کرنا چاہیئے کہ ہنے اس مسئلہ مین کثرت سے شعراء عرب کے اشعار نقل کئے ہین۔ اسلیئے کہ اس موضوع کیلئے شاعرون سے بہتر کوئی شاہد پیش نہین کیا جاسکتا۔ شعراء عرب نے راقصین اور راقصات کے وصف مین بڑے تفنن سے کام لیا ہے ابن رومی ایک رقاصہ کی تعریف مین کہتا ہے۔ جو ایک باریک کپڑا پہنتی تھی،

اذا ھی قامت فی الشفوف أضاءھا	جب وہ باریک کپڑے پہنکر کھڑی ہوتی ہے تو وہ کپڑے
سناھا فشفت عن سبیکۃ سابک	اسکے نور حسن سے منور ہوجاتے ہین اور اسکا جسم گھلی ہوئی چاندی کیطرح نظر آتا ہے

ایک دوسرا شاعر حرکات رقص کے متعلق کہتا ہے کہ رقاص کے حرکات کو دیکھنے والا بسبب انکی تیزی کے سکون سمجھتا ہے اور حالت رقص مین اسکی حرکت آفتاب کی طرح ہے جو نظر دن کو محسوس نہین ہوتی۔

تری الحرکات منہ بلا سکون	تو اس رقاص کے حرکات سریع کو جن مین سکون ہے دیکھے گا
فتحسبھا لخفتھا سکونا	تو بسبب غایت سرعت کے حرکت کو سکون سمجھے گا
کسیر الشمس لیس بمستقر	اور مثل حرکت آفتاب کے ہے جو ساکن نہین ہے،
ولیس یمکن أن یستبینا	لیکن یہ ممکن نہین کہ اسکی حرکت ظاہر ہو۔

ایک دوسرا شاعر رقص کے کمال فن کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ گویا زمین ایک بڑے جابر و قاہر بادشاہ کا سر ہے رقص کرنے والیان جس کے چھونے سے ڈرتی ہین۔

یکاد ن وطء الارض حتی کأنما	وہ زمین پر قدم رکھنے سے حذر کرتی ہین۔
یطأن بظہر الارض ھامۃ أصید	گویا وہ زمین پر نہین بلکہ کسی جابر و قاہر بادشاہ کے سر پر پاؤن رکھتی ہین۔

صفی الدین حلی اوزان شعر اور نغمات موسیقی کے ساتھ رقاص کے ہاتھ اور پاؤن کی حرکت اور اسکے تناسب کو اس طرح بیان کرتا ہے۔

والراقصات وقد شدت مآزرھا	رقص کرنے والیون نے پٹکے باندھے ہین،
علی حصور کأسراط الزنابیر	ایسی کمرون پر جو اپنی باریکی مین زنبورون کے مثل ہین۔
ترعی الضروب بکفیھا وارجلھا	ان کے ہاتھ اور پاؤن کی حرکت اوزان شعر کی مناسبت سے ہوتی ہے
تحفظ الاصل من نقص وتغییر	وہ شعر کی اصل کو نقص اور تغیر سے محفوظ رکھتی ہین

ہندوستانی عطریات کا سب سے بڑا کارخانہ اصغر علی محمد علی لکھنؤ کا ہے

ابن محاسن نے ایک پرلطف قصیدہ ایک رقاصہ کی توصیف میں لکھا ہے جس کے چند اشعار یہ ہیں۔

اذا ہزت معاطفہا الرقص۔	جب وہ اپنی کمر کو رقص کیلئے حرکت دیتی ہے،
وحرکت الانامل والنہود۔	اور انگلیوں اور سینہ کو بھی جنبش دیتی ہے،
ومالت والتوت دلا وتعرفا۔	جھکتی ہے، بل کھاتی ہے، ناز و انداز سے
ورنحت الشمائل والقدود۔	اور اپنے اعضا اور قد کو بھی حرکت میں لاتی ہے،
رمت بقسی حاجبہا الینا۔	اور اپنے کمان ابرو سے ہماری طرف تیر چلاتی ہے
بنا لافتنت سنا الکبود۔	تو ہمارے کلیجے کو ٹکڑے کر ڈالتی ہے

جمال الدین ابن حسن بن علی بن داؤد فاروقی حرکات رقص کی سبکی اور سرعت انتقال کو اس طرح بیان کرتا ہے

للہ در قضیب مائل کاف	کیا خوب ہے وہ رقاصہ جب وہ جھکتی ہے
ظل القضیب اذا تمایل فی سحر	تو گویا وہ سایہ ہے ایک ایسی شاخ کا جو اپنے پھولوں کو لئے ہوئے لچکتی ہو۔
تزہو وترجع کالخیال خلا تری	ظاہر ہوتی ہے اور واپس ہوتی ہے سرعت خیال کی طرح اسلئے اسکے حرکات دکھائی نہیں دیتے
حرکاتہا الالطارقۃ الفکری	مگر اس طرح جیسے خواب شیرین کا خیال آجائے۔
لانت معاطفہا فکیف تلفت	اُسکے جوڑ نرم ہیں۔ اسلئے وہ اس سرعت سے مڑ سکتی ہے۔
تفلت لایستطاع بأن تری	اور مڑتی ہے اس طرح کہ کوئی دیکھ نہیں سکتا۔

ابوالحسن علی بن ابوالسید ابن عزالدین موصلی وغیرہ علی الخصوص شعرائے اندلس نے رقاصہ عورتوں اور رقاص مردوں کے اوصاف میں بہت کچھ اشعار لکھے ہیں جو اس مختصر مضمون میں درج نہیں کئے جاسکتے۔

فن تصویر و رقص

جس طرح فن رقص نے عراق اور اندلس میں ترقی کی تھی اسی طرح جب اسلامی تمدن عراق سے مصر میں عہد فاطمیین میں منتقل ہوا، تو اس فن کو وہاں بھی عروج ہوا۔ مقریزی نے "خطط" میں اس امر کی تصریح کی ہے، کہ خلیفہ ظاہر بن الحاکم بامراللہ کے عہد میں رقص کو کمال ہوا۔ رقاصہ عورتیں ناچتی تھیں۔ اور اس میں بڑی دلچسپی لیجاتی تھی۔ رقص ہی پر منحصر نہیں بلکہ ستامتر ادحانی لذتیں اس زمانہ میں تکمیل کو پہونچ گئی تھیں، جس طرح رقص مصر میں شعرا کی طبع آزمائی اور مضمون آفرینی کا موضوع تھا، اسی طرح مصوری کے واسطے بھی ایک خاص موضوع کا حکم رکھتا تھا، خلافت فاطمیہ کے زمانہ میں، مصور، اور نقاش رقص کے تمام امتیازات کی بہترین تصویر کھینچتے تھے۔ قاہرہ اس وقت فنون جمیلہ کا مرکز تھا۔ مشہور مصور قصیر، اور ابن عزیز استاد کا مناظرہ مصر میں بڑے زور و شور سے ہوا تھا جس کا موضوع رقاصہ عورت تو کا رقص تھا۔ یہ مناظرہ قاضی القضاۃ وزیر یازردی کے سامنے ہوا تھا۔ وزیر مذکور نے قصیر کے مقابلہ کیلئے ابن عزیز کو عراق سے مصر میں بلایا تھا۔ کیونکہ قصیر تصویر کی اجرت بہت زیادہ لیتا تھا اور اُسے اپنے کمال پر بڑا ناز تھا۔ اس مناظرہ میں قصیر نے ایک رقاصہ کی تصویر سیاہ لباس میں کھینچی۔ رقاصہ جنیہ کی صورت پر تھی، اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ دیوار کے اندر داخل ہو رہی ہے،

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا عطر خاص ترکیب سے بنتا ہے

اور ابن عزیز نے سرخ لباس میں ایک رقاصہ کی تصویر بنائی یہ بھی جنبیہ کی صورت پر تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ دیوار سے نکل رہی ہے

مصر کا تمدن جب عروج پر پہونچا ہوا تھا۔ تو اس فن سے مصریوں کی دلچسپی اس حد تک پہونچ گئی تھی کہ رقص کی تعلیم کیلئے خاص سلم ہوتے تھے، جیسا کہ آج کل ہمارے زمانہ میں ہوتے ہیں۔ اور رقص ایک باقاعدہ پیشہ ہو گیا تھا جس کے متعلق ابن خلدون کہتا ہے کہ "مصر میں بعض ذرائع معاش کو اس درجہ ترقی ہو گئی ہے، کہ بمقابلہ دوسرے پیشوں کے اُن سے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا جاتا ہے، کیونکہ ایسے پیشے تمدن کی زیادتی اور ترفہ کی فراوانی سے پیدا ہو جایا کرتے ہیں، ان کی مثال میں۔ غنا اور رقص کے معلمین کو پیش کیا جا سکتا ہے، اور جب تمدن معمولی حد سے بھی تجاوز ہو جاتا ہے (تو اس قسم کے مکاسب کی اور بھی کثرت ہوتی ہے) جیسا کہ ہمکو مصر کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ وہاں پرندوں اور گدھوں کو تعلیم دیکر سدھایا جاتا ہے، اور ماتم اور رقص کی باضابطہ تعلیم ہوتی ہے،

امرا اور خواص کا رقص

تمدن اسلام کے دور ترقی میں رقص صرف عورتوں اور عام مردوں میں منحصر نہ تھا بلکہ خاص لوگوں میں بھی پایا جاتا تھا۔ مصر میں شاہانِ مالیک کے زمانہ میں بادشاہ کی مجالس اور تقریبات میں امرا رقص کرتے تھے، چنانچہ بادشاہ اشرف خلیل بن قلاوون نے جب ۶۹۲ھ میں اپنے مشہور محل "الاشرفی" کی عمارت مکمل کی، تو نئے محل میں ایک عظیم الشان جشن کیا اسکے متعلق مقریزی لکھتا ہے، "جب امرا رقص کیلئے کھڑے ہوئے تو شاہی خزانچی نے انپر اشرفیاں برسائیں"[۵] بلکہ عراق، مصر، اندلس اور فارس وغیرہ میں جب عربی تمدن انتہائے عروج پر تھا تو بڑے طبقہ کے لوگ بھی رقص سے نفرت نہیں کرتے تھے۔ رقص و سرود، غنا اور آلات موسیقی سے خود بھی اُنہوں نے مشغلہ کیا ہے، فقیہ، محدث، طبیب اور بڑے صاحب وقار قاضی اور صوفیوں کے گورنروں نے اس میں عملی حصہ لیا ہے چنانچہ وزیر مہلبی کی مجلس میں بہت سے قاضی اور دیگر اکابر قوم جن میں قاضی التنوخی بھی ہوتے تھے ہفتہ وار جمع ہوتے تھے ان میں سے کوئی ایسا نہیں تھا جو سفید ریش بزرگ نہ ہو۔ اسی طرح وزیر مہلبی بھی ایک معمر اور باوقار شخص تھا۔ اس اجتماع کی مسرت اس طرح تکمیل کو پہونچائی جاتی تھی کہ ہر ایک شراب سے لبریز پیالہ اپنے ہاتھ میں لیتا تھا اور داڑھی کو اسمیں غوطہ دیکر ایک دوسرے پر چھڑکتا تھا اس شراب پاشی کے بعد سب کے سب رقص کرنے لگتے تھے رقص کے ساتھ آلاتِ طرب اور گانا بھی ہوتا تھا۔

خلفا اور شاہانِ اسلام کی سب سے زیادہ عجیب مجلس رقص جس میں بڑے بڑے ارباب دولت اور خاص عہدہ دار باری باری سے رقص کرتے تھے منصور بن ابی عامر کی مجلس اندلس میں تھی جس کے متعلق صاحب نفح الطیب لکھتا ہے "منصور بن عامر کی مجلس میں کثرت سے لوگ جمع ہوتے تھے اور باری باری رقص کرتے تھے جب ابن شہید کی نوبت آئی تھی تو وہ رقص کرتے ہوئے یہ اشعار پڑھتا تھا۔

ہاک شیخاً قادہ السکر لکا۔	اس بڈھے کو دیکھو جسے سُکر نے بدمست کر دیا ہے
قام فی رقصتہ مستہلکا۔	وہ اپنے رقص میں جاہ و مال پر دریغ نہیں کرتا
لم یطق یرقصہا مستثبتاً۔	وہ حالت رقص میں اپنی مسرت کے اضطراب سے ٹھہر نہیں سکتا۔
فانثنی یرقصہا مستمسکا	وہ جھک جاتا ہے۔ اور کسی شے کو پکڑ کر رقص کرتا ہے

---

[۵] مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۲۳۸ مطبوعہ مصر ۵۲ مقریزی جلد ۲ صفحہ ۲۱۱

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا تار کا پتہ صرف حنا کافی ہے

من وزیر فہیم رقاصتہ — اور ایک وزیر بھی اس جماعت میں رقص کرنے والا ہے
قام للسکر یناغی الملکا — جو بدمست ہوکر کھڑا ہے اور بادشاہ سے ہمسری کرتا ہے

خلاصہ یہ تمام روایات عرب کے حسن ذوق اور لطافت طبع پر دلالت کرتی ہیں تاریخی واقعات جو اوپر ذکر کئے گئے عرب اور دوسری اسلامی سلطنتوں کی حالت پر روشنی ڈالنے کیلئے بالکل کافی ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہاں کسدرجہ فن رقص سے دلچسپی لیجاتی تھی۔ رقص، غنا اور موسیقی سے اُنکی حیات اجتماعی کی مسرت مکمل ہوتی تھی (جیسا کہ آج کل یورپ اور امریکہ میں ہوتا ہے) یہ طبعی اور فطری مسرتیں ہیں جو وقار و متانت کے برگز منافی نہیں، بلکہ اسباب ظرافت اور مسرت میں شمار کیجاتی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ مسرتیں اسوقت تک اُن میں پائی گئیں جب تک کہ اُن کا تمدن عروج پر رہا۔ اور اُن کے وہ اخلاف اس سے محروم رہے جو اپنے تاریک عہد میں ان فنون جمیلہ کی طرف حقارت و عداوت کی نظر سے دیکھتے تھے اور ان کو نہایت ذلیل بلکہ اقسام کفر سے شمار کرتے تھے۔

کیا آپکی لائبریری اُن کتابوں سے خالی ہے

لسان الغیب - حافظ شیرازی کی مکمل سوانح عمری اور اُن کو دیوان کی بہترین شرح جلد اول سے ر جلد دوم عہ

کاس الکرام - عمر و خیام کے مفصل حالات زندگی اور رباعیات کی مکمل شرح۔ اس موضوع پر اردو میں پہلی کتاب ہے۔ سے ر

نمدان فصاحت - فارسی، عربی اردو کے بہترین علمی تاریخی و ادبی لطائف ..... قیمت عبر

بندگی — امام بن تیمیہ کی مشہور کتاب "العبودیت" کا بے مثل ترجمہ حقائق دینی و تصوف کی بے نظیر کتاب قیمت عہ ر

مطالعۂ فطرت (مجلد) - مصنفۂ محمد فاروق ام۔ اس سی۔ فلسفہ و اسلام کے اتحاد پر بے مثل تصنیف ..... قیمت عہ ر

سالومی - آسکر وائلڈ کے نہایت مشہور ڈراما کا بے مثل اردو ترجمہ ..... قیمت ۱۲ر

فتنۂ خلق قرآن - امام عبدالعزیز بن یحییٰ کی کتاب لجیدہ کا ترجمہ مسئلہ خلق قرآن کے متعلق ایک بے مثل و بےنظیر محاکمہ قیمت ۱۰ر

حلقۂ مسموم — کینن ڈایل کے علمی فسانہ کا اردو ترجمہ ..... قیمت عہ ر

منیجر نگار بھوپال

ہندوستانی عطریات کا سب سے بڑا کارخانہ اصغر علی محمد علی لکھنؤ کا ہے

اکبرالہ آبادی وشاد عظیم آبادی

گمان مبر کہ بپایان رسید کارِ خان
ہزار بادۂ ناخوردہ در رگِ تاک ست
(اقبال)

نفسیات کا ایک عالمگیر کلیہ ہو کہ تائید ایزدی و توفیق الٰہی تمام عرصۂ کائنات پر یکساں جاری وساری ہے، کمال اور ترقی کسی عہد اور کسی ملک کیلئے مخصوص نہین ہو۔ آفتاب کی شعاعین کائنات کے ذرہ ذرہ پر یکسان پڑتی ہین، البتہ اکتساب نور صلاحیت واستعداد پر منحصر ہے۔ کمال شاعری کا بھی یہی حال ہو کہ کسی عہد یا کسی ملک کا حصہ نہین ہو۔ ہندوستان کے گوشہ گوشہ مین شعرا پیدا ہوسکتے ہین، ہر عہد مین پیدا ہوئے اور جب تک اردو کا وجود ہے اسی طرح پیدا ہوتے رہینگے۔ ولی دکنی کے عہد سے لیکر امیر و داغ تک سیکڑون شعرائے گرامی پیدا ہوئے جنھون نے ہر دور مین عروس سخن کی زلفون کو اپنے اپنے مذاق طبیعت کے موافق سنوارا۔ ان شعرا مین میر و درد، راسخ و میر حسن، آتش و انیس، مومن و غالب بزم اردو کو نئے نئے سر و سامان سے سجانے مین امتیاز رکھتے ہین۔ مگر بعض نقادون کی رائے ہے کہ اردو شاعری ترقی کی حد کو پہونچ گئی، یہان تک کہ پروفیسر آزاد نے آب حیات مین انیس و دبیر کو خاتم الشعرا قرار دیا ہے۔ بعض سخن فہمون کی رائے مین امیر و داغ اردو شاعری کی آخری یادگار ہین۔ ان حضرات کا دعوٰی ہے کہ گزشتہ شعرا نے شاعری کی حد بندی کر دی، اب قدیم طرز کے شعرا پیدا ہی نہ ہون گے اور قدیم شاعری کا وجود ہی نہ رہیگا۔ یہ خیال صریحًا اصول نفسیات کے خلاف ہے ؎

ہنوز آن ابر رحمت در فشان ست خم و خمخانہ با مہر و نشان ست

قدرت ہمیشہ فیض رسان ہے، شاعری کسی خاص ملک کی ملکیت نہین ہے۔ ہر دور مین باکمال شعرا پیدا ہوتے آئے اور پیدا ہوتے رہینگے۔ ہان یہ ضرور ہے کہ ایک رنگ جو ایک زمانہ مین مقبول خاص و عام سمجھا جاتا ہے دوسرے دور مین کہنگی و فرسودگی کی بنا پر اسکی وقعت کم ہوجاتی ہے اور اسکی جگہ دوسرا رنگ چھا جاتا ہے۔ یہ قانون فطرت کا اقتضا ہے کہ جدید چیزین قدیم چیزون پر غالب آجاتی ہین۔ ہر دور مین طبائع و خصائل انسانی کچھ نہ کچھ تغیر پذیر ضرور ہوتے ہین اور طرز معاشرت و انداز تمدن مین بھی تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اسی فطری ماحول کے زیر اثر شاعری کا نشو و نما ہوتا ہے۔

اس آخری دور مین لسان العصر حضرت اکبر الہ آبادی اور سید الشعرا مولانا شاد عظیم آبادی کی ذات گرامی اردو شاعری کے ارتقائے حیات کیلئے نہایت مبارک ثابت ہوئی۔ حضرت اکبر سے تمام سخن فہم واقف ہین، انکا نام تعارف سے بالکل بے نیاز ہے، ہندوستان کے گوشہ گوشہ مین ان کے جذبات فروز و انقلاب انگیز کلام کی شہرت ہو ملک کی جو سیاسی و معاشرتی، ملی و مذہبی کیفیت ہے پوشیدہ نہین ہے، اکبر کی سیاس طبیعت نے ملک کے انحطاط و زوال کا جو مرثیہ کہا اور اپنے زمانہ کے تمدنی و ملی کیریکٹر کی حقیقت کو پورے طور پر سمجھا۔ انکے سینہ مین ایک درد مند دل تھا جو اس انقلاب سے نہایت متاثر ہوا۔ انھون نے شہرت کے والہانہ رنگ مین ایسے اخلاقی و مذہبی

احمد علی ۱۳ اکبر الہ آبادی شاد عظیم آبادی

ضمائم کی اشاعت شروع کی جو ملک کے قوائے خفتہ کو بیدار کرنے اور سیاسی و معاشرتی جمود کو دور کرنے مین نہایت مفید ثابت ہوئے ۔ انکے نکتہ رس و دقیقہ سنج دماغ نے ہر پہلو پر غور کیا اور ہر واقعہ سے گہرے فلسفیانہ نتائج پیدا کئے جو ملک کی اصلاح کیلئے بر جستہ اہم سود مند ہین ۔

اسی طرح صوبۂ بہار مین مولانا شاد کی ذات گرامی باعث صد فخر و ناز ہے ۔ آپکی عمر اسی سال سے بھی متجاوز ہے ، ساٹھ برس سے زیادہ کی مشق سخن ہے ۔ شاعری کے تمام اصناف پر آپکو ید طولی حاصل ہے ، مرثیہ و قصائد ، مسدس و رباعی ، غزل و قطعہ وغیرہ ہر نوع سخن پر آپکی قدرت تامہ مسلم ہے ۔ خصوصاً عالم تغزل مین آپکی معجز بیانی اردو کیلئے سرمایۂ نازش ہے ۔ آپنے ایک خاص رنگ تغزل اختیار کرلیا ہے ۔ عاسیانہ و متمدل مضامین اور صوفیانہ طرز ادا سے آپکی شاعری نہایت پاک ہے ، حقائق و معارف ، رموز و اسرار ، اخلاق و تصوف ، فلسفہ و حکمت ، پاکبازانہ حسن و عشق کے راز و نیاز سے آپکا کلام مملو ہے ۔ ہندوستان کا کوئی گوشہ ایسا نہین ہے جہان آپکا پاکیزہ کلام نہ پہونچا ہوا اور اس سے لوگ مستفید نہ ہوئے ہون ۔ ملک مین آپکی شاعری نے کافی شہرت حاصل کی ہے ۔ تمام جرائد و رسائل آپکی غزلون کی اشاعت کو فخر سمجھتے ہین اور ملک کے اہل قلم آپکا نام ادب سے لیتے ہین ۔ مولانا سید سلیمان ندوی کی رائے بہت صحیح ہے کہ حسن مانمین مخزن زندہ تھا آپ یگانۂ فن سمجھے جاتے تھے اور اب تو آپ تم سخن کی صدارت کی حیثیت رکھتے ہین اور اس دور سخن کے میر ہین ۔ علی ہذا مولانا عبد السلام ندوی بھی آپکے مرتبۂ استادی کے معترف ہین ۔ چنانچہ اپنی تازہ تصنیف "شعر الہند" مین انہون نے مولانا شاد کو موجودہ شعرا کا پیشرو" قرار دیا ہے ۔ علمائے موصوف کے علاوہ علامۂ ابو الکلام آزاد اور مولانا حسرت موہانی وغیرہ بھی آپکو استاد فن مانتے ہین اور آپکے رنگ تغزل کے نہایت مداح ہین حقیقت یہ ہے کہ مولانا شاد کی شاعری دور جدید مین ایک نمایان حیثیت رکھتی ہے ۔ شعرائے لکھنؤ نے جو رنگ تغزل اختیار کیا اسمین اسقدر بے اعتدالی پیدا ہوگئی کہ شاعری محض ضلع جگت رہگئی ۔ بجز آتش و انیس کے تمام شعرائے لکھنؤ کے کلام کو بغور پڑھو اور دیکھو کہ ان حضرات نے کیا کچھ گورکھ دھندا تیار کر رکھا ہے ، شاعری کی جو گت ناصر علی سرہندی وغیرہ کے عہد مین ہوئی وہی حال اردو شاعری کا امانت لکھنوی وغیرہ کے ہاتھون ہوا ۔ شعرائے دہلی سے یعنی یہان پر بحث نہین ، انکی سلامت روی ، پاکیزہ رنگ تغزل ، جدت تخیل وغیرہ کا ہر ذوق شناس سخن معترف ہے ، مین لکھنؤ شاعری کے تخریب و تنزل کا ذکر کر رہا ہون ۔ بالآخر قدرت نے صوبۂ بہار مین ایک صحیح الوجدان سلیم المذاق استاد غزل پیدا کیا جسکے تخیلات عالیہ نے عالم شاعری مین ایک ہیجان برپا کردیا ، جسکے اچھوتے رنگ تغزل نے شعرائے لکھنؤ کی آنکھین کھولدین ، جسکے پاکبازانہ سحر کار کلام نے لکھنؤ کی شاعری کو متاثر کردیا ، جسکے حقائق و معارف کے اثرات نے عزیز لکھنوی ، یاس عظیم آبادی ، جوش ملیح آبادی وغیرہ کے سے متغزلین پیدا کئے ۔ حضرات لکھنوی اور انکے مقلدین مانین یا نہ مانین مگر مین تو صاف دیکھ رہا ہون کہ شعرائے موصوف کا رنگ تغزل بہت بڑی حد تک شاد کی شاعری کے اثرات کا رہین منت ہے ۔

اس وقت میرا موضوع بحث اکبر الہ آبادی و شاد عظیم آبادی کے کلام کا ایک خاص نقطۂ نظر سے موازنہ کرنا مقصود ہے ۔ اکثر حضرات یہ سنکر حیرت زدہ ہون گے کہ اکبر و شاد کا موازنہ کیا معنی رکھتا ہے ، دونون کی الگ الگ راہین ہین ، کوئی بات دونون مین مشترک نہین پائی جاتی ، مگر مین انہین یہ کہکر مطمئن کردینا چاہتا ہون کہ مین شاد کے کلام کے مقابلہ مین اکبر کے اس ظریفانہ رنگ کو نہ لاؤنگا جو مطبوع خاص و عام اور جسکی بدولت اکبر اکبر ہین ، کیونکہ اس رنگ مین تو انکا کوئی حریف نہین ، وہی اسکے موجد ہین اور خاتم بھی ۔ لیکن اس جدید رنگ کے علاوہ

اکبر قدیم رنگ میں بھی کہتے تھے اور خوب کہتے تھے۔ اگر ایک طرف ظریفانہ اشعار کی کثرت ہے تو دوسری طرف متین اور سنجیدہ کلام کا بھی ایک انبار نظر آتا ہے۔ مرحوم کے تینوں دواوین میں سیکڑوں غزلیں ہیں جن میں حسن و عشق، حقائق و معارف، اخلاق و تصوف کی قدیم انداز میں ایسی سرائی کیگئی ہے۔ باوجود اسکے کہ دونوں کی الگ الگ راہیں ہیں میں یہ دکھانے کی کوشش کرتا ہوں کہ کون کون سی باتیں دونوں میں مشترک پائی جاتی ہیں۔ اس لئے اظہار واقعہ میں کوئی میرا ہمنوا ہو یا نہ ہو مجھے اسکی پروا نہیں۔ دونوں مشاہیر جدید کی غزلوں کو ایک نقطۂ خیال سے دیکھکر تغزل کی صفات مشترکہ کو بیان کرتا ہوں:۔

(۱) دونوں کا دل سوز و گداز کا آتشکدہ معلوم ہوتا ہے اور عالم پیری میں یہ صفت بوجہ فرط تاثر اور نمایاں ہوگئی ہے۔

(۲) دونوں کی غزلوں میں سادگی بیان، صفائی زبان، جدت تخیل، متانت و سنجیدگی، اور فارسی ترکیبوں کا اعتدال کے ساتھ استعمال نمایاں نظر آتا ہے۔

(۳) طویل بحروں میں اکثر دونوں کہتے ہیں اور خاص دلآویزی و شیرینی پیدا کر دیتے ہیں۔

(۴) دونوں کے ہاں آخر عمر کے کلام میں درد و غم، سوز و گداز، یاس و حسرت، ضعف قوی و پیرانہ سالی کی گلہ طرازیوں کی ایک تفسیر نظر آتی ہے۔ (حضرت اکبر کے تیسرے دیوان میں یہ خصوصیت نمایاں ہے)

(۵) دونوں کا کلام کہنہ مشقی و قادر الکلامی کا پتہ دیتا ہے اور اسلوب بیان و طرز ادا کا دونوں خاص لحاظ رکھتے ہیں۔

(۶) دونوں کی غزلوں میں حقائق و معارف، اخلاق و تصوف، فلسفہ و حکمت بدرجۂ اتم پائے جاتے ہیں۔

لیکن اسکا یہ مطلب ہرگز نہیں ہو کہ دونوں اساتذہ ایک ہی روش پر چلے ہیں۔ باوجود مذکورۂ بالا خصوصیات مشترکہ کے دونوں کی راہیں جدا گانہ ہیں۔ حضرت اکبر کی اصلی جولانگاہ ظرافت آمیز کلام ہے جس کے پردہ میں تکمیل اخلاق، اصلاح معاشرت، ارتقائے تمدن تہذیب ملت کی تعلیم دیتے ہیں۔ انکا کلام زیادہ تر سیاسی و معاشرتی، مذہبی دلی پہلو لئے ہوئے ہے۔ بقول جسٹس شیخ عبد القادر وہ "روشن خیالی کے ساتھ مشرقی کی سچی محبت" کے واعظ ہیں۔ حضرت شاد کا رنگ تغزل عجیب و غریب ہے۔ انکے "بظاہر سادہ الفاظ میں ایک جہان معنی آباد ہے"، انکے "بیساختہ پن میں بھی حقائق و اسرار جلوہ افروز ہیں"۔ انکے مجازی طرز کلام میں ایک دنیائے حقیقت مضمر ہے۔ اس خصوصیت میں وہ خواجہ حافظ شیرازی سے مناسبت رکھتے ہیں۔ وہی پاکبازانہ حسن و عشق ہے، وہی عاشقانہ و صوفیانہ الفاظ و معانی سے گریز ہے، وہی وسعت مشرب ہے، وہی قیود و رسوم سے آزادی ہے، وہی ساقی اور پیر مغان کی داستان ہے، وہی ساغر و مینا، بادہ و خم، میکدہ و خرابات کی کہانی ہے، اور اسی طلسم مجاز میں ایک معجزۂ حقیقت خوابیدہ نظر آتا ہے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں ؎

نہ آئینہ کا قصہ ہے نہ رخ حال شاہ کہتے ہیں — حقیقت میں جمال یار کا افسانہ کہتے ہیں

اور جہاں پر وہ درد و غم، سوز و گداز، یاس و حسرت، ناکامی و حرمان، جذبات و کیفیات کے مضامین نظم کرتے ہیں وہاں انکی شاعری کی سرحد میر سے جا ملتی ہے۔

اس وقت مولانا شاد کے کلام پر تفصیلی تبصرہ کرنا مقصود نہیں ہے ؎ سفینہ چاہیئے اس بحر بیکراں کیلئے۔ اسکے متعلق ایک

کارخانہ: احمد علی اسٹک اسٹینو کی نگرانی میں ہے جو ساٹھ سال سے کام کر رہا ہے

مبسوط و مستقل مضمون بشرط فرصت لکھنے کا ارادہ رکھتا ہون۔ خدا پورا کرے۔ آمین ثم آمین

اب مین اصل مقصد کی طرف رجوع کرتا ہون کہ دونون نے ایک تخیل کو کس انداز مین ادا کیا ہے۔

اکبر ؎ حباب آسا اٹھایا بحر ہستی مین جو سر اپنا — بنایا بس وہین موج فنا نے ہم سفر اپنا

شاد ؎ موج فنا مٹا نہ دے نام و نشان وجود کا — دیکھ حباب کی طرح شوق نہ کر نمود کا

دونون شعرون مین یہ اخلاقی حقیقت بیان کی گئی ہے کہ زندگی کا انجام موت ہے، غرور و خودبینی کا نتیجہ فنا ہے۔ اکبر کا شعر محض اظہار حقیقت ہے۔ بخلاف اسکے شاد کے شعر مین بیان واقعہ کے ساتھ ہی عبرت پرزی و سبق آموزی کا پہلو بھی موجود ہے اور طرز ادا نے اس شعر کو اور چمکا دیا ہے۔

اکبر ؎ پروانہ جل کے خاک ہوا شمع رو چکی — تاثیر حسن و عشق جو ہونی تھی ہو چکی

شاد ؎ پروانے کی میت جب یون آگ مین جلتی ہے — گو سخت ہو ظاہر مین پھر شمع پگھلتی ہے

مضمون یکساں ہے مگر حسن بیان نے ان شعرون مین جان ڈالدی ہے۔ اکبر کا شعر بے نیاز تعریف ہے۔ حسن و عشق کے پر تاثیر انجام کو اس دلآویز انداز مین ادا کیا ہے کہ تعریف نہین ہو سکتی۔ اس شعر کے مقابلہ مین اسی مضمون کا جدت تخیل کے ساتھ شعر نکالنا شاد ہی کا کام تھا۔ انکے شعر سے یہ بلاغت بھی نمایان ہے کہ گو دیکھنے مین شمع صورتاً و معناً سنگدل معلوم ہوتی ہے اور پروانے کے حال زار پر رحم نہین کھاتی مگر جب پروانہ اسکے جمال پر قربان ہو جاتا ہے تو محبت کی آگ سے وہ بھی متاثر ہوتی ہے اور گھل گھل کر فنا ہو جاتی ہے۔

اکبر ؎ اگرچہ تلخ ملا جام عمر فانی کا — مگر محل نہین ساقی سے بدگمانی کا

شاد ؎ دیکے تھی سبو مجھے صبر کا حوصلہ دیا — جسکی طلب تھی ساقیا اسنے کہان دیا

مفہوم دونون کا ایک ہے۔ دونون مین صبر و توکل، تسلیم و رضا کی تلقین ہے۔ اکبر کے دوسرے مصرعہ کا تیور دلآویز ہے۔ وہ زندگی کی تلخی پر قضا و قدر کی شکایت نہین کرنا چاہتے۔ شاد میدان رضا مین ایک قدم اور آگے ہین اور انہین ناکامی اور نامرادی پر عدم شکایت کے بجائے الٹے شکر ادا کرتے ہین۔ گو معنوی حیثیات شاد کے شعر مین زیادہ ہین تاہم طرز ادا کے لحاظ سے ایک کو دوسرے پر ترجیح نہین دیجا سکتی۔ شاد قریب قریب اسی مفہوم کو دوسری جگہ یون ادا کرتے ہین ؎

طلب کرتے نہین ساقی سے گو اظہار بیخودی کی — زبان رو کے ہوئے ہین رنگ محفل دیکھنے والے

اکبر ؎ اگرچہ تکلیف نزع مین ہون سکون ظاہری کم نہین ہے — کسی سے ملنے کی ہین امیدین کسی سے چھٹنے کا غم نہین ہے

شاد ؎ آخر ہے عمر ضیق مین دل بھی ہو جان بھی — مردانہ باش اختم ہے یہ امتحان بھی

اکبر کے شعر کا مفہوم یہ ہے کہ معشوق حقیقی کے وصال کی امید ہے اور زوال دنیا سے مفارقت کا مطلق رنج نہین ہے لہذا امید وصل مین نزع و سکرات کی تمام تکالیف و آلام گوارا ہین اور مسرت و اطمینان حاصل ہے۔ شاد کے شعر کا مفہوم بہت بلیغ و بالغ ہے۔ وہ کہتے ہین کہ عالم وجود مین آنا معشوق حقیقی سے دور ہونا تھا۔ زندگی کی تمام تکالیف و مصائب بطور امتحان عشق و محبت کے تھے جن کے ختم پر وصال

علاوہ عطر حنا کے اور تمام عطر بھی کا دخانہ اصغر علی محمد علی سے ملسکتے ہین

کی شادکامی منحصر تھی - اب تمام آلام و تکالیف کا خاتمہ ہو رہا ہے اور شاہد حقیقی سے ملنے کا وقت قریب ہے صرف ایک آخری امتحان محبت باقی ہے یعنی نزع کی بیچینی، کرب و الم تکلیف و انقباض لہذا پامردی و استقلال کے ساتھ ان مصائب کو بھی برداشت کرنا چاہیئے پھر تو روح مشتاق جو اور معشوق کے گلشن وصال کی گل چینی - ظاہر ہے کہ شاعر کے شعر مین جو حقائق و اسرار، اسالیب بلاغت، اور جوش بیان موجود ہے اکبر کے شعر مین نہین -

اکبر ؎ آنے دو مصیبت کو ذرا خانۂ دل پر — جو بند ہے غفلت مین وہ عبرت مین کھلیگا
شاد ؎ جو دیکھے غور سے سارا بھرم کھلتا ہے دنیا کا — مصیبت آدمی کو صاحب ادراک کرتی ہے

انگریزی کا ایک فلسفیانہ مقولہ ہے "ادبار بہترین مدرسۂ تربیت ہے" اسی مفہوم کو دونون نے نظم کیا ہے - شاد کے شعر کو قطعی ترجیح ہے - انکا دوسرا مصرعہ تو مقولۂ مذکور کا آزاد ترجمہ معلوم ہوتا ہے اور اتنا بے ساختہ ہے کہ ضرب المثل کے طور پر مستعمل ہونے کے لائق ہے

اکبر ؎ آئیگی تجھکو نظر صانع عالم کی جھلک — سامنے کچھ نہ رکھ آئینۂ فطرت کے سوا
شاد ؎ صانع کو دیکھنا ہو تو عالم پہ کر نظر — آئینہ آئینہ ہو خود آئینہ ساز کا

دونون شعر متحد المضمون ہین جنکا مفہوم فلسفۂ الٰہیات کی ایک دلیل ہے منجملہ اور دلیلون کے جو اثبات باری تعالےٰ مین پیش کیجاتی ہین - شاد کے شعر کو اکبر کے شعر پر فوقیت ہے خصوصًا مصرع ثانی کا زور بیان، طرز ادا، اور حسن بندش قابل داد ہے -

اکبر ؎ دل ہو ملول فرقت قامت دوتائے یار مین — بھاڑ مین جائین سرو و گل آگ لگے بہار مین
شاد ؎ مین اور سیر لالہ و گل ہجر یار مین — کیسی بہار آگ لگا دو بہار مین !!

شاد کے شعر کا طرز ادا، صفائی زبان، چستی بندش، بے ساختگی، اور تیور محتاج بیان نہین اکبر کا شعر اسکے مقابلہ مین بہت سست ہے اور لفظی رعایت نے اسکو اور بھی بے مزہ کر دیا ہے -

اکبر ؎ داغ دل پر نظر یاس نہ کر اے اکبر — کوئی ذرہ چمن دہر مین بیکار نہین
شاد ؎ خالی سمجھ کے پھینک نہ اے موج زلزلہ — ہر کیسۂ حباب کے اندر خزانہ ہے

اکبر کے شعر کا ماخذ مرزا غالب کے یہ دو مصرع ہین ؎

۱ - یک ذرۂ زمین نہین بیکار باغ کا
۲ - سر بسر کو نہین فیض چمن سے بیکار

ظاہر ہے کہ اکبر نے اس مضمون کو جسمین سے لیا اور کوئی جدت نہین پیدا کی - برخلاف اسکے شاد نے اسی عالیگر کلیہ کو ایک جدید اسلوب ادا جو قوت تخیل من بیان کر دیا - میرے خیال مین اس خوبی سے اس مضمون کو اردو مین کسی نے نہین ادا کیا ہے

اکبر ؎ دل بے تاب کیا کیا دکھائی ہین مجھے عالم — یہ برزہ بھی قیامت ہے خدا کے کارخانے مین
شاد ؎ سکار دل کی ہو شرمائے زمانہ ہے — وسعت تو کچھ نہین مگر اک کارخانہ ہے

دونون اپنے اپنے رنگ مین سلطانِ دل کی کارفرمائیون کو بیان کر رہے ہین۔ اکبر کا شعر صفات ہے شاد دل کی طلسمی کیفیت کے متعلق فرماتے ہین کہ دیکھنے مین دل تو ایک مختصر مضغۂ گوشت ہے مگر اسکے اندر ایک وسیع کارخانۂ قدرت نظر آتا ہے کیونکہ تخیلات و جذبات کا جلوہ گاہ دل ہے اس شعر کے طرز ادا اور جوش بیان کو اکبر کا شعر نہین پہونچتا۔ اور معنوی محاسن کے لحاظ سے بھی شاد کا شعر کہین مرجح ہے۔

اکبر ؎ خلوتِ نازمین کیا شان خود آرائی ہے حسن خود عالم حیرت مین تماشائی ہے

شاد ؎ دیدنی تھا یہ سمان تیرے نکھرنے کی قسم سکتہ آئینہ کا جلوہ ترا حیرت میری

اکبر نے مطلع خوب کہا ہے الفاظ نہایت رنگین آئے ہین۔ ایک حسین کی فطرت مین داخل ہے کہ آرائش کے بعد اپنے حسن کا نظارہ آئینہ مین ضرور کرتا ہے۔ شاعر ایک ایسے پرجمال معشوق کی خود آرائی کا ذکر کر رہا ہے جو حسن و جمال مین اپنی آپ نظیر ہے۔ لہذا معشوق اپنی حسن و جمال کا عکس آئینہ مین دیکھکر حیرت زدہ ہوجاتا ہے اور آپ اپنا تماشائی بن جاتا ہے۔ مولانا وحید الٰہ آبادی نے بھی اس مضمون کو خوب ادا کیا ہے ؎

ادھر آئینہ رکھا ہے ادھر وہ تن کے بیٹھے ہین جو اپنا دیکھنا منظور ہو کیا بنکے بیٹھے ہین

شاد نے معشوق کے آرائش کی تصویر کشی نہایت خوب کی ہے۔ معشوق آرائش جمال سے فارغ ہوا ہے، اسکی جلوہ پیرائی نے ایک حشر برپا کر دیا ہے کہ ایک طرف تو اسکا تماشائی محو حیرت ہے اور دوسری طرف آئینہ دم بخود ہے۔ اس شعر کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک نکتہ حسن تخیل کا آئینہ ہے۔ "تیرے نکھرنے کی قسم" کان لطافت کا ایک جوہر ہے۔ دوسرے مصرعہ کا حسن تقسیم اتنا کیف زا ہے کہ اسکے محاسن ضبط تحریر مین نہین آسکتے۔ ذوق سلیم خود اس سے لذت اندوز ہو سکتا ہے۔

اکبر ؎ کہتے ہین فطرت جسے یہ ہے نقاب روئے دوست ہے اسی پردے مین پنہان آفتاب روئے دوست

شاد ؎ جو آنکھین ہون تو چشم غور سے اوراق گل دیکھو کسی کے حسن کی شرحین لکھی ہین ان حسینون

اکبر کہتے ہین کہ مظاہر فطرت کے پردہ مین شاہد حقیقی کا حسن و جمال مستور ہے۔ اسی مسئلہ کو شاد دلآویز انداز مین بیان کرتے ہین کہ اوراق گل جرائد فطرت ہین جن مین حسن حقیقی کی شرحین مرقوم ہین، اگر شیدائے حقیقت ان رسالون کو غور سے دیکھے تو انوار معرفت کا نظارہ کر سکتا ہے۔ پھولون کو رسالہ قرار دینا کتنا معنی خیز ہے اور لفظ "کسی" مین کتنی بلاغت مستور ہے۔ شاد کا شعر اکبر کے شعر سے بہرحال بہتر ہے۔

اکبر ؎ بہار آئی ہے اک آئینۂ معنی نشان ہوکر چمن مین بوئے گل پھیلی ہو تیری داستان ہوکر

شاد ؎ مہک اٹھا چمن ہر کا پتہ پتہ راز چھپنے نہین دیتی تیری خوشبو تیرا

اکبر نے بہار کو "آئینۂ معنی نشان" قرار دیا ہے جو نہایت خوش اسلوب و بلیغ ہے۔ بوئے گل کے انتشار کو داستان معشوق کی تشہیر ثابت کرنا بھی کتنا دلآویز ہے۔ شاد کا بھی وہی مضمون ہے اور نہایت خوبی سے بندھا ہے۔ دوسرے مصرعہ کی ترکیب کتنی پیاری ہے۔ شاد کا ذوق نظر نہایت وسیع ہے، وہ کائنات کے ذرہ ذرہ مین معشوق کی جلوہ پیرائی کا تماشا دیکھ رہے ہین۔ اکبر نے اسکو صرف موسم بہار تک محدود کر دیا ہے۔

شاد ... گلدستہ ... ۱۲ ... تو تراسی نمبر ... ۱۲ ... عالمگیر پریس لکھنؤ سنہ ۲۶ء

اکبر ؎ آج آرائش گیسوئے دوتا ہوتی ہے پھر میری جان گرفتار بلا ہوتی ہے

شاد ؎ چشم سیاہ مین سرمہ دو زلف رسا مین شانہ کر قتل جہان کے واسطے تازہ پھر اک بہانہ کر

اکبر کے شعر کا مضمون سامنے کا ہے اور کوئی جدت نہین پائی جاتی۔ شاد کا شعر ایک محشرستان تخیل ہے اور اس مین چستی، جوش، دلآویزی، ہیجان، اور بلاغت پائی جاتی ہے اکبر کے شعر مین نہین ہے۔

اکبر ؎ یہ ادائین یہ لگاوٹ یہ بلا کی چتون مین تو کیا ضبط فرشتون سے بھی واللہ نہ ہو

شاد ؎ ہائے وہ جادو بھری آنکھین وہ کافر چتوین وہ بڑا مومن تھا قائم جسکا ایمان رہگیا

دونون معشوق کے ملائک فریب مجرۂ حسن کی تصویر کھینچ رہے ہین۔ میرے خیال مین شاد کا شعر زیادہ مستانہ ہے۔ دوسرے مصرعہ مین لفظ "مومن" کتنا بلیغ واقع ہوا ہے، اور خصوصاً "کافر" کے مقابلہ مین اسکا بے اختیار و برمحل استعمال نہایت کیف انگیز ہے۔

اکبر ؎ حیرت مین ختم ہوگئی انشائے زندگی حل ہو سکا نہ ہمسے معمائے زندگی

شاد ؎ ہزارون آرزوئین ساتھ ہین اپنے مگر اکیلی ہے ہماری روح بے بوجھی ہوئی اب تک پہیلی ہے

دونون اشعار کا مضمون فلسفیانہ ہے جسکا نتیجہ ایک ہے۔ معنویت کے لحاظ سے ایک کو دوسرے پر ترجیح نہین دی جا سکتی۔ شاد نے اس فلسفہ کو رنگ تغزل مین ادا کیا ہے جس سے شعر مین زیادہ کیف پیدا ہوگیا ہے۔

اکبر ؎ امتیاز حسرت و رنج و الم جاتا رہا غم ہوا اتنا کہ اب احساس غم جاتا رہا

شاد ؎ خموشی سے مصیبت اور بھی سنگین ہوتی ہے تڑپ اے دل تڑپنے سے ذرا تسکین ہوتی ہے

دونون اساتذہ نے فلسفۂ جذبات کے مسئلون کو نظم کیا ہے، جس مین دل کی ایک پوشیدہ اور گہری کیفیت کی تصویر کشی کی ہے اکبر کا فلسفہ یہ ہے کہ غم و الم کی کثرت دل کو غم و الم کا اتنا خوگر بنا دیتی ہے کہ اسکا احساس باقی نہین رہتا اور رنج و الم ایک راحت کی صورت اختیار کر لیتے ہین۔ یہ فلسفۂ جذبات کا ایک مسئلہ ہے۔ مگر اس مسئلہ کو مرزا غالب بہت قبل نہایت لطیف انداز مین نظم کر چکے ہین ؎

رنج سے خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج مشکلین اتنی پڑین مجھپر کہ آسان ہوگئین

اکبر کا شعر اسی شعر سے ماخوذ ہے۔ شاد قلب کی ایک دوسری کیفیت کی مصوری کر رہے ہین۔ وہ یہ کہ مصائب و آلام کو ضبط کرنا اور بھی اندوہ فزا ہے۔ اس سے غم اور سنگین ہو جاتا ہے۔ جسکا نتیجہ یہ ہے کہ انسان کی روح اندر ہی اندر تحلیل ہوتی رہتی ہے۔ رنج و الم کی اس خلش کو کم کرنے کی صورت یہ ہے کہ انسان دل کھول کر رو دے تڑپے نالہ کرے۔ اس سے غم ہلکا ہو جاتا ہے اور ایک تسکین محسوس ہوتی ہے دونون شعرون کا فلسفہ جدا گانہ ہے۔ اپنی جگہ پر دونون شعر خوب ہین مگر اکبر کا شعر مستعار ہے اور شاد کا شعر اوجنل۔ اس لئے شاد کے شعر کو ترجیح دینی چاہیئے۔

اکبر ؎ بہار بے بقا پر ناز کیسا اور خوشی کیسی بجا ہے حیرت نرگس کہ گل کی یہ ہنسی کیسی

شاد ؎ یہان نشو و نما کا حاصل نہ کوئی ثمرہ ہے رنگ و بو کا ہنسو گے خود اس چمن مین غنچو! زمانہ آئے ذرا نمو کا

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا تیل بانو بہیر آیل استعمال کیجئے نہایت فی شیشی ۲ھ

دونون شعرون مین دنیا کی بے ثباتی و عبرت پذیری کی تلقین ہے۔ اکبر کہتے ہین کہ پھولون کی ہنسی کو دیکھکر کس حیرت زدہ ہے کیونکہ وہ جانتی ہے کہ بہار چند روزہ ہے اور پھولونکا انجام ایکدن خاک ہے۔ لہذا اپنی بہار پر مسرور ہونا عبث ہے۔ شاد کہتے ہین کہ گلشن عالم کی عشرت کسی کو راس نہین آتی، ابھی کم سنی کی وجہ سے غنچون کو اپنے رنگ و بو پر مسرت ہے مگر جب نمو پزیر ہونگے تو محسوس کرین گے کہ نشو و نما کا کوئی حاصل نہین ہے، اس رنگ و بو کو آخر خاک مین ملنا ہے۔ لہذا وہ خود بہار و باغ کے وجود پر ہنسینگے۔ شاد کے شعر کو اکبر کے شعر پر فوقیت ہے۔ مضمون تو دونون کا ایک ہے مگر بلاغت کے پہلو شاد کے شعر مین زیادہ ہین۔ مصرعون کی ترکیب بھی نہایت مترنم و کیف زا ہے۔

اکبر ؎ فروغ دل اب نہین ہے باقی وہ سوز و ساز اسمین اکبر کہاں ہے یہ آہ و فریاد ہے جو لب پر کبھی ہوئی شمع کا دھوان ہو

شاد ؎ نہین مدتون سے وہ ولولہ دل زار سینہ مین جل گیا فقط ایک ڈھیر ہے راکھ کا نہ وہ سوز ہے نہ وہ ساز ہے

میرے خیال مین اکبر کا شعر شاد کے شعر سے بہتر ہے۔ اولاً تو اول الذکر نے اس مضمون کو مطلع مین ادا کیا ہے جس سے مصرعون مین ترنم پیدا ہو گیا ہے۔ ثانیاً آہ و فریاد کو شمع دل کا دھوان قرار دیا ہے جس سے تخیل مین نہایت نزاکت پیدا ہو گئی ہے۔ اور یہ بات مسلم ہے کہ شمع کے بجھنے پر تھوڑی دیر تک دھوان اٹھتا ہے۔ مضمون بہت نچرل ہے اور تشبیہ مکمل۔ شاد کا شعر بھی نہایت درد انگیز اور موثر ہے۔

اکبر ؎ یاس ہی یاس تھی جب موت کا پیغام آیا مین نہ سمجھا کہ جینا مرے کس کام آیا

شاد ؎ اب بھی اک عمر پہ جینے کا نہ انداز آیا زندگی چھوڑ دے پیچھا مرا مین باز آیا

دونون کا مضمون فلسفۂ زندگی کے متعلق جداگانہ ہے۔ اکبر زندگی کی ہیچ انجامی بیان کرتے ہوئے کہتے ہین کہ موت کے وقت سوائے یاس و حرمان کے اور کچھ نہین ہے شاد کا شعر ایک وسیع تخیل پیش کرتا ہے۔ وہ کہتے ہین کہ ایک عمر طویل گزارنے پر بھی نہ نصب العین حیات کی تکمیل ہوئی اور نہ زندگی کو بہتر و مفید اسلوب مین صرف کرنے کا سلیقہ آیا، لہذا ایسی ہستی سے دل بیزار ہے اور اس سے پناہ مانگتا ہے۔ اس شعر سے اکبر کے شعر کو کوئی نسبت نہین۔ یہ حسن تغزل کا بہترین نمونہ اور جوش و اثر اور تمام محاسن شعری کا گنجینہ ہے۔

اکبر ؎ سالک راہ محبت کو خرد سے کیا کام وہ تو چاہیگا کہ خود ہوش بھی ہمراہ نہ ہو

شاد ؎ حسم خاکی کے تعلق نے گرانبار کیا کاش مین راہ مین تیری تن تنہا ہوتا

محبت ایک لطیف و مجرد جوہر ہے جو انسان کے آئینۂ دل مین ودیعت کیا گیا ہے اس کی مدد سے روح ذات واجب الوجود سے مواصلت کی کوشش کرتی ہے۔ مگر اس کیلئے ضرورت ہے کہ انسان ہوش و خرد، حسم و مادہ وغیرہ سے تمامتر بیگانہ ہو جائے کیونکہ عالم روحانیات مین ان مادی چیزونکا وجود راہ ترقی مین سد راہ ہے۔ اس مسئلہ کو دونون نے نظم کیا ہے۔ اکبر کہتے ہین کہ ہوش و خرد راہ عشق مین سالک کیلئے سد راہ ہین۔ شاد کہتے ہین کہ روح جسم سے منزہ ہوتی تو راہ محبت بآسانی طے کر لیتی مگر چونکہ جسم خاکی بھی روح سے وابستہ ہے اسلئے ہزارہا علائق دنیوی کا سامنا ہے اور منزل حقیقت تک رسائی نہین ہوتی۔ معنویت کے لحاظ سے شاد کے شعر کو ترجیح ہے کیونکہ "سالک راہ محبت" کی تکمیل نصب العین مین صرف ہوش و خرد ہی نہین بلکہ اسکا سراپا مادی وجود ہی رخنہ انداز ہے۔

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا عطر حنا ہر موسم مین استعمال ہو سکتا ہے

اکبر ؎ اس وعدہ خلافی پہ کرو غور کسی دن ہر روز یہ کہدیتے ہو اب اور کسی دن
شاد ؎ بدلی وہ وضع طور سے بے طور ہو گئے تم تو شباب آتے ہی کچھ اور ہو گئے

دونون شعرون کی صفائی زبان، انداز بیان، خوبی بندش، چستی ترکیب نہایت دلآویز ہے، اور میرے خیال مین ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا مشکل نظر آتا ہے۔ مگر غور سے دیکھا جائے تو شاد کا شعر زیادہ پرمعنی و تخیل ہے۔ اکبر صرف معشوق کی وعدہ خلافی کے شاکی ہین۔ شاد کے شعر سے ایک دنیائے تخیل سامنے آجاتی ہے خصوصًا اسکا دوسرا مصرعہ غضب کا ہے۔

اکبر ؎ اس گلستان مین بہت کلیان مجھے تڑپا گئین کیون گلی ہتین شاخ مین کیون بے کھلے مرجھا گئین
شاد ؎ آئی کس شوق سے اور باغ مین پھولی نہ پھلی اے کلی کیون نہو صدمہ ترے مرجھانے کا

ان شعرون کا ماخذ ذوق کا یہ مصرعہ ہے ؎

حسرت اُن غنچون پہ ہے جو بے کھلے مرجھا گئے

بہرکیف مضمون کے لحاظ سے دونون شعر اپنے اپنے انداز بیان مین قابل داد ہین۔ اکبر کا مضمون چونکہ مطلع مین ادا ہوا ہے اسلئے زیادہ مترنم، کیف زا اور موثر ہے۔

اکبر ؎ نشتر لگائو جاتو اے یخ نا امیدی دل کو ابھی تو کسکایت باقی ہے جوش خون کی
شاد ؎ یونہی رہ رہکے تو اے نا امیدی دل کو چھیڑ چھیڑ جا یہی مہمیز خوش عمر کو چالاک کرتی ہے

اکبر کے شعر مین نا امیدی سے استدعا کی گئی ہے کہ دل سوداز دہ مین اتنی نشتر زنی کرے کہ جوش خون بالکل زائل ہو جائے اسمین کوئی ولولہ و ہنگامہ اور جنون و سودا باقی نہ رہے، اور اطمینان و سکون حاصل ہو جائے۔ شاد کہتے ہین کہ نا امیدی کی چھیڑ دل کیلئے نہایت امید افزا ہے کیونکہ اسی مہمیز سے تو سن عمر تیز گام ہو جاتا ہے۔ شاد کے دونون مصرعے باہم نہایت متوازن و متقابل ہین، مفہوم پاکیزہ ہے۔ تخیل مین جدت ہے، ترکیب پرجوش و پراثر ہے۔ اکبر کا شعر بھی خوب ہے۔

اکبر ؎ دل شکستہ ہون مگر دل مین خدا کا نور ہے یہ وہ ویرانہ ہی روشن جسمین شمع طور ہے
شاد ؎ سراپا سوز ہے ایدل سراپا نور ہو جانا اگر جلنا تو جلکر جلوہ گاہ طور ہو جانا

دونون شعرون کا مطلب قریب قریب ایک ہے فرق صرف طرز بیان کا ہے۔ دونون شعر اپنی جگہ پر اچھے ہین۔ اکبر کہتے ہین خانۂ دل کی تخریب کے بعد جلوۂ الٰہی اس مین جلوہ گر ہوتا ہے شاد دل کو ہدایت کرتے ہین کہ آتش عشق مین جلنے کا نتیجہ نور مجسم ہو جانا ہے لہذا اگر جلنا ہے تو کوہ طور کی طرح جل تاکہ انوار الٰہی نور فشان ہو۔ شاد کے شعر مین دل کا "سراپا سوز" ہو کر "سراپا نور" ہو جانا بہت نیچرل ہے۔

اکبر ؎ اگرچہ دل کو ہے سودا اسے برا نہ کہو کسی کی زلف سے ملتا ہے سلسلہ اس کا
شاد ؎ واعظ بتون کو تونے کہا اہل زور تک اے بیخبر یہ بات پہونچتی ہے دور تک

دونون شعر خوب ہین۔ اکبر کے شعر مین رعایت لفظی کا لطف ہے یعنی سودا، زلف، سلسلہ مفہوم بھی پاکیزہ ہے۔ شاد

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا کارخانہ ۸۶ سال سے جاری ہے

کے شعر مین خوبی بیان، اور صفائی زبان کا لطف ہی۔ اور ایک نازک کنایہ بھین موجود ہے۔ وہ یہ کہ خود شاد نے ایک جگہ تبون کے حسن کے متعلق کہا ہی کہ "یہ حسن حسن حقیقی کا استعارہ ہے" پس تبون کی بوائی کرنا خدا کے ساتھ گستاخی کرنا ہے۔

اکبر ؎ یہ سوز داغ دل یہ شدت رنج والم کتبک ہماری ہی لئے یہ بورگردون ہو تو ہم کتبک
شاد ؎ بڑھ جاتے ہین دکھ یہ عمر جون جون گھٹتی جاتی ہے مگر مین سوچکر خوش ہون کہ بیڑی کٹتی جاتی ہے

اکبر کہتے ہین کہ اگر دنیا مین شدید مصائب و آلام کا سامنا ہے اور پیر فلک میرے ہی ستانے پر کمربستہ ہے تو اسکا غم بے سود ہے کیونکہ آخر میری زندگی ایکدن ختم ہوجائیگی اور تکا کیف دنیاوی سے نجات ابدی حاصل ہوگی۔ شاد کہتے ہین کہ جیسے جیسے عمر کم ہوتی ہے مصائب زندگی اور زیادہ ہوتے جاتے ہین، مگر مجھے اسکا مطلق غم نہین بلکہ اطمینان و مسرت ہے کیونکہ اب عمر آخر ہے اور بہت جلد رنج والم کی بیڑی کٹنے والی ہے۔ مفہوم دونون شعرون کا ایک ہی مگر شاد کا شعر زیادہ دلآویز اور کیف زا ہے، انداز بیان بھی نہایت پسندیدہ ہے۔ اکبر کا شعر بھی خوب ہے اور تاثیر سے لبریز ہے۔

اکبر ؎ سینہ کا زخم آہ کی سختی سے چل گیا اچھا ہوا مزا تو محبت کا مل گیا
شاد ؎ یونہی راتون کو تڑپینگے یونہی جان اپنی کھوئینگے تری مرضی نہین اے درد دل اچھا نہ سوئینگے

مضمون دونون شعرون کا بالکل جداگانہ ہے مگر چونکہ دونون کا تعلق جذبات سے ہے اور طرز بیان و خوبی زبان کا لطف دونون مین تقریباً یکسان ہے لہذا نہ موازنہ کیلئے مین نے انہین منتخب کرلیا ہے۔ اکبر کے شعر مین الم دوستی و ایذا طلبی کا مضمون ہے۔ دوسرے مصرعہ کی برجستگی نہایت پرکیف ہے۔ شاد کا شعر محاسن تغزل کا بہترین نمونہ ہے۔ اس بات کو کہ "درد دل کے ہاتون خواب و آرام حرام ہے" کس پرکیف و پر جوش انداز مین بیان کرتے ہین۔ میر کے نشتر کی کیفیت اس شعر مین بدرجۂ اتم موجود ہے۔

اکبر ؎ زندہ ہون مگر زیست کی لذت نہین باقی ہر چند کہ ہون ہوش مین ہشیار نہین ہون
شاد ؎ پیری مین امنگین وہ نہین جوش نہین ہے آپ اپنے کو سمجھون مجھے یہ ہوش نہین ہے

دونون شعرا اپنے اپنے انداز مین خوب ہین۔ مگر گو اور محاسن شعری دونون مین تقریباً یکسان ہین تاہم شاد کا مصرعۂ ثانی نہایت برجستہ و بے ساختہ، پرجوش و پراثر ہے۔ یون بھی انکا شعر ہر نوع جذبات سے لبریز ہے۔

اکبر ؎ امید دل مین نہین سانس ہی سینہ مین نہین مجھ تو اب کوئی لذت نہین ہے جینے مین
شاد ؎ سمجھ رہا ہون کہ ہر سانس ہی اخیر کی سانس یہ کون جینے مین جیتا ہے دم شماری ہے

میرے خیال مین دونون شعر جذبات و کیفیات پیرانہ سالی کا آئینہ ہین، اور حسن تغزل کا عمدہ نمونہ ہین۔ ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا مشکل ہے۔ گو اکبر کا مضمون چونکہ مطلع مین ادا ہوا ہے اسلئے شعر مین ترنم و کیف زیادہ پیدا ہوگیا ہے۔

اکبر ؎ علم ابتدا کا ہے نہ خبر انتہا کی ہے دور انقلاب کا ہے حکومت فنا کی ہے
شاد ؎ سنی حکایت ہستی تو درمیان سے سنی نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم

دونون شعرون مین جو فروق شعری و معنوی ہین ارباب نظر سے پوشیدہ نہین۔ صاف ظاہر ہے کہ شاد کے شعر مین جو تاثیر و جوش،

کارخانہ اصغر علی محمد علی کا عطر حنا حسب قدر پرانہ ہوگا آئی ہی خوشبو دیرپا ہوگی

حقائق و اسرار، اور حسن تخیل موجود ہے اکبر کے شعر میں نہیں۔ اکبر کے شعر کا مطمح نظر شاد سے جداگانہ ہے۔ وہ دراصل دنیا کے انقلاب و فنا کا ذکر کر رہے ہیں۔ شاد کا شعر ایک وسیع تخیل پیش کرتا ہے اور حسن تغزل کا بہترین نمونہ ہے۔

اکبر ؎ تمہیں اس انقلاب دہر کا کیا غم ہے اے اکبر — بہت نزدیک ہے وہ دن نہ تم ہوگے نہ ہم ہونگے
شاد ؎ اجل سلا دیگی سب کو آخر کسی بہانے تھپک تھپک کر — نہ ہم رہینگے نہ تم رہوگے نہ شاد دنیا رہیگی

اکبر انقلاب دہر سے تنگ آکر دل کو تسکین دیتے ہیں کہ اسکا غم کرنا بے سود ہے کیونکہ بہت جلد زندگی ختم ہونے والی ہے اور اس مدح فرسا ہنگامہ سے نجات ملنے والی ہے۔ شاد دنیا کی بے ثباتی کو بیان کرتے ہیں کہ حیات انسان اور اسکے تمام لوازمات کو لیکن فنا ہونا ہے اور ہر فرد کو موت کی گہری نیند سونا ہے۔ شاد کے شعر کا انداز بیان نہایت دلآویز ہے۔ فنا ہونے کو کس لطیف پیرایہ میں بیان کرتے ہیں کہ ــ "اجل سلا دیگی سب کو آخر کسی بہانے تھپک تھپک کر"۔

اکبر ؎ حسن بت یہ ہے تو اب یاد خدا کی نہیں خیر — یہ ادا ہے تو نماز دن کی قضا آئی ہے
شاد ؎ ابتو جانے لگا مسجد کی طرف وہ کافر — گر یہ سچ ہے تو شہادت ہے مسلمانو نکی

اکبر کے دونوں مصرعوں کا تناسب و تقابل خوب ہے اور "ادا" کو "نماز دن کی قضا" کا ذمہ دار ٹھہرانا نہایت پر لطف ہے۔ شاد کا شعر بھی نہایت خوب ہے۔ "مسجد"، "کافر"، "شہادت"، اور "مسلمانوں" کی رعایت لفظی نہایت پر لطف ہے۔ ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جا سکتی۔

اکبر ؎ عجب فتنہ خرام نازک قاتل سے اٹھتا ہے — سنبھلتا ہی نہیں دامن قدم مشکل سے اٹھتا ہے
شاد ؎ خرام نازنیں ڈورا یہی کہتا ہے گردن کا — نہیں اٹھتا مرے نازک بدن سے بوجھ دامن کا

اکبر کا شعر نہایت متانہ اور شاندار ہے۔ الفاظ کی نشست، تقردن کا دردبست، اتنا خوش اسلوب و پرکیف ہے کہ تعریف نہیں ہو سکتی۔ شاد کا شعر بھی اسکے مقابلہ میں کچھ کم پر لطف نہیں ہے۔ گردن کے ڈورے کا زبان حال سے یہ کہنا کہ "نہیں اٹھتا مرے نازک بدن سے بوجھ دامن کا" کیف انگیز ہے۔

اکبر ؎ اٹھتی ہیں جسے یہ آہیں دل ناشاد عبث — سننے والا نہیں کوئی تو ہو فریاد عبث
شاد ؎ کس سے تاراجی گلزار کی فریاد کی ہے — مفت اسی باد صبا دقت کی برباد کی ہے

اکبر کے شعر کا مضمون معمولی ہے۔ شاد کے شعر میں ایک وسیع معنی پوشیدہ ہے۔ اسکا زور بیان جہتی ترکیب، مصرعوں کی بے ساختگی، بے حد پر جوش و پر تاثیر ہے۔

اکبر ؎ سامنا جلوۂ معشوق کا اللہ اللہ — ہو یہی وقت کہیں آپ میں انسان نہ رہے
شاد ؎ جلوۂ حسن خدا ساز ستم ڈھاتا ہے — کیا کہیں دیکھ کے انسان سے رہا جاتا ہے

دونوں شعروں میں حسن کی کرشمہ زائیوں اور عشوہ طرازیوں کے بے پناہ اثرات کا بیان ہے۔ میرے خیال میں دونوں شعرا اپنی

دیسی عطریات کا استعمال کرتا ہے تو کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی فہرست طلب کیجیے

اپنی جگہ پر قابل داد ہین ایک کو دوسرے پر ترجیح دینی مشکل ہے۔

مذکورۂ بالا اشعار کو باہم موازنہ کرنے پر نظر آئیگا کہ بعض مضمون کو خوش اسلوبی سے باندھنے مین دونون اساتذہ دوش بدوش ہین بعض شعرون مین اکبر کی فوقیت نظر آئیگی، لیکن اکثر اشعار مین مولانا شاد کی چستی ترکیب، حسن بندش، زور بیان، جدت تخیل، جوش و اثر علانیہ ممتاز نظر آئیگا۔ حقیقت یہی ہے کہ شاد کا رنگ تغزل اتنا دلکش ہے کہ ہر قسم کا مضمون انکے طرز ادا اور انداز بیان کے سانچے مین ڈھل کر بے حد دلآویز اور بتمام محاسن شعری سے لبریز ہو جاتا ہے۔ اس مین شک نہین کہ اکبر کی غزلون مین بھی جا بجا حسن تخیل، افشار جذبات اسالیب بلاغت، جوش بیان، خیالات عالیہ، بلندی مضامین وغیرہ پائے جاتے ہیں۔ لیکن اگر تغزل محض کے نقطۂ نظر سے دونون اساتذہ کے کلام پر نگاہ تنقید ڈالی جائے تو صاف نظر آئیگا کہ شاد کی نگاہ دوربین جن جذبات و خیالات عالیہ کے نکات تک پہونچتی ہے اکبر کے تخیل کی وہان تک رسائی نہین۔ صرف اکبر پر کیا منحصر ہے مین بلاخوف تردید کہہ سکتا ہون کہ موجودہ دور مین کوئی شاعر رنگ تغزل مین مولانا شاد کا حریف نہین اور غزلیت کا یہ نمونہ نہین پیش کر سکتا۔ شاد کے محاسن کلام پر بحث کرنے کیلئے یہ مختصر مضمون کافی نہین۔ مین دو ہطرح غزلین دونون اساتذہ کے کلام پر درج کرتا ہون۔ اب ارباب نظر خود دیکھ لین کہ من حیثیت خیالات و جذبات اکبر کو شاد سے کیا نسبت ہے۔

اکبر	شاد
یہ لبرز لف یہ برق نظر معاذ اللہ	وہ چشم مست وہ ترچھی نظر معاذ اللہ
اگرچہ سینہ ہے دلکش مگر معاذ اللہ	حیا ہزار بھری ہے مگر معاذ اللہ
طلسم حسن بتان کے نہ پوچھئے احوال	وہ رخ پیچ وہ کافر نگاہ توبہ ہے
دہن کا ذکر ہی کیا ہے کمر معاذ اللہ	وہ کاکلین وہ لچکتی کمر معاذ اللہ
جناب شیخ پھر آخر بسر کردن کیونکر	چھپ کے پیتے ہین کیا انکا راز پوچھتے ہو
جدہر اٹھاتا ہون آنکھین اُدھر معاذ اللہ	ادھر زبان پہ خیر اُدھر معاذ اللہ
جو منہ لگائی وہ بت شیخ بھی پڑہین الحمد	جمنون کے کھولدے منہ زہے کرم ساقی
یہ دور ہی سے ہے بس اسقدر معاذ اللہ	مین پی تو لونگا مگر اسقدر معاذ اللہ
مین کیا کہون شب فرقت مین مجھ پہ کیا گذری	اُدھر اذان کی صدا اُنکی اسطرف رخصت
عجیب حال رہا رات بھر معاذ اللہ	خدا دکھائے نہ ایسی سحر معاذ اللہ
بتون کے عشق مین کیا کچھ نہین کیا مینے	دلون مین زخم تو سینون مین پڑ گئے ناسور
بہت رہی ہے لب شیخ پر معاذ اللہ	جناب شیخ کا وعظ الحذر معاذ اللہ

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی سچائی، معاملہ کی صفائی اور مال کی عمدگی مشہور ہے

اکبر	شاد
×	تلک سحاب کی مشکون مین بھر کے رکھ پانی
×	ہمارے نالۂ دل کے شرر معاذاللہ
×	مریض ہجر سے قاصد پیام یاس نہ کہہ
×	کہان وہ شوق کہان یہ خبر معاذاللہ
×	کہان اتار دیا تونے اپنے مہمان کو
×	شبین وہ تار بھیانک وہ گھر معاذاللہ
×	طریق عشق کی منزل تو ایک رستے لا کہہ
×	قدم قدم پہ بھٹکنے کا ڈر سوا ذاللہ
فریب چشم ہے خوان جہان کا رنگ اکبر	تمہین ہے شاد اسی شاعری پہ اپنی ناز
مزا زبان کا فتنہ اثر معاذ اللہ	حسد کی جڑ ہے تمہارا ہنر معاذاللہ

وصل جانان کی دل زار کو حسرت ہی رہی - پر مسیر نہوا
عمر بھر جان پہ فرقت کی مصیبت ہی رہی - تہا یہ قسمت کا لکھا
تم نے جو بات کہی مین نے دل و جان سے وہ کی - کیا عذر کبھی
تمکو اسپر بھی مگر مجھ سے شکایت ہی رہی - پھل یہ خدمت کا ملا
چشم حسن سے اشکون کی بھی موجین نکلین - ٹھنڈی سانسین ہوئین سرد
بان مارا تری آنکھون نے جو کی پھر نہ نگاہ - نہ ملی دلکو پناہ
آتش غم کی مگر دل مین حرارت ہی رہی - نہ ہوا فرق ذرا
یار کیا قہر ہے چلتا ہوا جادو تیرا - لاکھ روکا نہ رکا

کھائین سو مرتبہ قسمین کہ ہون عاشق تجھپر - نہین اورون پہ نظر
رت بھری ساری ہری ڈالون مین پھوٹی کونپل - آگئی پھولون پھل
بدگمانی مگر اس شوخ کی عادت ہی رہی - صاف مجھسے نہ ہوا
اک یہ بڑا ہوا دل ہے کہ نہ پھولا نہ پھلا - اور سو کہا ہی کیا
ایک تم ہو کہ ہزارون ہی کئے مجھ پہ ستم - ملکے غیرون سے بہم
کالی کالی وہ گھٹائین وہ پپیہون کی پکار - دیمی دیمی وہ پھوار
ایک میں ہون کہ مجھے تجسے محبت ہی رہی - کبھی شکوہ نہ کیا
اپکے ساون بھی ہمارا یونہی رونے مین کٹا - کیا کہین پچھے سوا
دشمنون نے تو بہت بات بنائی جا کر - وہ بگڑین مجھپر
بوسہ لینے کا مری خاک کو بھی ہے ارمان - تا بآسمان کی کمان

تمام ماہرین فن نے کارخانہ اصغر علی محمد علی کے عطر خسا کو بہترین عطر مانا ہے

حال پر میرے گرانی عنایت ہی رہی۔ کچھ کسی سے نہ ہوا — جامہ زیبی کا بھلا وصنع تنگ قبا۔ کچھ تو دامن کو جھٹکا
ہو تمہاری بھی عجب سخت طبیعت بخدا۔ رحم دل میں ذرا — فتنہ خوآفت جان سنگدل آشوب جہان۔ شمن امن و امان
نیتیں کرتے رہے ہم تمہیں وحشت ہی رہی پاس بیٹھے نہ ذرا — سرور کجکلہان خسرو اقلیم جفا۔ بانی مکر و دغا
منزل گورمیں تنہا مجھے سب چھوڑ چلے۔ اپنی بیگانے جو تھے — رس بھری ہائے وہ آنکھیں تری کالی کالی۔ بے پئے متوالی
ساتھ دینے کو مگر اسکی عنایت ہی رہی۔ اور کوئی نہ رہا — سانولا رنگ نمک ریز جراحات جفا۔ آن کہاں رہیاں گیا

دیکھنا تیر انکھیوں سے ہی آڑی پرچھی۔ یار اسکی نہ سہی
کب کو گنتی میں ہے وہ گھاؤ جو اوچھا سا لگا۔ پھر کے پھر دیکھ ذرا

ہمنشیں اٹھ گئے اس بزم سے اپنے اکبر۔ تم بھی بس باندھو کمر — آنکھیں روئی ہوئی آواز ہے بھرائی ہوئی۔ باتیں شرمائی ہوئی
نہ وہ جلسے ہی رہے اب نہ وہ صحبت ہی رہی۔ کیا ہی جینے کا مزا — اس سے تو اور کسی بھید کا ملتا ہے پتہ۔ شاد تمہیں تو نہ کہا

دونوں غزلوں کے مطالعہ سے ہر اہل ذوق سمجھ سکتا ہے کہ مولانا شاد کے رنگ تغزل میں جو جوش بیان، صداقت جذبات، حسن تخیل، بلندی مضامین، سوز و گداز، وغیرہ پائے جاتے ہیں اور جو غزلیات کی جان ہیں۔ اکبر کی غزلوں میں قطعاً مفقود ہیں۔ مستزاد مذکور ہی کو دیکھ لیجئے، اس میں جو مختلف خیالات و طوفان جذبات و تلاطم کیفیات پوشیدہ ہیں اردو زبان کے کسی مستزاد میں نظر نہیں آتے۔ مولانا شاد کے رنگ تغزل کے متعلق انہیں کا ایک شعر نقل کرکے اس مضمون کو ختم کرتا ہوں ؎

نمک ہے فارسی کا درد ہندی شاعری کا ہے
یہ اردو سے معلی نکتہ سنجان عجم دیکھیں۔

سید شاہ ولی الرحمٰن دلی۔ بی۔ اے۔ کاکوی

خیمہ جات دریان و سامان چرمی

ہمارا کارخانہ عرصہ سے جاری ہے اور ہندوستان میں اور ہندوستان کے باہر نہایت نیکنامی سے مدت سے سامان بھیج رہا ہے۔ ہمارے یہاں خیمہ جات و دریان بہترین قسم کی اور چرمی سامان مناسب قیمت پر روانہ کیا جاتا ہے فہرست حسب الطلب اردو یا انگریزی میں بھیجی جاسکتی ہے۔

(براہ نوازش خط و کتابت کے وقت نگار کا حوالہ دیجئے)

المشتہر محمد حسین اینڈ کو ٹینٹ مرچنٹس فتحگڈھ یوپی

گلاب، خس اور یا نڑی کے سوا کسی اور عطر کی روح نہیں نکل سکتی کارخانہ اصغر علی محمد علی کا یہی تجربہ ہے

ہندوستان کی معاشی زندگی

معاشی انسان قبل اسکے کہ ہم نفس مضمون سے بحث کرین معاشی انسان کی مختصر سی تعریف کردینی مناسب معلوم ہوتی ہے - معاشی انسان سے مراد کاروباری انسان ہے یعنی یہ کہ وہ لین دین اور تجارتی کاموں مین بجا رعایت نہ کرے اور اپنے کام کی انجام دہی مین غفلت سے کام نہ لے -

مشرق و مغرب کا معاشی انسان اب دیکھنا یہ چاہیئے کہ ہندوستانی معاشی انسان ہین یا نہین - غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان مین معاشی انسان بہت کم ہین - اور یورپ مین انکی کثرت ہے ہندوستانی اور یورپین کے مزاج مین زمین آسمان کا فرق ہے - اول الذکرین اور باتون کا تو کیا ذکر کاروبار مین بھی رعایت روا رکھی جاتی ہے اور بعض اوقات تو دوسرون کے خیال سے اپنا نقصان تک کرلیتے ہین - انکے برعکس یورپین اپنے اصول کے بہت سخت ہین انکے یہان کاروبار مین کسی کی رعایت نہین ہوتی ، وہ "حساب جوجو" کے مقولے پر عمل کرتے ہین اور اپنے وقت کے ہر لمحہ سے فائدہ حاصل کرنے کی کوشش مین لگے رہتے ہین - ہندوستانیون مین کاہلی ، دولت کی طرف سے قناعت اور مروت کیوجہ سے وقت کی بہت کم قدر ہے - وقت کی طرف سے اسقدر لاپروائی دیکھکر ایک امریکن نے یہ ریمارک کیا کہ "ہندوستان کا دن بجائے چوبیس گھنٹون کے دوسو چوبیس گھنٹون کا اور سال بجائے تین سو پینسٹھ دن کے تین ہزار سینسٹھ دن کا ہوتا ہے"

اسکے علاوہ ہندوستانی کچھ تو قدرتی اسباب یعنی آب وہوا کی ناموافقت موسم کی جلد جلد تبدیلی گرمی کی شدت اور آئے دن کی بیمارون پلیگ ہیضہ اور ملیریا سے کمزور ہوتے ہی ہین اسپر "موے پر سو درے" یہ کہ محنتی بھی کم ہوتے ہین - اگر کسی سے یہ سوال کیا جائے کہ مزدورون کے اضافہ اجرت کا کیا نتیجہ ہوگا تو یقیناً وہ یہی جواب دیگا کہ انکی حالت درست ہوجائیگی اور ان کے کام مین ترقی ہوگی مگر بدقسمتی سے ہندوستان مین ہمیشہ یہ صورت پیدا نہین ہوتی یہان بہت سے بداندیش ایسے بھی ہین جو اپنی زیادتی اجرت بجائے اچھے کامون مین صرف کرنے کے لغویات مین صرف کرڈالتے ہین اسکے علاوہ ایک حالت اور بھی مشاہدہ ہوتی ہے جسکا وجود سوائے ہندوستان کے کسی دوسری جگہ مشکل سے ملیگا یعنی بعض مزدور ایسے بھی ہوتے ہین کہ جب انکی اجرت مین اضافہ ہوتا ہے تو بجائے اسکے کہ وہ اس فاضل اجرت کو اپنی اضافہ کارکردگی مین صرف کرین اور زیادہ اجرت کے لالچ سے زیادہ محنت کرین وہ ایسا نہین کرتے بلکہ اپنے کام مین کمی کردیتے ہین اور بجائے آٹھ روز کام کرنے کے صرف چھ یا سات روز کام کرتے ہین اور زیادہ آرام لینے لگتے ہین ، برخلاف اسکے اگر ہم یورپ کے لکھپتی اور کروڑپتی کی زندگی پر نظر کرتے ہین تو معلوم ہوگا کہ انمین سے ہر ایک روزانہ جتنی محنت کرتا ہے اتنے گھنٹے ہمارے یہانکا معمولی مزدور بھی نہین کرتا - ان مین سے ہر ایک عموماً چودہ اور پندرہ گھنٹے روزانہ کام کرتا ہے جتنی زیادہ دولت پیدا ہوتی ہے اتنی ہی انکی خواہش اور بڑھتی ہے اور وہ اور زیادہ دولت پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہین - باشندگان یورپ مادی ترقی کے دلدادہ ہین اور ہندوستانی اسکے برعکس یعنی جب یہ کچھ دولت جمع کرلیتے ہین تو پھر تکلیف اٹھاکر اور محنت کرکے دولت جمع کرنی نہین چاہتے بلکہ اسی پر قناعت کرلیتے ہین

محنت کی منتقلی ہندوستانی اور یورپی زندگی مین ایک دوسرا فرق یہ ہے کہ یورپ مین محنت منتقل ہونے والی چیز سمجھی جاتی ہے اور ہے اس سے ہندوستانیون کو کوئی تعلق نہین - یہان محنت گویا منتقل پذیر نہین ہے (واضح ہو کہ محنت سے مراد نہ صرف محنت ہے بلکہ اصطلاحاً مزدورون کی

امیر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا عطر حنا خاص ترکیب سے بنتا ہے

جماعت بھی مراد ہے) اسکی ایک بڑی وجہ طبائع اور خیالات کا اختلاف ہے - یورپی مزدور کو جہان کہین مادی فائدہ نظر آتا ہے منتقل ہو جاتا ہے مگر ہندوستانی مین ایسا نہین یہان کے مزدور بہت قدامت پسند ہین یہ اپنا گھر بار عزیز و اقارب - بال بچے اور کھیتی باڑی چھوڑ کر دوسری جگہ جانا نہین چاہتے - اب ان طبائع کا کسی ملک کی پیدائش دولت پر جسقدر رگہرا اثر پڑتا ہے اسکے بیان کی ضرورت نہین - اس اختلاف طبائع کی وجہ سے کاروبار مین جسقدر دقتین اور سہولتین پیدا ہو جاتی ہین انسے ہر شخص واقف ہے - ایک طرف تو محنت کی نقل پزیری سے کاروبار مین معاشی توازن پیدا ہو جاتا ہے اور دوسری طرف عدم منتقلی سے پیدائش دولت مین سخت رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے جہان کام ہوتا ہے وہان مزدور نہین اور جہان مزدور ہین وہان کام نہین -

طریق اُجرت | ان دونون کی زندگی کا ایک تیسرا فرق یہ ہے کہ دونون کے ہان طریق اجرت مختلف ہے - مسئلہ اجرت مین یہ بات فرض کر لی گئی ہے کہ ہر شخص اپنی کارکردگی کے لحاظ سے پوری پوری اُجرت وصول کر لیتا ہے مگر ہندوستان کی حالت پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ یہان کی اجرت بہت کچھ پرانے طریقے پر رسم و رواج کے تابع چلی آرہی ہے - یہان ہر شخص اپنی کارکردگی کے لحاظ سے پوری پوری اجرت وصول نہین کرتا وہ اجرت مین صرف مادی چیز کو مدنظر نہین رکھتا بلکہ بہت سے کامون مین اُجرت کے علاوہ آخرت کا بھی خیال کرتا ہے ایسی صورت مین اگر یہان کی اجرت کا حساب کر کے یہان کارکردگی کے متعلق خیال کر لیا جائے تو یہ بالکل غلط ہوگا کیونکہ یہانکی کارکردگی کا صحیح معیار اُجرت نہین ہے - ہندوستان مین اسوقت بھی بڑے بڑے قابل موجود ہین جنکی قابلیت کا اندازہ اگر انکی اُجرت کے لحاظ سے کیا جائے تو وہ بالکل معمولی نظر آئین گے

رسم و رواج | ہندوستان اور یورپ کے رسم و رواج مین بھی بڑا فرق ہے جو پیدائش اور صرف دولت پر اپنا مفید یا مضر اثر ڈالے بغیر نہین رہتے یورپ مین نرالے رسم و رواج ہین اور نہ یہان کی سی ذات بندی جس کی وجہ سے ہر شخص اختیار پیشہ مین آزاد ہے اور اسلئے پیدائش دولت مین خاطر خواہ ترقی ہوتی ہے - برخلاف اسکے ہندوستان رسم و رواج اور ذات پات کی بندشون سے جکڑا ہوا ہے ذات بندی کی وجہ سے بہت سے پیشے والے دوسرا پیشہ اختیار نہین کر سکتے جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بعض کام مین مزدور ضرورت سے زیادہ ہو جاتے ہین اور بعض مین بہت کم رہتے ہین غرض یہ دونون صورتین پیدائش دولت کیلئے نقصان دہ ہین رسم و رواج کی پابندی کی وجہ سے گو انکے پاس دولت نہ ہو مگر شادی بیاہ مین قرض لیکر خوب دنگ دلیان مچائین گے خواہ اسمین تباہ ہی کیون نہ ہو جائین -

معیار زندگی | جس طرح ہندوستان اور یورپ کے طریق اُجرت مین فرق ہے اور ہم ہندوستان کی اُجرت کو دیکھ کر یہان کی کارکردگی کا صحیح اندازہ نہین لگا سکتے اسی طرح ہندوستان اور یورپ کے معیار زندگی مین بھی فرق ہے اور ہم یہان کے معیار زندگی کو دیکھکر یہان کی کارکردگی اور دولت کا صحیح اندازہ نہین کر سکتے - یورپ کا معیار زندگی بنسبت ہندوستان کے بہت اعلیٰ ہے یورپ مین ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق اپنا معیار زندگی رکھتا ہے مگر ہندوستان مین باوجود اعلیٰ کارکردگی موجود ہونے کے معیار کی بلندی کا خیال نہین اگر ہم مدراس اور میسور کی معیار زندگی پر نظر ڈالین تو معلوم ہوگا کہ یہان کا معیار زندگی کسقدر گرا ہوا ہے مدراس مین بیرسٹر اور ہائی کورٹ کے جج تک عموماً جو تا نہین پہنتے کپڑے بہت معمولی ہوتے ہین انکے مکانات بھی کچھ شاندار نہین ہوتے - میسور کی بھی یہی حالت ہے یہان کے بڑے بڑے لوگ معمولی زندگی بسر کرتے ہین خود وزیر ریاست نہایت سادہ مکان مین سادی وضع سے رہتے ہین -

سرمایہ | یورپ مین سرمایہ کی جسقدر رہتات ہے وہ دہانکی کاروباری ترقی اور مختلف قسم کے عظیم الشان کارخانون سے ظاہر ہے اسکے برخلاف

ہندوستانی عطریات کا سب سے بڑا کارخانہ اصغر علی محمد علی لکھنؤ کا ہے

ہندوستان مین سرمایہ کی کمی کا اندازہ اسی سے ہوسکتا ہے جبکہ ریلوے جاری کرنے کی ضرورت ہوئی تو اسکے لئے سرمایہ کا بہت بڑا حصہ انگلستان نے فراہم کیا اب بھی ہندوستان مین جو بڑے بڑے کارخانے ہین وہ عموماً یورپین سرمایہ کے ہین۔ آجکل بھی ہندوستان مین صنعتی ترقی کیلئے یہی رونا ہے کہ یہان سرمایہ نہین۔ ہندوستانی اپنی دولت کو سرمایہ بنانے کے عادی نہین یورپ مین دولت کی زیادتی کے ساتھ ہی ساتھ وہانکے لوگ اسکو سرمایہ بنانے کے عادی ہین اس فرق کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ نے دن دونی رات چوگنی ترقی کی اور بیچارہ ہندوستانی تباہ حالت مین پڑا ہے یہ زمانہ "زمانہ سرمایہ" کہلاتا ہے اور بغیر اسکے ترقی محال ہے۔

تنظیم | یہ امر ہر شخص پر بخوبی روشن ہے کہ کسی چیز کی ترقی و تنزل مین تنظیم کی بھلائی اور برائی کو کسقدر دخل ہے۔ دور کیون جائین اگر ہم اپنے ہی رشتہ داروں اور گھروں پر نظر ڈالین تو معلوم ہوگا کہ جنمین انتظامی قابلیت زیادہ ہے وہ دوسروں سے کم خرچ ہین اپنی زندگی زیادہ آسائش سے گذارتے ہین۔ یہی حال دیگر کاروبار کارخانون اور بنکون کا ہے بلکہ وہان تو کاروبار کی ترقی اور تباہی کا دارومدار مہتمم کی بھلائی اور برائی پر ہے۔ اگر کارخانہ کا منیجر ہوشیار ہے اور حالات بھی مساعد ہین تو کارخانے کو پہلے پہونچتے کچھ دیر نہین لگتی، اگر بدقسمتی سے منیجر خراب ہوا تو کارخانے کا نقصان ایک بدیہی امر ہے یورپ مین تنظیمی مادہ بدرجۂ اتم موجود ہے برخلاف اسکے ہندوستان مین گویا نام کو نہین کسقدر شرمناک امر ہے کہ جب ہندوستان مین کسی بڑے کارخانے یا بنک کے منیجر کی ضرورت ہوتی ہے تو یورپین کو بڑی بڑی تنخواہ دیکر بلانا پڑتا ہے۔ اگر ہندوستان مین اس قابلیت کے آدمی مل جائین تو زیادتی اُجرت کی وجہ سے کارخانہ کا جو نقصان ہوتا ہے وہ نہ ہو دوسرے ملک کی دولت ملک ہی مین رہے۔ یورپ مین آجرون اور بنک کے منیجرون کا کام ایک بہت اہم فن خیال کیا جاتا ہے اور وہان اسکی باضابطہ تعلیم دیجاتی ہے۔ یورپ کے کاروباری ترقی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ وہان آجر اور منیجر آسانی سے مل جاتے ہین۔ اب ہندوستانی بھی اسکی طرف توجہ کر رہے ہین اور اس شعبے مین پارسی پیش پیش نظر آتے ہین۔ ہندوستان مین تنظیم کی خرابی اور گرانی کی وجہ سے یہان کے کاروبار کی حالت خراب اور پیدائش دولت کی ترقی مین اس سے بہت رکاوٹ پیدا ہو رہی ہے۔

خواہش مسابقت | ہم مین اور ان مین نہ صرف طبعی اختلاف ہے بلکہ نصب العین کا بھی فرق ہے وہ مادی ترقی اور ذاتی منفعت کے دلدادہ ہین اور ہم اسکے خلاف کاروبار اور تجارت کی ترقی کیلئے مقابلہ کی خواہش ایک ضروری چیز ہے۔ بغیر اسکے تجارت پھل پھول نہین سکتی۔ طبائع مین مقابلہ کی خواہش نہ ہونے سے تجارتی اصولون مین خرابی پیدا ہو جاتی ہے اور ایک ہی شہر مین ایک ہی چیز کے مختلف بازار ہو سکتے ہین۔ یورپ مین ایسا نہین ہے وہان خواہش مسابقت بہت بڑھی ہوئی ہے۔

یورپ کا قانون وراثت | ہماری اور انکی پیدائش دولت مین نہ صرف مدارج بلکہ نوعیت کا بھی فرق ہے ہمارے یہان تفریق کم ہے اور توسیع زیادہ۔ انکے یہان مرکزیت کا زیادہ خیال ہے تو ہمارے یہان لامرکزیت کا۔ یورپ کا قانون وراثت بھی اسی قسم کا ہے یعنی باپ کی جائداد اور خطاب کا تنہا مالک بڑا لڑکا ہوتا ہے۔ ہندوستان مین ہندوؤن کے یہان قانون اشتراک ہے جسکی رو سے خاندانی جائداد مین خاندان کا ہر فرد حصہ دار ہے گرچہ ہر دو قوانین مین کچھ نہ کچھ فائدے ہین مگر اب بجائے فائدے کے نقصان کا رنگ غالب ہوتا جا رہا ہے۔ یورپ کے قانون وراثت مین یہ فائدہ تیا یا جاتا ہے کہ باپ کی جائداد کا ایک شخص مالک ہوتے سے جائداد چھوٹے چھوٹے ٹکڑون مین تقسیم ہونے نہین پاتی اور ایک جگہ بڑی جائداد رہنے سے اسمین آسانی سے ترقی ہو سکتی ہے اور دولت بہت جلد بڑھتی ہے۔ اگر جائداد مختلف لوگون مین بانٹ دی جائے تو دولت کے

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا شائقہ العبیر بہترین عطر ہے

فلسفۂ مسرت

شمالی ہندوستان کے اندر گذشتہ دو تین سال میں جو عجیب و غریب قصے مشہور ہوئے ہیں اُنمیں سے ایک کی بابت تو میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ فرخ نگر کے ایک بڑے معتمد مولوی صاحب کی زبانی مشہور ہوا

فرخ نگر کی بیسی شرک پر جو محلہ کاکا خیل سے شرقی دروازہ کو جاتی ہے مولانا موصوف کی مڈبھیڑ ایک سن رسیدہ آدمی سے ہوگئی جو کچھ عرصہ تک صاحب فراش رہنے کے بعد اب چل پھر لیتا تھا۔ مولانا: "اخاہ! تمہیں آج تندرست دیکھکر کسقدر خوشی ہوئی ہے۔ کہو بھئی بالکل اچھے ہو"؟

شخص: "خدا کا شکر ہے مولانا اب میں بالکل اچھا ہوں"۔

مولانا: "بھوک تو خوب لگتی ہے"؟

شخص: "بھوک! اتنی عمر ہونے کو آئی کبھی آجتک میری اسقدر خوراک نہیں ہوئی"۔

مولانا: "نیند تو خوب آتی ہے"؟

شخص: "جی ہاں اپنی عمر میں کبھی اسقدر آرام سے نہیں سویا"۔

مولانا خدا کے فضل و کرم سے اب میں بالکل بھلا چنگا ہوں۔ البتہ مرا دل ٹوٹ گیا ہے مگر میں اسکی پروا نہیں کرتا"۔

اس قصے کو سنکر بڑے بڑے رقیق القلب لوگ بھی ہنستے ہیں غضب ہے کہ اس ضعیف العمر شخص کے دوست احباب اور اُن مصائب کا علم رکھنے والے بھی باوجود ادعائے رقت قلب ہنسنے سے باز نہیں رہتے۔ ان خوش ہونے والوں سے میں بھی واقف ہوں۔ خوش ضرور ہوتے ہیں لیکن ساتھ ہی رقیق القلب بھی بے انتہا ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کیا وجہ ہے کہ یکدل اشخاص بھی بعض اوقات دوسروں کی مصیبت پر غمخواری کرنے کے بجائے خوش ہوتے ہیں؟ اور چونکہ یکدل کسی ایسے دافعہ پر جو مصیبت سے تعبیر کیا جائے خوش نہیں ہو سکتے، اس لئے اس سوال کی شکل یوں بدلیجائیگی کہ ہم کب مصیبت کو مصیبت خیال نہیں کرتے؟ اسکے جواب کیلئے جگہ "خرابات" ہے جہاں "پیر خرابات کی" صدارت میں بڑے بڑے رندِ نما عقلا کا مجمع ہوتا ہے۔ اگر ناظرین فرخ نگر کے خرابات کی سیر سے لطف اندوز ہوں تو پتہ چلے کہ یہ رندانِ قدح خوار کیسے کیسے عقل آفرین اور بصیرت افروز نکات بیان کرتے ہیں اور کیسے کیسے شکل سے سیدھی سیدھی باتوں میں حل کر دیتے ہیں۔ آخر کار اس سوال کے جواب کیلئے میں نے خرابات کا رستہ لیا۔ اب سنئے:۔

ایک بہلول وقت:۔ "حاجی للو بھائی کو خدا کو دیکھو غریب نے برف بنانے کی مشین لگائی تھی اور ایک کوڑی کفن تک کو نہیں رکھی سب کا سب اسمیں لگا دیا اُسمیں آگ لگ گئی اور ایسی جلی کہ نشان تک نہیں ملا اب سوائے ایک گاڑی کے اُسکے پاس کچھ بھی نہیں اور وہ بھی مکفول۔ ستر برس کا بڈھا تمام عمر کی کمائی اُسمیں جھونک دی، جیسا سنگا دیا میں آیا تھا ویسا ہی رگیا اُسکی بیوی کی حالت زیادہ خراب ہے اور لوگ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ سر وقت سر غمزون میں دئے ہائے کرتی رہتی ہے اور تین دن سے اگر ایک کھیل بھی منہ میں آئی گئی ہو تو چاہے جیسی قسم لے لو۔ اُسکا خیال ہے کہ اُسکے اور اُسکے خاوند کیلئے یہ مشین بڑھاپے کا سہارا تھی۔ اب بجز مر رہنے کے اور چارہ کار کیا ہے"۔

دوسرا مست الست:۔ "حاجی للو بھائی کا بھی بہت افسوس ہے خیال نوکر د۔ سارے انڈے ایک ہی ٹوکری میں اور ٹوکری گر جائے اور تمام انڈے ٹوٹ جائیں سوائے افسوس کے اور کیا ہو سکتا ہے"۔

پہلا:۔ "حاجی للو بھائی کا افسوس! کیا واقعی! جو کچھ ہوا اُسکا تو اُسے ابھی افسوس نہیں جیسی اولاد پر غیدی۔ اُسکی باتیں سنو تو حیران رہجاؤ! کہتا ہے پھر مشین لگاؤنگا اور معلوم کیا کیا خیالات رکھتا ہے جیسا کوئی

بڑا لکھ پتی ہو۔ ان اسکی بیوی کا ضرور افسوس ہے۔ لیکن اس معاملہ میں حاجی سے ہمدردی ظاہر کرنا ہمدردی کا ضایع کرنا ہے۔"

بات یہ ہے کہ ہمکو ان لوگوں کی مصیبت پر ظاہر رنج نہیں کرنا چاہئے جو اس رنج کا اثر نہ لیتے ہوں اور اسی سے اُن رقیق القلب اور نیکدل لوگوں کی خوشی کا بھی استیصال ہو سکتا ہے جو اُس سن رسیدہ آدمی کے قلب کی حالت سنتے تھے اور ہنستے تھے۔ ان دونوں حالتوں میں وقت ایسے آدمیوں پر پڑا جو اس سے قطعی متاثر نہیں ہوئے اور حزن و ملال انکے پاس نہیں پھٹکا۔ ہمکو اس خوشی پر مضروب تعجب ہوگا بلکہ بے موقع اور بے محل نظر آئیگی ہم اسکو حقارت اور خود کی نظر سے دیکھیں گے لیکن جب تک خود مصیبت زدہ خوش و خرم ہے ہم اُسکی اس حالت پر غم کے آنسو بہا کر کیوں اُسکی خوشی کو خاک میں ملائیں۔ لیکن اب دوسرا سوال پیدا ہوتا ہے کہ اُس مصیبت زدہ شخص اپنی مصیبت کو محسوس کرتا ہے لیکن مسرت کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تو کیا ہم یہ خیال کر لیں کہ اسکو کوئی صدمہ نہیں ہوا؟ اسکے جواب کیلئے بھی "خرابات" ہی تجویز ہوا:۔

ایک عورت ایک لڑکی کا ہاتھ پکڑے حیران پریشان چلی جارہی ہے

"پیر خرابات" تو کتاب" کہاں چلیں"؟

عورت:۔ "حکیم جی کے ہاں جارہی ہوں میری لڑکی رقیہ کو کل سے کھانسی ہے"

پیر خرابات:۔ "کیا کھانسی بہت ہے"؟

عورت:۔ "نہیں کچھ ایسی زیادہ تو نہیں ہے۔ آج صبح ہنڈی دیر تک شاید اضمہ کی خرابی تھی ہو۔ کیونکہ رات اس نے پراٹھے اور کباب بہت کھائے لیکن میرے ہمسایہ میں ایسا واقعہ ہو گیا کہ مجھے ڈر لگتا ہے اور اسکی ذرا سی کھانسی سے پریشان ہو گئی۔ جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے پڑوسن کی لڑکی سعیدہ میری رقیہ کے ساتھ کھیل رہی تھی۔ پھلی پنگی سوئی صبح کو اسکی خبر سنی ہے کہ کچھ کھانسی اُٹھی تھی اور زکام تھا۔ اسوجہ سے مجھے کھانسی کے نام سے روزہ آتا ہے"

پیر خرابات:۔ "افسوس۔ نہیں رقیہ کی کھانسی ایسی نہیں ہے

لیکن یہ تو بتاؤ حمیدہ (سعیدہ کی ماں) کا کیا حال ہے"؟

عورت:۔ "کچھ نہ پوچھو اسکے ذکر سے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ کسی صورت اُسکی شکل میرے دل سے جدا نہیں ہوتی۔ خدا خوش رکھے حکیم عیسیٰ خاں کو بچارے سے غریبوں پر بہت رحم کھاتے ہیں کئی دفعہ بلا فیس کے آئے مگر وہ برابر بھی فائدہ نہ ہوا۔ حمیدہ کو نفیسہ بیگم سے سبق لینا چاہئے۔ دو سال ہوئے نفیسہ کا لڑکا مر گیا۔ اسکو ایسا صدمہ ہوا کہ پلنگ کو لگ گئی۔ مگر واہ ری نفیسہ مذہب کی پکی ہو تو ایسی ہو۔ کہنے لگی کہ میرا بچہ تو فرشتوں میں ملیگا ہے۔ ہمارے حضرت نے فرمایا ہے کہ یہ بہشتی جڑیا ہے۔ اب مجھے اُسکا کیا غم وہ ہنسی خوشی گئی ہے۔ جب اسکا ذکر کرتی ہے تو روتی بھی نہیں۔ اس سے ملکر اور باتیں کر کے بہت خوشی ہوتی ہے۔ اگر حمیدہ بانو بھی ایسا ہی کرتی تو کیا اچھا ہوتا"

تمنے اس گفتگو پر غور کیا۔ کچھ سمجھے۔ اگر کسی کو اسکا مذہب غم کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کے قابل بناتا ہے تو یہ نہایت درجہ خوشی کا مقام ہے جب ہمسی دوست کے نقصان یا نقص نفس پر غمخواری یا ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں یہ مال و اولاد کے ضایع ہونے پر نہیں کرتے بلکہ اس نقصان سے جو خوشی حاصل ہوتی ہے سپر کرتے ہیں۔ معلوم یہ ہوا کہ جب کسی مصیبت زدہ شخص سے ہم اظہار ہمدردی کرتے ہیں تو وہ اس مصیبت پر نہیں ہوتی بلکہ اُس تکلیف پر ہوتی ہے جو مصیبت زدہ اپنی مصیبت پر محسوس کرتا ہے۔ اور جہاں تک ہماری ہمدردی کا تعلق ہے ہم محسوس کرتے ہیں کہ اگر مبتلائے مصیبت نے خوشی کو ہاتھ سے نہیں دیا ہے تو اسکو مصیبت زدہ نہیں کہنا چاہئے۔ یا دوسرے الفاظ میں سوائے خوشی کے ضایع ہونے کے اور کوئی نقصان ہی نہیں اور جب تک انسان خوشی کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا وہ کوئی حقیقی نقصان برداشت نہیں کرتا خواہ اُسپر کوئی آفت پڑے اب ان سب باتوں کا خیال کر کے میں اور چند سوالات قائم کرتا ہوں۔ اگر آدمی کی جان ہلاک ہوتی ہو تو کیا یہ نقصان نہیں ہے؟ کیا یہ خیال نہیں آئیگا کہ سوائے خوشی کے ہر چیز ہاتھ سے جاتی رہیگی؟

اس مشکل کے حل کرنے کیلئے میں خرابات پہونچا۔ چلا ایسے وقت

کارخانہ اصغر علی محمد علی کا عطر شاہ جہانی پر مہکتا آتی ہی خوشبو دیر پا ہوتی

کہ راستہ مین طوفان باد و باران نے آگھیرا۔ بجلی کی چمک۔ رعد کی کڑک غرضکہ ایک قیامت صغریٰ برپا تھی یہ معلوم ہوتا تھا کہ تمام فرسخ مگر پالیسی تباہی آئے گی کہ اینٹ سے اینٹ بج جائیگی۔ اس زور کی تابڑ توڑ بارش ہو رہی تھی کہ الامان۔ ایکدم بجلی کا زور سے تڑاقا ہوا اور مین "ارے مار ڈالا" کہتا ہوا خرابات مین داخل ہو گیا۔

پیر خرابات:۔ "اسقدر کیون ڈرتے ہو۔ ابھی تک تم مرے نہین۔ اچھے خاصے تندرست کھڑے ہو پھر یہ موت کا خطرہ کیسا"

مین:۔ "دیکھتے نہین ہو کس زور کی بجلی کوندی ہے۔ مین مرتے مرتے بچگیا"

پیر خرابات:۔ "مگر بجلی تمہارے اوپر تو نہین گری"

مین:۔ "گری تو نہین مگر مین نے خیال" .....

پیر خرابات:۔ "(جلدی سے میری بات کاٹکر) تم نے خیال کرلیا مگر جسوقت تم نے خیال کیا اسیوقت تمہین یہ معلوم تھا کہ تم مرے نہین۔ اچھا تو پھر اس تمام شور و شغب سے کیا فائدہ۔ جب کسی کو بجلی کی کڑک سے خوف کھاتے دیکھتا ہون تو مجھے بہت ہی غصہ آتا ہے۔ ارے بھئی اگر تم پر بجلی گری تو بس تمہارا خاتمہ۔ اگر نہین گری تو زندہ رہوگے۔ اور جب زندہ رہوگے تو ڈر کی وجہ سے ہائے وہائی مچانا عبث"

مین:۔ "لیکن بجلی اسقدر قریب کوندی معلوم ہوئی کہ مجھے یہ خیال نہین رہا کہ مین اسکی زد سے بچگیا اور مین اس دھکے سے اچھی طرح نہ سنبھل سکا۔

پیر خرابات:۔ "بالکل درست۔ واقعی تمہاری ایسی حالت ہوگئی تھی۔ جب تک قوت تمیز باقی ہے تمکو یہ معلوم ہے کہ بجلی سے کوئی ضرر نہین پہنچا لیکن اگر بجلی نے ضرر پہنچایا تو قوت تمیز جاتی رہی۔ کسقدر مدلل بات ہے اور جب تمہارے اوپر بجلی گری تو تمکو پریشان ہونے اور ڈرنے کیلئے وقت بھی نہین ملیگا اور جب پریشان ہونے اور ڈرنے کا وقت ملا ہے تو سمجھو بجلی نہین گری۔ اور جب بجلی نہین گری تو پریشانی اور خوف فضول۔ یہ بات ہے کہ نہین"

صرف مین ہی اسکا مخاطب نہین تھا بلکہ تین چار رندان باوہ خوار بھی جو وہان جمع تھے اسکے مخاطب تھے اور اسکی ہان مین ہان ملا رہے تھے اُسنے اپنے سلسلہ کلام کو جاری رکھا:۔ "جانتے ہو کہ مین اپنی پہلی بیوی سے اس بجلی کی بابت کیا کہا کرتا تھا۔ وہ بجلی سے بہت ڈرتی تھی اور جب تک بجلی چمکتی رہتی اور بادل گرجتے رہتے تو وہ ایک کونا سا سنسان رکھے اور بھورے رنگ کی برساتی اوڑھے ایک کونے مین بیٹھی کانپتی رہتی تھی۔ مین اس سے کہا کرتا تھا: بجلی ایسی چیز نہین ہے کہ اگر گرے تو ایک منٹ کی بھی فرصت پریشان ہونے اور ڈرنے کیلئے دیگی۔ پر جو مین کہتا ہون وہ کیون نہین کرتین۔ اُٹھو۔ آنکھین کھولو اور اس آسمانی روشنی کے نظارہ سے لطف اٹھاؤ"

ایک رند:۔ "اسنا دصدقنا۔ لیکن حال ہی مین میرا بہنوئی بجلی کے صدمہ سے مرگیا مجھے اسکا بے انتہا رنج ہے۔ جوان تھا۔ ایک بیوی اور چار بچے چھوڑے۔ افسوس! افسوس!!"

پیر خرابات:۔ "ہرگز نہین تمہین اسکے مرنے کا ذرا بھی رنج نہین یہ تمہارا خیال ہی خیال ہے کہ تمکو اسکا رنج ہے۔ اسکا نہین بلکہ اسکے پس ماندگان کا رنج ہے۔ وہ کسی مصیبت مین مبتلا نہین ہوا جو اسکا رنج ہو"

رند:۔ "نہین مجھے نتیجہ کی موت کا رنج ہے۔ یہ ضرور ہے کہ رنج پس ماندگان کا بھی ہے۔ لیکن مرحوم کا ان سے زیادہ ہے۔ اُسنے بہت تر کہ چھوڑا ہے انکی حالت بھی بالکل اچھی ہے گرد بیچارہ تو اپنی جان سے گیا۔ ابھی تو اسکے منہ دودھ کی بو بھی نہین گئی تھی۔ وہ میونسپل کمشنری کا امیدوار تھا اور یقیناً منتخب ہوجاتا اسکا نام آنریری مجسٹریٹی کیلئے جا چکا تھا تلدوریا کے کنارہ نئی کوٹھی بنائی تھی اُسمین رہنا بھی نصیب نہ ہوا۔ بہت خوش مزاج ہنس مکھ۔ اور سجیلا جوان تھا۔ مرشدی! کیا آپکا یہ خیال ہے کہ اسکی موت سے مجھے رنج نہین ہوا"

پیر خرابات:۔ "اسکی موت کا رنج نہین ہوا۔ چونکہ وہ میونسپل کمشنر اور آنریری مجسٹریٹ ہونے والا تھا۔ بہت عزت پاتا۔ خطابات ملتے۔ حکام تک رسائی ہوتی کچہری دربار مین بار پاتا۔ بس اسکا رنج ہے۔ میرا مطلب اچھی طرح سمجھو۔ جہانتک اسکی نفس موت کا تعلق ہے تمہین رنج نہین ہے۔ اگر واقعی تمکو اسکا

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی ایک فاخ گلاب عرص حیدرآباد دکن مین ہے

رنج ہے تو معلوم ہوا کہ عقل تمہین چھو نہین گئی۔ فرض کرو ایک بچہ ہے علی الصباح وہ کس کے تماشہ مین جانا چاہتا ہے۔ شام ہی سے پڑکر سو رہا کہ سویرے اٹھنا ہے۔ لیکن صبح کو اسکی ماں نے تھپک جھپک کر سلا دیا۔ تماشہ کا وقت جاتا رہا۔ تمکو اُسپر رحم آیا اور رنج ہوا اس بات کا نہین کہ وہ سو گیا بلکہ اس بات کا کہ وہ سرکس نہ دیکھ سکا اچھا بجلی گر کر مرجانا ایسا ہی ہے جیسا کہ جلدی سو جانا۔ اب تمہین نتیجہ کی موت کا رنج نہین ہے بلکہ اسکا رنج ہے کہ اسکی بڑی بڑی امیدین جو زندگی سے وابستہ تہین یکدم دریا برد ہوگئین۔"

زندہ۔ مرشدی و مولائی! بالکل بجا اور درست ہے۔"

اگر یہ زندہ بجا اور درست کہنے مین راہ راست پر ہے اور پیر خرابات کے ارشادات بھی صادر کرنے کے قابل ہین تو مرنا مرنے والے کیلئے کچھ بھی نقصان دہ نہین ہے۔ اگر کوئی اچھا شہری مرجاتا ہے تو ہم کہتے ہین قوم کا بڑا نقصان ہوا۔ تو کیا پھر ہم قوم کا رنج کرتے ہین؟ بعض اوقات ہم کسی فائدہ رسان آدمی کی موت کا ان الفاظ مین رنج کرتے ہین "اگر وہ چند روز زندہ رہتا تو قوم کو کسقدر نفع پہنچتا" یہان بھی ہم پس ماندگان کا افسوس کرتے ہین جو بے یار و مددگار رہ گئے۔ بیشک ہم مرنے والے کے ساتھ بھی ہمدردی رکھتے ہین لیکن اس درجہ سے کہ نفع رسانی سے اسکو خوشی حاصل ہوتی۔ ایک آدمی عزت حاصل کرنے کے تمام مواقع کھو دے اسکا دل ٹوٹ جائے۔ آزادی مین فرق پڑ جائے۔ تندرستی جاتی رہے۔ عزت کو خیرباد کہے۔ زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے لیکن ساتھ ہی خوش ہے تو ہمکو اسکی ان تمام اشیا پر اظہار ہمدردی کرنا نہین چاہیئے۔ "خرابات" کا قانون یہی ہے کہ کسی چیز کا ضایع ہونا نقصان نہین ہے۔ بلکہ حقیقی نقصان خوشی کا زائل ہوجانا ہے۔

عرصہ گزرا کہ اس قصبہ مین ایک لڑکا تھا جسکو کشتی کا بہت شوق تھا چنانچہ اسی شوق مین تمام ہندوستان کی سیر کی بڑی بڑی کشتیان لڑائین۔ بڑے بڑے نامی پہلوانون کو پچھاڑا اور چار دانگ عالم مین اسکی زور آزمائی اور طاقت کا ڈنکہ بجگیا۔ تمام قصبہ اُسپر فخر کرتا تھا لیکن "خرابات" کے ایک بادہ خوار نے کیا خوب کہا "کہ واقعی کارہائے نمایان کئے ہین لیکن کامل وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہون کہ وہ بدرجہا زیادہ خوش رہتا اگر وہ ہماری طرح نہین رہتا اور باہر جانے کا نام نہ لیتا۔"

دوسرا بولا "اچھے رہے صرف خوشی ہی سب کچھ تو نہین ہے اور بہت سی چیزین حاصل کرنے کی ہین۔"

پہلا:۔ "کیا واقعی کوئی اور چیز بھی ہے؟"

دوسرا:۔ "کامیابی۔"

پہلا:۔ "کامیابی کی سند آدمی کیون دنیا مین کامیاب ہونا چاہتا ہے کیونکہ اس سے اسکو خوشی حاصل ہوتی ہے اگرچہ یہ ضروری نہین کہ خوشی ہمیشہ ہی حاصل ہو۔ وہ کبھی کامیابی کی کوشش نہین کریگا جب تک اُسے یقین نہ ہوجائے کہ کامیابی اپنے ساتھ خوشی بھی لاتی ہے۔"

دوسرا:۔ "تو پھر اچھے "برے" کام کی کوئی بات ہی نہ رہی تم خود عقلمند ہو جانتے ہو کہ اکثر اوقات "اچھے" "برے" دونون کامون مین کچھ کچھ تکلیف ہوتی ہے لیکن اچھا کام کرکے اُسے طمانیت قلب حاصل ہوجاتی ہے وہ "اچھا کام" کرتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اُسکے کرنے مین بہ نسبت "برے" کام کے زیادہ خوشی حاصل ہوتی ہے۔ قریب قریب ایسی ہی سب مذاہب کی تلقین ہے "اچھا کام کرو فلاح پاؤ گے خوش رہوگے" (یہ ضروری نہین کہ اسیوقت کبھی نہ کبھی ضرور) مذہب بھی اپنے معتقدین سے اسیطرح کام لیتا ہے کہ ان کیلئے کچھ قواعد بنا دئے ہین کہ جنپر عمل کرنے سے وہ خوشی حاصل کرسکتے ہین اور ان قواعد مقررہ پر عمل کرنے کا نام "اچھا کام کرنا ہے" اسیواسطے جملہ مذاہب کے پیغمبرون نے نہایت دانائی کے ساتھ اس بات کو دیکھ لیا اور جانچ لیا کہ کس قسم کے اصول انسان کی دائمی خوشی کی طرف رہنمائی کرتے ہین۔ انہر سب کو عمل کی تلقین کی اور ادھر اُدھر بھٹکنے سے روکا۔"

دوسرا:۔ "ذرا اپنے مرکب استدلال کو لگام دیجیے۔ میری سنئے۔ اس آدمی کی بابت جناب کا کیا خیال ہے جو لڑنے پر مجبور ہے فرض کرو تم مجھ سے کچھ کہتے ہو۔ سنتے ہی مارے طیش کے مین آپے ہی مین نہ رہا جاتا ہون

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا ٹیلیفون نمبر ۱۳۹ ہے

اور تمہارے اوپر ہاتھ چھوڑ دیتا ہوں۔ تم مجھ سے زیادہ قوی الجثہ ہو۔ اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اگر میں نے ایک دفعہ تم کو وار کرنے پر چھیڑ دیا تو تم مجھے چھوڑو گے نہیں بے تحاشا مجھے مارتے ہو۔ میرے نکسیر پھوٹ نکلتی ہے۔ لیکن میں تو پاگل ہوں۔ آگا پیچھا نہیں سوچتا۔ کیا یہی میں خوشی حاصل کرنے کیلئے کرتا ہوں؟"

پہلا :- بلاشک تم اس لمحہ اتنے پاگل ہو جاتے ہو کہ مجھ پر حملہ نہ کرنے کے نتائج کو برداشت کرنے کے قابل نہیں رہتے۔ تم مجھ پر حملہ کرتے ہو کیونکہ تم جانتے ہو کہ تمہارے حملہ کرنے کی خوشی دل میں اس تکلیف سے زیادہ ہوگی جو تمہارے اس حملہ کے جواب ملنے پر ہوگی۔ جب میں یہ سنتا ہوں کہ خوشی سے بھی بڑھکر کوئی چیز ہے تو میرا جواب یہ ہوتا ہے "ہا لکل نہیں۔ کم از کم انسان کے لئے نہیں"

جب یہ گفتگو ختم ہوگئی اور پہلے بادہ خوار کی بات دوسرے بادہ خوار نے تسلیم کرلی تو میخوار دکا نظریۂ خوشی ذرا وسیع ہوگیا۔ انسان کیلئے نہ صرف خوشی کا ضایع ہونا اصل نقصان ہے بلکہ تمام انسانی سعی و کوشش کی بنیاد ہی حصول خوشی ہے لیکن باوجود ان بیان خرابات کی منطقی گفتگو کے مذکورۂ بالا اصول میں کچھ خامی سی نظر آتی ہے۔ جس چیز کے تم متلاشی ہو یقیناً وہ چیز تمہارے پاس نہیں ہے اور اگر ہمیشہ خوشی کی تلاش میں ہو تو تمہارے پاس خوشی نہیں ہے اور جو چیز قبضہ میں نہیں اسکا ضایع ہونا کیا۔ لیکن یہ خامی حقیقی خامی نہیں ہے۔ یہ صرف سطحی ہے درحقیقت والیان خرابات کا مطلب یہ تھا کہ ہمارے پاس جس قدر خوشی ہے اسپر قناعت نہ کرکے ہم اور خوشی کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ جو خوشی ہمارے قبضہ میں ہے اسکا ضایع ہونا اصل نقصان ہے۔ خواہش ہماری یہی رہتی ہے کہ اس خوشی میں دن دونی رات چوگنی ترقی ہوتی رہے۔ سلطنت کے قوانین بھی اس نظریہ کو سامنے رکھکر بنائے جاتے ہیں کہ تمام آدمی خوشی حاصل کرنے کیلئے پیدا ہوئے ہیں۔ اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ تمام آدمی خوشی سے محروم ہیں بلکہ نظر سے انہیں یہ حق عطا ہوا ہے کہ اس خوشی پر جو انکے قبضہ میں ہے اضافہ کرتے رہیں اسیطرح خوشی پر خوشی حاصل کرنے کے ذرائع کام میں لانا آزاد آدمی کا فطری حق ہے اور اس بڑی سلطنت کے قوانین بھی فرخ نگر کے خراباتیوں کے مذہب نما سالکوں کے بڑے مرہون منت ہیں۔ معلوم ہوا کہ قدرتی حق جو ہمیں عطا ہوا۔ خوشی حاصل کرنا ہے۔ اور جبکہ سلطنت اور خرابات ان نظریہ میں باہم مشترک ہیں ہمکو اسکے آگے سر تسلیم خم کردینا چاہیئے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم کسطرح بہترین طریقہ سے اس حق کو کام میں لاسکتے ہیں ایک طرح پر تو ہم اسکے حاصل کرنے میں مشغول ہیں کیونکہ ہمارے تمام کام جو ایک ارادہ کے ماتحت ہوتے ہیں کامیابی کی طرف ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔ لیکن کوئی کام کیوں نہ ہو اگر سوچ سمجھکر اور دیکھ بھالکر کیا جائے تو اپنے اندر کامیابی اعلیٰ پیمانہ پر رکھتا ہے۔ اب اسکو ایک نظر سرسری سمجھکر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بہت کم آدمی ایسے ہیں جن کو کوئی خوشی میسر نہیں کیونکہ وہ آدمی جو خوشی نہیں رکھتا کسی رنجدہ واقعہ سے ناخوش نہیں ہوسکتا صحیح ہے بعض آدمی ایسے ہیں جنپر بار بار تو مصیبتیں پڑتی ہیں اور انکا غم اس انتہا پر پہونچ جاتا ہے کہ کچھ عرصہ کیلئے کسی خوشی کا احساس ہی نہیں ہوتا اور اگر تمام نبی نوع انسان مصیبت میں تڑپنے لگیں تو انکے غم میں اضافہ ہونے کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ لیکن یہ حالت عارضی ہوتی ہے اور یہ انتہائی رنج ختم ہو جاتا ہے کیونکہ قدرت جسکو منظور ہے کہ وہ خوشی کی تلاش میں لگا رہے اسکو از سر نو اپنے نقصان کے پورا کرنے پر آمادہ کر دیتی ہے قدرت خوشی کی ترقی میں ہر قسم کی مزاحمت کو نفرت کی نظر سے دیکھتی ہے۔

پس عام طور سے ہمیشہ خوشی کی کچھ نہ کچھ مقدار کے ہم مالک رہتے ہیں یہی وہ خوشی ہے جو پہلے سے ہمارے پاس ہے۔ ایک بڑے شخص نے اسکی تردید کی ہے۔ وہ کہتا ہے "تکالیف جو ہمیں پہونچتی ہیں اُنسے بے خبری کا نام خوشی ہے" ہمارا وقتاً فوقتاً کچھ خوشیوں کو کھو کر بیٹھنا اس بات کی دلیل ہے کہ ہم کچھ خوشیوں کے مالک ہیں۔ اور اسمیں ذرا شبہ نہیں کہ بعض آدمی استقدر خوشی رکھتے ہیں کہ وہ اسکا اندازہ نہیں کرسکتے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ خوشی کے ضایع ہو جانے کے بعد آدمی محسوس کرتا ہے کہ اُسے کسقدر خوشی حاصل تھی لیکن وہ جانتا نہیں تھا۔ یہ اکثر دنیا کے لغاد کے چکر میں پڑے رہتے ہیں۔ یہی حال بچہ کا بھی ہے وہ بھی کھلونوں کو الٹتا پلٹتا رہتا ہے ہماری عمر کے ساتھ اس عادت میں بھی ترقی ہوتی جاتی ہے۔ لیکن ان خوشیوں کے

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا کارخانہ ۸۶ سال سے جاری ہے

اندازہ لگانے میں ہم بہت حسین ہیں اور اگر اندازہ لگاتے بھی ہیں تو ہمارا یک پہلو سامنے رکھکر اور اسپر بھی جو اندازہ بیٹھتا ہے اس سے کم پر قناعت کرنیکی کوشش کرتے ہیں یہ صرف اسوجہ سے کہ ہم لوگونکا خاصہ ہے کہ خفیف سے خفیف اور وقتی رنج کو ہم اسقدر اہمیت دیتے ہیں کہ ہر وقت اسی کے سوچ میں غرق رہتے ہیں۔ اور غالباً زندگی میں بہت کم واقعات ایسے ہوتے ہیں جنمیں کہ ایک نہ ایک رنج ضرور آدمی کے ساتھ لگا نہ رہتا ہو۔

رنج کو جو ناگزیر ہے لیکن ساتھ ہی خفیف بھی ہے اسقدر اہمیت دینا اور پیش بیں رکھنا ایک ایسی چیز ہے جس سے ہماری حقیقی خوشی جو واقعی ہمارے پاس ہے خاک میں ملاتی ہے۔ مثلاً ایک مصور اچھی اچھی خوبصورت تصویریں بناتا ہے لیکن ہر ایک میں آگے کی طرف ایک بدنما دھبا بھی لگا دیتا ہے جو ان کو اتنا نمایاں بتاتا ہے کہ تصویر بدنما ہو جاتی ہے۔ اگر مصور نے ارادتاً ایسا کیا ہے تو ہم اسے عقل سے خارج سمجھنے پر مجبور ہیں لیکن ہم میں بہت ایسے ہیں جو اپنی ہستی کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ایسا کرتے ہیں۔ ہماری غلطی جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ ہم بھول جاتے ہیں کہ یہ سب کچھ ہماری مرضی پر منحصر ہے۔ ہم بھول جاتے ہیں کہ خوشی کو سب سے پہلی صف میں جگہ ہمیں دینی چاہیئے۔ ہم احمقانہ ہٹ دھرمیوں کے ساتھ اپنی پریشانیوں کے پیچھے اسکو مقید کر دیتے ہیں۔ کیسی پریشانیاں۔ وہ پریشانیاں جو نیچہ ہیں بلا وجہ کے خوف کا۔ اور ان پریشانیوں کے اندازہ میں آدھی اگر ہتوڑی ریاضی سے بھی واقف ہو گا تو حیران رہ جائیگا اگر آدمی کاغذ کے ایک پرزہ پر اپنی تمام پریشانیاں لکھتا رہے اور ایک سال یا کم از کم ایک ماہ میں ریاضی کے قاعدہ سے انکا اندازہ لگائے تو اسکو اپنی خوشی اور خود اپنی بابت عجیب و غریب انکشافات ہونگے۔ ایک کالم میں تو وہ اُن تمام پریشانیوں اور فکرات کو لکھے جو اسکے ذہنی خیالات کے اتار چڑھاؤ کا نتیجہ ہیں اور دوسرے کالم میں ان پریشانیوں کو درج کرے جو واقعی ہیں۔ ایک شخص نے جو ہمیشہ پریشان رہا کرتی تھی بتایا کہ صرف پچھلے اندراج سے پورا ایک مہینہ ایسا کرکے اور اس کام کو حماقت سمجھکر اُسنے چھوڑ دیا۔ اور اُسنے ٹھیک کیا کیونکہ پہلے کالم میں جو کچھ درج کیا گیا تھا وہ بھی حماقت ہی کا نتیجہ تھا۔ اسیطرح ایک کاروباری آدمی نے فہرست تیار کی اور نو ہفتہ کے بعد معلوم ہوا کہ واقعی پریشانیاں انیس ۱۹ تھیں اور غیر واقعی چار سو تینتیس ۴۳۳ لیکن اسکو جاری نہ رکھ سکا اور یہ سمجھکر کہ یہ فہرست اور بھی زیادہ پریشان کن ہے اسکو بند کر دیا۔

اگرچہ دونوں میں سے ایک بھی ریاضی کی اس خدمت سے عرصہ تک بہرمند نہیں ہوا اور اپنی پریشانیوں کے سیاہ نقاب کو خوشی کے چمکدار رخ سے نہیں اٹھایا لیکن اتنا ضرور ہوا کہ بعد میں دونوں کے دونوں خوشی سے حظ وافر اٹھانے لگے۔ اعداد و شمار بھی کبھی کبھی اپنا اثر رکھاتے ہیں۔

زیادہ عرصہ نہیں گزرا ایک شام کو میں نے دو آدمیوں کو باتیں کرتے سنا۔ اور گفتگو اسپر تھی کہ اگر ہم زمرہ نوجوان ہو جائیں اور اسوقت کی چستی چالاکی عقل و فہم پھر ہمارے قبضہ میں آجائے تو ہم کیا کریں۔

ایک بولا: "اگر میں پھر جوان ہو جاؤں اور جو کچھ میرے ذہن میں ہے مجھے حاصل ہو جائے تو میں فقر کو بھی سویرے نجاؤں جیسا کہ اب تک جاتا رہا ہوں۔ میں نے بیالیس برس کی عمر تک ایک دن کی بھی چھٹی نہیں لی۔ ہر وقت کام میں منہمک رہتا تھا۔ اگر مجھے وہ کام کرنے پڑے تو خوب چھٹیاں لوں اور کام بھی فرصت لیکر کروں۔"

دوسرا بولا: "میں نے تو ایسا ہی کیا کچھ بھی فائدہ نہ ہوا میں خیال کرتا تھا کہ آہستہ آہستہ سب کام ہوتا رہے گا۔ اپنا شباب اور عزیز کا بہترین حصہ ادھر اُدھر سیر سپاٹے اور یار باشی میں کھو دیا اور یہی وجہ ہے کہ اس بڑھاپے میں تارے نظر آرہے ہیں۔ اور ہر وقت کانے کی دھن ہے میرا خیال ہے کہ جوانی میں کچھ زیادہ محنت سے کام کر لیتا تو آج یہ دن دیکھنے نصیب نہ ہوتے۔"

پہلے شخص نے تعجب ہو کر کہا "کیا واقعی تمہاری یہ خواہش ہے؟ میری تو کبھی یہ خواہش نہیں ہو سکتی۔"

دوسرے شخص نے اُسے غور سے دیکھا اور تعجب سے دریافت کیا

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا عطر حنا خاص ترکیب سے بنتا ہے

"اپنے بڑھاپے کیلئے تم کچھ بچانا نہیں چاہتے"۔ اور تم جوانی میں محنت کرنا نہیں چاہتے"

پہلے شخص نے نوراً بات کاٹکر کہا "میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں یہ سب کچھ نہیں کرونگا۔ بلکہ یہ ہے کہ اسکی بابت پریشانی نہیں لگائے رکھونگا میں اپنی گزشتہ زندگی پر زرائیق نظر ڈال رہا ہوں۔ کیونکہ اب وہ وقت آنے والا ہے جبکہ ہماری ٹانگیں لڑکھڑانے لگینگی۔ آنکھوں سے کم نظر آنے لگیگا کوئی آدمی ہمسے باتیں کرنا پسند نہیں کریگا۔ اور ہم ٹھالی بیٹھے بیٹھے اپنے کانا مون کو سوچتے رہا کرینگے۔ اب مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ خواہ مخواہ میں نے فضول پریشانیاں اپنے سر رکھیں تھیں"

دوسرا:۔ تم ایسا خیال کرو لیکن واقعہ یہ ہے کہ اسی سبب سے تمہیں فارغ البالی نصیب ہوئی۔ جوانی میں دوڑ دھوپ کی بڑھاپے میں بیٹھے گل چھرّے اڑا رہے ہو"

پہلا:۔ "ہر وقت فکر میں غرق رہنے سے یہ سب کچھ نہیں ہوا محنت سے یہ سب کچھ حاصل ہوا۔ محنت بھی اور کفایت شعاری بھی۔ اب میں کہتا ہوں بڑی غلطی ہوئی کہ میں نے ہر وقت کام سے کام رکھا لیکن اس سے زیادہ غلطی یہ ہوئی کہ کام کی وجہ سے پریشانیوں میں اُلجھا رہا۔ اگر میں از سر نو زندگی شروع کروں تو کبھی پریشانیوں کے پاس نہ پھٹکوں"

دوسرا:۔ "یہ تو ممکن ہے ایسا وقت آتا ہے کہ کام خراب ہونے لگتا ہے۔ اسمیں نقصان کا احتمال ہوتا ہے اگر فکر نہ کی جائے۔ پریشانی اپنے سر نہ لی جائے تو سخت محنت کرنا بہت مشکل ہے"

پہلا:۔ "میں نے کام ٹھیک طور سے چلنے پر بھی ایسے ہی جان لڑا کر کیا جسطرح عام لوگ بگڑنے پر کرتے ہیں۔ دو چار مرتبہ جب کام میں ابتری پڑتی معلوم ہوئی تو اسوقت میں بہت آسانی سے کام سنبھال لیتا اگر اسکے متعلق پریشانی میرے استقلال اور قوت فیصلہ کو ضایع نکر دیتے پریشانی سے کوئی کام انجام نہیں پاتا ہاں البتہ فضول باتیں اسکی وجہ سے بہت سی ہو جاتی ہیں۔ اگر مجھ میں ذرا بھی عقل ہوتی اور پریشانیوں سے علیحدہ رہکر کام کرتا تو خوشگوار میں ایک لطف آنے لگتا اور حقیقت میں ہر آدمی کو اسطرح کام کرنا چاہیئے جناب میں تو عرض کر چکا کہ اگر پھر جوان ہو کر کام کرونگا تو پریشانیوں کے پاس نہ پھٹکونگا"

دوسرا:۔ "لیکن علاوہ کاروبار کے اور بھی تو باتیں ہیں جو پریشانی میں ڈالتی ہیں۔ مثلاً خطرہ۔ اچانک کوئی حادثہ۔ بیماری۔ موت"

پہلا:۔ "میں خوب جانتا ہوں میں جو کچھ پریشانیوں کی بابت کہتا ہوں ان سب باتوں کو پیش نظر رکھکر کہتا ہوں میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ تمام کو آلام سے نجات ملجائیگی۔ میرا مطلب یہ ہے کہ میں ان کو آنے کی دعوت نہیں دونگا پہلے ہی سے انکے استقبال کی تیاری نہیں کرونگا پیش از مرگ واویلا پر عمل پیرا نہیں ہونگا اور اپنے دماغ کو ان فرضی پریشانیوں کا جولانگاہ نہیں بناؤنگا میں پچھلے واقعات پر غور کر رہا ہوں اور کف افسوس مل رہا ہوں کہ بیٹھی بیٹھے جو مجھے میسر تھی وہ فضول پریشانیوں میں ضائع کی۔ افسوس پر افسوس یہ کہ اطمینان قلب بھی انہی پریشانیوں کے نظر کر بیٹھا۔ اب خیال کرتا ہوں کہ تانوے فیصدی اصل پریشانیاں نہیں تھیں بلکہ اوہام اور خیالات باطل تھے۔ تاہم میں ان فرضی پریشانیوں کا انتہائی اثر لیتا تھا حتیٰ کہ ایک فیصدی اصل پریشانی کا بستم تو یہ ہے کہ مجھ میں اصل اور فرضی پریشانیوں میں تمیز کرنے کی قوت نہ تھی۔ میں واقعی پریشانیوں کا بھی تمسخر رہتا تھا لیکن چونکہ ضروری نہیں تھا کہ پریشان ہونے اور دبن لگانے سے وہ واقعات میری حسب مرضی انجام پاجائیں اسلئے تمام واقعی اور غیر واقعی پریشانیوں نے مجھے بالکل تباہ کر دیا اگر یہ سب کچھ نہ ہوا ہوتا تو مجھے اتنا صبر تو رہتا کہ چلو مالی مفاد زیادہ نہیں ہوا نہ سہی زندگی تو مزہ میں گزار دی۔ ذرا سوچو اگر تانوے فیصدی پریشانیاں غیر واقعی ہیں اور ایک فیصدی واقعی اور غیر واقعی اور واقعی میں تمیز ناممکن ہے اور وہ ایک فیصدی پریشانی کچھ چارہ سازی کرتی نظر نہیں آتی تو کیا یہ کہیں زیادہ بہتر نہیں ہے کہ تمام پریشانیوں کو بالائے طاق رکھکر آدمی خوش وخرمی کی زندگی بسر کرے یہ نہ سمجھ لینا کہ اگر از سر نو جوان ہوکر زندگی شروع کروں تو کسی واقعی خطرہ کے دفعیہ کی کوشش نہ کرونگا۔ یا بیمار پڑنے پر طبیب کو نہیں بلاؤنگا۔ بلکہ میں یہ سمجھا کہ

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی سچائی۔ معاملہ کی صفائی اور مال کی عمدگی مشہور ہے

جو کچھ مین نے اپنے سر غرور اجنبی پریشانیان لیکر انجام کو پہونچایا اس سے سوائے اسکے اور کوئی نتیجہ برآمد نہوا کہ میری خوشیون کا ایک معتد بہ حصہ خاک مین ملگیا۔ اب مین ایسی بے وقوفی نہین کرونگا"

دوسرا:۔ "لیکن ہماری واقعی تکالیف"

پہلا:۔ "میرا مطلب پریشانیون سے ہے۔ مین نے کہا کہ مین تکالیف سے مامون و محفوظ نہین ہونگا لیکن اس حد تک ضرور عقل کو کام مین لاؤنگا کہ قبل اسکے آگ۔ آگ" کہکر چلا اٹھون دیکھ لونگا کہ دہوان بھی اٹھ رہا ہے۔ صرف یہی نہین بلکہ یہ معلوم کر لونگا کہ دہوان آکہان سے رہا ہے"

دوسرا:۔ "فرض کرو کہ مکان جل گیا جب بھی تم پریشان نہوگے"

پہلا:۔ "(زور سے) کیا کہا! تیرا ذہن جسپر پریشانی ہا اسکو تو یہ کہین بہتر ہے کہ مین دماغ ایسا مکان بنانے مین صرف کرون جس پر آگ اثر نہ کرسکے۔ ایسے فضول کام مین بھی مین تضیع اوقات کر چکا ہون۔ اور کیسے مذاق کی بات ہے کہ مین یہ بھی سمجھتا تھا کہ وقت ضائع کر رہا ہون۔ یا للعجب"!

پہلا:۔ "یہ کیا"

دوسرا:۔ "گمان لگاکر سنو مین جانتا تھا کہ مین کیا کر رہا ہون مین جانتا تھا کہ اس مغت کی پریشانی سے کچھ حاصل ہونیوالا نہین ہے۔ مین جانتا تھا کہ سب کچھ آہن سرد کو فتن کے مصداق ہے اور دماغ کو سخت مین خراب کرنا ہے پھر بھی منصفی سے خدا لگتی کہدو کہ یہ جو کچھ ہوا اچھا ہوا"

یہ گفتگو سنکر مین چند شخص کی دانشمندی پر متعجب ہوا۔ لیکن اسکے لئے یہ سب باتین ابد از وقت تھین کیا دودھ گائے کے تھنون مین واپس جا سکتا ہے کیا وہ پھر جوان ہوکر اپنے تجربہ سے فائدہ اٹھا سکتا تھا سب سے زیادہ افسوس کے قابل یہ بات بھی کہ اس پچاس برس کے بوڑھے کو اب خیال آیا اسمین ہمیشہ سے خوت تمیز موجود تھی اور یہ کہ وہ طمانیت قلب اور خوشی سے حظ وافر اٹھا سکتا تھا بشرطیکہ شروع مین ہی اسے معلوم ہو جاتا کہ یہ وقت اسکے پاس موجود ہے۔

ان تمام باتون پر غور کرکے مین اس نتیجہ پر پہونچا کہ مقدم کام یہ ہے کہ ہم سمجھین کہ اصل خوشی ہر وقت ہمارے پاس موجود ہے۔ اور پھر اس خوشی سے فائدہ اٹھائین اور اسکے بقا کیلئے یہ ضروری ہے کہ ہم اپنی قوت کا اندازہ لگائین کہ آیا ان پریشانیون مین کن خیالات کو جو اسکو تباہ کر دیتے ہین روکنے کی قوت ہم مین موجود ہے یا نہین۔ کیونکہ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ ہم مین یہ قوت موجود ہے تو بس اس ہی پر فیصلہ ہے۔ اصل چیز ہی ادراک قوت ہے مشکل تو یہی آپڑی ہے کہ ہم اس قوت سے عاری ہین۔

اچھا اب قدم تو آگے بڑھاؤ۔ اب اگر آدمی کا صرف یہی کام ہے کہ خوشی قائم رکھے بلکہ یہ کہ اسمین اضافہ کرتا رہے۔ تو اب اس اضافہ کی کیا کیفیت ہے یہ ذرا زیادہ گہری ہے۔ کیونکہ اگر ہم اس خوشی مین اضافہ کرنے کی کوشش مین ناکام رہے تو یہی نہین کہ اسمین اضافہ نہین ہوگا بلکہ جو ذخیرہ ہمارے پاس پہلے سے موجود ہے اس مین سے بہت کچھ کھو بیٹھین گے۔ تو پھر کیا یہ بہتر نہین کہ ماحضر پر ہی قناعت کے بیٹھے رہین اور زیادہ کیلئے ہاتھ پاؤن نہ ماریں۔ لیکن آدمی سے ماحضر پر صبر نہین ہو سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ آدمی محدود ذرائع آمدنی اور قلیل پونجی پر صبر کرلے۔ ایسا وقت بھی آتا ہے جب وہ سمجھ لیتا ہے کہ خوشی کا مال پر ہو چکی ہے اور اس مین اضافہ نہین ہو سکتا اگر یہ صرف وقتی دل بہلاؤ ہے۔ فطرت نے جو کام ہمارے سپرد کیا ہے وہ یہ ہے کہ خوشی کے واسطے ہم ہمیشہ ہل من مزید کا نعرہ لگاتے رہین اور اس سے ہمین مفر نہین یہ تو دنیا مین رہکر کرنا ہے جب یہ حالت ہے تو پھر اسکو کسطرح انجام کو پہونچائین۔ ناامیدی کم یا زیادہ ہماری زندگی کا جز ہو گئی ہے۔ لیکن ہمارے خیال کے مطابق مسرت بخش اشیاء کے حصول مین جو ناکامی ہمکو ہوتی ہے اسکا نتیجہ ناامیدی نہین ہے۔ ہمکو اسکی بابت ہمیشہ دھوکا ہوتا ہے۔ ہم ہزارہا کام کرتے ہین اور سمجھ لیتے ہین کہ یہ سب خوشی دینے والے ہین لیکن ہوتے نہین۔ ہم دماغ مین کسی بلند مقام پر پہنچنے کا خیال باندھ لیتے ہین اور ساتھ ہی یہ بھی کہ وہان پہونچکر ہماری خوشی مین اضافہ ہوگا لیکن جب وہان پہونچ جاتے ہین

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا تار کا پتہ صرف خدا کافی ہے

تو خوشی مین اضافہ ہوتا تو دکنارا دکی ہو جاتی ہے خوشی حاصل کرنے کیلئے ہم اپنی خواہشون اپنے حوصلون ۔ اور اپنی مفروضہ ضروریات یہانتک کہ اپنے ضمیر پر بھی بھروسہ نہین کر سکتے ۔ اب کوئی رہنمائی کرے ۔ اسکے لئے مین پھر خرابا نکا رخ کرتا ہون

حسب معمول یہان سرمستان بادۂ الست کا بڑا مجمع تھا لیکن ان مین سب سے زیادہ ممتاز دو شخصیتین تھین ۔ ایک تو نوواردتھا اور پیر خرابات کے نئے مریدون مین تھا اور دوسرا اس خرابات کے پرانے جاروب کشون مین تھا ناظرین کی آسانی کیلئے اول الذکر کو ہم چلہ کش کے نام سے یاد کرین گے اور دوسرے کو نوش کے نام سے ۔

چلہ کش :۔ "ایسے آدمی مین نے آجتک نہین دیکھے تھے جیسے کہ یہ خداداد اور اسکی بیوی ہین ۔ نا امیدی انکا اوڑھنا بچھونا ہے مطلب میرا یہ ہے کہ ایسے آدمی ہی نظر سے نہین گزرے ۔ اچھی طرح سے محنت سے اور جوش سے ایک کام شروع کرتے ہین لیکن جب ہو جاتا ہے تو اوس پر جاتی ہے جب ان دونون کی شادی کے پیغام سلام ہو رہے تھے تو خداداد یہ سمجھتا تھا کہ "گلدستہ سے (خداداد کی منسوبہ کا نام ہے) نکاح ہوتے ہی کشمیر کی ریاست کا پٹہ میرے نام لکھدیا جائے گا اور جب بات ٹھہر گئی تو گلدستہ نے اپنی سہیلیون سے کہا کہ بس اب کیا تھا خداداد کے گھر پہنچتے ہی پانچون گھی مین اور سر کڑاہی مین لیکن جب شادی ہو گئی تو گلدستہ بولی کہ میرا خاندانی حقہ پینا چھوڑ دے تو خوب فراغت سے گزران ہو جب اسنے حقہ چھوڑ دیا تو پھر وہی ڈھاک کے تین پات اور ایک دوسرے کی شکایت اپنے اپنے دوستون سے کرنے لگے ۔ اب انہون نے ایک مکان بنانا شروع کیا اور سمجھے کہ شاہجہان کو دلی کا لال قلعہ بنا کر وہ خوشی اور مسرت حاصل نہین ہوئی جو یہین ہو گی ۔ لیکن جب مکان تیار ہو گیا اور اسمین رہنے لگے تو پھر وہی پریشان حالی ۔ یہ کونا ٹھیک نہین بنا ۔ یہ دیوار ذرا ٹیڑھی ہے ۔ یہ ڈاٹ مضبوط نہین لگی حالانکہ تمام کام بالکل انکی خواہش کے مطابق تھا ۔ مین نے ایسے عجیب آدمی نہین دیکھے"

نے نوش :۔ "اب انہین کیا شکایتین ہین"

چلہ کش :۔ "اب" دراثت تخت و تاج کا سوال درپیش تھا ہر ایک سے کہتے پھرتے تھے کہ اگر ایک لڑکا ہو جائے تو اصل خوشی سمجھو ۔ آخر مراد بر آئی اور اولاد بھی ہو گئی ۔ خداداد مین کہ پھر در شکوہ بازہے کہتے ہین کہ لڑکی ہوئی ۔ اگر لڑکا ہوتا تو اصل خوشی ہوتی ۔ گلدستہ ہے کہ علیحدہ پریشان ہے کہ لڑکی کی پتلی ذرا بھوری ہے سیاہ ہوتی تو اچھا تھا ۔ انکی حسب مرضی ہر کام انجام کو پہونچ جاتا ہے ۔ ہر خواہش کی تکمیل ہو جاتی ہے لیکن ہر کام کا انجام اور ہر خواہش کی تکمیل اُن کو اور زیادہ پریشان حال بنا دیتے ہین"

نے نوش :۔ اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ اپنے دل کو ٹھیک طور سے ارادہ پر قائم نہین کرتے" (اس موقع پر یہ معلوم کر کے کہ چلہ کش کی حرکات سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ وہ زیادہ وضاحت چاہتا ہے وہ یون گویا ہوا) خداداد اور اسکی بیوی ہر وقت نا امیدی کا وظیفہ پڑھتے رہتے ہین کیونکہ وہ اپنے زعم مین تمام خوشی دینے والے کامون سے واقف ہین حالانکہ بالکل نا واقف ہین اور یہ اسطرح ثابت ہو سکتا ہے کہ اول انھون نے خیال کیا کہ بس خوشی ہی خوشی ہے اگر :۔

۱۔ نکاح کی بات ٹھہر جائے ۔ ٹھہر گئی ۔ مگر خوشی میسر نہ ہوئی
۲۔ شادی ہو جائے ۔ ہو گئی ۔ مگر خوشی میسر نہ ہوئی
۳۔ نیا گھر بنجائے ۔ بنگیا ۔ مگر خوشی میسر نہ ہوئی
۴۔ بچہ ہو جائے ۔ ہو گیا ۔ مگر خوشی میسر نہ ہوئی

اب انھون نے خیال کیا کہ گھر اور بچہ دونون امید کے خلاف ہوئے (ایک مین بہت نقائص رہ گئے اور دوسرے مین بجائے لڑکے کے لڑکی پیدا ہوئی) اسوجہ سے وہ رنجیدہ ہوتے ہین اور اپنی زندگی مین کبھی مسرت حاصل نہین کر سکتے جب تک وہ اس خیال کو ترک نہ کر دین "کہ ہم مسرت دینے والی تمام باتون سے واقف ہین" (یہان پھر چلہ کش نے وضاحت چاہی)

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا مال ناپسند ہو تو قیمت معہ محصول واپس ہو سکتی ہے

چلاکش :۔ "یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ پھر وہ کام کرنے کا کیا طریقہ نکالیں"

مے نوش :۔ "بہتیرے طریقے کیا کوئی ایسا آدمی بھی ہے جو بلا مشورہ کے اپنی قوت فیصلہ پر دارومدار رکھکر کام شروع کردے اور سمجھ لے کہ اس یہ کام مجھے حقیقی مسرت تک لے جائیگا۔ نہیں ہرگز نہیں اگر میں یہ خیال کرلے کہ میں بہت عقلمند ہوں اور مسرت بخش کاموں سے خوب واقف ہوں صرف اپنی قوت فیصلہ پر بھروسہ کرکے ہر کام شروع کردیا کروں تو کل کسی محتاج خانہ کو آباد کروں گا۔ یا پاگل خانہ کی سیر کرنی پڑیگی یا کسی جیل خانہ میں پہنچ جاؤنگا۔ اسمیں ذرا قوت استیازی کو بھی دخل ہے جسطرح ہر کام کے لئے کچھ قوانین ہیں اسطرح خوشی حاصل کرنے کیلئے قوانین بنا دئے ہیں"

چلاکش :۔ (طنزیہ آمیز لہجہ میں) "تمہارا یہ مطلب ہے کہ یہ سب باتیں آدمی کسی اسکول میں سیکھے"

مے نوش :۔ "بے شک۔ یہی تعلیم جہاں ہوتی ہے وہاں یہ سب باتیں سکھائی جاتی ہیں۔ کیا بچوں کو نہیں سکھاتے ہیں" "نیک بنو تاکہ خوش رہو" یہ بالکل سچ ہے لیکن مشکل یہ آپڑی کہ وہ کون سی نیکی ہے جو خوشی کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ ایک شخص مذہب کے پانچوں اصول مانتا ہے اور کوئی تکلیف نہیں اٹھاتا۔ لیکن اکثر صرف اسوجہ سے کہ وہ ان پانچوں اصول میں سے ایک کو بھی نہیں توڑنا کچھ زیادہ خوش نظر نہیں آتا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ خوش رہنے کیلئے مجھے کسی خاص طریقہ پر کاربند رہنا چاہیئے جس چیز کو ہم حاصل کرنا چاہتے ہیں اسکے حاصل کرنے کے بہترین طریقہ کا ہم مطالعہ کرتے ہیں۔ لیکن ہم خوشی حاصل کرنے کے طریقہ کے مطالعہ کی طرف سے بے پروا ہیں"

چلاکش :۔ (طنزیہ) "اگر آدمی علم صحت۔ خوشحالی اور اخلاق حاصل کرے تو کیا وہ خوش نہیں ہے؟"

مے نوش :۔ "بالکل نہیں اگر یہ سب باتیں اور اسپر مزید بھی کچھ حاصل کرے تب بھی وہ اتنا بھی خوش نہیں ہوسکتا جتنا کہ ایک بھوکا عرب کھجور کے ملجانے سے یا جنیفی مزدور کسی غیر ملک میں کافی مزدوری ملجانے سے۔ تم خود اس بات کو جانتے ہو"

چلاکش :۔ "اچھا میں اسکی کچھ دخل نہیں دیتا۔ بیان کیجئے کہ آپکا کیا مطلب ہے"

مے نوش :۔ "میں مطلب ہے مثلاً جب ہم قوی الجثہ ہونا چاہتے ہیں۔ ہم اپنے چاروں طرف نظر ڈالتے ہیں اور معلوم کرتے ہیں کہ عام طور سے آدمی کیسے قوی الجثہ ہوجاتے ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ بعض تو پیدائشی توانا ہوتے ہیں لیکن یہ ہمارے مطلب کے لوگ نہیں لیکن بعض لوگ ایسے بھی ہیں جنکو ہم بطور نمونہ کے استعمال کرسکتے ہیں۔ وہ قوی غذا کھاتے ہیں۔ صحت بخش آب و ہوا میں سانس لیتے ہیں۔ ورزش کرتے ہیں جسم کو کمزور کردینے والے کام نہیں کرتے یہی ایسا ہی کرتے ہیں تاکہ مضبوط یا مضبوط تر ہوجائیں۔ ہم خوشی میں اضافہ کرنیکی کوشش نہیں کرتے ورنہ اگر چاہیں تو کرسکتے ہیں۔ ہم اپنے "برہمہ حال اور ہمہ وقت شاداں بشاش" دوستوں کا گہرا مطالعہ کرسکتے ہیں اور ان کے ایسا ہونے کی وجہ معلوم کرسکتے ہیں"

چلاکش :۔ (زور زور سے) "وہ کیوں ایسے ہیں؟ فرمائیے"

مے نوش :۔ "بہت سی وجوہات سے" (یہاں چلاکش مسکرا دیا لیکن مے نوش نے اپنے سلسلۂ کلام کو جاری رکھا) "مجھے معلوم ہے جو کچھ میں نے کہا وہ ایک کلیہ قاعدہ ہے۔ لیکن میں کسی خاص واقعہ کو لونگا"

چلاکش :۔ "اچھا منظور ہے بیان فرمائیے"

مے نوش :۔ "ایک تو مذہب ہی کو لو بہت سے آدمی پابند مذہب ہیں لیکن کیا اس سے انکار کرسکتے ہو کہ وہ خوش ہیں"

چلاکش :۔ "نہیں میں انکار نہیں کرسکتا۔ اور فرمائیے"

مے نوش :۔ "کسی دلچسپ کام میں مشغولیت۔ اگر کسی شخص کو اپنے کام سے دلچسپی نہیں ہے تو وہ اس کام کے ساتھ ہی ساتھ کوئی اور کام کرکے اپنی دلچسپی کا سامان مہیا کرسکتا ہے اور خوش رہ سکتا ہے"

ہندوستانی عطریات کا سب سے بڑا کارخانہ اصغر علی محمد علی لکھنؤ کا ہے

چلّاکش :۔ "فرض کرو کہ وہ کوئی دوسرا سامان ویسا نہیں کر سکتا اور جو کام اسکو طوعًا و کرہًا کرنا پڑتا ہے اسکا تمام وقت لے لیتا ہے"

مے نوش :۔ "وہ خوش رہ سکتا ہے اگر وہ اس کام کو اچھے طور پر انجام دے خواہ وہ اسکو پسند نہ کرے کیونکہ وہ لوگ خوش رہتے ہیں جو اپنے کام کو اچھی طرح انجام دیں بہ نسبت ان لوگوں کے جو کام کو اچھی طرح نہیں کرتے۔ میں اسکا دعویٰ نہیں کرتا کہ وہ اس ترکیب سے پورے خوش ہو جائیں گے نہ ہی کامل خوشی ہمارا مبحث ہے۔ کوئی آدمی خواہ کتنا ہی طاقت ور ہو جائے اتنا طاقتور نہیں ہو سکتا کہ ہاتھی کو اٹھالے لیکن معمولی آدمی جو طاقتور نہیں ہے بہ نسبت زیادہ طاقتور ہو سکتا ہے اگر وہ کوشش کرے"

چلّاکش :۔ "اچھا فرمائے جائیے"

مے نوش :۔ "میرے خیال میں تمام آدمیوں پر جنکو تم جانتے ہو غور کی نگاہ ڈالو اور دیکھو کہ کس کے چہرے سے آثار مسرت ہویدا ہیں معلوم کرنے کا سب سے اچھا طریقہ یہی ہے۔ میں جب اپنے واقف کاروں کے چہروں پر نظر ڈالتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ خوش خاص قسم کے لوگ ہیں"

چلّاکش :۔ (شبہ نظر سے دیکھکر) وہ خاص قسم کے لوگ کونسے ہیں"

مے نوش :۔ (سنجیدگی سے) "میں اور تم نہیں۔ میرا مطلب ان لوگوں سے ہے جو دوسروں کو خوش کرتے ہیں۔ تم نے اپنی زندگی میں جن آدمیوں کو دیکھا ہے سب پر ایک غائبانہ نظر ڈال جاؤ اور پھر خیال کرو کہ خوشی کے آثار انہیں آدمیوں کے چہروں پر ظاہر ہوتے تھے جو دوسروں کو خوش کرتے تھے"

چلّاکش :۔ (غصہ بمشکل ضبط کرکے) "لیکن تم کچھ نئی بات نہیں کہہ رہے ہو"

مے نوش :۔ "میں کوئی نئی بات نہیں کہہ رہا ہوں میں تو واقعہ نفس الامری بیان کر رہا ہوں"

چلّاکش :۔ "میرے اور تمہارے لئے واقعہ نفس الامری نہیں ہے میں اسطرح خوش رہنا نہیں سیکھ سکتا۔ وہ لوگ جو دوسرے کو خوش کر سکتے ہیں پیدائشی غیر خود غرض ہوتے ہیں اور چند ہی ایسے ہوتے ہیں"

مے نوش :۔ "بالکل درست ہم میں پیدائشی چند ہی قوی الجثہ ہوتے ہیں۔ اسکا یہ مطلب تو نہیں ہو سکتا کہ ہم طاقتور ہونیکی کوشش ہی نہ کریں۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ایسے لوگ دنیا میں موجود ہیں جو خود بھی خوش رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی خوش رکھ سکتے ہیں تو پھر ہم بھی ان جیسا ہونے کی کوشش کیوں نہ کریں۔

چلّاکش :۔ (زرا غصہ سے) اسکی تعلیم تو ہمکو ہزارہا برس سے ہو رہی ہے اور کوئی نیک نتیجہ ابھی تک برآمد نہیں ہوا"

مے نوش :۔ "نہایت اطمینان سے گفتگو ہونی چاہیئے غصہ کی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ تو یہ ہماری سرکشی اور کج فہمی پر دال ہے۔ ہم اپنی خوشی میں اضافہ کرنیکے خواہشمند ہیں اور ہزارہا سال سے ہمیں اسکی ترکیب بتائی جا رہی ہے اور پھر نہیں کرتے"

چلّاکش :۔ (زرا زور سے) ہم جتنا کرتے ہیں اُسکے قابل ہیں۔ تم نے جو کچھ کہا اس سے خوشی حاصل کرنیکی بابت میرے علم میں کچھ اضافہ نہیں ہوا میں پہلے ہی یہ سب باتیں جانتا ہوں"

مے نوش :۔ "مگر تم اب بھی اسپر عمل پیرا نہیں ہوگے کیونکہ تم جانتے ہو کہ فطرت کے بتلائے ہوئے قانون سے بہتر قانون خوشی حاصل کرنیکا نہیں معلوم ہے۔ راستہ صاف ہے لیکن تم جیسے آدمی باوجود ہزاروں برس سے اسکے متعلق علم ہونیکے اسپر گامزن نہیں ہوئے جب تک تم اپنی سرکشی کو زینکر دوگے اسوقت تک زندگی سے لطف نہیں اُٹھا سکوگے"

یہ سنکر چلّاکش کچھ تیز ہو گیا اور کہنے لگا "لطف لطف! کوئی بھی لطف نہیں اُٹھاتا ہے

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا ٹیلیفون ۔۔۔۔

مے نوش :۔ "اطمینان اطمینان ۔ تیزی کی ضرورت نہیں بہت سے لوگ لطف اُٹھاتے ہین"

چلکش :۔ "کون اُٹھاتا ہے"

مے نوش :۔ "کوخدا اقرار ہے کہ وہ جو دوسرون کو خوش کرتا ہے زندگی کا لطف اُٹھاتا ہے ۔ اور ایک دوسرا گروہ ہے وہ بھی اُٹھاتا ہے"

چلکش :۔ "وہ کون گروہ ہے"

مے نوش :۔ "میرا مطلب اُس گروہ سے ہے جسمین خداداد اور اُسکی بیوی جیسے آدمی شامل ہین یعنی وہ گروہ جو خاندان کے مالک ہوتے ہین ۔ اور اُسکی پرورش کا سامان کرتے ہین ۔ مین اس گروہ مین شامل ہونے والون پر عمر کی کوئی قید نہین لگاتا ہون بلکہ جو شخص بھی دوسرون کے واسطے کچھ نہ کچھ کرتا ہے وہ اسمین شامل ہے ۔ لیکن عام طور سے والدین اسمین شامل ہین جو کچھ نہ کچھ اپنے علم دماغی جسمانی محنت کو کام مین لاکر دنیا مین آہستہ آہستہ ترقی کر رہے ہین ۔ بعض دفعہ وہ اس دوڑ دھوپ مین پیچھے بھی رہ جاتے ہین لیکن اپنے عزم مین مستقل ہین ۔ اور منزل مارے چلے جا رہے ہین کبھی کبھی آگے پہنچ ہی جائین گے ۔ میرے خیال مین یہ لوگ سب سے زیادہ خوش کہلائے جانے کے مستحق ہین"

چلکش :۔ (ہنسکر) "بے شک ہین ۔ تمام ملک مین سب سے زیادہ فکرمند طبقہ تم نے چھانٹا ہے ۔ یہ نہ سمجھنا کہ مین تمہارا مطلب سمجھا نہین سمجھا اور ضرور سمجھا ۔ تمہارا مطلب متوسط طبقہ سے ہے جسمین والدین کا گروہ بھی شامل ہے جو ابھی تک اس منزل پر نہین پہونچا جہان انہین پہونچنا ہے لیکن پہونچنے کی کوشش کر رہے ہین ۔ باپ تو سارے دن دفتر مین یا گودام مین ۔ یا کارخانہ مین یا دوکان مین یا کھیت پر کام کرتا ہے اور ماں گھر مین بچون کی غور و پرداخت کرتی اور خانہ داری کے کامون مین مشغول رہتی ہے تم لوگون کے چہرون کو دیکھکر خوشی کا اندازہ کرنے کیلئے کیون کہتے ہو ۔ یہ لوگ تو وہ ہین جو ہمیشہ متفکر اور پریشان نظر آتے ہین ۔ ان لوگون کو دیکھکر تمکو تم خوش تبلاتے ہو تمہین معلوم ہے کہ مجھے کیا یاد آجاتا ہے ان لوگون کو دیکھکر مجھے ان آدمیون کا خیال آجاتا ہے جو موٹر مین بیٹھے ہون ۔ اور کہین پہونچنا چاہتے ہون ان کو صرف منزل مقصود پر پہنچنے کا ہی خیال لگا رہتا ہے اور وہان پہنچنے کیلئے پریشان رہتے ہین مگر اُن کیلئے منزل مقصود سوائے غار کے اور کچھ نہین ۔ کیا ایسے لوگون کو خوش کہوگے"

مے نوش :۔ "ضرور کہونگا ۔ اگر وہ خوش نہین ہین تو یہ اُنکی نادانی ہے کہ وہ جانتے نہین کہ وہ کمسقدر خوش ہین"

اسپر حاضرین کو کچھ ہنسی آئی ۔ جو لوگ وہان موجود تھے انہون نے مے نوش کی شکست کو تسلیم کرلیا ۔

چلکش نے مے نوش کے خوشامدیون کو موٹر مین بیٹھنے والون سے تشبیہ دی تھی ۔ مین واپسی پر رستہ بھر اُسی پر غور کرتا رہا کیا واقعی چلکش اور مے نوش دونون صحیح راستہ پر نہین ہین اور خصوصاً مے نوش کی گفتگو سنکے مین نے حال ہی مین کسی دلچسپ مقام پر ایک لمبا سفر موٹر مین کیا تھا اور جب آدھے سے زیادہ سفر طے ہوگیا تو خیال آیا کہ مین نے اس سفر سے کافی لطف نہین اُٹھایا ۔ مجھے خیال ہوا کہ مین نے سوائے گاڑی کی تیز رفتار کے اور شام کے وقت منزل مقصود پر پہونچنے کے خیال کے اور کسی بات کا خیال ہی نہین رکھا ۔ شام کے وقت جس قصبہ مین قیام ہونا تھا وہان نہ مجھے کچھ دیکھنا تھا اور نہ کچھ کرنا تھا ۔ اور یہ جگہ کچھ ایسی دلچسپ بھی نہ ہوتی تھی جیسا کہ راستہ ۔ تاہم سوائے شب باشی کے مقام پر پہنچنے کے خیال کے اور کوئی دوسرا خیال نہین آتا تھا ۔ ہر روز یہی حالت تھی اور اسمین کچھ فرق نہین پڑتا تھا لیکن جب رات کو سونے کیلئے لیٹتا تھا تو راستہ مین جو کچھ نظر پڑتا تھا اسپر بہت اطمینان کے ساتھ غور کرتا تھا ۔ یہ سفر موٹر مین صرف سیر و تفریح کیلئے کیا تھا نہ کہ منزلین شمار کرنے کیلئے لیکن سفر مین منزل پر پہونچنے کیلئے پریشان رہتا تھا ۔ مگر جلدی مین نے اپنی اصلاح کرلی جب مین سڑک پر چلتا تو اپنے دل مین کہتا "مین یہان گھر سے اتنی دور صرف

کارخانہ اصغر علی محمد علی کے عطریات خالص عمدہ اور ارزان ہین

اس لئے آیا ہون جواب کر رہا ہون یعنی قدرتی نظارون سے لطف اُٹھانے کیلئے نہ کہ بہتر جانے کی جگہون کو شمار کرنے کیلئے مین سڑک کے اردگرد کے نظارون کا لطف اُٹھانے آیا ہون۔

میرے خیال مین میرے چہرے کی حالت ایسی بدل گئی کہ اگر مے نوش دیکھ پاتا تو بہت خوش ہوتا۔ میرا فکر جاتا رہا اور خوش دلی نظر آنے لگا۔ پس مین نے خرابات سے واپس آتے ہوئے خیال کیا کہ مے نوش زیادہ راستی پر تھا جبکہ اُسنے آخری بیان جلد کش کی تقریر پر دیا وہ خوش اشخاص جو کہ متوسط طبقہ سے تعلق رکھتے ہین اور جن مین والدین کی زیادہ تعداد شامل ہے اور جو ابھی اُس حالت پر نہین پہونچے ہین جہانکہ وہ ترقی کر کے جانا چاہتے ہین "سڑک" کے لطف کو بھول گئے ہین۔

ہم اگر یہ سمجھ جائین کہ ہم کسقدر خوش ہین تو اپنی خوشی مین بہت کچھ اضافہ کر سکتے ہین۔ کچھ عرصہ کے بعد مے نوش کے خوش باش آدمی جنکو جلد کش متفکر اور پریشان کے نام سے یاد کرتا ہے کہین گے کہ ہم تو پہلے ہی خوش تھے۔ وہ ایام جو تفکرات، نا امیدیون، نقصانات اور بیم و رجا سے پُر تھے وہی اصل عیش و شادمانی کے تھے۔ وائے نادانی کہ اُسوقت ہم نہین سمجھے اور پورا لطف نہین اُٹھایا۔ صرف منزل مقصود پر پہونچنے سے ہم خوش نہین کہلائے جا سکتے۔ ہم زندگی کی سڑک کا لطف اُٹھانے کیلئے آئے ہین نہ کہ منزل پر پہونچنے کیلئے۔

(ماخوذ)

ریاض احمد (میرٹھ)

غزل

محبت نے اعجاز پیدا کیا ہے — مرے قلب کو طور سینا کیا ہے
شب غم کی ظلمت مین اے جان عالم — تبسم نے تیرے اجالا کیا ہے
منور کیا میری سینہ کو تو نے — اُدھر چشم انجم کو بینا کیا ہے
مری چارہ سازی کوئی کیا کریگا — کہ یہ درد خود مین نے پیدا کیا ہے
کسی کے خیال جنون آفرین نے — مرے صفحۂ دل کو صحرا کیا ہے
طلسم مہ و خور کی افسونگری نے — ہمین بندۂ دے و فردا کیا ہے
ترے حسن کی خود نمائی نے آخر — زمانے کو محو تماشا کیا ہے
مرے دل نے پہلو سے آوارہ ہوکر — مجھے ساری دنیا مین رسوا کیا ہے
محبت نے ایثار نے خود گری نے — ہر اک قطرہ کو عین دریا کیا ہے

بتری طبع موزون نے اے میر مجھکو
غم عاشقی سے سنا سا کیا ہے

میر ولی اللہ بی۔ اے

کارخانہ اصغر علی محمدی کا عطر ہر موسم مین استعمال ہو سکتا ہے

حضرت شیخ نظام الدین چشتی کاکوروی رحمۃ اللہ علیہ

سید نام، نظام الدین لقب، والد کا نام قیام الدین تھا، حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کی اولاد سے تھے۔ والد کی طرف سے سلسلۂ نسب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ملتا تھا اور والدہ کی طرف سے سید گیسو دراز رحمتہ اللہ علیہ سے۔ مبین الاولیا مین لکھا ہے:۔

"سلسلۂ نسب پاک او بہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ منتہی میشود۔ واز نبیرگان شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی"

بعض تذکرہ نویسون نے آپ کو اورنگ آبادی لکھا ہے۔ لیکن اورنگ آباد آپکا مدفن ہے، مسقط الراس کاکوری ہے۔ کاکوری چار پشتون سے آپکے بزرگونکا وطن و مسکن تھا جہان وہ نہایت عزت و حرمت سے رہتے تھے دادا کے زمانہ مین امارت کے ساتھ فقر کی بھی آمیزش ہوئی، اسوقت سے آپکے زمانہ تک یہی کیفیت رہی، سلوک و امارت کی نہرین دونون ایک ساتھ بہتی تھین۔ لیکن آپنے اسطرف آتے ہی اس زمین کو آسمان بنا دیا۔ دادا کا سلوک اپنی ذات کیلئے تھا۔ اور امارت کی وجہ سے یہی بڑی بات سمجھی جاتی تھی۔ اطراف و نواح مین شہرت ہوگئی تھی۔ مگر پوتے کا سلوک فیض عام تھا، اسکے آوازۂ شہرت سے سارا ہندوستان گونج اٹھا۔

والدین نے تعلیم و تربیت کا انتظام بہت اعلیٰ پیمانہ پر کیا تھا۔ ہر علم کو ان علماء سے پڑھوایا تھا جو اسمین خاص مہارت رکھتے تھے۔ وہ خود بھی حدیث و فقہ کے اچھے عالم تھے کبھی کبھی درس دیتے، اور ہر ہفتہ امتحان لیتے تھے۔ عام نگرانی کی غرض سے ایک اتالیق بھی مقرر تھا۔

دستار فضیلت بندھ چکی تو والدین نے مندیل نکاح باندھنی چاہی۔ پوچھا کیا مرضی ہے؟ بولے اس کیلئے سرکھان سے لاؤن، ایک کیا کم ہے جو دوسرون کی فکر کرون۔ کہا آخر تجرد کی زندگی کب تک بسر کروگے، یہ تو بالکل بے کیف زندگی ہے۔ جواب دیا: دوستین ایک جگہ جمع نہین ہوسکتین، میری سرشاری کیلئے یہی صہبائے بے کیف کفایت کرتی ہے۔ غرض آپ کسی طرح نہ مانے، اور جتنا زمانہ اعتکاف مین گذارنا قسمت ہوچکا تھا، استقلال و پاکدامنی سے اتنا زمانہ گذار کر شبستان عشرت مین داخل ہوئے۔

آپکا مبلغ علم اب تک صرف معقولات تک محدود تھا۔ حدیث، فقہ، اصول فقہ، تفسیر، ادب، معانی، بیان کی شناوری کرتے تھے۔ معقولات سے بالکل اجنبی تھے۔ اساتذہ کے اشارہ سے بارہا چاہا کہ اس شجر ممنوع کو بھی ہاتھ لگائین۔ لیکن والد نے اسی وقت ٹوک دیا۔ وہ معقولات ایمان کیلئے زہر ہلاہل سمجھتے تھے۔

لیکن مشیت کا فیصلہ کچھ اور تھا۔ اسکو یہی منظور تھا کہ آپ اسکی بھی تکمیل کرین، آپنے اسکی تحصیل کا بھی عزم کیا۔ والد سے اجازت لینے گئے تو انہون نے پھر منع کیا۔ وہ بولے: معقولات کے حجرۂ قیل و قال مین جاکر کیا کروگے؟ وہان سوائے تاریکی کے کچھ نہین۔ یہان قدم رکھتے ہی ایمان و اطمینان کو ترس جاؤگے، حق، صداقت کی روح، اور عمل صالح کے جذبات مردہ ہوجائین گے، ظنون و شکوک کی آندھیان چلینگی، اور بے اطمینانی و بے یقینی سے دل کی کلی پژمردہ ہوجائیگی۔ پھر اس سے کیا فائدہ؟ جو راز سربستہ ہین سربستہ ہی رہین گے، معقولات کی تحصیل سے طمانیت از بام نہین ہوسکتے

ہندوستانی عطریات کا سب سے بڑا کارخانہ اصغر علی محمد علی لکھنؤ کا ہے

ان حقیقتوں کا کشف تزکیہ اور تصفیہ ہی سے ہو سکتا ہے، تمہیں اس ارادہ سے باز آنا چاہئے۔ ہر مسلمان کو قرآن حکیم پس کرنا ہے، اور ہر شعبۂ حیات کے لئے سنت و سیرت بہترین رہنما ہے۔ اسی کی روشنی میں چلنا چاہئے، باقی سب فضول و بیکار ہے۔ غور کروگے تو اصحاب حدیث و سنت کے مقالات طیبہ میں، اللہ آپ کے ماثورات عالیہ ہیں، اہل بیت رسالت کے اقوال حکمیہ میں وہ غوامض و اسرار اور نکات و معارف پاؤگے، جس سے دونا نیات کے دفتر خالی یا دھوکا ہیں۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو خود کشی کروگے" تاہم آپ اس پر راضی نہ ہوئے، اور کیسے راضی ہو سکتے تھے۔ آپ کو اس راہ چلکر جس منزل کو پہنچنا تھا، وہاں تک صرف یہی راہ لیجاتی تھی۔ ناممکن تھا کہ بہتے والی بات کی گرفت سے چھوٹ کر والد کے روکے رک جاتے۔ بولے جو یہاں معقولات سے شکست ہو جائے، وہ سلامتی کے ناقابل ہے۔ اسکے تار و پود کو بکھر جانا چاہئے، جو شخص مقدس کام میں تامل کرے وہ گنہگار ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ہمارا مذہب ایسا نہیں ہے۔ معقولات کی طرف سے آپکی بدگمانی حد سے گزر گئی ہے۔ اس سفر کی ابتدا آپ بہتر نہیں سمجھتے مگر یقین کیجئے انجام بہتر ہوگا۔ مستقبل کی سربلندیاں اسی طرف بلاتی ہیں یقین و ایمان کی جان تاب روشنی اسی خیمہ سے نکل رہی ہے" یہ کہکر آپ رخصت ہوئے اور اپنے مرکز کی طرف روانہ ہوئے۔

صاحب اخبار الاولیا اس ذوق و شوق کیوجہ ایک خواب بتلاتے ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے ایک رات آپنے خواب دیکھا کہ دلی میں ایک رنگ کی خدمت میں حاضر ہوں، دل و دماغ نور ایمان سے تابندہ ہے، تعینات و تشخصات کے حجاب اٹھ گئے ہیں جس چیز کی تلاش تھی وہ مل گئی ہے، اور نماز کی طرف برابر بڑھ رہا ہوں۔ یہ دیکھکر نماز شکرانہ ادا کی، اور والد سے گفتگو کرکے کاکوری سے نکلکر دہلی پہنچے

دہلی پہنچکر ان بزرگ کی تلاش کی، "ڈھونڈتے ڈھونڈتے آخر پتہ چلگیا۔ یہ بزرگ حضرت شاہ کلیم اللہ جہان آبادی تھے۔

شاہ صاحب کے تذکرہ میں تم پڑھ چکے ہو کہ وہ اپنے عہد کے علماء و فضلا میں ایک خاص شان رکھتے تھے، اور امارت فی الدین کے درجۂ عالی پر ممتاز تھے۔ ان کے علم و فضل کا صفوت المقال روح سنت و سیرت تھا، اور گو اس زمانہ کی دلی ایسے لوگوں سے خالی نہ تھی جو عقل و نقل میں اعلیٰ درجہ کا رکھتے ہوں لیکن ان سب کی علمی و اعتقادی حالت دین قیم کے مسلک قویم سے برگشتہ تھی۔ مگر ایک شاہ صاحب ہی ایسے تھے جو دونوں میں فضل و کمال رکھنے کے ساتھ عمل و اعتقاد میں بھی اپنے ہم عصروں کیلئے نمونہ تھے۔ اور "دل بہ یار و دست بکار" نے ان باتوں کے حسن و جمال میں اور بھی اضافہ کر دیا تھا دور دور سے لوگ آتے تھے اور شاد کام ہو کر جاتے تھے۔ پنجاب، بنگال، سندھ، دکن، گجرات کے طالبان علم و تشنگان طریقت کا ہر وقت انبوہ لگا رہتا تھا۔

آپنے لوگوں سے کچھ کچھ شروع کی، اور ہر سوال کے جواب میں یہی سنا کہ ہماری آنکھوں نے اکمل مثل نہیں دیکھا، بے تامل اٹھکر وہاں پہنچ گئے، اور اپنے تئیں ان کے حوالہ کر دیا۔ اسوقت سہ پہر کا وقت تھا، مجلس سماع منعقد تھی اور دروازے سب بند تھے۔ اپنے خادم سے کہا، اس نے حاکم اطلاع کی نظام الدین نامی ایک شخص آیا ہے، فرمایا بلالو، اخوان مجلس نے کہا یہ خلاف قاعدہ ہے۔ فرمایا نام سے شناسائی کی بو آتی ہے، غیر نہیں دوست ہے خادم گیا اور بلا لایا۔ آپ اس سے پہلے کبھی اس قسم کی مجلسوں میں شریک نہ ہوئے تھے، دیکھکر اچنبا کرنے لگے، اور ایک گوشہ میں بیٹھ گئے۔ بعد سماع گفتگو ہوئی، شاہ صاحب بہت محبت و شفقت سے پیش آئے، اور آپکی درخواست منظور کرکے اپنے ہی مکان کے ایک حصہ میں رہنے کا انتظام کر دیا۔ کھانا اپنے ساتھ کھلاتے تھے، پڑھنا پڑھانا شروع کر دیا، اور تھوڑے عرصہ میں منقولات کے ساتھ معقولات کے دروازے آپ پر وا ہو گئے لیکن اسی کے ساتھ ایک اور کتاب بھی کھولدی گئی تھی، اور اسکی خاموش آواز ان چپکے چپکے آپ کو کچھ اور بھی پڑھا رہی تھیں۔ سماع کی مجلسوں میں بھی آنے کی اجازت تھی، حلقہ میں بھی بیٹھ سکتے تھے۔ ان مجلسوں میں آپ کبھی کبھی شریک ہوتے، اور عشق کی شورشیں دیکھ دیکھکر اپنے اندر بھی ایک حریصانہ بیتابی پاتے تھے۔

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا ٹیلیفون ۱۳۹ ہے

یہ کام جاری ہی تھا، اور دل آہستہ آہستہ پرسوز ہو رہا تھا کہ شاہ صاحب کے ایک عزیز مدینہ منورہ سے آئے، اس تقریب میں مجلس سماع منعقد کی گئی اس روز کا روبار محبت کا جوش حد سے افزوں تھا، آپ بھی شریک مجلس تھے، اور ہمہ تن اثر میں ڈوبے ہوئے تھے۔ مجلس برخاست ہوئی تو آپ جلدی سے اُٹھکر بابا نازکی طرف گئے، اور شاہ صاحب کی جوتیاں صاف کرکے سیدھی کیں۔ انہوں نے تبسم کیا، فرمایا یہ باتیں عالما شان سے بعید ہیں۔ تم یہاں تحصیل علم کیلئے آئے ہو، خدمت وچاکری کیلئے نہیں آئے۔ مجھے یہ دیکھکر تکلیف ہوتی ہے، تم میرے مہمان ہو" انکی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، عرض کیا ؎

ما کہ دادیم دل و دیدہ بطوفان بلا گو بیا سیل غم و خانہ زبنیاد بیر

بعد نماز بیعت شریعت کی اور جب اس میں پوری طرح کامیاب ہوگئے تو داخل طریقت کیا، اور اللہ فضل وکرم سے چند روز میں اعلیٰ مقامات سلوک تک سربلندی پائی۔ عین الاولیا میں لکھا ہے:

"بطلب علم بخدمت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی رحمۃ اللہ علیہ حاضر شدہ بعد از فراغ علوم ظاہری در تحصیل امور باطن اکتساب کرد، و محنت ریاضت شاقہ کشید"

ارشاد وہدایت کی اجازت ملی، آپنے شکر فعمت میں تین مہینہ کا اعتکاف کیا، شاہ صاحب نے اس زمانہ میں خاص توجہ مبذول رکھی، زاویہ اعتکاف سے نکلے تو ملک دکن کی حکومت تفویض ہوئی، اور اورنگ آباد مستقر قرار پایا۔

دکن عرصہ سے ایک ہادی شرع وطریق کیلئے مضطرب تھا ہر طرف مذہبی طوائف الملوکی پھیل گئی تھی اور دن بدن حالت بد سے بدتر ہوتی جاتی تھی۔ لیکن آپ کے جاتے ہی انقلاب کی ہوائیں چلنے لگیں، حالت بدلنی شروع ہوگئی، اور سارا دکن اس مقدس انقلابی کا پابوس ہوگیا۔ ہر طبقہ اور ہر فرقہ کے لوگوں نے قدر ومنزلت کی، امرا، فقرا، علما، بیعت ہوئے۔ جو شخص آتا بلا فرق وامتیاز مجلسوں میں بار پاتا، کسی کیلئے کوئی خصوصیت نہ تھی، شاہ وگدا کا ایک رتبہ تھا بیعت کا سلسلہ اسقدر وسیع ہوا کہ مریدوں کی تعداد پانچ لاکھ سے زائد ہوگئی۔ عقیدت مند دکن کی کل آبادی تھی۔

فتوح وندرانے بکثرت پیش ہوتے تھے، مگر وہ سب فقرا کا آذوقہ اور حاجت مندوں کی رفع ضروریات کا بیت المال تھا۔ آپ خود کچھ ریاضت کرکے اپنی خورد ونوش کا انتظام کرتے تھے۔

لیکن کاکوری کا یہ امیرزادہ داعی طریقت ہی نہ تھا، بلکہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر بھی تھا۔ اس آفتاب کی شعاعیں صرف سلوک کے مناروں ہی پر نہیں چمکتی تھیں، بلکہ اسکی روشنی سے اصلاح اعمال کے گوشے بھی منور ہوتے تھے۔ انوار العارفین میں لکھا ہے:۔

"در بلدۂ اورنگ آباد سکونت اختیار کردہ بنگامۂ تعلیم وتلقین واعلاء کلمۃ الحق گرم ساخت"

اخبار الاولیا میں لکھا ہے:۔

"طالبان راہ یقین واعیان واشراف دین را بتلقین وہدایت بمنزل مقصود میرسانید"

گاہ گاہ تصنیف وتالیف کا شغل بھی رہتا تھا سین الاولیا میں لکھا ہے:۔

"صاحب تصانیف بود، اشہر تصانیف او رسالۂ نظام القلوب است"

اتباع سنت کی یہ کیفیت تھی کہ جب سے طریقت میں آئے پلنگ پر نہ سوئے، نرم نرم بستر وپیر پھیلنا چھوڑ دیا، ہمیشہ بوریہ پر لیٹتے تھے۔ شاگرد

توجہ دلاتے کہ اس سے چشم پوشی کیجائے تو فرماتے: ان پر نشانوں کے سوا میرے پاس اور کیا چیز ہے جو میں اپنے آقا کے سامنے پیش کرونگا۔ گیہوں کی روٹی گوشت کا سالن نہیں کھاتے تھے۔ ترکاری میں گھی کی جگہ تیلوں کا تیل ڈالا جاتا تھا۔ محبوب ترین غذا جو کی روٹی، ساگ، ثرید اور چھوہارے تھے جاڑے کے زمانہ میں اکثر شہد کا استعمال کرتے تھے۔

لیکن اس شدت اتباع کے ساتھ عاشقانہ سرگرمیوں کا بھی یہ حال تھا کہ ہر وقت از خود رفتہ رہتے تھے۔ قریب قریب روزانہ سماع کی مجلسیں منعقد ہوتی تھیں، دور دور سے قوال بلائے جاتے تھے، ہر شخص کو شرکت کی اجازت تھی، جو چاہے روحانیت کے جام پیئے، کسی قسم کی روک ٹوک نہ تھی گویا شیخ "در کفے جام شریعت، در کفے سندان عشق" کا مجسم نمونہ تھے۔

ایک روز شام کا وقت تھا، یاران طریقت بزم افروز تھے، ایک آیا اور عرض کیا: بھی ایک رباب نواز آیا ہوں، حکم ہو تو حاضر کروں۔ گل محمد ایک مقرب خادم تھے، وہ بولے: کیا صدائے رباب ستار کے بیتاب نالوں سے بہتر ہے؟ فرمایا ؎

از کاسۂ رباب مرا نعمتے رسید — شد آفتاب ہر کہ ازاں ذرہ چشید

رباب کے ساتھ ہنگامۂ سماع گرم ہوا، اور ساری محفل کو ہلا دیا۔ مجلس برخواست ہوئی تو شیخ مترنم ہوئے ؎

خشک تار و خشک چوب خشک پوست — از کجا می آید این آواز دوست

نے ز تار و نے ز چوب و نے ز پوست — خود بخود می آید این آواز دوست

لیکن شاہ صاحب کی زندگی کا یہ رخ ان کی شان سے فروتر ہے۔ ان کا کام طریقت کی بادہ نوازی ہی نہ تھا، شریعت کی نوآشامی بھی تھا، اور یہ کام پہلے کام سے مقدم تھا۔ اسمیں شک نہیں کہ قیام شریعت کیلئے انہوں نے بہت کوششیں کیں، ان کی خانقاہ اعتصام سنت کی جلوہ گاہ تھی۔ مگر افسوس ہے کہ اس جلوہ گاہ کی ساری روشنیوں کو ان کے ایک کام نے دھندلا کر دیا۔ وہ سماع کے اتنے دلدادہ ہو گئے تھے کہ شب و روز اسی میں منہمک رہتے، آزادی و بے باکی سے مجلسیں منعقد کرتے، اور اہل و نااہل سب کو شریک کرتے۔ سماع ایک بہترین روحانی نعمت ہے، لیکن اس نعمت کا حصول چند شرائط پر منحصر ہے۔

اس سے پہلے سخت پابندیاں تھیں، سماع کے خاص اوقات تھے، اول و آخر قرآن حکیم کی تلاوت ہوتی تھی، ہر آغاز میں نعت کا پڑھا جانا ضروری تھا، اور نماز کے وقت مجلس برخاست ہو جاتی تھی۔ لیکن شیخ کی مجلسیں پابندیوں سے آزاد ہوتی تھیں۔ جو شخص چاہتا شریک ہوتا، اگر نماز کے وقت بھی سماع جاری رہتا، آغاز و اختتام پر تلاوت اور درود و سلام بھی ضروری نہ تھا، اور نہ گانے والوں کیلئے کسی قسم کی قید تھی۔ شیخ کا تو کچھ نہ تھا، مگر عوام کیلئے یہ اون عام خطرناک تھا۔ چنانچہ اسی وقت سے سماع میں ایک عظیم تغیر ہو گیا، اشرار و شیاطین کو شکار کھیلنے کا موقع مل آیا، ہر خود کام صوفی بن بیٹھا اور کمزور طبیعتیں آہستہ آہستہ صلاح نفوس سے بیگانہ ہو کر، رندی و ہوس ناکی کی پرستار بن گئیں۔ تا آنکہ ایک صدی کے اندر ہی سماع کی صورت بالکل مسخ ہو گئی۔ اچکیاں بن گئیں اور برائیوں نے اپنے پنجے جما دیئے۔ روح سماع مردہ ہو گئی، اسکی ساری برکتوں اور فائدہ سے کچھ باقی نہ رہا، اور اس ایک چیز نے سلوک چشتی کے ہر خشک و تر کو برباد کر دیا۔

لیکن ایک غلطی ہو چکی اسپر بحث فضول ہے، اصل کام تلافی مافات ہے، طعن و اعتراض کی دریدہ دہنی نہیں ہے۔

اصغر علی محمد علی کا عطر خاص ترکیب سے بنتا ہے

سماع کا مقصد عشق الٰہی کے جذبات کو حرکت میں لانا ہے، یہ نہ ہو تو سماع حرام ہے۔ شیخ یحییٰ منیری نے لکھا ہے:

اگر بر دل کسے محبت و عشق غلبہ قوی بود کہ نظر کردن بروے حرام است، و ہر چہ شنود و آنجا فرود آرد سماع در حق چنین کسے حرام است" ۱۲

ظاہر ہے کہ اب کثرت ایسے لوگوں کی ہے جو عشق الٰہی سے بہت دور ہیں۔ اور سماع کا وہ مقصد بھی نہیں رہا ہے، بلکہ یہ لطف صحبت کا ایک سامان ہے جسے شربت کے جوار کا آب و رنگ دیکر کھلے بندوں شیطانیوں کو پرورش کیا جاتا ہے۔ نفس کی فریب کاریاں گویہی یقین دلاتی ہیں کہ یہ عشق حقیقی کی جنون خروشیاں ہیں، مگر حقیقتہً ایسا نہیں ہے۔ انسان کے نفس کا یہ سب سے بڑا فریب ہے کہ وہ خود اپنی ذات کو بھی فریب دیتا ہے، اور خدا کو بھی اپنے کہنے کے جال میں لانا چاہتا ہے۔ پس ایسی حالت میں جبکہ فسق و عدوان نے ہر طرف سر اٹھایا ہے، نفس کی مکاریاں پھیل رہی ہیں، عشق الٰہی کا کوئی رکھوالا نہیں رہا، اور دنیا روحانی طبیبوں سے خالی ہوگئی ہے، تو چاہئے کہ عہد اقبال کی ترانہ سنجیاں بند کر دی جائیں، زمانہ صحت و قوت کی غذائیں چھوڑ دی جائیں، اور صحت و اقبال لٹانے والے اخلاق پیدا کئے جائیں۔ ورنہ اس بے اعتنائی اور بے پرہیزی کا نتیجہ موت ہوگا۔ اور جب قوتیں بالکل کمزور ہو جائیں گے، جب زندگی کے عناصر میں اضمحلال اور کمی ہو جائیگی، جب مرض طبیعت پر غالب آجائیگا، تو کوئی علاج، کوئی تدبیر، کوئی درمانی کارگر نہ ہوگی، اور جو لوگ ان باتوں میں دوبے ہوئے ہیں، ان کا ٹھکانا دائمی مفارقت خداوندی اور روحانی کوفت کا جہنم ہوگا۔

آپ کو شاہ صاحب سے بہت محبت تھی، چنانچہ جب ان کے انتقال کی خبر سنی تو حالت غیر ہوگئی۔ سیر الاولیاء میں لکھا ہے:۔

اورا با حضرت شیخ کلیم اللہ محبت و موانست بمرتبہ عشق بود۔ چنانچہ بعد وفات شیخ در گوشۂ خمول و عسرت، در کنج تنہائی و فراق چندے بسر نہ بردہ بود کہ تقاضائے طلب از مطلوب حقیقی در رسید، و مزید بر آن رحمت مفارقت و مہاجرت نہ پسندید۔ لاجرم محبت اتمام حجت ظاہری امراض متعد عارض شدند، و قریب تر از زمان رحلت شیخ محمل زندگانی ازین سرائے فانی بجانب عالم قدس و جاودانی بر کشیدند"

تاریخ وصال ۱۲۔ ذی قعدہ ہے، عمر ۸۴ برس کی تھی، مزار اورنگ آباد میں ہے۔

اولاد کے متعلق کہا جاتا ہے کہ پانچ لڑکے تھے۔ لیکن مسند آرائے خلافت فخر الدین ہوئے، جو سلسلۂ نظامیہ کے آخری تاجدار تھے۔

ناظر دہلوی

چٹنی بادشاہ پسند | ماہرہ شریف اپنے بزرگان دین اور خوش ذائقہ چٹنی کے باعث ہمیشہ مشہور رہا ہے اس چٹنی کو غیر ممالک میں بھی درجۂ قبولیت حاصل ہے۔ یہ آم کی چٹنی علاوہ لذیذ ہونے کے ہاضم و معدہ کی اصلاح کرتی ہے قیمت فی سیر عدد روپیہ علاوہ محصول پیکنگ وغیرہ۔ ایک بار آزمانے کے بعد انسان ہمیشہ اس چٹنی کا خواہشمند رہتا ہے۔

خریداران نگار کیلئے بہتر طریقہ اپنا منیجر خریداری بھی بخوشی فرمائیں اخراجات پیکنگ معاف ریلوے محصول نصف نصف قیمت پیشگی آنے پر روانہ ہوگا۔ المشتہر سید بادشاہ حسین بہترین کاخ ماہرہ ضلع ایٹہ۔ یوپی

کارخانہ امیر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے عطریات خالص عمدہ اور ارزاں ہیں

قرون وسطیٰ مین مشرقی تجارت

تمہید | مشرق ومغرب ہمیشہ ترازو کے پلڑون کی طرح رہے ہین۔ جب مشرق مجد وترقی کی بلندیون پر جلوہ گر تھا تو مغرب جہالت وادبار کے گڑھون مین پڑا ہوا تھا۔ لیکن جب مغرب مین تمدن وتہذیب کا آفتاب طلوع ہوا تو مشرق کی تابناکیان ظلمت سے بدل گئین۔ اسی طرح اب جبکہ مشرق مین قرنون اور صدیون کے بعد آثار حیات پیدا ہونا شروع ہوئے تو مغربی تہذیب وتمدن مین بھی اسی کے ساتھ ساتھ گہن لگنا شروع ہوگیا اور جون جون مشرقی زندگی کے شواہد قوی ہوتے جائین گے، مغربی حضارت وعمران کی بنیا دکھوکھلی ہوتی جائیگی۔

یہ صرف ہمارا خیال وقیاس نہین بلکہ خود علماء مغرب نے اپنے عالمانہ استدلال سے ثابت کردیا ہے کہ مغرب روز بروز پستی اور ہلاکت کی طرف جارہا ہے، اور مشرقی بیداری بہت جلد مغرب کی موت کی شکل مین نمودار ہونے والی ہے۔

قرون وسطیٰ مین جبکہ مشرق کا آفتاب اقبال نصف النہار پر چمکتا رہا تھا اور علوم وتجارت، صنعت وحرفت اور زراعت کی ترقی کے باعث چپہ چپہ دولت وفراغت آسائش وبے فکری کا گہوارہ بنا ہوا تھا مغرب پر افتشار وپراگندگی کا دور طاری تھا تمام یورپ چھوٹے چھوٹے ٹکڑون مین تقسیم ہوکر مستبدانہ وجابرانہ ملوکیت کی غلامی کررہا تھا، جہالت کی تاریکیون سے عقل وہواس مخبوط ہورہے تھے۔ غرض کہ تمام مغربی قومین اوہام وجہالت، تنگ نظری وتعصب کے عذاب الیم مین گرفتار تھین۔

مغرب کی یہ حالت بدستور اس وقت تک قائم رہی جب تک مشرقی تمدن کا آفتاب مائل زوال نہین ہوا لیکن بعد مین جون جون مشرق کے اُفق پر تاریکیان پھیلتی گئین مغرب مین تہذیب وتمدن کی شعاعین تیز اور روشن ہونے لگین حتی کہ آج وہی مشرق جس کی بساط پر صدیون مغرب نے ریزہ چینی کی تھی یورپ کے قدمون کے نیچے غلامانہ زندگی بسر کررہا ہے اور خدا جانے ابھی کب تک یورپ کے غرور ونخوت کی ٹھوکرون سے مشرق کی پیشانی خون آلود رہے بہرحال یہ ایک جملہ معترضہ تھا جو زبان قلم سے بے اختیار نکل گیا۔ اصلی مقصود مشرق کی تجارت اور اسکے حدود وسعت وترقی کا بیان ہے۔

قدیم | زمانہ کی گردشون نے جب سکندر اعظم کی عظیم الشان سلطنت کے ٹکڑے کرڈالے اور یونانی عظمت وجلال کا پرچم سرنگون ہوگیا تو نارس کو بھی یونانی حکومت کا کافی حصہ مل گیا اور رفتہ رفتہ ایران کی تجارت جو ہندوستان اور وادی فرات مین محدود تھی یونان ہندوستان اور چین تک پھیل گئی اور جب تک اسلام کی مقدس شعاعین ضوفشان نہ ہوئین برابر چار سو سال تک ان ممالک پر ایرانی تجارت کا قبضہ رہا اور دارالسلطنت قونیہ تمدن وثروت، فراغت وخوشحالی کا مرکز بنا رہا۔

مملکت شرقیہ | قسطنطین نے جب دارالسلطنت بدلنا چاہا اور روم جدید کی بنیاد ڈالنے کا اسکو خیال پیدا ہوا تو اس نے اس شرف کیلئے بیزنطہ کو پسند کیا جو تجارتی اور جنگی اہمیت کے اعتبار سے بدیع النظیر اور قابل رشک مقام تھا اور اسکی تعمیر وتکمیل مین بے انتہا اور بے حساب دولت خرچ کرڈالی اور یہی وہ روم جدید ہے جو اول روز سے آج تک دول اور سلاطین کی منظور نظر رہا ہے اور تمام حکومتین اس پر قبضہ وتسلط کے لئے بے چین نظر آتی ہین۔ چونکہ قسطنطین کا منشا تھا کہ روم جدید یعنی اسکا جدید دارالسلطنت باعتبار عظمت وشرف قدیم روم سے بڑھ جائے اس لئے اس نے اس کی تعمیر وآرائش مین دل

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا عطر حنا خاص ترکیب سے بنتا ہے

کھول کر روپیہ خرچ کیا۔ اور بعد میں اسکے جانشینوں نے بھی اسکے اس منشا کی تکمیل کی طرف سے بے اعتنائی برتی بلکہ اسی ذوق وشوق سے روم جدید کی رونق وعظمت دوبالا کرنے کیلئے فیاضی سے زرافشانی بیان کرتے رہے۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں لوگوں کیلئے اس امر کا فیصلہ کرنا دشوار ہوگیا کہ روم جدید کو ترجیح دیجائے یا روم قدیم کو۔

پھر جب بوستانیوس کا زمانہ آیا تو اُسنے اپنے ذوق کے مطابق ملک کی تجارتی اور صنعتی ترقی کی طرف توجہ مبذول کی اور ریشم کے کیڑے فراہم کرکے ریشم کی پیداوار میں اضافہ کرنا چاہا چنانچہ اسے اپنی اس اسکیم میں منشار کے مطابق کامیابی ہوئی علی الخصوص قبرس وقطعیہ کے جزیروں میں ریشم کی پیداوار غیر معمولی ہونے لگی اور بہت جلد حریر وریشم کی حیرت انگیز صنعت نے اہمیت حاصل کرلی اور اسکی تجارت کے سبب سے ملکی دولت میں غیر معمولی اضافہ شروع ہوگیا۔

مشرقی یونان میں تجارتی بیڑہ کو خاص اہمیت حاصل تھی کیونکہ اسی بیڑہ کی بدولت بحر متوسط میں یونانی تجارت کا تسلط وقبضہ تھا یونان کو نامساعد اسباب وحالات کی بنا پر ابتدا میں جو کچھ نقصانات برداشت کرنا پڑے تھے اسکی تلافی نہایت سرعت سے قسطنطنیہ (روم جدید) کے روز افزوں عروج وترقی نے کردی، کیونکہ آبادی کی کثرت کے سبب سے ضروریات کی کثرت میں بھی اضافہ ہوگیا اور ان ضروریات کی فراہمی کیلئے ایک زبردست تجارتی بیڑا تیار کیا گیا جس کے باعث یونان کی تجارت نے غیر معمولی وسعت حاصل کرلی خصوصاً مشرقی اقصیٰ میں۔

یونانی ہندوستان میں تجارت کیلئے بحر قدیم سے اسکندریہ ہوتے ہوئے پہنچتے تھے مگر جب اسلامی اقتدار کی وسعت اس راستہ سے آمد ورفت میں حائل ہوگئی تو ان کے قافلے اکثر بلاد فارس سے اور کبھی عرب ہوتے ہوئے اسکندریہ پہنچنے لگے لیکن اسکندریہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہوجانے کے سبب سے بحر قدیم کا راستہ بالکل بند ہوگیا اور اب یونان کی تجارت خشکی کے دو راستوں سے ہونے لگی ایک راستہ شام کا تھا جو حلب انطاکیہ اور دمشق ہوتا ہوا جاتا تھا اور دوسرا بحر اسود کا ساحلی راستہ تھا جو بلاد ترک سے گذرتا تھا بعد میں یونان کا تجارتی سلسلہ روس ووسط یورپ میں شروع ہوگیا جس نے قسطنطنیہ کی تجارت کو اور بھی فروغ دیدیا اور انہوں نے تجارت کا راستہ کیف نوگرڈ سے نہر ڈنیپر اور الگا در جا سنوڈنس کو بالٹک سے ملاتا ہے اختیار کیا اور نہر الادر کی کنارہ کے قریب تجارتی مرکز قائم کرلیا چنانچہ نوگرڈ اور کیف کی تجارت وادی ڈانوب اور رین کی تجارت سے مل گئی۔

اسی زمانہ میں سالونیک اور ترابزون نے بھی تجارتی اہمیت حاصل کرلی تھی اور قسطنطنیہ کے بعد انکا شمار ہونے لگا۔ سالونیک کی شہرت اسکی صنعت وتجارت کی وسعت کے سبب سے تھی اور ترابزون چونکہ یونانی اور اسلامی سرحد پر واقع تھا اس لئے وہ مسیحی اور مسلمان تاجروں کی متفقہ منڈی بن گیا اور تجارتی نقطۂ نظر سے مخصوص رتبہ حاصل کرلیا باقی طیبہ وونس اور بلغاریہ تجارت کے مشہور مقامات تھے۔

نہضت اسلامیہ یہ اسلامی تعلیم کا اثر تھا کہ عرب کی بدوی قوم میں دفعتہً تمدن وترقی کی ناقابل تسخیر قوت پیدا ہوگئی اور اسکے فاتحانہ اقدامات نے تھوڑے سے عرصہ میں غربی ایشیا، شمالی افریقہ، اسپانیا، اور بلاد نمل کے ایک حصہ کو ان کے زیر نگین کردیا اور تمام شہروں میں تجارت کی عظیم منڈیاں قائم ہوگئیں اور بلاد اسلامیہ شرقی تمدن اور علوم وفنون کا مرکز ہوگئے۔

اسلامی صنعت جسقدر جلد مشہور ہوئی اور خوبی واستحکام، صفائی وذراکت کے اعتبار سے جو کمال حاصل ہوا حیرت انگیز تھا اسکے عالیشان محلات ومساجد اور دیگر تعمیرات نے وہ مقبولیت پیدا کی کہ بغداد کی مسجی جامعت نے بھی گرجوں کی تعمیر میں انہیں کا اتباع کیا اور ان کی مصنوعات آرائش وزیبائش تکلف وتنعم بعید ترین ممالک میں بے انتہا مقبول ہوگئیں۔

کارخانہ عزیزی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا مال ناپسند ہو تو قیمت منہ محصول واپس ہوسکتی ہے۔

بلاد اسلامیہ مین حسب ذیل مقامات کو تمدن و تہذیب علوم و فنون، تجارت و صنعت کے اعتبار سے اس وقت مین جو شہرت حاصل ہوئی قطعاً غیر فانی ہے۔

دمشق۔ جو بنی امیہ کا پایۂ تخت تھا مختلف صناعیون مین مشہور تھا علی الخصوص ریشم کا کام وہان کی اعلیٰ و بہترین صنعت کا نمونہ تھا اور عرصہ دراز تک جب تک بغداد نے عروج نہ حاصل کرلیا دمشق ریشم کے کام کی عظیم الشان منڈی بنا رہا۔

بغداد۔ دمشق کے بعد بغداد کو عروج ہوا اور عباسی خلافت کا دارالخلافہ ہوگیا اور تین صدی تک اسکو دنیا کے سب سے زیادہ دولتمند اور بارونق شہر کی حیثیت حاصل رہی بغداد کی تجارتی منڈی دمشق کی منڈی سے زیادہ مہتم بالشان تھی کیونکہ وہ تجارت کے بری و بحری راستون کے وسط مین واقع تھا اور اس کی دس لاکھ کی آبادی مین کوئی گھر ایسا نہ تھا جو زینت و آرائش کے اعتبار سے دلھن بنا ہوا نہ ہو جہان عیش و تنعم کا طوفان موج زن تھا طلائی اور نقرئی جواہرات کے ظروف اور ریشم اور حسین و بیش قیمت پردون کے لباس غرض عیش و تکلف کا وہ کونسا سامان تھا جس کی بغداد مین فراوانی نہین تھی یہان تک کہ مٹی کے برتنون اور چمڑے کے سامانون مین بھی انھون نے اپنی عجیب و غریب صنعت سے حیرت انگیز خوبصورتی و دلکشی پیدا کردی تھی بغداد کی تجارت ہندوستان، چین، افریقہ، ارمینیا، روس، اسپین اور بالٹک کے ساحلی مقامات تک پھیلی ہوئی تھی وہان کی تجارت کی ترقی کے سبب سے بلاد تابعہ مثلاً موصل، شیراز، کابل بخارا، سمرقند، اسکندریہ، قاہرہ، قیروان، فارس، اور بلاد اسپانیا کی صنعت کو بھی بہت ترقی ہوئی الغرض بغداد کی مثال ایک یونیورسٹی کی تھی جہان پر تمام اطراف و اکناف عالم کے علما و طلبہ علوم و فنون کے اکتساب کی غرض سے جمع تھے۔

اسکندریہ۔ عرصۂ دراز تک اسکندریہ مشرق اور ولایات غربیہ کا خاص مرکز تجارت رہا ہے لیکن فتح اسلامی کے بعد اسکی تجارتی مرکزیت مٹ گئی جس کی تلافی اسنے اپنی تجارت کو وادی النیل اور مشرقی وسط افریقہ مین پھیلا کر کرلی۔ اسکندریہ کی مخصوص تجارت سونا۔ ہاتھی دانت، سیپ اور پردن کے قیمتی کپڑون وغیرہ کی تھی جو بعد مین فاس اور قیروان کی منڈیان قائم ہوجانے سے مسدود ہوگئی۔

قاہرہ۔ قاہرہ جبشیہ افریقہ اور ایشیا کے تجارتی قافلون کا مرکز ہونے کے سبب سے بغداد کی تجارت مین مزاحم رہا ہے اور اسکی منڈیان اور تجارت کو خاص فروغ ہوا ہے قاہرہ کی تجارتی ترقی کا باعث وہان کی زراعتی اور صنعتی ترقی تھی جسنے تجارت کو رواج دینے مین سہولتین فراہم کردی تھین وہان سے غلے، کپڑے، زردوزی سامان، چمڑا اور چمڑے کی مختلف اشیا، پشمینہ، اور آٹے وغیرہ کی بہت کثرت سے برآمد ہوتی تھین۔

قیروان۔ ہرچند قیروان کو وہ تجارتی عظمت حاصل نہین ہوئی جو قرطاجنہ نے پائی تھی لیکن پھر بھی اسلامی ممالک مین بہت کچھ نفوذ حاصل تھا اور عرصہ تک ممالک اسلامیہ طرابلس، الجزائر، ٹیونس، صقلیہ اور اسپین کی تجارتی منڈی قیروان ہی بنا رہا اور وسط افریقہ تک اس کی تجارت پھیل گئی۔

فاس، یہان چمڑے، پشمینے، معدنی سامان، اور صابن، کی مختلف صنعتون کا رواج تھا جو اپنی نزاکت صنعت اور خوبصورتی کے اعتبار سے بہت مقبول تھین۔ یہان کے تاجر شمالی افریقہ، وسط افریقہ اور نہر نیجر تک پہنچتے تھے۔ فاس کی آبادی تقریباً پانچ لاکھ تھی اور اسے شمالی افریقہ کے تمام بڑے شہرون پر تفوق حاصل تھا۔

اندلس۔ اسپین مین عربی تمدن کے جو آثار و یادگارین باقی ہین ان کو دیکھکر عربی تمدن کی ترقی اور کمال صناعی کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے

اصغر علی محمد علی کا کارخانہ ۸۶ سال سے جاری ہے

اور جس طرح اسپین میں مذہبیت اور یورپ کی بدویت کا واضح فرق معلوم ہوتا ہے کسی دوسری جگہ معلوم نہیں ہوسکتا قرطبہ دارالخلافۂ اندلس کی عظمت وشان اور تجارتی وصنعتی ترقیاں اور اشبیلیہ غرناطہ، طلیطلہ، کے عروج مدنیت کی داستانیں آج تک افسانہ ہیں تجارتی حیثیت سے ان شہروں میں تمام مشہور مقامات کے مال کی درآمد ہوتی تھی اور چونکہ اندلس اپنی پیداوار کے لحاظ سے نہایت ہی آسودہ اور زرخیز ملک تھا اسلئے وہاں کے باشندے اپنی ضروریات کے مطابق غیر ملکی مصنوعات اور سامان کو تبادلہ میں بآسانی حاصل کرسکتے تھے لیکن خود قرطبہ کے چمڑے کی مصنوعات، طلیطلہ کے اسلحہ، اور مرسیہ کی صنعت ریشم وحریر کچھ کم مشہور ومقبول مصنوعات نہ تھیں اسپین اپنی زرعی حیثیت سے بھی نہایت سرسبز وشاداب ملک تھا نیشکر۔ چاول، کپاس، کھجور مختلف قسم کے پھول اور سبزہ زار وہاں کی خاص پیداوار تھی اور معدنی آمدنی اس کی غنا اور دولت میں غیر معمولی اضافہ کا باعث تھی۔

عربوں میں تجارتی آزادی عربی حکومت میں جنگی کے ٹکسے قائم تھے اور موجودہ سسٹم کے مطابق عہد اسلامی میں بھی تجارتی ٹکسس کا رواج تھا لیکن محصول کی شرح اسقدر کم، اور اسکے حصول کے ذرائع اسقدر آسان تھے کہ تاجر دن کو اسکی ادائیگی میں کسی قسم کی دقت اور دشواری پیش نہ آتی تھی وہ نہایت آسانی سے ٹکس ادا کرکے تجارتی کاروبار کو قائم رکھ سکتے تھے اور یہی وہ راز تھا جس کے سبب سے عربوں کی تجارت ترقی کے معراج کمال پر پہنچی ہوئی تھی اور اسلامی ممالک تمول اور دولت کی برکات سے متمتع ہو رہے تھے۔

عرب اور مغربی تجارت اس عنوان سے ہمارا یہ مقصود نہیں کہ عربوں کی ترقی کی غیر واقعی حمایت کریں یا ایسے واقعات عربوں کی طرف منسوب کریں جن کے وہ فی الحقیقت مستحق نہیں ہمارا مقصد عربی تمدن نے موجودہ تمدن کی جو کچھ خدمت انجام دی ہے اسکا مختصر تذکرہ تاریخی پیش کرنا ہے حقیقت یہ ہے کہ اندلس میں عربوں کی زرعی وصنعتی ترقی کا ہی نتیجہ تھا جس نے ممالک یورپ میں بیداری کی حرکت پیدا کردی اور انکو ترقی کی طرف مائل کردیا جن لوگوں نے تاریخ کے اوراق الٹے ہیں ان کو معلوم ہے کہ عربوں نے زراعت وصنعت کو کسقدر عروج پر پہنچا دیا تھا پارچہ جات اور معدنیات کی صنعت میں انہوں نے کیسی حیرت انگیز ذہانت وذکاوت کا دنیا کے سامنے ثبوت پیش کیا ہے علی الخصوص سونے چاندی مسی، برنجی، لوہا، لکڑی، چمڑے، شیشے، مٹی، رنگریزی، شکرسازی، اور رنگ بنانے کی صنعت میں اعلیٰ ترقی حاصل کی تھی اور عرب کی یہ تمام مصنوعات ازمنۂ وسطیٰ میں بہر طور قابل فخر خیال کی جاتی تھیں یورپ جو آج تمدن وحضارۃ کی انتہائی بلندیوں پر جلوہ زن ہے اس نے عربوں ہی سے ابتداءً یہ تمام صنعتیں حاصل کی تھیں اور مغربی تمدن کے آغاز میں عرب ہی مغربی اقوام کے استاد تھے حقیقت یہ ہے کہ اگر یورپ اسلامی تمدن کی غلامی نکرتا اور عربوں کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہ کرتا تو مغربی تمدن کو معراج پر پہنچنے میں اسقدر جلد کامیابی نہ ہوتی

وہ عرب ہی تھے جنہوں نے زراعت اور کاشت کے طریقوں پر علمی حیثیت سے غور کیا اور آب پاشی اور کھاد دینے کے اصول معلوم کئے ان کی آب پاشی کے طریقے نہایت صحیح اور اصولی تھے وہ کھاد دینے اور کھاد کے منافع اور کیمیاوی اصول کے مطابق عمل کرنے سے باخبر تھے انھوں نے اپنی کوششوں سے بعض ایسے زراعتی تجربے حاصل کئے جو کاشت میں ان کے واسطے غیر معمولی طور پر مفید ثابت ہوئے اسکے علاوہ اس زمانہ کی تجارتی قیادت عربوں ہی کے ہاتھ میں تھی اور انہوں نے علمی وجغرافی معلومات سے تجارت کو فروغ دینے میں بہت کچھ آسانیاں حاصل کرلی تھیں تجارتی قافلوں کیلئے راستے تلاش کئے ملکوں اور حکومتوں سے تجارتی تعلقات پیدا کئے مبادلات کے کاروبار میں آسانیاں پیدا کیں راستوں کی حفاظت ومرمت پلوں کا بنانا کنوؤں کا کھودنا اور آنے جانے والوں کے قیام، آسائش اور امور عامہ کے متعلق تمام ذمہ داریاں عرب ہی انجام دیتے تھے یہی وہ امور ہیں جن سے ازمنۂ وسطیٰ میں عربوں کی تجارتی سیادت اور عام اقتدار کے متعلق حجت قطعی پیش کی جاتی ہے، درحقیقت یہ ہے کہ یورپ کے موجودہ تمدن وترقی میں عربوں کا خاص حصہ ہے

(سید ندوی)

ہندوستانی عطریات کا سب سے بڑا کارخانہ اصغر علی محمد علی لکھنؤ کا ہے

فریب خیال

(افسانہ)

بسلسلۂ ماسبق

(۲)

نسیم کو کلکتہ سے آئے ہوئے چار دن ہو چکے ہیں اور رشید کا مکان کاشانۂ حسن بنا ہوا جگمگا رہا ہے۔ میوزک کانفرنس کے جلسوں میں باقاعدہ سب کی شرکت ہو رہی ہے اور منجملہ دیگر حیرت انگیز انکشافات کے یہ حقیقت بھی رشید پر ظاہر ہو گئی ہے کہ نسیم میں جہاں اور صفات تکمیل درجہ کی پائی جاتی ہیں، وہیں ایک صفت یہ بھی موجود ہے کہ موسیقی سے اچھی طرح واقف ہے اور ستار نہایت اچھا بجاتی ہے۔ چونکہ رشید خود بھی فطرتاً موسیقی کا دلدادہ تھا اسلئے اس علم نے اسکے جذبات کو نسیم کے حضور میں کمسن پرستش و عبودیت بنا دیا اور اسکی بیقراریاں اس حد سے گزر گئیں کہ ان میں کوئی اور اضافہ ہو سکتا۔

جس حد تک سطح خطوط، تناسب و نقوش کا تعلق ہے، نسیم ایک معمولی عورت تھی، لیکن چونکہ عورت نام جلد و رنگ کا نہیں بلکہ اس فن دلربائی کا ہے جو اسکی نسائی خصوصیات کو نہایت دلفریب رنگ میں پیش کرتا ہے، اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ نسیم بہت مکمل عورت تھی۔

وہ اسکی پاکیزہ معاشرت، وہ فن تزئین و آرائش میں اس کی غیر معمولی مہارت، وہ رفتار و گفتار میں اسکی صناعانہ تکمیل، وہ موقع محل کے لحاظ سے اسکا صرف تبسم، وہ بیحجابی کے ساتھ ساتھ اسکا سکوت انفعال، وہ عنفوان شباب کی تمام توانائیوں کے ساتھ اسکا یکسر زاکت مینا نظر آنا، وہ اسکا علم مجلس کے تمام رموز و نکات سے باخبر ہونا اور وہ اسکا تہذیب و متانت کے ساتھ علمی و ادبی صحبتوں میں ایک صاحب بصیرت انسان کی طرح حصہ لینا ـــــ یہ تمام باتیں اسقدر حسن کے ساتھ نسیم میں جمع تھیں کہ مشکل سے کوئی شخص اسکو دیکھنے کے بعد اپنی جان سلامت لیجا سکتا تھا، چہ جائیکہ رشید، جسکی روح ان میں سے ایک ایک ادا کیلئے مدتوں سے گرسنہ چلی آرہی تھی۔ اُسنے جو فریب سے اس تمام کاروبار "برق و تعطل" کا مطالعہ کیا تو اسکی حالت بالکل وہی ہو گئی جس کو غالب نے "جلوہ زیری باد" کے سامنے "پرفشانی شمع" سے تعبیر کیا ہے۔ یا بیدل کے الفاظ میں شمع کے سامنے جو "نیمۂ داغ و نیمہ خاکستر" حالت پروانہ کی ہوتی ہے۔

ایک رات مختصر صحبت قائم تھی عباس بھی شریک تھا، موسیقی و نسائیت موضوع بحث تھی اور باہم تبادلۂ خیالات ہو رہا تھا۔ نسیم نے میوزک کانفرنس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا "چونکہ موسیقی سے لکھنؤ کو بہت تازہ نسبت حاصل ہے، اسلئے میرا خیال تھا کہ یہاں کی کانفرنس بہت زیادہ کامیاب ثابت ہوگی، لیکن یہ معلوم کر کے مجھے صدمہ ہوا کہ یہاں کا ذوق موسیقی بہت گر گیا ہے حالانکہ اودھ کی سلطنت کو مٹے ہوئے زیادہ زمانہ نہیں گزرا، کسقدر حیرتناک امر ہے کہ لکھنؤ میں کوئی ایک ماہر فن بھی ایسا نہیں جو اس میں شریک ہوتا اور اونچے طبقہ کے جو تماشائی تھے ان کی بد ذوقی کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے سب سے زیادہ جس چیز کو پسند کیا وہ میہر بینڈ تھا۔ یقیناً ہم آہنگی پر لطف چیز ہے اور ستار کے تمام ساز کو یکجا کر کے انھیں آواز کے ایک مرکز پر لے آنا دلکش امر ضرور ہے لیکن کسی کمال کا مظہر نہیں ہو سکتا۔ اور اہل لکھنؤ کی طرف سے اسکی اسقدر پرجوش پذیرائی سخت مایوس

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی ایک شاخ گلزار حوض جید آباد دکن میں ہے

کن تجربہ تھا۔ مہرو دیون مین نداحسین خان ستار نواز ون مین عنایت خان۔ بینکار ون مین الور کا بینکار صرف یہ تھا حاصل اس آل انڈیا میوزک کانفرنس اور اسکے تمام اہتمامات کا، گانے والون مین ایک بھی ایسا نہ تھا جسکا ذکر کیا جائے۔ کسقدر سخت غلطی ہے کہ آواز کے حسن کو فن موسیقی سے علیحدہ سمجھ لیا گیا ہے اور میرے نزدیک یہ بھی منجملہ اُن دیگر مظالم کے ہے جو عورت پر مرد کی جانب سے روا رکھے گئے ہین۔ چونکہ خوش گلوئی مین مرد عورت پر کسی طرح فائق نہین ہو سکتا تھا، اسلئے اسنے موسیقی سے اسکو علیحدہ رہی کر دیا تاکہ عورت مقابلہ مین نہ آسکے۔ مانا کہ دھرپد اصولی چیز ہے، لیکن اسکی حیثیت اس خاکہ سے زیادہ نہین ہے جسے ایک مصور رنگ بھرنے سے پہلے کاغذ پر بناتا ہے۔ یقیناً یہ نقش کی بنیاد ہے لیکن نقش تو نہین، محمد شاہ رنگیلے کے عہد مین کچھ لوگون نے اس حقیقت کو سمجھا اور اسمین کچھ رنگ آمیزی پیدا کرکے خیال کو رواج دیا لیکن قبل اسکے کہ وہ تکمیل کو پہونچتا سلطنت کا زوال ہو گیا، بعد کو شاہان اودھ اور خصوصیت کے ساتھ واجد علی شاہ نے اس مین اور زیادہ رنگینی پیدا کرکے ٹھمری کی بنیاد ڈالی لیکن یہ بھی انجام کو نہ پہنچی تھی کہ بساط سلطنت ہی الٹ گئی اور موسیقی ایک عام دورکس میرسی سے گزرنے لگی۔ اب پھر اس طرف توجہ ہوئی ہے، لیکن جس طرح ہندوستان کی قدامت پرستی اُسے اور بہت سی ترقیون سے محروم کر رہی ہے، اسی طرح موسیقی مین بھی اب تک وہ دھرپد و خیال کی ترقی کو کمال فن سمجھتی ہے ورنہ ضرورت یہ ہے اس خاکہ مین گلکاری کی جائے اور اسمین مطلق سامعہ کیلئے جاذبیت پیدا کی جائے۔

مشہور ہے کہ موسیقی سحر ہے اور اس مین کلام نہین کہ حقیقت یہی ہے، لیکن کیا کوئی شخص ان دھرپد گانے والون کی کریہہ آواز کو سنکر خوش ہو سکتا ہے اور کیا ان استادون کی بناوٹی حرکات دیکھنے کے بعد ہنسی ضبط ہو سکتی ہے۔ موسیقی جادو ہے لیکن وہ اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب آواز، حرکات اور اصول فن کے سب حسن کے ساتھ مجتمع ہو جائین، اور چونکہ انکا اجتماع صرف عورت ہی مین ہو سکتا ہے اس لئے فن کے اصلی حظ و خال کو دیکھنا ہے تو عورتون مین اسکو رائج کرنا چاہیئے جو قدرتاً اس کیلئے وضع کی گئی ہین اور جن کے اعصاب و عضلات کی نرمی آواز کے ہر لمس کو قبول کر سکتا ہے ہمارے طرف بنگال مین شریف خاندان کی عورتین اس طرف بہت مائل ہین اور اپنے اپنے گھرون مین تفریحاً اس کی مشق کرتی ہین، لیکن یوپی مین چونکہ اس کو معیوب فن قرار دیدیا گیا ہے اسلئے میرا خیال ہے کہ ہندوستان کا یہ حصہ جو ہر لحاظ سے ملک کا قلب کہلائے جانے کے قابل ہے۔ اس مین بھی دوسرے صوبون سے پیچھے رہ گیا۔

عباس۔ "چونکہ آپنے موسیقی کا ذکر کرتے کرتے اس کی ذیل مسئلہ "نسائیات" پر توڑی ہے، اسلئے قبل اسکے کہ "عورت اور فنون لطیفہ" کے موضوع پر گفتگو کیجائے، "عورت اور نسائیت" کے متعلق بعض مسائل کا فیصلہ ضروری ہے۔

سب سے پہلا سوال جو غالباً مسئلہ تعلیم و آزادی سے بھی مقدم ہے، یہ ہے کہ عورت کے پیدا کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی، چونکہ دنیا کے تمام مسائل آخرین اصلاح نظام تمدن پر جاکر تمام ہوتے ہین، اسلئے غور سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ عورت صرف اسلئے پیدا کیگئی ہے کہ وہ مشاغل حیات مین مرد کی معاون و مددگار ثابت ہو اور تجربہ نے ہمکو یہ بات بتائی ہے کہ اسکی یہ اعانت و امداد ہمیشہ اُس ماحول کے تابع رہی ہے جس مین رہکر مرد اپنے اسباب ترقی تلاش کرتا ہے۔ مثلاً عہد وحشت کو لیجئے جب مرد صرف شکار پر زندگی بسر کرتا تھا تو عورت اسکی معاون اس حیثیت سے تھی کہ وہ شکار کو صاف کرتی تھی، گوشت پکاتی تھی اور کھالون کے ملبوس طیار کرتی تھی، جب عہد زراعت آیا تو اسنے کاشت مین مدد دی، غلہ صاف کیا، پیسا اور مرد کو کھلایا، اب اس مکانکی عہد مین اسکی اعانت کا طریق یہ ہے کہ وہ تجربہ گاہون مین مردون کے ساتھ رہتی ہے، لیبیا ستا

کارندہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا شمامۃ العنبر بہترین عطریات

دکھیا کے مسائل میں مرد کو مشورہ دیتی ہے اور اسکے ساتھ ہوائی جہاز پر بیکر اسکی مدد کرتی ہے۔

اس لئے قبل اسکے کہ ہندوستان کی عورت کیلئے کوئی طریق عمل مقرر کیا جائے، غور طلب امر یہ ہے کہ یہاں کا مرد کس دور سے گزر رہا ہے اور اسکے حالات کا اقتضا کیا ہے۔ کیا ایسے ملک میں جہاں مردوں میں بھی ایک فی صدی تعلیم یافتہ نہ ہوں، عورتوں کی تعلیم و آزادی کا سوال کوئی برمحل سوال ہو سکتا ہے تعلیم یافتہ شخصوں کیلئے یقیناً ایک جماعت ایسی عورتوں کی ہونی چاہئے جو ان کے ذوق کے لحاظ سے ضروریات ازدواج کو پوری کرنے والی ہو، لیکن اس مسئلہ میں بھی سب سے پہلے یہ امر غور طلب ہے کہ تعلیم جدید سے جو خواہشات ہندوستان کے مردوں میں پیدا ہو رہے ہیں وہ کس حد تک درست ہیں اور عورتوں کیلئے انکا پورا کرنا ضروری بھی ہے یا نہیں۔ اولین معیار جس سے نتیجہ تعلیم کی صحت و عدم صحت پر حکم لگایا جا سکتا ہے، اقتصادی حالت ہے۔ اگر ایک شخص تعلیم حاصل کرنے کے بعد صرف شاعر بن سکتا ہے اور قوت عمل اس کی حرکت میں نہیں آتی تو کہا جائے گا کہ تعلیم بیکار ہے، اسی طرح اگر ایک عورت بیوی بننے کے بعد صرف مرد کے ذوق شعری کو پورا کرنے والی ثابت ہوگی تو ہم کہیں گے کہ اسکی تربیت ناقص ہے اسلئے جس طرح مرد میں شاعرانہ کیفیات سے پہلے قوت عمل پیدا ہونے کی ضرورت ہے، اسی طرح عورت کو موسیقی دان ہونے سے قبل ایک اچھی مہتمم، ایک سلیقہ مند مان بننا چاہئے۔

جس طرح دنیا کو ایک فاقہ مست شاعر کی ضرورت نہیں ہے اسی طرح وہ اہلی زندگی کے فرائض سے ناآشنا رہکر گانے والی سے بھی بے نیاز ہے۔ آپ کو شاید اچھا معلوم ہو لیکن مجھے تو نظر پسند نہیں آسکتا کہ بچہ خراب مقیم حالت میں رو رہا ہے اور ماں بیٹھی ہوئی الاپ رہی ہے پھر جس طرح ہمارے ہاں کے مردوں کو فنون لطیفہ سے پہلے فنون کاسبہ کی ضرورت ہے اسی طرح عورتوں کو مغنیہ بننے سے پہلے مدبرہ بننا ضروری ہے ممکن ہے کہ بنگال کی پبلک ترقی کے ان ابتدائی مدارج سے گزر گئی ہو، لیکن ہمارے ہاں تو ابھی ان کی ابتدا بھی نہیں ہوئی اور اسی لئے شرفا کی عورتوں میں گانے بجانے کو معیوب خیال کیا جاتا ہے جو میرے نزدیک بالکل مناسب ہے، اب یہاں یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص واقعی اپنے تمام مشاغل و اکتسابات کے لحاظ سے ایسا ہے جسکو ایک ایسی ہی بیوی درکار ہے جو اپنی تمام خصوصیات نسائی کے لحاظ سے مکمل ہو، جیسے ہمارے رشید صاحب، سو اسکے لئے بین الاقوامی شادی عمدہ چیز ہے یا پھر توکل کہ اس طرح بھی کبھی کوئی بھولی بھٹکی عورت قسمت سے ملجاتی ہے"

عباس کے اس آخری فقرہ کو سنکر نسیم کچھ مسکرائی اور رشید اس خیال سے کہ کہیں نسیم کو ناگوار نہ ہو چین بجبیں ہوا۔ لیکن قبل اسکے کہ عباس کو اسکی تقریر کی داد یا سزا کسی طرف سے ملتی، مرزا عسکری آگئے جو رشید کے مخلص دوستوں میں سے تھے اور گھوڑ دوڑ کے بیحد شائق چونکہ گھوڑ دوڑ میں شرکت کا پروگرام انہیں کے سپرد تھا، اسلئے انھوں نے آتے ہی، مختلف خبریں، مختلف معلومات، گھوڑوں کے حالات اور ہار جیت کے متعلق پیشین گوئیوں کا ایک سلسلہ شروع کر دیا اور چونکہ نسیم ہی کی غرض سے رشید نے مرزا عسکری کی خدمات حاصل کی تھیں، اس لئے وہ نہایت انہماک کے ساتھ سننے لگی اور آدھی رات کے بعد جب تنہائی ہوئی تو رشید کی ان تمام خاطر داریوں کا اور نیازمندیوں کا صلہ بارگاہ حسن سے صرف اسقدر ملا کر نسیم نے خواب گاہ میں داخل ہوتے وقت اس سے ہاتھ ملایا اور جسم میں ایک برقی رو دوڑا کر پس پردہ غائب ہوگئی۔

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا ٹیلیفون نمبر ۱۳۹ ہے

(۳)

نسیم لکھنؤ سے رخصت ہوچکی ہے اور رشید پر جو ایک عالم اضطراب طاری ہے، اسکی نوعیت پہلے سے ذرا مختلف ہے۔ اس سے قبل اسکی بے چینیوں کا تعلق صرف کاوش جستجو سے تھا، لیکن اب نسیم سے مل لینے اور اپنی قربانیوں سے اسکو بڑی حد تک مالوف سمجھ لینے کے بعد، اسکے اضطراب نے جریحانہ صورت اختیار کرلی تھی اور نسیم کے ساتھ ازدواجی تعلق قائم ہونے میں ایک لمحہ کی دیر اسے گوارا نہ تھی وہ سمجھتا تھا کہ حصول کامیابی کیلئے جسقدر استحقاق ہونا چاہیئے وہ پیدا کرچکا ہے اور اسلئے اب تعویق اسپر ظلم ہے۔

لکھنؤ کے قیام میں نسیم نے اپنے اداؤں سے اسکو جس حد تک مغلوب کیا اسکا اونے ثبوت یہ ہے کہ رشید نے اپنے تمام پوشیدہ حالات سے اسکو آگاہ کردیا اور اسکے عوض میں باوجود اسکے کہ رشید کو اسکی محبت کا یقین ہوگیا تھا، نسیم نے باوجود اصرار کے اپنے متعلق سوائے اسکے اور کچھ نہ کہا کہ "لوگ کہتے ہیں کہ میں مرشدآباد کے شاہی خاندان سے وابستہ ہوں، لیکن اب اس نسبت کا اظہار مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا کیا کسی کا صرف انسان ہونا کافی سبب ہمدردی حاصل کرنے کیلئے نہیں ہوسکتا"

خاندانی تفوق کے متعلق اظہار کے ساتھ ہی، انداز بردست درس انسانیت، ایسی معمولی بات نہ تھی کہ رشید اس سے مرعوب نہ ہوجاتا، چنانچہ وہ مرعوب ہوگیا اور بغیر اسکے کہ وہ نسیم کے موجودہ حالات زندگی، اور دیگر افراد خاندان کے متعلق جستجو کرتا، وہ اسی طرح قانع ہوگیا جس طرح بنی اسرائیل اول اول من وسلوے پر ہوگئے تھے۔

چلتے وقت رشید نے نہایت دبی زبان سے جب اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ نکاح جسقدر جلد ممکن ہو ہوجانا چاہیئے، تو نسیم نے اپنی نگاہ منفعل اور محجوب رنگ رخسار سے اسکی منظوری تو دیدی تھی لیکن رشید تعیین وقت چاہتا تھا اور اسکے بابت وہاں بالکل سکوت تھا۔

نسیم کو گئے ہوئے جس دن کا زمانہ گزر گیا ہے اور اسکے دو خط بھی آچکے ہیں لیکن سوائے شاعری کے ان میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جن سے رشید کی آتش شوق تو ضرور مشتعل ہوجاتی ہے، لیکن ساحل کا پتہ اسے کہیں نہیں چلتا۔

وہ اسی فکر میں مبتلا تھا کہ محرر حساب کے کاغذات سامنے لایا اور جسوقت اسکی نگاہ ذیل کے اندراج پر پڑی:۔

عطیہ میوزک کانفرنس بجانب مس نسیم و مسٹر رشید	۵۰۰ روپیہ
تیمارداری مس نسیم	۳۳۵ روپیہ
مصارف موٹر	۲۱۰ روپیہ
ٹکٹ گھوڑ دوڑ	۴۰ روپیہ
گھوڑ دوڑ کی قمار بازی میں نسیم کو دیئے گئے	۲۰۰۰ روپیہ
ٹکٹ ریل از لکھنؤ تا کلکتہ فرسٹ کلاس و دیگر فروعی مصارف	۱۵۰ روپیہ

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا تار کا پتہ صرف خسا کافی ہے

تحائف برائے مس نسیم ساری بنارسی آویزہ جڑاؤ کڑا طلائی
۳۰۰ روپیہ ۲۰۰ روپیہ ۱۰۰۰ روپیہ ۱۵۰۰ روپیہ

اور اسکی مجبوری تم ۵ ۳۰ ۴ ساخوانی تو دماغ چکرا گیا کیونکہ اسکا کاروبار اتنا بڑھا ہوا نہ تھا کہ اسکا چوتھائی حصہ بھی محض سیر و تفریح میں صرف کرسکتا۔ اس نے محرر کو رخصت کر دیا اور دیر تک سر پکڑ کر سوچتا رہا کہ اس کمی کو کیونکر پورا کرے وہ ابھی اسی عذاب میں مبتلا تھا کہ محرر معذرت خواہ آیا اور اس نے ایک کاغذ پیش کر کے کہا کہ "اس ہنڈی کا روپیہ کل ادا کرنا ہے، میں نے کہا کہ آج ہی آپ کو یاد دلا دوں"

رشید۔ "ہنڈی! کس کی ہنڈی ہے اور کتنی رقم کی ہے"، یہ کہکر اس نے کاغذ محرر کے ہاتھ سے لیا اور دیکھا تو اسپر ہندسہ ۲ کے ساتھ بڑے بڑے تین صفر اسکو گھور رہے تھے اور ہنڈی اس کارخانہ کی تھی جس کے ساتھ خوش معاملگی قائم رکھنے پر اسکے سارے کاروبار کا انحصار تھا۔ میز کی دراز سے اس نے بنک کی پاس بک نکالی پھر سیف کھولکر اسکی رقم کی جانچ کی اور نہایت پریشان صورت کے ساتھ چیخ کر کہا کہ:۔

اگر میں اس ہنڈی کا روپیہ ادا کر دوں تو اسکے یہ معنی ہونگے کہ پرسوں میں بازار سے ایک پیسہ کا بھی مال نہیں خرید سکتا، جن لوگوں سے مجھے روپیہ وصول ہونا ہے وہ اول تو اسقدر جلد ادا نہیں کر سکتے اور اگر ادا کر بھی دیں تو زیادہ سے زیادہ میں ایک مہینہ تک اور اپنی موجودہ ساکھ قائم رکھ سکتا ہوں۔ اس طرف بے پروائی کا یہ عالم ہے کہ کوئی صاف جواب ہی نہیں ملتا۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ اگر ان تمام قربانیوں کے بعد بھی نسیم مجھے مل جائے تو میں کسی طرح خسارہ میں نہیں رہ سکتا، زیادہ سے زیادہ یہ کہ موجودہ تجارت نہ رہے گی نہ رہے، بقدر ضرورت میں اپنی جنبش قلم سے بھی کما سکتا ہوں، مگر کچھ ہو تو سہی، کوئی نتیجہ تو نکلے۔ کیا تار دوں؟ لیکن تار میں لکھوں کیا عباس کی رائے تھی کہ میں بھی کلکتہ ساتھ چلا جاؤں اور وہاں پہونچکر تمام باتیں تحقیق کروں، میں نہیں گیا، واقعی غلطی ہوئی۔ کیا اب چلا جاؤں۔ لیکن یہاں کا کاروبار کس کے سپرد کروں، خاصکر ایسی حالت میں جبکہ مالی حالت اچھی نہیں ہے .....

وہ اسی فکر میں مبتلا تھا کہ ڈاک آئی جس میں نسیم کا بھی ایک خط تھا۔ اس نے لکھا تھا:۔

"آپ خیال فرماتے ہونگے کہ میں نے قصداً آپ کو زحمت انتظار میں مبتلا رکھا، حالانکہ آپ چاہتے، تو یہ بھی سمجھ سکتے تھے کہ ممکن ہے کوئی مجبوری ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ میں نے لکھنؤ جاکر اپنے اوپر بڑا ظلم کیا۔ ملنے سے پہلے تو میں اپنے دل و دماغ کو دھوکہ دے بھی سکتی تھی، لیکن اب کہ آپکی محبتوں اور غیر معمولی قربانیوں کے گہرے نقوش اک تسلیم شدہ حقیقت کی صورت اختیار کر چکے ہیں، باوجود کوشش کے بھی آپکی ہستی کو اپنے سے جدا نہیں سمجھ سکتی۔

اس درمیان میں ایک سخت آزمائش کا سامنا ہوا۔ میرے والد ہر چند بہت روشن خیال ہیں، تاہم ابھی ان میں

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا عطر حنا خاص ہر کیف سے بہتا ہے

بہت سے آثار قدامت کے پائے جاتے ہین اور شادی کے متعلق ان کے اصول مجھ سے کچھ مختلف ہین انکے نزدیک زندگی کی حقیقی راحت عبارت ہے صرف دولت و امارت سے اور میرے ہان صرف محبت و صداقت سے عرصہ سے وہ میری شادی کی فکر کر رہے ہین. حال ہی مین ایک پیغام صوبۂ بہار کے ایک ایسے شخص کی طرف سے آیا جو میرے والد کے ذوق کے مطابق تھا یعنی وہ حضرت کونسل کے ممبر ہین، بیرسٹر ہین، لاکھون کی جائداد رکھتے ہین اور خاندانی ہین ۔

مجھ سے ذکر آیا تو مین خاموش ہوگئی ۔لیکن مین نے یہ محسوس کرکے کہ مبادا وہ میری خاموشی کو رضا مندی سمجھ لین، مین نے انسے کہا کہ فی الحال اس مسئلہ کو ملتوی کر دیا جائے، کیونکہ میری صحت ابھی اچھی نہین ہے اور مین کوئی فیصلہ نہین کر سکتی، لیکن اسکو معقول عذر تسلیم نہین کیا گیا اور مجھ پر زور دیا جا رہا ہے کہ جلدی راضی ہو جاؤن ۔

اس مین شک نہین کہ عام نقطۂ نظر سے یہ بہترین پیغام ہے، لیکن میرے لیے وہ بالکل بیکار ہے اور ایک لمحہ کیلئے بھی اپنے آپ کو مین اسکے قبول کرنے کیلئے آمادہ نہین پاتی ۔ بہرحال مین نے بڑی کوشش سے چند ماہ کیلئے اسکو ٹالدیا ہے اور آئندہ مہینے کشمیر کا عزم کرتی ہون، بہانہ تبدیل آب و ہوا کا ہے لیکن مدعا یہ ہے کہ آپکی معیت حاصل ہو جائے اور اگر مناسب ہو تو مین وہ مسئلہ بھی طے ہو جائے جس کیلئے آپ مصر ہین اور مین بیتاب اگر آپ نہ جا سکین تو مجھے اطلاع دیجئے تاکہ بجائے کشمیر کے کسی اور جگہ چلی جاؤن، کیونکہ میرا یہاں سے چند دن کیلئے باہر چلا جانا ضروری ہے اور اگر آپ آمادہ ہون تو لکھئے کہ کس تاریخ تک آپ طیار ہو سکین گے، تاکہ مین اسی دن لکھنؤ پہونچ جاؤن ۔ آپکی "نسیم"

اس خط کے مطالعہ کے بعد جو حالت رشید کی ہونی چاہیئے، اسکا اندازہ مشکل ہے ۔ایک طرف تو جذبۂ رشک کہ نسیم کا خواہان ایک اور گیا جو مالی حالت اور ذاتی وجاہت کے لحاظ سے کہین اس سے زیادہ ہے، دوسری طرف مالی مشکلات جن کے دور کرنیکی کوئی تدبیر نظر نہ آتی تھی، پھر سوال کشمیر جانے کا جسکے لئے کم از کم دو تین ہزار روپیہ کی ضرورت تھی ۔کشمیر کے سفر کا ٹالدینا اسسے زیادہ مشکل تھا کہ اسپر ساری امیدون کی کامیابی کا انحصار تھا ۔ وہ دیر تک سلگتا رہا اور سوچتا رہا کہ اسے کیا کرنا چاہیئے آخر کار اسنے فیصلہ کیا کہ کشمیر کا جانا ضروری ہے اور اسکے لئے سب سے پہلے روپیہ کی فکر کرنی چاہیئے ۔ ممکن تھا کہ وہ اپنے احباب وغیرہ سے کچھ روپیہ قرض لے سکتا، لیکن اسے ضرورت ایک بڑی رقم کی تھی اسلئے وہ فوراً آگرہ روانہ ہو گیا اور وہان اپنے مکان سکونہ کو دس ہزار مین ایک سندھی داہل حملہ کے پاس رہن کرکے چوتھے دن لکھنؤ واپس آگیا اور نسیم کو تار دیدیا کہ "مین فلان تاریخ آپکا انتظار کرونگا"

(باقی) نیاز فتحپوری

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا کارخانہ ۹۶ سال سے جاری ہے

ہند و مسلمانون کے دور حکومتین

مسلمان سلاطین ہند کے دور حکومت مین ہندؤن کی قطعی و مذہبی آزادی اور ملک کے انتظامی محکمون مین انکی اکثریت کی داستان اگرچہ بہت طویل ہے مگر اسی کے ساتھ ساتھ پر از معلومات اور دلچسپ بھی ہے آج نہ صرف ہند و بلکہ یورپین مورخین بھی اہل اسلام کی بدنامی اور گزشتہ کارنامون پر جہالت و گمنامی کا پردہ ڈالنے کی فکر مین نہایت بیباکی اور ناجائز جرأت سے کام لے رہے ہین، قوم کی ادنیٰ محفل سیاسی ڈرامون اور شب و روز کے پبلک جلسون مین غرضکہ ہر جگہ ہمارے قدیمی خصائل حسنہ اور شاہان اسلام کے علمی و سیاسی فیوض و برکات اور اسلام کے تمدنی اثرات پر حملہ کرکے تاریخ کے ان واقعات اور حقائق سے عمداً انکار کیا جارہا ہے جو روز روشن کی طرح ہر خاص و عام پر ظاہر ہین کبھی ہم پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ ہم نے مذہبی تعصب مین آکر بت شکنی اور انہدام معابد کو اپنا خاص مطمح نظر بنا لیا، اہل ہنود کی مذہبی آزادی کو سلب کر لیا اور انتظام مملکت مین ہندؤن کو کوئی حصہ نہ دیا، غرضکہ کوئی ایسا وحشت انگیز واقعہ نہین جو مسلمانون کی طرف منسوب نہ کیا جاتا ہو۔ ہم اس مسئلہ پر مفصل بحث کرکے یہ دکھلانا چاہتے ہین کہ انکے اعتراضات کہانتک معیار صحت پر پورے اتر سکتے ہین اور اہل ہند کی طرز معاشرت انکے اخلاق و علمی مذاق پر اسلامی تمدن کا کسقدر اچھا اور خوشگوار اثر پڑا؟ اور اس حیثیت سے ہندوستان کی قدیم تہذیب مسلمانون کی کہان تک منت پذیر ہے، میرے خیال مین صحیح اور سچے واقعات و اسرار کے منہ سخن تک پہونچنے مین زیادہ تر تنگ دلی اور تعصب مذہبی کے علاوہ جو شے مانع ہوتی ہے وہ موجودہ زمانہ کی ان تاریخی کتابون کا وجود ہے جو برٹش گورنمنٹ کے اہتمام مین شائع ہو رہی ہین اور جن تک عوام الناس کے ایک بہت بڑے طبقہ کی نگاہین محدود ہوکر رہ جاتی ہین لیکن حقائق آشنا ارباب اور نکتہ رس نگاہون کو اسکا خوب احساس ہے کہ ان فرضی افسانون مین اصلیت اور حقیقت کی جھلک کہان تک نمایان ہے اور وہ داستانین جنکو ہم آئے دن ایک خود فراموشانہ محویت اور استغراق کے ساتھ پڑھ لیا کرتے ہین وہ پایۂ اعتبار سے کس حد تک ساقط ہین اس موقع پر جبکہ ہم ایک مسئلہ کی تحقیق کے لئے نکلے ہین اور ہماری نگاہین بار بار گرد و پیش کے واقعات، تغیرات دہر اور انقلابات زمانہ پر پڑ رہی ہین علمی حیثیت سے ہمارا یہ فرض ہو کہ تعصب قومی کو ترک کرتے ہوئے واقعیت اور حقیقت کے چہرہ سے پردۂ جہالت کو چاک کرنے کی کوشش کرین اور تھوڑی دیر کیلئے باہمی مخاصمت اور بغض و عناد کو نظر انداز کرکے جو تجربۂ آئین مردت پروری اور انصاف کے سراسر خلاف و منافی ہے، صحابۂ کرام کے زمانہ مین ایران و خراسان کے فتح ہو جانے کے بعد اگرچہ اہل عرب کا کاروان تجارت ہندوستان کے مغربی ساحل پر برابر آتا رہتا تھا مگر سیاست و حکمرانی کے لحاظ سے عربون کو ہندوستان سے کچھ تعلق و ربط نہ تھا، لیکن زمانہ کی مساعدت اور تائید آسمانی کی بہم امداد و چارہ جوئی نے اہل اسلام کی عالمگیر تاخت و ترقی اور حکمرانی کی شہرت مین چار چاند لگا دیئے اسلامی رقبہ کی وسعت انتہا کو پہونچ گئی قتیبہ بن مسلم باہلی، اسلم بن عبد الملک، موسیٰ بن نصیر اور محمد بن قاسم ثقفی جیسے اسلام کے نامور بہادر سپہ سالارون نے ایک عالم کو زیر و زبر کر دیا، اناطولیہ کے مختلف و پارہ افقرہ شمالی افریقہ اندلس، مرو، بخارا، اور سندھ کا ایک بہت بڑا حصہ اسلامی حکومت کے تحت مین آگیا، محمد قاسم کو مشہور اموی خلیفہ ولید بن عبد الملک کے

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا عطر حنا خاص ترکیب سے بنتا ہے

پر اس دور حکومت مین حملہ آور ہونے کا فخر حاصل ہوا، یہ اہم واقعہ جیسا کہ بے کم و کاست تاریخون مین مذکور ہے یہ ہے کہ سراندیپ کے راجہ نے وقتی ضرورت کی بنا پر جزیرہ کے یتیم اور بے خانمان مسلم عورتون اور بچون کو کچھ تحفہ و تحائف دیکر حجاج گورنر عراق کے پاس بھیجنا چاہا، جہاز جب سندھ کے ساحل پر پہونچا ہے موجودہ حکومت کی بدترتیبی اور بدنظمی کے باعث شاہی سپاہیون نے دست درازی کی جرأت کی اور سارے مال و متاع و اسباب معیشت کو ضبط کرلیا، اس وحشتناک خبر کی اطلاع جسوقت حجاج بن یوسف ثقفی کے پاس پہنچی، اسنے راجہ داہر والی سندھ کی خدمت مین کئی عرضداشتین روانہ کین مگر یہ ساری کارروائی بے سود اور لاحاصل رہی، بالآخر حجاج نے دربار خلافت کے ایماء سے اپنے عزیز محمد قاسم کو ایک لشکر دیکر راجہ داہر سے انتقام لینے کیلئے روانہ کیا، عربون کی اس تھوڑی فوج نے ۹۳ھ مین راجہ کو شکست فاش دیدی، راجہ مارا گیا اور ایک قلیل مدت مین برہمن آباد اور ملتان عربی علم کے نیچے آگئے، سرکش اور متمرد قون نے اطاعت و انقیاد کو پسند کیا لیکن ملک سندھ کی ساری تاریخ پڑھ جانے کے بعد آپکو یہ کہین نظر نہ آئیگا کہ اس عربی سپہ سالار نے کوئی ایسی بیجا حرکت کی ہو جو اصول سادات و شنشاہیت کے خلاف ہو، اسمین کوئی شک نہین کہ دوران جنگ مین کہین کہین انہدام معابد کے واقعات رونما ہو گئے مگر یہ ویسا ہی ہے جیسا کہ آج انتہائی عروج و ترقی کے زمانہ مین متمدن سے متمدن قوم کا بحالت جنگ دستور العمل ہو رہا ہے، اگرچہ اضطراری حالت مین محمد قاسم کو ان افعال قبیحہ سے دوچار ہونا پڑا مگر اسکے بعد اس نے اپنی اس غلطی کا فراخدلی اور خندہ پیشانی کے ساتھ ازالہ بھی کر دیا چنانچہ ملک کے مسمار شدہ مندرون کی تعمیر کی برہمنون کو عام اجازت دیدی[1]، سندھ کے قدیم راجاؤن کے زمانہ سے یہ دستور چلا آتا تھا کہ ملک کے محاصل سے نی صدی تین روپیہ مندرون کی تعمیر اور برہمنون اور پوجاریون کے مصرف ذاتی کے واسطے شاہی خزانہ سے جدا کرلیا جاتا تھا، اسکی وجہ سے ملک مین نئی نئی عبادت گاہین تعمیر ہوتی تھین اور برہمنون اور پنڈتون کو کتاب معاش اور طلب رزق کی جانب سے بالکل بےفکر اور اطمینان ہوتا تھا محمد قاسم نے بھی اس اصول کو جاری رکھکر سندھ کے قدیم شاہانہ ہندو کی تقلید اور اتباع کی چنانچہ اسکی وجہ سے ایک کثیر آمدنی جمع ہوگئی اور مسمار شدہ مندرون کی تعمیر مین اس سے خاص امداد و اعانت ملی، کیا یہ اسلام کی شرافت رعیت پروری اور بے تعصبی کی مثال نہین؟ محمد قاسم نے برہمنون کی حفاظت کا ذمہ لیا اور اعلان عام کے ذریعہ پبلک کو متنبہ کر دیا کہ انکے معابد اور مذہبی مقامات کی ویسی ہی حفاظت کیجائیگی جیسا کہ آج شام و عراق مین یہودیون اور عیسائیون کے معابد اور مجوسیون کے آتشکدون کی کیجاتی ہے، فاتح اور مفتوح قوم کے درمیان جو شے مایۂ شرافت انسانی اور کرم و عدل گستری کی بہترین مثال قائم کیجاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ بادشاہ اپنی رعیت کو ہر قسم کے حقوق عطا کرے اور اسکے بہترین اور قابل افراد کو مناصب جلیلہ پر سرفراز و ممتاز کرے، محمد قاسم نے اس اصول جہانبانی پر جسطرح عمل کرکے دنیا کو دکھلا دیا اسکی نظیر غالباً آپکو غوری غلاطجی اور تغلق خاندان کے امراء و سلاطین کے صحیفۂ حیات مین بھی نہین ملسکتی، قبضۂ سندھ کے بعد عربون کو ملکی تنظیم و تنسیق کی حاجت پڑی اور انہون نے نہایت شد و مد کے ساتھ برہمنون کو چنیر انہین کا معتمد و اعتماد دہتا ملک کے مختلف عہدہ و منصب مقرر کرنا شروع کر دیا، محمد قاسم نے ایک اعلان کے ذریعہ انکو مطلع کیا کہ ملک کے مشہور مقابل افراد سے مجھے آگاہی ہونا چاہیئے تاکہ مین انہین حکومت کے کامون مین لگاؤن اور ملک کا سارا انتظام انکے ہاتھ مین دیدون،

[1] تاریخ ہند الیوٹ جلد اول

ہندوستانی عطریات کا سب سے بڑا کارخانہ اصغری محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا ہے

اعلان مین یہ بھی تھا کہ یہ عہدے جو انھین دیے جائین گے ان سے چھین کر پھر ہرگز کسی دوسرے کو سپرد نہ کئے جائین گے اس اعلان پر جس سختی کے ساتھ عمل کیا گیا اسکی تفصیل آگے آتی ہے برہمن آباد صوبہ سندھ کا ایک نہایت اور متبرک شہر تھا جسوقت وہ مسلمانون کے ہاتھ آیا تو محمد قاسم نے وہان کا سارا انتظام برہمن شرفا کے اختیار مین دیدیا اور قایل اور جاندیدہ اشخاص کو مجلس شوریٰ کا ممبر مقرر کیا، ملک کے وصول مالگزاری کے محکمون مین چونکہ حساب دانی کی ازبس ضرورت تھی اور اہل عرب اس سے ناواقف تھے اسلئے یہ سارا محکمہ قریب قریب برہمنون ہی کے ہاتھ مین تھا قبول اسلام کیلئے محمد قاسم نے کبھی بھی جبر و اکراہ سے کام نہین لینا پسند نہ کیا، پنج وقتون مین سے شلاً شہ رمضان وغیرہ جنہین ہند کی توسیت کے مطابق برہمنون کے مقابلہ مین نہایت حقارت آمیز نگاہون سے دیکھا جاتا تھا وہ اسلام کی مساوات، حریت کو دیکھکر کثرت سے اسلام لائے اور عربی لشکریون مین بھرتی ہوکر بلاد اسلامیہ کے اکثر حصون مین سکونت پذیر ہوگئے، بہت سے نومسلم جو شام و عراق مین جاکر آباد ہوئے انمین سے بعض ایسے بھی گزرے ہین جو اپنے وقت کے فن رجال و حدیث کے امام تھے بعضون نے عربی شاعری مین کمال پیدا کیا چنانچہ ابو عطا سندھی سندھ کا ایک مشہور شاعر گزرا ہے جسکے چند اشعار ابو تمام نے حماسہ مین درج کئے ہین، چنانچہ وہ یہ ہین،

الا ان عینا لم تجد یوم واسط	علیک بجاری دمعها لجمود
عشیة قام الناعیات فشققت	جیوب بایدی ماتم وخدود
فانک لم تبعد علی متهید	بلی کل من تحت التراب بعید

دیار سندھ کے امراے ہنود نے خلیفہ عمر بن عبد العزیز کی دعوت پر اسلام قبول کیا جنمین جیشیا اور جے سیہ خاص شہرت رکھتے ہین، تبدیل مذہب کی غرض سے انپر کوئی دباؤ نہین ڈالا گیا بلکہ یہ انکی اس فطرت سلیمہ اور عقل و دانش کا اقتضا تھا جو توفیق ایزدی سے انکے حصہ مین آئی۔

عربون نے سندھیون کے قدیمی قانون کی حفاظت مین کچھ کوتاہی نہین کی، راجہ داہر کے زمانہ سے یہ قانون چلا آتا تھا کہ بہانہ کے جاٹون کو اسپ سواری اور ریشمی لباس زیب بدن کرنیکی سخت ممانعت کردی گئی تھی، محمد قاسم نے بھی اس اصول کو باوجود اسکے کہ اسلام مساوات کا عام حکم دیتا ہے محض سند و شرفا اور امرا کی خاطر برقرار رکھا، سندھ مین ہندوؤنکی اقتصادی و مالی حالت قریب قریب ابتری کو پہونچ چکی تھی، ساحلی مقامات پر قزاقون اور حملہ آورون کی شورش و ہنگامہ خیزی نے بحری تجارت اور اسکی فروغ کو سخت صدمہ پہونچایا تھا، حکومت اس فتنہ کے انسداد سے جیسا کہ تاریخ شہادت دیتی ہے بالکل عاجز تھی، فوج کا کچھ باقاعدہ انتظام نہ تھا، نہ انکے لئے عمدہ تفریحی مقامات تھے جس سے انکی صحت جسمانی برقرار رہتی، نہ قلعے تھے، نہ فوجی چھاؤنیان تھین، نہ عمدہ تجارتی شہر و قصبات آباد تھے جس سے انکے طرز حکومت و سیاست مدن اور تمدن و شائستگی کا پتہ لگایا جاسکتا، وحشت و بربریت کے آثار ہر جگہ نمودار تھے کوئی ایسا نظام موجود نہ تھا جس سے قومی تنظیم مین اعانت ملتی، لیکن مسلمانون نے سندھ کی تجارت کو بہت فروغ دیا چنانچہ تھوڑی مدت مین بری و بحری تجارت کا دروازہ کھل گیا، خراسان، زابلستان، سیستان، اور کابل سے بیشمار کاروان

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا تار کا پتہ صرف حنا کافی ہے

تجارت سندھ مین آنے لگے، اسکی وجہ سے ہندؤن کی اقتصادی حالت مین بہ نسبت پہلے کے ایک انقلاب عظیم پیدا ہوگیا ابن خرداذبہ مشہور عباسی وزیر اعظم نے اپنی کتاب مین سندھ کا ذکر کیا ہے وہ لکھتا ہے سندھ مین جہان روس افرنقیہ اور یورپ کے کاروان تجارت برابر آتے تھے بری و بحری تجارت کا بازار ہمیشہ گرم رہتا تھا مختلف چیزین جنکا پہلے سندھ مین وجود تک نہ تھا اب بکثرت بازارون مین دستیاب ہونے لگین [1]

ابن حوقل و اصطخری کا جغرافیہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دوصدی کی عربی حکومت نے سندھ کی حالت بالکل بدلدی فی، قندابیل، جندور، الور، شروسان، نیرون، قصدار، تجارت کے خاص مقامات تھے جہان فوجی چھاؤنیان، شاہی دفاتر، عدالت اور شفاخانے بنے ہوئے تھے، ہندؤن کے باہمی مناقشات طے کرنیکے لئے ملک کے گوشون مین پنچایتین مقرر تھین، ان تمام باتون سے بخوبی معلوم کیا جاسکتا ہے کہ محمد قاسم کے زمانہ مین مذہبی آزادی، رعیت پروری اور عدالت گستری کا کسقدر اعلیٰ اور بہتر انتظام کیا گیا تھا، محمد قاسم کے مرجانے کے بعد اگرچہ عالم اسلامی مین بہت کچھ انقلابات رونما ہوئے اور ابومسلم خراسانی کی امداد و اعانت سے بنی عباس بنی امیہ پر غالب ہوگئے، لیکن پھر بھی خلیفہ المقتدر باللہ کے زمانہ تک عربونکا تعلق سندھ سے بہت کچھ باقی رہا، متعدد امراء و عمال سندھ مین بھیجے گئے، اور انہون نے بھی آخر وقت تک محمد قاسم کے قائم کردہ اصول کو دستور العمل بنانا اپنا فرض منصبی خیال کیا، اسکے بعد شہنشاہ اکبر کے زمانہ تک ملک سندھ مین مختلف خاندان مثلاً جام، چوپان، سمہ، ارغون اور ترخان کے امراء خود مختارانہ حکومت کرتے رہے مگر انکی حالت کو قیام و استقلال حاصل نہ تھا، اسوجہ سے یہ پتہ لگانا سخت دشوار ہے کہ انہون نے اپنون اور بیگانون کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ رکھا اور اصول جہان بانی کو کس حد تک نباہا، اسکے تقریباً پونے تین صدی بعد ہندوستان مین محمود غزنوی کی شمشیر بے پناہ چمکنے لگتی ہے بت توڑے جاتے ہین، عیاتل ہوتی ہے اور مندرون کے زوجواہر لوٹ لئے جاتے ہین، بادی النظر مین محمود کی یہ تمام حرکتین ایک فاتح کی شان کے بالکل خلاف نظر آتی ہین، یہی وجہ ہے کہ مخالفین کی طرف سے محمود پر تعصب مذہبی کا الزام رکھا جاتا ہے، لیکن عدل و انصاف کا یہ اقتضا ہین کہ دنیا کی کسی شے پر فقط ایک نگاہ غلط انداز ڈالکر اسکے حسن و قبح کے متعلق قطعی فیصلہ کردیا جائے، واقعہ اور نفس الامر یہ ہے کہ دنیا مین اس قسم کے جتنے فاتحین گزرے ہین اور جنہون نے اقوام مفتوحہ پر اس قسم کے مظالم ڈھائے ہین انکا اصل مقصد دولت و ثروت کو حاصل کرنا تھا، تعصب مذہبی سے انھین کچھ سروکار نہ تھا مگر بعض وقت اُسکے سلسلے مین وہ اس قسم کا کام کرتے تھے جس سے کمزور اقوام کے مذہبی جذبات کو سخت ٹھیس لگتی تھی، یورپ جو آج تہذیب و تمدن کا مدعی ہے خود اس عالمگیر مرض مین گرفتار نظر آتا ہے اسکی تازہ مثال دیکھنے کیلئے جنگ عظیم کے عبرت انگیز واقعات کو بغور پڑھنا چاہئے، جرمنی نے ہوس عالمگیری اور جاہ پرستی مین خود اپنے ہم مذہب لجیم کے بیشمار گرجون اور عبادتگاہون کو صفحۂ ہستی سے ناپید کردیا، اور لاکھون انسان اور ذی روح ہستیون کو موت کے گھاٹ اتار دیا، لیکن کیا مین آپ سے پوچھ سکتا ہون کہ جرمنی کی یہ انسانیت سوز حرکتین تعصب مذہبی کی بنا پر تھین؟ کیا تاریخ اور حقائق کے لحاظ سے اسکا ثبوت پیش کیا جاسکتا ہے؟ جب دنیا کی مہذب سوسائٹی طمع پرستی اور

---

[1] کتاب المسالک والممالک صفحہ ۵۳ و ۵۴

کشت وخون سے اپنے آپ کو محفوظ نہ رکھ سکی تو پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ آج سے آٹھ صدی پیشتر جب تمدن بقول یورپ جہالت وگمنامی کے ظلمات میں بڑے ہوئے تھے اور تہذیب وشائستگی سے قطعاً ناآشنا تھے محمود وعلاء الدین ان اقوال قبیحہ کے دستبرد سے آزاد رہتے، واقعہ یہ ہے کہ مغلوں کی غارتگری اصلی محرک ہند کی تجارت ودولت کا فروغ تھا اور اکثر یہ مال ومتاع پوجاریوں کے ہاتھ مندروں میں اگر جمع ہوتا رہا چنانچہ پہلی آفت ان مندروں پر آکر گرتی تھی، یہ نہایت دعوے کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان کے مندر اور بت خانے اگر مساجد کی طرح زر وسیم سے خالی رہتے تو محمود شمالی ہند اور علاء الدین دکن پر کبھی حملہ آور نہ ہوتا، علاوہ برین اندام معابد مغلوں کی جنگی اسکیم کا ایک جزو تھا چنانچہ وسط ایشیا کی اسلامی حکومتوں کے ساتھ انھوں نے وہی برتاؤ کیا جو ہندوؤں کے ساتھ کچھ دنوں بعد پیش آنے والا تھا، غرضکہ محمود کا یہ حملہ اقتصادی طمع کی بنا پر تھا تعصب مذہبی کو اسکے مزاج میں کچھ دخل نہ تھا، اور اگر محض دنیاوی طمع وحرص پرستی کا محمود کو ملزم ٹھہرایا جاسکتا ہے تو پھر دنیا کا محمود جیسا فاتح اس الزام سے بری نہیں ہوسکتا پھر بھی محمود نے جو کچھ کیا بحالت جنگ کیا اس وآتشی کے زمانہ میں درندگی وبربریت کا کوئی واقعہ اسکی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا، حکومت کی حیثیت سے محمود کا تعلق ہندوستان کے ساتھ بہت ہی قلیل رہا مگر اس حالت میں وہ عدل وانصاف کا سچا پرستار دیکھا گیا مورخ البیرونی مشہور ہیئت دان عالم جو محمود کے ساتھ ہندوستان کی سیر کو نکلا تھا اس نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ محمود کے عہد میں امن وامان کا کافی دور دورہ تھا غیر اقوام کے ساتھ حتی الامکان انصاف سے کام لیا جاتا تھا، رعایا فارغ البال اور خوشحال تھی، محمود کے بعد اسکے بیٹے سلطان مسعود نے باپ کی قائم مقامی کی اسنے ہندو رعایا کے ساتھ بہت کچھ بہتر سلوک کیا جس سے اسکی رعیت پروری شرافت نفس کا کافی ثبوت ملتا ہے، اسکے زمانہ میں احمد نیال نگین ہندوستان کا سپہ سالار تھا یہ وزیر کی طمع نے اسے بنارس جیسے ہندوؤں کے متبرک شہر پر غارتگری کرنے پر آمادہ کر دیا سلطان نے اس موقع پر اسکی گوشمالی کیلئے جس شخص کو مقرر کیا اور اسکے بجائے جسکو سپہ سالار بنایا اسکی مثال آجتک ہندوستان میں نہیں پائی گئی، وہ تلک نامی ایک ہندو تھا جو قاضی ابوالحسن شیرازی جیسے استاذ فن کی فیض صحبت کا تربیت یافتہ تھا، اس نے احمد کو شکست دی اور اسکا سر کاٹکر دربار شاہی میں روانہ کیا سلطان تلک کی اس خدمت کا دل سے ممنون ہوا، اس واقعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کو ہندو رعایا کے مذہبی جذبات کی کسقدر پاسداری منظور تھی غوری خاندان کے بعد تخت دہلی پر غلام خلجی تغلق سید لودھی اور سور خاندان کے مختلف امراء وسلاطین نے کئی صدی تک نہایت کروفر کے ساتھ حکومت کی لیکن انکی حکومت ہمیشہ جنگی حالت پر رہی کبھی ایک حالت پر قیام نہ رہا، طوائف الملوکی اور خانہ جنگیوں سے کبھی فرصت نہ ملی پنجاب سر الفرد لائل صاحب لکھتے ہیں :-

جو فاتحین اسلام شمالی ہند میں شاہی خاندانوں کے بانی ہوئے یا جنہوں نے دکن میں اسلامی سلطنتیں قائم کیں انکو مذہب کی کچھ پروا نہ تھی، ان میں اکثر ایسے تھے جنکو تبلیغ مذہب کی مہلت نہ ملی کیونکہ یا تو ملک کے فتح کرنے میں انکا وقت صرف ہوگیا یا خانہ جنگیوں نے ان کو فرصت نہ دی، یہ مسلمان فاتح اکثر وحشی خلجی یا تاتاری ہوتے تھے پیغمبر عرب کے دین پر خود انکو استحکام نہ تھا اور وہ جوش اور ولولہ جو سام بن نوح کی اولاد کا خاصہ ہے اور جسکا نمونہ عرب کے برادران اسلام نے دکھایا ہے چھو بھی نہ گیا تھا، جو سلطنت انھوں نے قائم کی اسکی حیثیت ہمیشہ جنگی رہی ہے"

مگر باوجود ان باتوں کے اکثر دن کے عہد میں ملک سرسبز وشاداب رہا ہندو رعایا مذہبی رسوم کے ادا کرنے میں بالکل آزاد وخود مختار تھی، ان کے مذہبی جذبات کا ہر طرح لحاظ کیا جاتا تھا، اس موقع پر ہم اسکی چند مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں، خسرو خان جو سلطان مبارک کو قتل کر کے تخت دہلی پر بیٹھا

ہندوستانی عطریات کا سب سے بڑا کارخانہ اصغر علی محمد علی لکھنؤ کا ہے

تہا اس نے ہندؤن کے ساتھ بہت سی رعایتین کین، اسکا دربار ہمیشہ ہندو سپاہیون سے بھرا رہتا تہا، نجلی اور تغلق خاندان کے امرا و سلاطین کے عہد مین شاہی دفترون مین تقریباً مسلمان ہی کام کرتے تھے، اسکی وجہ یہ تھی کہ دفترون کی زبان فارسی تھی اور ہندو چونکہ اس سے قابل نہ تھے اس لئے قطعاً وہ اس سے محروم رہ جاتے تھے، لیکن سلطان سکندر لودھی نے ہندؤن کی جانب توجہ کی اور انہین فارسی عربی کی تعلیم دینی شروع کی، اس تدبیر سے چند دنون بعد ملک کے انتظامی محکمون مین ان کی کافی تعداد نظر آنے لگی بعض فارسی کے شاعر بن گئے اور دربار شاہی سے وظائف پانے لگے" شیر شاہ کے زمانہ مین خواہ ہندو ہون یا مسلمان سب امن و شانتی کی زندگی بسر کرتے تھے اور اگرچہ اسکے اکثر ایام زندگی جنگ و جدال مین بسر ہوگئے لیکن اپنے ملک کا جس حسن و خوبی کے ساتھ انتظام کیا تہا اسکو مدنظر رکھکر اسکی خداداد انتظامی قابلیت کی ستائش کرنی پڑتی ہے، اسکا عدل عوام مین شہرت پذیر ہے خود اسکا قول ہے کہ عدل تمام فضایل مین ایسا محمود ہے کہ وہ سب کو پسند ہے کوئی طاعت عدل کے برابر نہین ہوسکتی کفر و اسلام دونون عدل کے مستحق ہین اگر اسکا سایہ خلائق کے سر سے اٹھ جائے تو اسکی جمعیت کا سر شتہ ٹوٹ جائے، اسنے رفاہ عام کے سیکڑون کام کئے، پل و کنوئین بنوائین سرائے و اسپتال تعمیر کروائے، لیکن اسکی بے تعصبی اور عدل پروری کا جو مشہور واقعہ ہے وہ یہ ہے کہ شاہزادہ عادل خان جو شیر شاہ کا بڑا لڑکا تہا، وہ اگرہ کے ایک کوچے سے ہاتھی پر سوار ہوکر گزرا ایک ہندو قبال کی عورت برہنہ ہوکر اپنے مکان مین جسکی دیوارین پست تھین نہا رہی تہی شاہزادہ کی نظر اسپر پڑی تو وہ برافروختہ ہوا اور پان کا بیڑہ کھینچکر مارا، عورت کی طبع غیور نے اس بے عزتی کو جیتے جی پسند نہ کیا چنانچہ وہ خودکشی پر آمادہ ہوگئی، شوہر کو جب اسکا علم ہوا تو اس نے بدقت تمام بازار کہا، اور اس معاملہ کو دربار تک لیگیا، بخیرہ شاہزادہ کو فیصلہ کرنا تھا ہاتھی پر سوار ہوا اور شاہزادہ عادل کی بیگم سامنے آئے اور وہ اسے پان کے بیڑے کھینچکر مارے،

شاہزادہ کے خلاف اس قسم کا فیصلہ کرنا کچھ آسان کام نہ تہا مگر عدل و انصاف پرستی کا سچا جذبہ جو ہر ملک انسان کے دل مین موجود ہونا چاہیے وہ فضفت اولاد پر غالب آگیا دربار کے امرا نے یہ دیکھکر شاہزادہ کی بریت کیلئے اپنی انتہائی کوشش کا اظہار کیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا بالآخر خود بقال نے شاہزادہ کے قصور کو معاف کردیا اور ان تمام جگرؤن سے اسد ہا ہوئی اہل نظر نے بچشم بصیرت سے وانصاف کام لیکر شیر شاہ نے اس اہم موقعہ پر ایک غیر جانبدانہ فیصلہ کرکے جو اپنی شرافت نفس اور عدالت کا ثبوت مہیا کیا ہے اس سے اسکے دل مین ہندو رعایا کے مذہبی جذبات اور احساسات کی پاسداری کا یقین ثبوت نہین ملتا؟ پورپ جو آج اپنے انصاف و عدالت پر نازان ہے کیا اس منصفانہ فیصلہ کی کوئی مثال اپنی عدالت عالیہ کے تازہ اور قدیم نظائر مین پیش کرسکتا ہے؟ اگر نہین تو پھر یورپین مورخین اور وقائع نگارونکا سلاطین اسلام پر الزام رکھنا تعصب و عداوت سے کسی طرح خالی نہین ہوسکتا۔ غرضکہ ترک و افغانون کی مدتہائے دراز حکومت مین شاید ہی کسی حکمران کے ہاتھون ہندؤن کو تکلیف پہونچی ہو، التمش، رضیہ بیگم، غیاث الدین بلبن، ابراہیم، سکندر لودھی، نے غیر اقوام کے ساتھ اصول معدلت پر ہمیشہ کو آخری وقت تک نبہایا، اس مین کچھ شک نہین کہ بعض سلاطین کی طرف سے ہندؤن کو خاص شکایت ہے خصوصاً علاالدین خلجی سے کہ اس نے دکن کی ہندو ریاستونکو پامال و برباد کرنیکی کوئی صورت اٹھا نہ رکھی، بتون اور مندرون کو توڑ ڈالا اور ہندو راجاؤن سے کثیر تعداد مین مذہبی جواہر وصول کیا، لیکن ناظرین ذرا غور سے دیکھین تو اسکا بھی جو ایسے جرم محمود غزنوی کے ملا ہند کے اسباب بیان کرتے وقت دی آئے ہین یعنی اس حملہ کی اصلی علت مال و زر کی طمع اور دنیا پرستی کی انتہائی خواہش تھی اور یہ ایک عالمگیر مرض ہے جسکا ذالانسانی و سیاسی اور مذاہب کو

اصغر علی محمد علی کی ایک شاخ گلزار حوض حیدر آباد دکن مین ہے

بالکل باہر ہے، ہندوستان کی قدیم تاریخ کی کتابون سے پتہ چلتا ہے کہ علا "مین کا بدترین اور انسانیت سوز فعل حملہ چتور ہے، وہ یہ کہ بادشاہ پدمنی کے حسن وجمال کا واقعہ سنکر غائبانہ عشق ومحبت مین مبتلا ہوجاتا ہے اور اسکے دیکھنے کا مشتاق نظر آتا ہے، راجہ سے اسے دیکھنے کی اجازت طلب کرتا ہے راجپوتون کی غیرت قومی اس بدنامی کو جیتے جی پسند نہین کرتی، چنانچہ جنگ ہوتی ہے، راجپوت مارے جاتے ہین اور پدمنی معہ اپنی سہیلیون کے چتا مین گر کر خاک کا ایک ڈھیر بن جاتی ہے، لیکن تاریخی واقعات اور حقائق کی تحقیق کا آجتک دنیا مین جو دستور چلا آیا ہے اسکے لحاظ سے جب اس زمانہ کی معتبر اور صحیح تاریخ کو اٹھاکر دیکھا جاتا ہے تو اس مین سرے سے اس واقعہ کا وجود ہی نظر نہین آتا، تاریخ فیروز شاہی جو اس زمانہ کی تنہا اور صحیح تاریخ ہے وہ اس واقعہ سے بالکل خالی ہے، یہ دیکھکر کہنا پڑتا ہے کہ یہ ساری داستان ایک شاعرانہ افسانہ طرازی ہے جس مین اصلیت اور واقعیت کا ذرہ برابر نام نہین، بالفرض اگر ہم تھوڑی دیر کیلئے اس واقعہ کو تسلیم بھی کرلین تو شاہان اسلام کے مہتم بالشان مجاہدہ اور اوصاف کے مقابلہ مین اس کو کسی طرح اہمیت نہین دیجاسکتی، کہا جاتا ہے کہ محمد تغلق کے عہد مین سلطان کے مظالم نے رعایا کو ایک عام اضطراب وپریشانی مین ڈال رکھا تھا، لاکھون انسان جنگل وبیابان مین اسکی نگاہ ستم آلود کے شکار ہوگئے، ملک تباہ ہوا، اور امن عامہ مین کچھ ایسا خلل پیدا ہوا جس سے ایک مدت تک لوگون کے دلون سے خطرات دور نہ ہوسکے، دلون کا دروازہ کھل گیا اور نظام سیاست مین جسپر ملک استحکام وبقار کا انحصار ہے، اضمحلال وپراگندی کا دور شروع ہوا، واقعہ یہ ہے کہ یہ سب سلطان کی ہوس عالمگیری کا نتیجہ تھا جس سے سلطان کے دلین دور دراز کے ملکون کی فتح کا بیکا اک بیہودہ خیال پیدا ہوگیا تھا، مگر میرے خیال مین یہ ظلم وجفا یہ جور وتعدی محض ہندؤن کے ساتھ مخصر نہ تھا بلکہ ان پر بھی تھا جو اسکے ہم مذہب ومشرب تھے ان پر تھا جنہون نے اسے خلیفہ کا خطاب دے رکھا تھا اور ان پر بھی تھا جو اسلامی حیثیت سے اسکے عطار وکرم، شفقت ومہربانی کا بہ نسبت دوسرون کے اپنے کو زیادہ مستحق سمجھتے تھے،

محمد تغلق کے زمانہ مین جب فتنہ وفساد کی لہر ہر جگہ دوڑنے لگی تو امرائے دکن بھی سلطنت دہلی سے قطع تعلق کرکے خود مختار بن بیٹھے اور بہمنی کے نام سے دکن مین پایہ عظیم الشان حکومتون کی بنیاد ڈالی، دکن مین اول اول اسلامی سلطنتین ہندو راجاؤن سے برسرپیکار رہین فدیہ منفض وکینہ جو چند دنون کیلئے پژمردہ ہوگیا تھا پھر از سر نو تازہ ہوگیا لیکن استدا زمانہ کے بعد ہندؤن کے ساتھ مسلمانون کے معاندانہ برتاؤ کم ہوگئے اور انہون نے انکو کثرت کے ساتھ ملک کے انتظامی محکمون اور فوج مین داخل کرنا شروع کیا، چنانچہ فیروز شاہ بہمنی کے عہد حکومت مین ہندو کثرت سے امور ملکی پر قابض ہوگئے .....

..... ابراہیم عادل شاہ والی بیجاپور سے پیشتر جتنے حکمران گزرے انکے عہد مین شاہی دفتر مین کی زبان بالکل فارسی تھی ہندو چونکہ فارسی ادب اور عربی علم سے بالکل نابلد تھے اسلئے ان کے اختیارات محدود ہوکر رہ گئے اور گورنمنٹ کی نگاہ مین وقعت نہ حاصل کرسکے مگر ابراہیم عادل شاہ نے برہمنون کی حالت زار پر رحم کرکے شاہی دفترون سے فارسی نکالکر اسکے بجائے ہندی رائج کردی چنانچہ فرشتہ لکھتا ہے،

"دفتر فارسی برطرف ساختہ ہندوی کردہ بہاملہ را صاحب دخل گردانید"[۵۱]

---

[۵۱] تاریخ فرشتہ صفحہ ۲۷ جلد دوم،

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا کارخانہ ۱۲ سال سے جاری ہے

دکن میں مسلمانوں کے آخیر وقت تک وصول مالگزاری کے محکموں پر اکثر برہمن ہی حکومت کرتے رہے، اسی طرح احمد نگر کی عادل شاہی حکومت نے کثرت کے ساتھ مرہٹہ سرداروں کو بھرتی کرنا شروع کیا، سیواجی اور اسکے خاندان کے اکثر افراد کو ممتاز عہدے دیئے گئے چنانچہ عادل شاہی حکومت کی غفلت شعاری نے آخیر وقت میں سیواجی کا اسقدر اقتدار بڑھا دیا کہ مسلمانوں کی اس ناعاقبت اندیشانہ فیاضی و کرم گستری کا جو مآل بدہا دہ تاریخ کے صفحوں سے ہویدا ہے" کاشمیر میں مسلمانوں کا قیام کیفیت ایک حکمران قوم کے مدفون رہا ہے اور انہوں نے رعایا کی بہبود فلاح ملکی اور تمدن ترقی کے اسباب و ذرائع کی تلاش وجستجو میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، تاریخ اس بات کی عینی شہادت کیلئے موجود ہے کہ بجز دو ایک نازیبا واقعات کے جو ناگہانی طور پر پیش آگئے تھے کوئی ایسا واقعہ موجود نہیں جو مسلمان سلاطین کی ہمت افزا کوششوں کو رد کر دیتا ہو، سب سے زیادہ تعجب انگیز بات یہ ہے کہ مخالفین محض چند نامقبول التفات باتوں کو لیکر مسلمانوں کی طرف سے اپنے دلوں میں ایک سوئے ظن پیدا کر لیتے ہیں اور ان حالات اور ضروری واقعات کو قصداً فراموش کر دیتے ہیں جو اہل اسلام کی بہترین خصائل، صفات حمیدہ اور بے تعصبی کی اعلیٰ ترین مثال ہیں اسمیں شک نہیں کہ سلطان سکندر بت شکن کے عہد میں سربھٹ نامی وزیر کی بدخوئیوں اور سخت مزاجی نے کاشمیر کے ہندؤں پر ظالم کے پہاڑ گرائے ہیں مندر و مذہبی مقامات برباد کر دیئے گئے ہیں اور کثیر تعداد میں ہندو جلا وطن کر کے اپنے آبائی وطن سے نکال دیئے گئے مگر سلطان زین العابدین کشمیری نے سکندر کے عہد کی تمام بری رسمیں جو بدمستی سے ملک میں جاری ہو گئیں تھیں انکا ایک ایک کر کے انسداد کیا، برباد شدہ عمارتوں اور اجڑے ہوئے دیار کی اصلاح کی برہمن اور ہندو فضلا جو غریب الوطن ہو کر ہندوستان کے مہمان نواز مقامات پر جا بسے تھے انکو دور دور سے طلب کیا، جزیہ معاف کیا، گاؤ کشی کی قطعاً ممانعت کر دی اور تمام ہندوؤں کو بلا کر مذہبی آزادی کا اعلان کر دیا چنانچہ فارسی کے ایک مستند تذکرہ نویس کی شہادت ہے،

"ہندوان دیرا ہمہ کہ در عہد سلطان سکندر از تعدی سربھٹ جلا وطن شدہ بودند با وطان خود باز آمدند و در مقامات و معابد خود بر آسودند و سلطان از برہمنان عہد گرفت کہ آنچہ در کتاب ایشان سطور است خلاف آن نقل نکنند، بعد ازان آنچہ رسوم ایشان کہ قشقہ کشیدن و سوختن زنان (ستی) ہمراہ شوہران وغیرآں کہ سلطان سکندر برانداختہ بود ہمہ را از سر اجیار نمود و جرمانہ و پیشکش و سائر جیوب از رعایا معاف داشت و زندانیان عہد سابق را آزاد کرد" [1]

کیا ان حالات کے پڑھنے کے بعد یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا صفحہ صفحہ مظالم و ستم آرائیوں کی داستان سے لبریز ہے؟ تجربہ و احساس کی اگر دنیا میں کچھ وقعت ہے تو واقعات کے بار بار مطالعہ کرنے سے آپ دیکھ لیں گے کہ مسلمانوں نے غیر اقوام کی اخلاقی معاشرتی اور علمی اصلاح میں کس حد تک اپنی جانفشانیوں کا اظہار کیا ہے:

(بقیہ آئندہ) (محمد یوسف اعظمی متعلم ندوہ لکھنؤ)

---

[1] تذکرہ آثار رحیمی صفحہ ۲۰۹

ہندوستانی عطریات کا سب سے بڑا کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر لکھنؤ کا ہے

لارڈ ریپن کا عہد حکومت

(یہ سلسلہ ماہ فروری ۱۹۳۶ء)

(حیدرآباد)

"۲۸ - نومبر — علی الصباح حیدرآباد پہنچ گئے - سیمور کی کی گاڑی ہمارا انتظار کر رہی تھی - مسٹر کارڈری Cordery کا دعوت نامہ بھی ہمارا منتظر تھا جس میں ہمیں ریزیڈنسی میں قیام کرنے کی دعوت دی تھی - ہم نے دعوت نامہ اور گاڑی دونوں کو منظور کر لیا اور ایسا کرنے سے مجھے خوشی ہوئی کیونکہ جب ہم انگلستان میں تھے تو ہم نے کی Key اور ان کی بیوی کے ساتھ ٹھیرنے کا نصف وعدہ کر لیا تھا - بلاری میں بھی مجھے یہی مشورہ دیا گیا تھا کہ ہمیں ریزیڈنسی میں ٹھہرون اسلئے وہاں فرخ وکش رہنے سے حیدرآباد کے حکام سے واقفیت حاصل کرنے کا زیادہ موقع مل سکیگا -

"یہ نہایت شاندار مقام ہے - اسکی تعمیر ابتدائی صدی میں ہوئی تھی - نہایت خوبصورت اور آرامدہ ہے - ہم نے اس کا ایک حصہ اپنے لئے وقف کر لیا ہے اور ہماری رہائش کا انتظام اس سے بہتر نہیں ہو سکتا تھا - شام کو ہم کمی سے ملنے گئے ان کی پوزیشن حیدرآباد میں مشتبہ سی ہے - کئی مہاجن ہیں اور سر سالار جنگ کیلئے کئی طریقوں سے مفید کام انجام دے چکے ہیں - صوبجات برار کے بارے میں سیاسی دعاوی مرتب کرنے میں انہوں نے سر سالار کو قیمتی مدد دی تھی لیکن سابق ریزیڈنٹ سر رچرڈ میڈ Sir Richard Meade سے ان کا جھگڑا ہو گیا کیونکہ انہوں نے کھلم کھلا موخر الذکر پر رشوت لینے کا الزام لگایا تھا - شملہ کی گورنمنٹ ان سے خوار خائف ہے - مسٹر کارڈری نے رات کو جو ضیافت کی اسمیں کمی کو بھی مدعو کیا گیا تھا - ان کی موجودگی کے باعث سیاسی معاملات خود بخود زیر بحث آگئے" (نوٹ) کمی سالار جنگ سے تعلقات رکھنے کے باعث اس بے شرمانہ ظلم سے اچھی طرح واقف ہو گئے تھے جو گورنمنٹ ہند ان پر کرتی تھی اور اس واقفیت کو انہوں نے دیسی باشندوں کے مفاد میں صرف کرنے سے کبھی تامل نہیں کیا - اس وجہ سے کلکتہ کے دفتر خارجہ کی نظر میں وہ کانٹے کی طرح کھٹکتے رہے ۱۸۸۸ء میں وہ بہت سی دولت جمع کر کے انگلستان چلے گئے اور پارلیمنٹ کے ممبر بن گئے - میری ان سے ملاقات انگلستان میں ہوئی جبکہ انہوں نے "مصریوں کو خراب کرنے" کے عنوان سے ایک فاضلانہ رسالہ لکھا تھا -

"۲۹ - نومبر - مسٹر کارڈری کی عمر ۵۰ سال کی ہے اور وہ انڈین سول سروس کے چراغ سمجھے جاتے ہیں - شروع شروع میں وہ پیچھے رہے لیکن چونکہ میں نے اپنے خیالات صاف صاف بیان کر دئے ہیں اسلئے ان کا انداز بھی قدرتی ہو گیا ہے اور مجھے معلوم ہوتا ہے کہ وہ وسیع معلومات رکھتے ہیں اور کسی قدر سیر مذاق بھی ہیں اور یقیناً غیر معمولی معلوم ہوتے - یہ ظاہر ہے کہ یہاں ہم زیر نگرانی ہیں اور میرا خیال یہ ہے کہ ریزیڈنسی میں ہمیں رکھنے کا منشا یہی تھا کہ ہم ہر قسم کی شرارت کرنے سے محترز رہیں - بہرحال میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ خواہ میرے الفاظ حکام بالا تک ہی کیوں نہ پہنچائے جائیں میں ہر ملنے والے سے صفائی کے ساتھ بات چیت کرونگا - غالباً جو عرب ہیں اور یہاں سرکاری افسر ہیں، ریزیڈنسی کے منشی کی معیت میں ملنے کیلئے آئے - میرے خیال میں منشی ہماری گفتگو معلوم کرنے کی غرض سے بھیجا گیا تھا - لیکن ہم نے عربی میں گفتگو کی جو منشی کو بہت کم آتی ہے - ہم نے مصری معاملات اور عربی کے دوبارہ بحال ہونے کے امکانات پر گفتگو کی - غالب

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا تار کا پتہ صرف حنا کافی ہے

سلطان لاہج کے رشتہ دار ہین اور چند نسلون سے یہین مقیم ہین - عربی بولنے مین انہین تکلف ہوتا ہے -

" ان سے زیادہ دلچسپ لائق علی (نوجوان سالار جنگ) کی شخصیت تھی جنہین اپنے والد کا خطاب ملگیا ہے انکی عمر صرف ۲۲ سال کی ہے لیکن اپنے اوضاع واطوار سے بہترین تربیت یافتہ انگریز معلوم ہوتے ہین - ان کے قد کو دیکھکر ہمپیر بک Pembroke کی یاد گار تازہ ہوجاتی ہے ان کا خیال تہا کہ انگریزون نے مصر مین سخت غلطی کا ارتکاب کیا ہے - عربی کی واپسی کے خیال سے خوش ہوئے - مین نے شیخ جمال الدین کے تعارفی خط کا ذکر کیا جو نواب رسول یار خان کے نام تہا - انہون نے کہا کہ شیخ میرے والد کے بھی دوست رہ چکے ہین اور ایک مرتبہ انہون نے ہم دونون کی اور نواب موصوف کی دعوت بھی کی تھی تاکہ گفتگو زیادہ آزادی کے ساتھ ہوسکے - مجھے یہ نوجوان بہت ہی بھلا معلوم ہوتا ہے اور اسے دیکھکر مجھے اسکے والد سے انکی زندگی مین نہ ملنے کا رنج جاتا رہا - سر سالار جنگ ہماری حکومت کیلئے مجسمۂ ملامت تھے اور بقول لٹن Lytton ایک مستقل خطرہ - نوجوان سالار جنگ کو ہندوستانی آزادی کی تاریخ مین نمایان حصہ لینا چاہیئے -

ریزیڈنسی مین کارڈوری کے ساتھ ایک اور شخص سمی ٹریور Trevor بہت ہوشیار آدمی ہے اور انگلینڈ سول سروس کا اچھا نمونہ پیش کرتا ہے - اسکے ماتحت سیلویل ہے - ان دونون نے ابتدا مین مجھے شک و شبہ کی نظر سے دیکھا تہا - لیکن جب سے مین نے انسے یہ کہدیا ہے کہ جس سول سروس سے تمہارا تعلق ہے مین اسے بالکل موقوف کردئے جانے کی تمنا رکھتا ہون، اسوقت سے ہم دونون دوست ہوگئے ہین -

" نظام کے آتالیق میجر کلارک Clark ہمین ہاتھیون پر بٹہاکر شہر کی سیر کیلئے لیگئے - یہ شہر قاہرہ کی طرح نہایت خوشنما ہے اور مدراس کے مقابلہ مین بالکل پیرس کی شان دکھتا ہے - لوگون کے چہرہ سے آزادی کی خوشنما جھلک صاف دکھائی دیتی ہے - وہ بظاہر عرب معلوم ہوتے ہین - اکثر اہل نجد کی طرح اپنے ہاتھ مین تلوار رکھتے ہین - بازارون مین گاڑیون کے علاوہ اونٹ اور ہاتھی بہی چلتے پھرتے نظر آتے ہین - یہ ناممکن ہے کہ یہ لوگ انگریزی عہد حکومت کے پژمردہ شہرون سے کہین زیادہ خوش نہ ہون - اور مجھے تو اس بات کا یقین ہے کہ وہ زیادہ خوش ہین - ہم آج بشیر الدولہ کے محل مین گئے جسکی چھت پر سے جو نظارہ دیکھنے مین آتا ہے وہ دنیا کے عمدہ ترین نظارون مین ہے - اسکے بعد سر سالار جنگ کا تالاب دیکھنے کیلئے گئے - وہان سے فرانسیسی بارکون کی سیر کی -

" ۳۰ - نومبر صبح کا کھانا کھانے سے پیشتر ہم نظام کا عطبل دیکھنے گئے - ایک مین بدصورت دیو ہین اور دوسرے مین عربی گھوڑے موخر الذکر قدمین چھوٹے ہین اور معلوم ہوتا ہے کہ نجد مین پرورش پائی تھی - گھوڑون کا انتظام محمد علی بلٹ کے ہاتھ مین ہے جو ایرانی النسل ہین اور اچھے سوار ہین -

" القیطی (جس نے انگریزون کی مدد سے مقلا کی بادشاہت حاصل کی) کے بھائی اور سید علی بلگرامی سے بھی صحبت رہی موخر الذکر ان نفوس مین سے ہین جنہین عام رائے کو بیدار کرنے کی غرض سے حیدرآباد بلایا تہا - یہ یہان سول انجینیر ہین - انکے بھائی سید حسین سر سالار جنگ کے پرائیوٹ سیکریٹری تھے - انہون نے یہان کی پارٹیون کی حالت بیان کی - سالار جنگ کی وفات پر وزیر کے بیٹے لائق علی اور ہندو افسر پیشکار کو بطور کمیشن کے مقرر کردیا کیونکہ نظام نابالغ تھے - پیشکار معاملات سلطنت کی جانب بہت کم توجہ کرتے تھے اور نوجوان سالار جنگ کو

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا مال ناپسند ہو تو قیمت مع محصول واپس ہوسکتی ہے

حتی الامکان نظر انداز کرنے کے عادی تھے۔ سب سے زیادہ اثر ایک تیسرے افسر شمس الامرا کا تھا جو سر سالار جنگ کا دشمن تھا۔ معاملات سلطنت اس طرح سے دن بدن زیادہ خراب ہوتے گئے۔ ریزیڈنسی کی اس عرصہ میں یہی کوشش رہی کہ وہ بظاہر کرتی رہے کہ دیسی حکومت امن قائم رکھنے کے قابل نہیں ہے۔ سر سالار جنگ کے زمانہ میں ریاست حیدرآباد کی حالت اتنی ہی محفوظ و مضبوط تھی جتنی ہندوستان کے کسی اور حصہ کی ہو سکتی تھی۔

"۱۰ دسمبر۔ سالار جنگ کے ساتھ صبح کا کھانا کھایا۔ سالار جنگ کے ایک طرف میں بیٹھا اور دوسری جانب سید علی بلگرامی۔ ان سے مستقبل اسلام کے متعلق گفتگو ہوتی رہی۔ انہوں نے میری کتاب کا مطالعہ کیا تھا لیکن وہ بہت زیادہ مایوسی کا اظہار کر رہے تھے۔ اس بارے میں وہ میرے ہم خیال تھے کہ اگر ہم عربی اور جامعہ ازہر کے دوسرے روشن خیال اشخاص کا اقتدار مصر میں از سر نو قائم کرائیں تو ہندوستان میں اس کا اثر بے انتہا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ قسطنطنیہ کے بجائے مصر اور مکہ کی جانب ہماری نگاہیں زیادہ اٹھتی ہیں (سید علی شیعہ ہیں) لیکن ہم سب ہندوستان میں پست حالت میں ہیں۔ اصلاح کیلئے مذہبی بنیاد کی سخت ضرورت ہے۔ اسکے بعد انہوں نے حج کا ذکر کیا اور کہا کہ برٹش گورنمنٹ نے مجھ سے پوچھا ہے کہ اسکے انتظامات کو بہتر بنانے کیلئے کیا کرنا چاہئے۔ میں نے آپ کی کتاب کا حوالہ دیدیا ہے۔ شیعہ ہونے کی حیثیت سے انہیں سلطان المعظم سے کوئی عقیدت نہیں ہو سکتی۔ شیخ جمال الدین کے متعلق انہوں نے کہا کہ وہ سوشلسٹ ہیں اور اسقدر جوشیلے کہ ان سے کسی اصلاح کا کام نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے مہدی کا ذکر کیا اور کہا کہ میری دعا ہے کہ اسے کامیابی نصیب ہو۔ انہوں نے کہا کہ اگر اسے کامیابی ہوگئی تو چھٹی صدی ہجری کی عبداللہ کی تاریخ کا اعادہ ہو جائیگا۔

شام کو نواب رسول یار جنگ آئے۔ ازہر کے نمونہ کے عالم ہیں، روشن خیال، سوشلسٹ اور جمال الدین کے پرجوش مرید وہ انگریزی نہیں جانتے۔ مگر فارسی میں ماہر ہیں اور عربی سے بھی کسی قدر آشنا ہیں۔ ہم نے آخری زبان میں گفتگو کی۔ وہ کہتے ہیں کہ یہاں زیادہ تر لوگ سنی ہیں مگر سنیوں اور شیعوں کے درمیان کسی قسم کی رنجش نہیں پائی جاتی۔ عام لوگ دکن کے باہر کے واقعات سے نابلد ہیں لیکن انہیں مصری جنگ کا حال معلوم ہو گیا ہے اور وہ مہدی سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ لارڈ ریپن کے متعلق خود ان کی مطبوعات میں۔ وہ تھی ان کا خیال ہے کہ ہندوستان میں جمال الدین عیسیٰ شخص نہیں ملے گا۔ انہوں نے نہایت احترام کے ساتھ اپنی جیب میں سے افغانی شیخ کا خط نکالا۔ میں نے پوچھا کہ یہاں اسلامی اخبارات شائع ہوتے ہیں یا نہیں تو انہوں نے اسکا جواب نفی میں دیا مجھے یہ چھوٹا سا آدمی بہت اچھا معلوم ہوا۔ پیر کے دن آنے کا وعدہ کر گئے ہیں۔

"۲۰ دسمبر۔ اقبال الدولہ (وقار الامرا) آئے۔ یہ سالار جنگ کے بھانجے ہیں اور روشن خیال ہیں۔ اپنے بھائی خورشید جاہ کے مخالف ہیں جو قدامت پسند ہیں اور پیشکار کی پارٹی کی روح رواں ہیں۔ ریزیڈنسی بلاشبہ پیشکار کی جماعت کی حمایت کرتی ہے اسلئے کہ اصلاحات کے مخالفین کے ذریعہ کام کرنے میں انگریزوں کا فائدہ ہے۔ بعینہٖ یہی حالت مصر کی ہے۔ کارڈری ان تمام نوجوان مسلمانوں کو نکالنے کی کوشش کر رہا ہے جنہیں مرحوم سالار جنگ نے بلایا تھا۔ ان میں سب سے زیادہ قابل سید حسین بلگرامی ہیں۔ کارڈری نے انہیں صبح کے وقت بلایا اور کہا کہ جسقدر جلد ممکن ہو، حیدرآباد سے چلے جاؤ۔ ریزیڈنٹ کو جو مطلق العنان طاقت یہاں حاصل ہے، باہر والوں کو

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی ایک شاخ گلزار حوض حیدرآباد دکن میں ہے

اس کا شکل سے یقین آئیگا۔ اقبال اللہ دلاس چھوٹے سے سخ چہرے کے آدمی کارڈری سے بچے کی طرح تھر تھر کانپتے ہین۔ سید حسین تھر تھراتے تو نہین لیکن وہ حیدرآباد سے چلے جانے پر مجبور کئے جائین گے۔ آج ان کے اور ان کے بھائیون کے ساتھ چائے پی۔ مولوی چراغ علی بھی تھے جنھین پرانے خیال کے مسلمان "نیچری" کے لقب سے یاد کرتے ہین اسلئے کہ "مستقبل اسلام" مین جن سیاسی، معاشرتی اور مذہبی اصلاحات کا خاکہ کھینچا گیا ہے وہ ان کی تائید کرتے ہین۔ ان کا خیال یہ ہے کہ موجودہ سلطان المعظم اور خلیفۃ المسلمین ان کو عملی جامہ پہنائین۔ ان کی موجودہ رائے اسوجہ سے ہے کہ انہون نے قسطنطنیہ کی کبھی سیاحت نہین کی ورنہ انہین معلوم ہوجاتا کہ یہ توقع کسقدر ناامیدی سے بھری ہوئی ہے۔ ان نوجوانون سے انسان اسی آزادی سے گفتگو کرسکتا ہے جس آزادی کے ساتھ کسی انگریز سے گفتگو کیجا سکتی ہے اور مجھے یہ معلوم کرکے کچھ بھی اچنبھا نہین ہوا کہ کارڈری ان سے خائف رہتا ہے۔

"ہم نے میجر کلارک کے ساتھ کھانا کھایا۔ کارڈری انہین بھی نکالنے کی فکر مین ہین کیونکہ وہ آزاد آدمی ہین اور کلکتہ کے دفتر خارجہ کے مقابلہ مین نظام کے مفاد کا زیادہ خیال رکھتے ہین۔

"۳۔ دسمبر۔ سلطان نواز جنگ کے ساتھ کھانا کھایا۔ یہ شہر سکندرآباد کے سلطان ہین۔ حیدرآباد کے اکثر عرب لوگ عرب کے جنوب مشرقی ساحل سے آئے ہین انہون نے نہایت شان و شوکت کے ساتھ ہمارا استقبال کیا اور گاڑی کے ساتھ لانسرز کا ایک دستہ بھیجا۔ ان کا مکان شہر مین ہے اور خوشنما ہے۔ کھانا اچھا نہ تھا اسلئے کہ وہ اینگلو انڈین طرز کا تھا جس سے زیادہ بری اور کوئی چیز دنیا مین نہین ہوسکتی۔ عرب مین سلطان نواز العقیلی کے نام سے مشہور ہین وہان کچھ زیادہ نیک نام نہین ہین کیونکہ انہین موجودہ دولت اور سلطنت انگریزی وسیلہ سے روپیہ قرض دینے کے باعث ملی ہے۔ یہان بھی وہ روپیہ قرض دیتے ہین اور ریزیڈنسی کے آدمی کہتے ہین کہ حیدرآباد کے ذمہ ان کے ۳۰ لاکھ روپئے نکلتے ہین۔ وہ پشتیکار کی جماعت کے آدمی ہین اور آج کھانے کے موقع پر برطانوی حکومت سے اپنی وفاداری کا اظہار کررہے تھے۔ ایسا کرنا انہین زیب دیتا ہے کیونکہ انگریزی حکومت نے ان کے دوسرے دعویدار کو جلاوطن کرکے زنجبار بھیجدیا ہے۔ ان کی پرورش عرب مین نہین ہوئی اور اسلئے عربی بدقت بولتے ہین۔

"سہ پہر کو کارڈری ہمین گھوڑدوڑ مین لے گئے۔ وہان ہمین نظام کے حضور مین پیش کیا گیا۔ ان کی عمر ۱۶ برس کی ہے اور نہ راشرمیلے ہین۔ سالار جنگ جنکی عمر ۲۲ سال کی ہے اور قد چھ فٹ سے اونچا ہے، نہایت شان کے ساتھ ان کے برابر کھڑے تھے

"۴۔ دسمبر۔ مہین اکھاڑنے اور شہ سواری کی نمائش دیکھنے کیلئے گئے۔ وہان پشتیکار سے ملاقات ہوئی جنکی پیٹھ خمیدگی سے دوہری ہوگئی ہے۔ وہ باوجود سند دہونے کے عربی بول لیتے ہین۔ گھر آنے کے بعد مسٹر کلارک نے حیدرآباد کی سیاسیات کا دلچسپ حال بیان کیا۔ وہ کہتے ہین کہ نظام کا شرمیلا پن اور ڈرا ڈرا رہنا ایک واقعہ کی وجہ سے ہے جو زنان خانہ سے تعلق رکھتا ہے۔ پستول کے ساتھ کھیلتے ہوئے اتفاقاً کسی بچے کے گولی لگ گئی اور اب انہین یقین دلا دیا گیا ہے کہ انگریز ریزیڈنٹ اس حرکت کے باعث تمہین ہر وقت قید کرسکتا ہے۔ وہ میرے ساتھ بہت باتین کرتے ہین اور کہتے ہین کہ تخت پر بیٹھتے ہی مین تمام انتظام اپنے ہاتھ مین لے لونگا سالار جنگ سے انہین محبت ہے لیکن کارڈری سے خائف رہتے ہین جو خورشید جاہ کی حمایت مین ہے اور اسکے ایک لڑکے کو ہر وقت

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا عطر حنا خاص ترکیب سے بنتا ہے

اپنے ساتھ رکھتا ہے - کارڈوری بیجر کلارک سے اس لئے ناراض ہے کہ اس نے نارتھ برن ریلوے کی مخالفت کی ہے جسے گورنمنٹ ہند جنگی نقطۂ خیال سے ضروری تصور کرتی ہے - کارڈوری کلارک اور سر سالار مرحوم کے دوستوں کو نکال دینا چاہتا ہے تاکہ نوجوان سالار جنگ سید حسین بلگرامی جیسے قابل مشیروں سے محروم ہو جائے - اس پالیسی کا مقصد بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حیدرآبادی امرا کو دنیا کی تحریکوں کی خبر نہ ہو اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حکومت ہند دیدہ و دانستہ حیدرآباد کے خراب انتظام کو ترقی دینا چاہتی ہے - یعنی ہین کام مصرمین بھی کیا جا رہا ہے -

" ۵ - دسمبر - علی عبداللہ کے ساتھ صبح کا کھانا کھایا - سالار جنگ اور سید حسین بلگرامی بھی وہان موجود تھے - ہم نے مسئلہ شراب خواری پر بحث کی جسکا حیدرآباد کے مسلمانون مین عام رواج ہے - مین نے کہا کہ انگلستان مین ہم شرابی مسلمان کا احترام نہین کرتے اور اور ساتھ ہی ان سے یہ کہا کہ مصر مین بہت کم مسلمان شراب پیتے ہین اور عرب مین ایک بھی نہین پیتا - مین نے بمنت سید حسین سے کہا کہ سالار جنگ کو مشورہ دیجئے کہ جب لارڈ ڈفرین کلکتہ مین ہون تو ان سے یہان کی حالت من وعن بیان کرین -

" شیعی علماء کے مجتہد سید علی شوستری سے ملاقات کی - ان سے عربی مین بات چیت رہی - یہ بھی جمال الدین کے دوست ہین مگر انہین "متعصب" سمجھتے ہین - یہ پکے عراقی ہین اور مجھے اقرار کرنا پڑتا ہے کہ وہ مجھے کچھ بھی نہین جچے -

" وقار الامرا کے یہان کھانا کھایا - وہ آج کل ریزیڈنسی کے معتوب ہین اسلئے کہ ان کے اپنے بھائی خورشید جاہ سے اچھے تعلقات نہین - کارڈوری بھی ضیافت مین موجود تھے - بیجر گف Gough نے جو نظام کے آدمیون مین سے ہین، مجھ سے درخواست کی ہے کہ جب آپ لارڈ ڈفرین سے کلکتہ مین ملین تو سالار جنگ کی تائید مین جو کچھ کہہ سکین کہین -

" ۷ - دسمبر - مسلم اسکول کے ایک استاد ملنے کے لئے آئے - کہتے تھے کہ مسلمان حالت سکون مین نہین ہین انہین بالکل خبر نہین کہ بیرونی دنیا مین کیا ہو رہا ہے - انہین علم اور تعلیم کی ضرورت ہے - ان کیلئے مدارس تو ہین لیکن اعلےٰ تعلیم کا کوئی انتظام نہین ہے - ان کا بہترین وزیر سر سالار جنگ تھا لیکن ان کا انتقال ہو گیا ہے - موجودہ افسر انگریزون کے ہاتھ مین کٹھ پتلی بنے ہوئے ہین اور سر سالار جنگ کے بہترین کاموں کو بگاڑنے کی کوشش کر رہے ہین - مرحوم سر سالار جنگ کے صاحبزادے چونکہ سیر و سیاحت کر چکے ہین اسلئے وہ بھی بہت روشن خیال ہین - مین نے خورشید جاہ کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا کہ حکومت دو تین جاہل آدمیونکے ہاتھ مین ہے - قابل آدمیون کو ریاست سے نکالا جا رہا ہے - مسلم ٹیچر کے ساتھ ایک ایرانی بھی تھا - دونون یہ سنکر بیحد خوش ہوئے کہ اپنی قران شریف کو تین مرتبہ ختم کر چکی ہے - یہ پرانے خیال کا مسلمان بظاہر دل سے انگریزون کو نفرت کی نظر سے دیکھتا ہے مگر اسکے خیالات کا مجھ پر خاص اثر ہوا - حیدرآباد کے مسلمان خواہ وہ شیعہ ہون یا سنی، اصلاحات کیلئے بالکل تیار ہین - چراغ علی سے بھی انکی کتاب کے متعلق گفتگو رہی - انہون نے اپنی کتاب مین جو کچھ لکھا ہے اس سے قاہرہ کا ہر روشن خیال عالم اتفاق کر سکتا ہے - مین نے ان سے کہدیا ہے کہ اگر آپ اصلاحات کے نفاذ کیلئے قسطنطنیہ پر اعتماد کرین گے تو فضول کام کرینگے -

" سالار جنگ نے اپنی سے وعدہ کیا ہے کہ مین اپنے والد کی تمام خط و کتابت آپ کے سپرد کر دونگا - ہمین بھی اقرار

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا عطر خاص ترکیب سے بنتا ہے

کے دن کھانے پر بلایا ہے تاکہ ملاقات اطمینان کے ساتھ ہوسکے۔ وہ پورے طور پر مجھ سے مشورہ کرنا چاہتے ہیں۔ بڑی بڑی ضیافتوں میں جب تک تم پاس نہ بیٹھو تم کسی شخص سے گفتگو نہیں کرسکتے۔ خواہ یورپین موجود ہوں یا نہ ہوں ہر شخص خائف رہتا ہے کہ کہیں رزیڈنسی کے ملازم اسکی بات نہ سن لیں۔ سید علی شوستری اور رسول یار خان بھی موجود تھے اور چونکہ ہماری گفتگو عربی میں ہو رہی تھی اسلئے ہمیں کسی قسم کا اندیشہ نہ تھا۔ شوستری کا خیال ہے کہ ہند و موجودہ نظام حکومت سے خوش اور مسلمان سخت ناراض ہیں۔ پیشکار نے بھی ہماری دعوت کی ہے لیکن اسوقت تک ہم حیدرآباد سے جا چکیں گے۔

"۸۔ دسمبر۔ سید عبداللہ مکی سے بھی ملاقات ہوئی۔ یہ سوداگر ہے۔ اس نے ترکوں کے خلاف شریف مکہ عبدالمطلب کی بغاوتوں کا حال بیان کیا۔ وہ کہتا ہے کہ شریف عربوں کو ترکوں کی طرف سے اسلئے بھڑکاتے رہتے ہیں کہ کہیں وہ ترکوں سے نہ مل جائیں۔ آخر عمر میں عبدالمطلب افیون کا عادی ہو گیا تھا اسلئے اپنے عہدہ سے برطرف کر دیا گیا۔

"اسی عرب نے حیدرآباد کی سیاسیات پر بھی روشنی ڈالی۔ سالار جنگ مرحوم کا نہایت مداح ہے جو خود عربی النسل تھے۔ اس نے بیان کیا کہ جب میں ۳۰ سال قبل یہاں آیا تھا تو کھلم کھلا بازاروں میں ایک دوسرے کو قتل کر دیتے تھے۔ اسکے بعد سالار جنگ مرحوم نے امن و امان قائم کیا۔ میں نے شیعوں کے متعلق سوال کیا تو اس نے کہا کہ سنیوں اور شیعوں میں بالکل اختلافات موجود نہیں۔ میں خود سنی ہوں لیکن ہم سب ایک ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ ہندوؤں سے بھی ہمارے تعلقات اچھے ہیں۔ نواب لائق علی خان کی بہت تعریف کی اور کہا کہ یہ شخص اپنے باپ کی طرح ایک دن وزیر بن جائیگا۔ سب لوگ اس سے محبت کرتے ہیں۔ نظام کے متعلق۔ اس نے کہا کہ وہ بادشاہ کی طرح رہتے ہیں۔ امرا انہیں پبلک میں بولنے نہیں دیتے اور لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ بیوقوف ہیں۔ اپنے آدمیوں کے ساتھ وہ بہت دل خوش کن طریقہ سے گفتگو کیا کرتے ہیں۔ میں اس مکی سوداگر کو پسند کرتا ہوں۔ مجھے شبہ ہے کہ آیا لندن کے سوداگر اپنے ملک کی سیاسیات پر اسکی طرح گفتگو کرنے کے لائق ہو سکتے ہیں۔

"نظام ریزیڈنسی میں کھانے پر آئے۔ اپنے ساتھ اپنی کو بھی لے آئے تھے۔ بہت سے اعیان سلطنت اور امرا بھی موجود تھے نظام حسب معمول خاموش تھے لیکن یہ آداب میں داخل ہے۔ ٹریور نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ نظام کے والد بھی انگریزی حکام سے گفتگو نہیں کرتے تھے اور نہ انکی طرف دیکھتے تھے۔

"۹۔ دسمبر۔ ماسٹر صاحب دوبارہ ملاقات کو آئے کہتے تھے کہ مسلمان دن بدن زیادہ غریب ہوتے جاتے ہیں، گورنمنٹ نے ان کی زمینوں پر سخت ٹیکس لگا رکھے ہیں اور شہروں میں ان کیلئے کوئی دھندا نہیں۔ مجھ سے پوچھا گیا کہ انہیں اپنی حالت کو بہتر بنانے کیلئے کیا تدابیر اختیار کرنی چاہئیں۔ میں نے کہا کہ انہیں تجارت کی جانب متوجہ کرنا چاہئے، انگریزی سیکھکر ہندوؤں سے مقابلہ کرنا چاہئے۔ وہ شاکی ہیں کہ جہاں جہاں مسلمانوں نے انگریزی سیکھی ہے وہاں وہ کافر کھلائے جاتے ہیں۔ حیدرآباد میں ٹیکس زیادہ نہیں ہیں لیکن انگریزی حکومت کا انتظام انہیں گھیرے ہوئے ہے اور انگریزی سامان تجارت ہندوستانی مصنوعات کو مارے ڈالتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اگر ان کی امداد نہ کی گئی تو ہر مسلمان انگریزی حکومت کا دشمن ہو جائیگا۔

ہندوستانی عطریات کا سب سے بڑا کارخانہ اصغر علی محمد علی لکھنؤ کا ہے

"ماسٹر صاحب نے انگریزی افسروں کے مظالم اور وحشیانہ اطوار کی سختی سے شکایت کی۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ آپ باقی اور انگریزوں سے کیوں مختلف ہیں کیونکہ آپ مجھے اپنی چارپائی پر بیٹھنے کی اجازت دیتے ہیں، مجھ سے خوش خلقی سے بات چیت کرتے ہیں اور غلاموں کی طرح سلوک نہیں کرتے۔ انہوں نے کہا کہ افسرانِ برطانیہ اپنی کرسیوں پر بیٹھے بیٹھے بات کرتے ہیں، ہمیں کھڑا رکھتے ہیں، سلام کا جواب دئے بغیر احکام دینے لگ جاتے ہیں۔ آپ مجھ ہیچمیرز سے مساوی طور پر ملتے ہیں۔ اسکی وجہ کیا ہے؟ میں نے جواباً کہا کہ ہم میں تربیت کے مختلف مدارج ہیں اور جتنی زیادہ تعلیم و تربیت کسی شخص میں ہوگی اتنی ہی اسکے خلق میں وسعت پائی جائے گی ہندوستان میں سرکاری ملازمتوں کے لئے جو انگریز آتے ہیں ان میں سے اکثر ادنیٰ خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور چونکہ وہ شستہ سوسائٹی کے خوگر نہیں ہوتے اسلئے جب وہ ہندوستان میں آتے ہی اپنے تئیں بااختیار پاتے ہیں تو ان کا دماغ خراب ہو جاتا ہے۔ مگر میں نے امید ظاہر کی کہ یہ حالت جلد بہتر ہو جائیگی۔ انہوں نے کہا کہ افسران خود اپنی قوم کی جانب سے نفرت کے جذبات پیدا کراتے ہیں بہت سے لوگ جو انگریزی حکومت کو اچھا سمجھتے ہیں، حکام کے اطوار دیکھکر اس سے کشیدہ و متنفر ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد مجھ سے پوچھا کہ آپ اتنی دور کا سفر کرکے کیوں آئے ہیں اور یہ کہ آپ ہماری امداد کیوں کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ میری جانی کے دن حالت میں بسر ہوئے ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ مرنے سے پیشتر کچھ نیکی کر جاؤں۔ چونکہ مسلمانوں نے مجھ سے نہایت مہربانی آمیز سلوک کیا ہے اور انہیں سے میں نے خدا پر یقین کرنا سیکھا ہے اس لئے میں سال کا کچھ حصہ ان میں بسر کر لیتا ہوں۔

"صبح کے ۱۰ بجے سالار جنگ کے یہاں کھانے کیلئے گئے۔ ہم نے پہلے سے طے کر لیا تھا کہ دعوت میں کسی انگریز کو مدعو نہ کیا جائیگا سیاسی صورت حالات پر نہایت آزادی سے گفتگو رہی اور وہ یہ ہے کہ چند ہفتے میں نظام بالغ ہو جائیں گے اور یہ کہ ریزیڈنسی کی طرف سے اس امر کی کوشش ہو رہی ہے کہ ایسے عہدنامہ پر ان سے دستخط کرا لئے جائیں جو نظام اور گورنمنٹ ہند کے مابین تجدید اتحاد کے ساتھ ساتھ قبل کے تمام عہدناموں کو کالعدم کر دیگا۔ اس طرح سے صوبجات برار ہمیشہ کیلئے انگریزی قبضہ و تصرف میں آجائینگے"۔

مسئلہ برار کی اصلیت یہ ہے کہ کئی سال ہوئے (اور وہ زمانہ سر سالار جنگ سے پیشتر کا تھا) ریاست حیدرآباد کا انتظام حکومت خراب حالت میں تھا اور اسکی مالی حالت تو اسدرجہ ناقص ہو گئی تھی کہ نظام کو کلکتہ کی حکومت سے کئی کروڑ روپیہ قرضہ لینا پڑا۔ گورنمنٹ نے اس قرضہ کے عوض میں صوبجات زیر بحث کو گرو رکھوا لیا۔ یہ علاقہ نظام کی سلطنت کا زرخیز ترین جزو تھا۔ شرطیہ قرار پائی تھی کہ جب تک قرض نہ ادا ہو جائے گورنمنٹ ہند ان علاقوں کا انتظام کریگی۔ اس انتظام کی وجہ سے قدرتاً بہت سے انگریزوں کو ملازم رکھنا پڑا بالخصوص انڈین سول سروس کے بہت سے ممبروں کو اعلےٰ اعلےٰ تنخواہیں دی گئیں۔ اسوقت سے گورنمنٹ کی یہ کوشش رہی ہے کہ علاقہ جات کی واپسی کو ناممکن کر دیا جائے۔ اس غرض کیلئے صوبجات مذکور کا انتظام نہایت اچھا کیا گیا ہے ٹیکس بھی مقابلتہً ہلکے ہیں اور کسانوں کو انگریزی عہد حکومت سے مانوس کرنے کے ارادہ سے کوئی ایسی کوشش نہیں جو نہ کی گئی ہو درآں حالیکہ برطانوی ہند کے اکثر حصوں کی حکومت اس زمانہ میں اس سے بدرجہا خراب تھی۔ یہ

کبھی امید نہین کی گئی تھی کہ نظام قرض ادا کرسکینگے لیکن یہ خیال کرلیا گیا تھا کہ اگر روپیہ واپس دے بھی دیا گیا تو اس صورت مین صوبجات کی خوشحالی انکار کردینے کیلئے وجہ قرار دیدی جائیگی۔ سر سالار جنگ چونکہ غیر معمولی طبیعت کے شخص تھے۔ اسلئے انہون نے نہ صرف دکن مین امن وامان بحال کردیا بلکہ حیدرآباد کی مالیات کو ایسی حالت پر پہونچا دیا کہ تھوڑے ہی عرصہ مین وہ روپیہ لیکر پہنچے اور صوبجات کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ ان کا مسئلہ مذکور پر اصرار کرنا تھا کہ امپیریل گورنمنٹ کے ہاتھون ان پر مظالم کا سلسلہ شروع کردیا گیا جو بے رحمانہ طریقہ سے ان کی وفات تک جاری رہا۔ ان کا دعوی بدستور قائم ہے اسلئے کہ اس کی بنیاد اس معاہدہ پر ہے جو دو سلطنتون کے درمیان ہوچکا ہے۔ اور اب نظام کی خوردسالی اور انکے طاقتور وزیر کی موت سے فائدہ اٹھا کر اس معاہدہ کو کالعدم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے"

"سید حسین کو پورا وثوق ہے کہ جدید معاہدہ کا مسودہ ریزیڈنسی مین موجود ہے۔ وہ کہتے ہین کہ مین نے اس کی نقل یا خلاصہ دیکھا ہے اور یہ کہ نوجوان نظام سے جونہی کہ وہ بالغ ہوجائینگے، تخت نشینی کی شرط کے طور پر زبردستی دستخط کرائے جائینگے یا ان کے تخت نشین ہونے سے پیشتر پیشکار کے دستخط لے لئے جائینگے۔ کونسل بڑھی اور کمزور پیشکار، سعید خورشید جاہ (ریزیڈنسی کے زیر اثر ہین) اور شمیر الدولہ پر مشتمل ہے۔ موخر الذکر مین کوئی سکت نہین۔ نوجوان سالار جنگ کونسل کے سکریٹری ہین اور اسلئے آخری فیصلہ پر ان کی آواز کا زرا بھی اثر نہین پڑسکتا۔ مگر مجھے یہ بات مشکل معلوم ہوتی ہے کہ لارڈ ورپن کی حکومت ایسے اہم عہدنامہ کو ایکبنسی کے آخری ایام مین انجام تک پہنچانے مین جلد بازی سے کام لیگی۔ میرا خیال یہ ہے کہ نوجوان سالار جنگ پر دباؤ ڈالا جائے گا خواہ خوشامد سے خواہ دھمکیون کے ذریعہ، اور نظام کے تخت پر متمکن ہوتے ہی دستخط کرالئے جائینگے۔ برخلاف اسکے ایک اور معاملہ جسپر حکومت ہند کو اصرار تھا، یعنی معاہدۂ ریوے، اسے بعینہ اسی طریقہ سے پیشکار کے ذریعہ طے کرلیا گیا ہے۔ یہ بات خود کارڈری نے ہم سے بیان کی ہے اور ممکن ہے کہ سید حسین نے جو کچھ کہا ہے، وہ ٹھیک ہو۔ اسی وجہ سے مین کلکتہ جانے مین عجلت کررہا ہون تاکہ لارڈ ورپن کے روبرو سارا مسئلہ پیش کرون اور دفتر خارجہ کی چالبازیون کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرون۔

"ریزیڈنسی مین مسودۂ معاہدہ کی موجودگی سے مجھے بہت سی باتون کی حقیقت معلوم ہوگئی، ایک تو یہ کہ باوجود بدنظمی کے پیشکار کی حمایت کی جاتی تھی، دوسرے سالار جنگ کو ان کے والد کے بہترین آدمیون کو برخاست کرکے تن تنہا چھوڑ دیا گیا، تیسرے جو لوگ واپسی برار کی تائید مین تھے ان کے چال چلن کے بارے مین طرح طرح کی افواہین پھیلائی گئین، چوتھے کارڈری کا یہ کہنا کہ لائق علی بہت مغرور ہے اور اسکے لئے واحد چارۂ کار یہ ہے کہ پیشکار کے ساتھ ملکر کام کرے۔ پانچوین خورشید جاہ کے ساتھ بہ حیثیت ولیعہد مراعات کا کیا جانا اور نوجوان نظام سے چھٹکارا حاصل کرنے کی صورت مین اسکو امیدوار تخت کے طور پر موجود رکھنا، ساتھ ہی کارڈری کا یہ مشہور کرنا کہ نظام کا چال چلن بگڑا ہوا ہے اور اسی قسم کی دوسری باتون کا اعادہ کرنا۔ کھانے کے موقع پر کارڈری نے اپنی سے ان تمام باتون پر گفتگو کی۔ اس سے

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا ٹیلیفون نمبر ۱۲۹ ہے

ایک اور اہم واقعہ پر روشنی پڑتی ہے اور وہ یہ ہے کہ چند دن ہوئے کارڈوری لائق علی سے سختی کے ساتھ باتین کر رہا تھا اور جب گفتگو ختم ہو چکی تو اس نے لائق علی کے کندھے پر ہاتھ رکھکر معافی مانگی اور کہا کہ سخت گفتگو کرتے وقت مین صرف حکام بالا کی ہدایت پر عمل کر رہا تھا۔ اسی طرح اسنے سید حسین سے بھی معافی مانگی جنہین اس نے حیدرآباد سے چھ مہینے کیلئے چلے جانے کا حکم دیدیا تھا۔ اس کے الفاظ یہ تھے کہ "مین آپ سے ناانصافی کر رہا ہون لیکن پبلک کے مفاد کیلئے ایسا کرنا ضروری ہے" مین نے لائق علی سے کہدیا ہے کہ کلکتہ مین جب آپ لارڈ ڈرہن سے ملین تو ان تمام باتون کو صاف صاف بیان کر دین۔ ساتھ ہی مین نے لارڈ ڈرہن کی توجہ اس مسئلہ کی جانب مبذول کرنے کا وعدہ کر لیا ہے۔ جب وہ نظام کے ساتھ کلکتہ آئینگے تو مین لائق علی کو ضروری مشورہ دونگا اس لئے کہ ان کے دوستون کو ہمراہ آنے کی اجازت نہین ہے ان نے مجھے مسئلۂ برار کے متعلق اپنے والد کی مطبوعہ خط و کتابت دیدی ہے اور اسپر اپنے والد کی رائے بھی بھیجنے کا وعدہ کیا ہے۔ یہ واقعہ ہندوستانی حکومت کی انگریزی حکومت پر بے اعتمادی کی زبردست دلیل ہے کہ وہ اس رائے کو بذریعۂ ڈاک نہین بھیجنا چاہتے تھے بلکہ اسے اپنے نمایندہ کے ہاتھ ارسال کرین گے۔

"سلطنت کے معاملات کے متعلق تبادلۂ خیالات کرتے ہوئے لائق علی نے کہا کہ نظام بطور خود ملک پر حکمرانی کرنے کے قابل نہین ہین جیسا کہ وہ خیال کر رہے ہین، لیکن ملک موجودہ حالت مین سلف گورنمنٹ کے بالکل قابل نہین ہے۔ اب تک یہ رسم رہی ہے کہ حکومت وزیر کے ذریعہ کی جائے اور بلاشبہ وہ وزیر کی حیثیت اختیار کرنا چاہتے ہین۔ بہرحال جو کچھ مجھ سے بن پڑیگا مین ان کے لئے کرونگا ان کی واحد کمزوری ان کی کم عمری ہے اسلئے کہ وہ ۲۱ سال سے ذرا زیادہ عمر کے ہین۔ مین نے جب اسکے متعلق خصوصیت سے پوچھا تو انہون نے کہا کہ مین اگست سنہ ۱۸۹۳ء مین پیدا ہوا تھا۔ لیکن وہ زیادہ عمر کے ہوتے ہین۔ نظام کی تخت نشینی کے موقع پر مجھے لائق علی نے حیدرآباد آنے کی دعوت دی ہے۔ بظاہر پیشکار کے زمانۂ حکومت مین لوٹ مار کا بازار خوب گرم رہا ہے ہر شخص سے یہی داستان سننے مین آئی ہے۔ جب سالار جنگ کا انتقال ہوا تو اسوقت سر اسٹوارٹ بیلی Sir Stewart Bailey بعض معاملات کے تصفیہ کے لئے کلکتہ سے بھیجے گئے تھے اور لائق علی پیشکار کے ساتھ انتظام سلطنت کرنے کے لئے مقرر کئے گئے تھے اور اس لحاظ سے انہین انتظام حکومت مین حصہ ملنا چاہئے مگر انہین رد کدیا گیا ہے۔ یہان کوئی ایسا سرکاری دفتر نہین جہان معاملات مشورہ سے انجام پاتے ہون۔ پیشکار نہ تو ان سے رائے لیتا ہے اور نہ غور و خوض کرنے کیلئے پابندی اوقات کے ساتھ انہین اپنے گھر آنے کی اجازت دیتا ہے۔ نہ وہ کاغذات کو ان کے دستخطون کیلئے بھیجتا ہے۔ اسکا نتیجہ یہ ہے کہ لائق علی کسی کام کو کرنے کیلئے محض بے اختیار ہین اور وہ اب یہ کہتے ہین کہ اگر کلکتہ جانے کے بعد بھی معاملات مین کوئی تغیر نہ ہوا تو مین اپنے عہدہ سے دست بردار ہو جاؤنگا۔ اب بغیر اختیارات کے ان کے سر ذمہ داری ہے اور وہ اس حالت کو جاری رکھنے سے انکار کرتے ہین۔

"ہم رفتہ رفتہ ریزیڈنسی کی نظرون سے کرتے جاتے ہین۔ مگر کارڈوری ہمارے آزادانہ شہر مین جانے سے خوف زدہ ہے اس نے سالار جنگ سے بھی اس کا ذکر کیا تھا۔ شاید اسکا یہ اعلان کرنا کہ مین کلکتہ جا رہا ہون، اس شبہ سے متعلق رکھتا ہے کہ ہم اس کی ساری تجاویز سے آگاہ ہین۔ چار بجے رسمی پان کھانے کیلئے لینے آئے نواز جنگ، چراغ علی سید حسین اور مولوی مہدی حسن

بھی موجود تھے - انہون نے مجھ سے کہا کہ جب ۱۰ سال پیشتر لارڈ بیکنسفیلڈ Beaconsfield برسر حکومت تھے تو اسوقت ہندوستان کا ہر ایک مسلمان کنسرویٹو پارٹی کو اپنا دوست سمجھتا تھا - لیکن لارڈ لٹن کی پالیسی نے اصلی حقیقت عیان کردی ہے - افغانستان کی جنگ نے بہت سے اشخاص کو ناراض کردیا ہے اور اب مسلمانون کی ہمدردی باقی نہین رہی ہے یہانتک کہ کسی انگریزی پارٹی پر ان کا اعتماد نہین نہین رہا - انہون نے لارڈ لٹن کی چھٹی کا بھی ذکر کیا جو لارڈ سالسبری Salisbury کے نام بھیجی گئی تھی اور جو شائع ہوچکی ہے جسمین اس امر کی تشریح کی گئی ہے کہ سرکاری ملازمتون سے مسلمانون کو کس طرح سے خارج کیا جاسکتا ہے -

"مہدی حسن میرے برابر بیٹھے تھے - وہ لکھنؤ کے رہنے والے ہین اور مجھے یقین دلاتے ہین کہ وہان کے مسلمان آپکا خیر مقدم کرینگے انہون نے چند تعارفی خطوط بھی دینے کا وعدہ کیا ہے - مصری جنگ کے متعلق وہ اصل حقیقت معلوم کرنے کے خواہشمند ہین اسلئے کہ چند ہفتے پیشتر تک ان سب کا خیال تھا کہ اگر یہ سلطان المعظم کے اتحادی بن کر مصر مین داخل ہوئے ہین - انہون نے مجھ سے کہا کہ کلکتہ مین آپ اس مسئلہ پر تقریر کرین لیکن مستقبل مین مسلمانون سے جنگ کرنے کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے مین اس سبب سے دقت ہوگی (اگرچہ عوام اسے بہت اچھی نظر سے دیکھینگے) کہ جو لیڈر اس مین حصہ لین گے وہ ہمیشہ نظرون مین کھٹکا کرینگے - انہون نے مجھ سے کہا کہ ہندوستان مین جس قسم کی مطلق العنان حکومت کی جارہی ہے اسکا آپ کو اندازہ نہین ہوسکتا اور نہ آپ کو اس خطرہ کا علم ہے جو سیاسیات مین پرنے کے بعد رونما ہوتا ہے - جمال الدین نے مذہبی شیوخ کی جلاوطنی کے جو حالات بیان کئے تھے، وہ سب کے سب سچ نکلے -

"۱۰ - دسمبر - صبح کی گاڑی سے ہم حیدرآباد سے روانہ ہوگئے - ہمارے کئی دوست، مدرس اور سلطان نواز جنگ کے صاحبزادے پہونچانے آئے تھے - مین نے ان تینون کو اپنے ساتھ بیچ پر بٹھایا جسپر نیور بھی بیٹھے ہوئے تھے - یہ کارروائی وہ ہے جسکے انگریزی حکام عادی نہین ہین - سید حسین بلگرامی اور رسول یار جنگ بھی آئے تھے - موخرالذکر کو اصرار تھا کہ مین دو گھنٹے کی مسافت آپکی معیت مین طے کرون گا - انہون نے چند تحائف دئے ہین جن مین ایک نہایت خوبصورت شال بھی ہے - کی مع اپنی بیوی کے موجود تھے نیور بھی جنکے متعلق مجھے اندیشہ ہے کہ وہ ہندوستانی دوستون کے نام معلوم کرنا چاہتے تھے -

"رات بھر سفر کرنے کے بعد ہم علی الصباح پونہ پہونچے - پونہ بالکل غیر دلچسپ مقام ہے اور مشرقیت سے بالکل معرا ہے - صحت بخش جگہ ہے اور سطح سمندر سے ۲ ہزار فٹ اونچی ہے - مس ڈلن Miss Dillon جنکے ساتھ ہم ٹھہرے ہوئے ہین، ہمین دکن کالج دکھانے لے گئین - نہایت بے معنی عمارت ہے - ۱۲۰ بورڈرون مین سے صرف ایک مسلمان تھا -

۱۲ تاریخ کو ہم بمبئی گئے جہان ہمارا وقت ایک پورہین خیالات کے مسلمان کے ساتھ بسر ہوا - مسٹر محمد دوگھے مالدار روشن خیال مسلمان ہین اور اسلامی جماعت کے لیڈر سمجھے جاتے ہین - ان کے خیالات بالکل جدید ہین، اور بعض امور مین وہ بہت آگے بڑھ گئے ہین - انڈین اسپکٹیٹر Indian Spectator کے ایڈیٹر مالاباری سے بھی محبت رہی - یہ کرنل ولکن Colonel Wilcox کے دوست ہین - وہ ہین تو پارسی مگر ان کی ہمدردی ہندؤن کے ساتھ ہے - وہ بہت سمجھدار شخص ہین اور ہر وقت حب الوطنی کے کامون اور سیاسی مشاغل مین مصروف رہتے ہین - وہ زراعتی مصائب جنکا دکھڑا ہم ہر جگہ سنتے آئے ہین تصدیق کرتے ہین اور کہتے ہین

کہ جب تک ہندوستان دیوالیہ نہ ہو جائیگا اسوقت تک صورت حال بہتر نہ ہوگی، دیوالیہ پن یا انقلاب جیسا کہ گارڈن Gordon نے بیان کیا ہے - انہوں نے بتایا کہ ان انگریزی افسرون پر جو زیادتی ٹیکس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہین، کس کس طریقے ظلم کیا جاتا ہے - اگر ان مین سے کوئی شخص ہندوستانیون کی شکایات کی طرفداری وحمایت کرتا ہے تو اسے ملازمت سے علیحدہ کر دیتے ہین - کرنل اوسبورن کے ساتھ ایسا ہی معاملہ پیش آیا - وہ لارڈ ریپن کے مداح ہین اور مجھے دور اندیشی کے ساتھ ان کا ساتھ دینے کا مشورہ دیا ہے -

"۱۵ - دسمبر - کلکتہ روانہ ہوگئے گورسٹ Sir John Gorst بھی ہم سفر تھے جن سے خوب باتین رہین یہ ہندوستان اس لئے آئے ہین کہ "نظام کو صوبجات برار کی دوبارہ واپسی کے متعلق مشورہ دین" ہندوستانیون کو اب نہ کنسرویٹو پارٹی پر اعتماد اور نہ گلیڈ اسٹون پر، البتہ وہ لارڈ ریپن کے شکر گزار ہین کہ انہون نے اظہار ہمدردی کیا ہے لیکن وہ اچھی طرح سے سمجھتے ہین کہ وہ ہندوستانیون کیلئے کچھ بھی نہین کر سکینگے - معلوم ایسا ہوتا ہے کہ پہلے پہل گورسٹ نے لارڈ سالسبری کی توجہ مسئلہ برار کی جانب مبذول کرائی اور انہین راہ راست پر رہنے کا مشورہ دیا - لیکن لٹن مخالف ہو گئے اور بعد مین گورسٹ ہی نے اخبار "اسٹیٹسمین" پر گورنمنٹ کی جانب سے مقدمہ چلایا کہ اس نے سر سالار جنگ کو گرفتار کرنے کی کوشش کرنے اور سر رچرڈ میڈ Sir Reade کے رشوت لینے کے بارے مین واقعات کی اشاعت کی ہے - انہون نے مجھ سے بیان کیا کہ کلکتہ کے دفتر خارجہ کے کہنے سننے پر مقدمہ کا خیال چھوڑ دیا گیا ہے - ان کی خود اپنی رائے یہ تھی کہ اگر مقدمہ ہوا تو سر رچرڈ میڈ عہدہ برانہ ہو سکینگے

"۱۶ - دسمبر - ابھی تک ٹرین مین ہین - حیدرآباد کی بلو بکس Blue Books (لائق علی نے مجھے یہ مطبوعات دی تھین) کا مطالعہ کیا - ان کا پڑھنا حقیقتہً سبق آموز ہے -

(باقی)

ضیاالدین احمد برنی

بی - اے

---

۱۵ ۱۸۸۲ء کے آخر مین جو گفتگو مین نے جنرل سی جی گارڈن C. G. Gordon سے کی تھی، یہ اسکی طرف اشارہ ہے انہون نے نہایت وثوق سے مجھے اس امر کا یقین دلایا تھا کہ "ہندوستان مین انقلاب کے بغیر کوئی بہتری ممکن نہین" گارڈن ۱۸۸۰ء مین لارڈ ریپن کے پرائیویٹ سکریٹری بن کر آئے، لیکن بمبئی پہنچنے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد انہون نے استعفا داخل کر دیا - انڈین سول سروس نے اصلاحات نفاذ کے خلاف جو جد و جہد کی تھی، اسے دیکھنے کے بعد جنرل موصوف کو یقین ہو گیا تھا کہ ناممکن العمل کام مین لارڈ ریپن کا ساتھ دینا بالکل بے سود ہے -

بے مثل روح گلاب بحساب ۸۰ روپیہ فی تولہ کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے طلب کیجئے

چند گوشت خور درخت

یہ امر مسلمہ ہے کہ گوشت بلحاظ غذائیت ترکاریوں اور اناج وغیرہ سے زیادہ افضل اور مقوی ہے قدرت نے اس غذا کو نہ صرف حیوانات ہی کے لئے مفید بنایا ہے بلکہ بہت سے پودوں کی بہترین نشوونما کے لئے بھی اس قسم کی غذا لازمی رکھی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ گوشت خوری کی عادت ہرگز قانون قدرت کے خلاف نہیں ہے۔ قدرت نے جہاں انسان کو گوشت کا دلدادہ بنایا ہے وہاں چند ایسے درخت بھی پیدا کئے ہیں جنکے لئے گوشت بہترین غذا ثابت ہوا ہے۔ اور اگر ہم جن کو گوشت خور درختوں کے نام سے موسوم کریں تو بیجا نہوگا۔ یہ درخت بلا گوشت کے بھی زندہ رہ سکتے ہیں لیکن اگر کسی جانور کا گوشت تھوڑی مقدار میں انکو دیا جاتا ہے تو ان میں زیادہ اور اچھے قسم کے پھل اور بیج پیدا ہوتے ہیں۔ گوشت خور درختوں میں چھوٹے کیڑوں یا پتنگوں کے قید کرنے کی ترکیبیں موجود ہوتی ہیں۔ غالباً اس طریقہ سے یہ درخت غذائے نائٹروجن (Nitrogen) حاصل کرتے ہیں۔ اور خصوصاً وہ نائٹروجن جو گوشت کا خاص جزو ہے پودوں کے لئے مفید ہوتی ہے۔

ذیل میں چند ایسے درختوں کا بیان کیا جائیگا جن میں قدرت نے خاص خاص طریقے اور ذرائع پتنگوں اور دیگر چھوٹے چھوٹے جانوروں کی گرفتاری کے لئے بنائے ہیں۔ میرے خیال میں ان درختوں کا بیان غیر سائنس دان لوگوں کے لئے بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ اور ان کے دلوں میں قدرت کے عجیب و غریب کرشموں کے مشاہدہ کا شوق پیدا ہوگا۔

DROSERA ڈروسیرا



اس قسم کے درخت کی پہلی مثال ڈروسیرا (Drosera) ہے۔ اس درخت کی پتیوں (نقشہ نمبر الف) پر بہت باریک باریک اور لمبے ڈنٹھل موجود ہوتے ہیں۔ ان ڈنٹھلوں کی نوک سے ایک قسم کا لس دار مادہ خارج ہوتا ہے۔ اگر کوئی مکھی کا مارا کیڑا یا پتنگا اپنی غذا کی تلاش میں ان ڈنٹھلوں سے چھو جاتا ہے تو فوراً اس لسدار مادہ میں پھنس جاتا ہے اور اس کے پر وغیرہ اس مادہ سے ایسے آلودہ ہو جاتے ہیں کہ وہ پھر اڑ نہیں سکتا۔ جتنا کہ غریب قیدی رہائی کے لئے پھڑ پھڑاتا ہے اور تڑپتا ہے اتنا ہی وہ زیادہ اور نئے ڈنٹھلوں کے جال میں گرفتار ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس لسدار مادہ کے سادہ ایک قسم کا تیزاب بھی نکلنا شروع ہو جاتا ہے جس کے اثر سے غریب جانور ختم ہو جاتا ہے اور رفتہ رفتہ درخت اسکو ہضم کر لیتا ہے۔ ڈروسیرا کی پتیاں کیڑوں کے جسم کو بآسانی اسپرح حل اور جذب کر لیتی ہیں۔ جسطرح کہ ہم لوگ معدہ کے ذریعہ سے گوشت اور دیگر غذاؤں کو ہضم کر لیتے ہیں۔

NEPENTHES نیپنتھس

دوسری مثال گوشت خور درخت کی نیپنتھس (Nepenthes) ہے۔ یہ پودہ شمالی امریکہ کا باشندہ ہے اور جنوبی ایشیا میں بھی پایا جاتا ہے۔ اس درخت کی پتیاں چھوٹے کیڑوں کے گرفتار کرنے کی غرض سے صراحی نما شکل اختیار کر لیتی ہیں۔

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا عطر خاص ترکیب سے بنتا ہے

ہر پتی کی نوک پر نہایت خوشنما لمبی لمبی مراحیاں لٹکتی نظر آتی ہیں جنکے منہ چھوٹے چھوٹے سبز ڈھکنوں سے بند رہتے ہیں (نقشہ بمرتب) رات کے وقت یہ ڈھکنے مراحی کے منہ کو بالکل بند کر لیتے ہیں۔ اس حالت میں جو بھاپ ان مراحیوں کی اندرونی سطح سے نکلتی ہے وہ پانی کے قطروں میں مبدل ہو کر مراحی کے اندر جمع ہوتی جاتی ہے۔

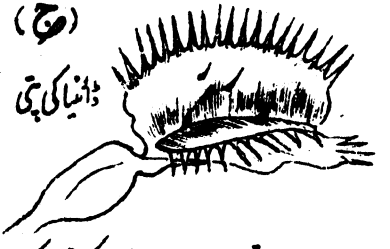


یہاں تک کہ تا صبح یہ جام صاف اور شفاف پانی سے لبریز ہو جاتے ہیں۔ دن کے وقت مراحیوں کے ڈھکنے خود بخود کھل جاتے ہیں اور ہمارا نیشنلیس مخمور ساقی کی طرح ہوا کے جھونکوں سے جھوم جھوم کر ان چھلکتے ہوئے پیمانوں کو اپنی ہتھیلی پر لئے ہوئے تشنہ لب ریگستانی مسافروں کی طرف ہاتھ بڑھا بڑھا کر پیش کرتا ہے۔ لیکن یہی صاف و شفاف پانی جو تپتے ہوئے ریگستان کے مسافروں کے لئے آب حیات ہے دوسرے چھوٹے کیڑوں کے حق میں زہر ہلاہل کا کام کرتا ہے۔

چھوٹے چھوٹے کیڑے شہد کی لالچ میں ان خوشنما مراحیوں کے دہانے پر آ کر بیٹھتے ہی خوفناک موت کے منہ میں آ جاتے ہیں اور مراحی کی اندرونی چکنی سطح سے پھسل کر اس پانی میں گر جاتے ہیں جو مراحی کی تلی میں بھرا ہوتا ہے۔ کیڑے کے گرتے ہی اس پانی میں ایک قسم کا تیزاب بھی شامل ہو جاتا ہے جو تھوڑے ہی عرصہ میں کیڑوں کو حل کر کے پودے کا جزو بدن بنا دیتا ہے۔

ڈائینا Dionaea or (Venus' Flytrap.)

Nepenthes سے بھی زیادہ حیرت انگیز ایک اور گوشت خور درخت ہے جس کی پتیاں ہر وقت کھیوں اور پتنگوں کے شکار کے لئے جال پھیلائے رہتی ہیں اس



درخت کو Dionaea کہتے ہیں اور یہ زیادہ تر N. Carolina میں پایا جاتا ہے۔ اس درخت کی پتیوں کی نوکوں پر دو بیضادی پنکھڑیاں ہوتی ہیں جو کتاب کے اوراق کی طرح کھولی اور بند کیجا سکتی ہیں (نقشہ بمرتب ج) ان پنکھڑیوں کے کنارے دندانہ دار ہوتے ہیں اور ہر پنکھڑی کے وسط میں تین نوکدار کانٹے ہوتے ہیں جنکے چاروں طرف ایک میٹھا تر بت رس رس کر جمع ہوتا رہتا ہے۔ اس غیر من شہد کی لالچ میں کھیاں اور کیڑے ان پنکھڑیوں پر آ کر بیٹھتے ہیں۔ کیڑوں کا جسم چھوتے ہی دفعتاً یہ پنکھڑیاں متاثر ہو کر ایک دوسرے سے ملکر بند ہو جاتی ہیں۔ اور قیدی کے جسم میں اپنے تیز خار چبھا دیتی ہیں۔ قیدی کے پھڑ پھڑانے سے یہ پنکھڑیاں اور بھی سختی کے ساتھ اسے دبا لیتی ہیں۔ حتیٰ کہ اگر ایسی حالت میں ہم ان کو کھولنا چاہیں تو پتیاں ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی ہیں۔ لیکن ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتیں۔ جب قیدی

تھک کر بالکل بیدم اور ساکت ہو جاتا ہے تو یہ پنکھڑیاں خود بخود کھل جاتی ہیں لیکن اس وقت تک اس غریب قیدی کا کام تمام ہو چکتا ہے ایک انگریز سائنس دان کا قول ہے کہ اس قسم کی غذا اس پودے کی بقائے زندگی کے لئے لابدی ہے۔ کیونکہ اس نے بچشم خود مشاہدہ کر کے دیکھا کہ اگر یہ پودہ تاروں کے جال کے اندر رکھا جاتا ہے (جس میں مکھیوں اور پتنگوں کا گزر ناممکن ہے) تو وہ رفتہ رفتہ مرجھا کر سوکھ جاتا ہے۔ برخلاف اسکے اگر وقتاً فوقتاً اسکو گوشت کے ٹکڑے دئے جائیں تو نہایت تندرست اور تازہ رہتا ہے

اٹریکولیریا Utricularia

ایک اور عجیب و غریب گوشت خور درخت اکثر تالابوں کے گندے پانی میں پایا جاتا ہے اسکو اٹریکولیریا Utricolaria کہتے ہیں۔ یہ پودہ ہندوستان میں بھی کثرت سے پایا جاتا ہے

میں نے اور میرے طالبعلموں نے اس کو فیض آباد سے سات میل کے فاصلہ پر بھرت کنڈ کے تالاب میں بکثرت پایا جس زمانہ میں ہم لوگ وہاں گئے تھے وہ اس درخت کے پھولنے پھلنے کا موسم تھا۔ سطح آب پر اس کے زرد زرد پھول ہری ہری باریک پتیوں پر تیرتے ہوئے نہایت خوشنما معلوم ہوتے ہیں۔ ہم لوگوں نے اس درخت کی بہت سی ٹہنیاں اکٹھا کیں اور خود میں کے ذریعہ سے اس درخت کی عجیب و غریب پتیوں کا مشاہدہ کیا



(۱) اٹریکولیریا کی ٹہنی

اس درخت کی پتیاں نہایت باریک نوکدار چھوٹی چھوٹی شاخوں میں منقسم ہوتی ہیں۔ ان چھوٹی شاخوں میں سے چند پھولے ہوئے پھلکوں کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ (نقشہ نمبر ۱) ہر پھلکے میں ایک چھوٹا سا منہ ہوتا ہے جو ایک ڈھکنے سے بند رہتا ہے یہ ڈھکنے پھلکے کے اندر کی طرف باسانی کھل جاتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے آبی کیڑے ان کو ہٹا کر پھلکوں کے اندر داخل ہو جاتے ہیں۔ اسکے بعد ہی خود بخود دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ اور ان قیدیوں کے باہر نکلنے کی صورت نہیں رہتی کیونکہ پھلکوں کا دروازہ باہر کی جانب نہیں کھل سکتا۔ غرض یہ کہ اندر داخل ہوتے ہی غریب قیدی زندہ درگور ہو جاتے ہیں اور ایک وقت میں ایک ایک پھلکے کے اندر پارہ پارہ چھوٹے کیڑے معدہ نظر آتے ہیں۔ یہ تمام کیڑے رفتہ رفتہ گل کر پودے کا جزو بدن بن جاتے ہیں۔

یہ پودہ ایک زمانہ میں تو سطح آب پر رہتا ہے اور دوسرے زمانہ میں تالاب کی تلی میں بیٹھ جاتا ہے۔ یہ عجیب و غریب نقل و حرکت بھی انہیں چھوٹے چھوٹے پھلکوں کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔ جبتک کہ پودا اپنی غذا حاصل کرنے میں مصروف رہتا ہے اسوقت تک یہ پھلکے ایک قسم کے وزنی رقیق مادہ سے لبریز رہتے ہیں جسکی وجہ سے کل پودہ تالاب کی تلی میں بیٹھا رہتا ہے اس پودہ کا تعلق زمین سے نہیں ہوتا لیکن اس میں جڑیں وغیرہ مطلق نہیں ہوتیں۔ ایک عرصہ کے بعد جبکہ درخت

کے پھولنے کا زمانہ آتا ہے تو پھلکون کا دونی مادہ جذب ہو جاتا ہے۔ اور ان کے اندر اسکے بجائے ایک قسم کا گیس جمع ہو جاتا ہے۔ اس صورت مین پودہ پانی سے ہلکا ہو کر سطح آب پر تیرنے لگتا ہے جہان اس کے خوبصورت ذرین پھول کھلتے اور بار آور ہوتے ہین پھل آنے کے بعد ان پھلکون سے پھر گیس خارج ہو جاتا ہے اور وہی بھاری مادہ ان کے اندر بھر جاتا ہے جسکی وجہ سے یہ پودہ پھر تہ آب دفن ہو جاتا ہے۔

احتشام علی - ایم - ایس - سی۔

جذبات محمود

مین اور رسوزش الم عشق دلگداز — تو اور دل فریبی صد جلوہ ہائے ناز
اک جنبش نگاہ مین لاکھون ہین التفات — اللہ رے لطف پرسش چشم وفانواز
برش سے اپنے تیر نظر کی ہے بیخبر — مشق حیا مین محو ہے وہ چشم نیم باز
برپا ہون حشر اور مین مرمر کے جی اٹھون — قدمون ہی پر رہے ترے اپنا سر نیاز
مرنا مریض عشق کو آسان اب کہان — کچھ دل سے کہہ گئی ہے تیری چشم جانفواز

یہ بدگمانیان تجھے زیبا نہین کہ ہے
محمود غم پرست تو پروردۂ نیاز

محمود اسرائیلی

مرقع

دارالادب لکھنؤ کا علمی و ادبی ماہوار رسالہ

اگر آپ ہندوستان کے مشہور ادیب نامور اور مستند اساتذہ کے کلام اور مضامین سے لطف اٹھانا اور اردو زبان اور اردو شاعری کی حقیقی تصویر دیکھنا ہے تو "مرقع" ضرور منگائیے۔ ہندوستان مین کوئی رسالہ ان اغراض اور مقاصد کے ساتھ اور اپنے رنگ مین خاص امتیاز رکھنے والا آپ کو مرقع کے سوا دوسرا نظر نہ آئے گا۔ قیمت سالانہ باکھر و پیہ (صرف) تا محصول ڈاک

نیتجر "مرقع" نظر آباد لکھنؤ

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے عطر خالص عمدہ اور لاثانی ہین

استفسارات

مثنوی کا ایک شعر

(جناب فیاض علیصاحب وکیل فیض آباد)

فروری کے نگارین بسلسلۂ استفسارات سید عبدالمبین صاحب نے آپ سے مثنوی کے ایک شعر کا مطلب تحریر کرنے کی فرمائش کی ہے۔ شعر یہ ہے

گور کو رو اندر و در کربلا تا نیفتی چون حسین اندر بلا

آپ نے جواب مین تحریر فرمایا ہے کہ لفظ "تا" کے معنے "تاکہ" نہ لینا چاہیے بلکہ اسکے معنی اگر "جب تک" لئے جائین تو مطلب بدل جاتا ہے اور شعر کا مفہوم یہ ہو جاتا ہے کہ "کربلا مین اندھون کی طرح نہ چلے جاؤ، جب تک حسین کی طرح بلا مین پڑ کر مجبور نہ ہو جاؤ، یعنی تاوقتیکہ تم حسین کی طرح بلا مین پڑ کر مجبور نہ ہو جاؤ اپنی جان کو ہلاکت مین نہ ڈالو"

اگر آپ میری جسارت کو معاف فرمائین تو مین بھی اس باب مین کچھ عرض کرنا چاہتا ہون، ممکن ہے کہ آپ میری ناچیز رائے سے اتفاق کرین۔ اس شعر کے ظاہری معنی تو ایسے ہین کہ مولانا روم کے متعلق یہ خیال ہو سکتا ہے کہ انھون نے معاذ اللہ حضرت امام حسین پر ایک قسم کا حملہ کیا ہے، لہذا مولانا روم کی تقدس مآب شخصیت کا لحاظ کرتے ہوئے تو یہ ظاہری معنی کسی حالت مین صحیح نہین ہو سکتے، پھر اگر یہ معنے نہین ہین تو کیا ہین؟ آپ نے جو معنے تحریر فرمائے ہین اس سے گو مولانا روم پر کوئی الزام عاید نہین ہوتا، مگر شعر گر جاتا ہے۔ علاوہ اسکے کربلا کے معنی اگر مقام کربلا کے لئے جائین تو شعر مہمل ہو جاتا ہے اور اگر بطور استعارہ کے لیجئے تو اولاً فارسی کلام مین اس کی کوئی سند نہین کہ کربلا بمعنی ہلاکت کبھی استعمال ہوا ہو اور گو اردو مین کربلا اس مقام کیلئے استعمال ہوتا ہے جہان پانی نہ ہو لیکن بمعنی ہلاکت اردو مین بھی استعمال نہین ہوتا۔ تیسرا احتمال یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت امام حسین کربلا مین جانے کے بعد بلا مین پڑے تھے نہ کہ قبل اور جو معنی آپ نے تحریر فرمائے ہین اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت امام حسین کربلا مین جانے کے پیشتر ہی بلا مین پڑ گئے تھے اور مجبور ہو گئے تھے کیونکہ آپ نے جو مفہوم بیان فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ جب تک حسین کی طرح بلا مین پڑ کر مجبور نہ ہو جاؤ کربلا مین نہ جاؤ

کارخانہ اصغر علی محمد علی کا شاہتہ العنبر بہترین عطر ہے

کی طرح نہ چلے جاؤ، یعنی پہلے بلا میں پڑیں پھر کربلا میں جائیں۔ یہ مطلب واقعات کے برعکس ہے کیونکہ حضرت امام حسین کربلا میں جاکر کربلا میں جاکر بلا میں پڑے تھے، لہذا بہر صورت کربلا کا مفہوم نہ تو مقام کربلا ہو سکتا ہے اور نہ ہلاکت۔

میری ناچیز رائے میں جس طرح مولانا روم کے اشعار تمام تر تصوف میں ڈوبے ہوئے ہیں اور اکثر ان کے دو مفہوم ہوتے ہیں، ایک ظاہری دوسرے معنوی۔ اسی طرح یہ شعر بھی اسی رنگ کا ہے اس شعر کو اگر یوں پڑھیے:۔

کور کورانہ مرو در کربِ لا تا نیفتی چوں حسین اندر بلا

تو اس کا صوفیانہ مفہوم صاف چھلکنے لگتا ہے۔

اہل تصوف کے ہاں ایک درجہ ہے جسے وہ درجۂ لا کہتے ہیں اور لا مخفف ہے لا الٰہ الا اللہ کا خدا کے وجود کا اثبات اور ماسوا اللہ کے وجود کی نفی یہی درجۂ لا ہے اور اسی کو بالفاظ دیگر مسلۂ ہمہ اوست بھی کہتے ہیں اور یہ درجہ بہت خطرناک خیال کیا جاتا ہے اور اکثر درویش اس درجۂ لا یا درجۂ فنا میں اگر بیک جاتے ہیں یا مجذوب ہو جاتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی آئندہ ترقی مسدود ہو جاتی ہے کیونکہ مسلۂ ہمہ اوست غلط ہے اور خلاف اسلام ہے اور "ہمہ از وست" صحیح ہے اور موافق اسلام ہے۔ فلسفۂ فنا ہندوؤں کا فلسفہ ہے اور فلسفۂ بقا اہل اسلام کا فلسفہ ہے اور بقا کا درجہ فنا کے بعد حاصل ہوتا ہے

مولانا روم نے اس کی ایک نہایت دلچسپ مثال بھی دی ہے وہ یہ کہ لوہے کو آگ میں ڈالو، کچھ دیر کے بعد وہ بھی مثل انگارے کے ہو جائے گا، یہی درجۂ فنا یا درجۂ لا ہے، یعنی انسان خدا میں اسقدر محو ہو جائے کہ اپنے آپ کو بھول جائے اور یہ خیال کرے کہ بجز خدا کے کسی کا وجود ہی نہیں ہے تو میرا بھی وجود نہیں ہے، اپنے آپ کو خدا سمجھنے لگے، بجنسہ جیسے دہکتا ہوا لوہا آگ میں پڑ کر یہ سمجھنے لگے کہ میں بھی انگارا ہوں، حالانکہ یہ اسکی غلطی ہے۔ اسی طرح اگر درجۂ لا میں آکر انسان یہ سمجھنے لگے کہ میں خدا ہوں تو یہ بھی غلطی ہے، لہذا صحیح مسلک یہی ہے کہ درجۂ لا میں پڑ کر نہ رہ جائے بلکہ اس سے جلد گزر کر درجۂ بقا میں پہونچ جائے، یعنی اس کو یہ احساس ہو جائے کہ بندہ بھی ہے اور خدا بھی۔ درجۂ ہمہ اوست سے گزر کر درجۂ ہمہ از وست میں پہونچنا فلسفۂ اسلام کے بموجب سخت ضروری ہے، غالب درجۂ فنا کی غلطی کو تنگ ظرفی کہتے ہیں۔

قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن ہمکو تقلید تنک ظرفی منصور نہیں

مگر درجۂ فنا میں اگر اپنے آپ کو خدا سمجھنے لگنا ایک کوراںہ غلطی اور بہت بڑی لغزش ہے۔ منصور ہمہ اوست

(درجۂ لا) مین رہگئے، ہمہ از وست تک نہین پہونچے تھے کہ مجذوب ہوگئے اور انا الحق پکار اٹھے،
لہذا پہلے مصرع کے معنے یہ ہین کہ درجۂ لا کے کرب و آزمائش مین تو اندھون کی طرح
نہ پڑجاؤ، دوسرے مصرع مین حسین سے مراد حضرت امام حسین نہین ہین بلکہ حسین ابن منصور۔
منصور دراصل ان کے والد کا نام تھا اور خود انکا نام حسین تھا مگر وہ ابن منصور کہلاتے کہلاتے
منصور مشہور رہگئے اور اب ان کا اصلی نام کوئی نہین جانتا۔ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے جس کی آپ
تصدیق کرسکتے ہین، لہذا دوسرے مصرع کے معنے یہ ہین کہ ایسا نہ ہو کہ تو حسین ابن منصور کی طرح
بلا مین پھنس جائے۔ اور منصور جس بلا مین پھنسے تھے وہ ظاہری و معنوی دونون قسم کی تھی معنوی
بلا یہ تھی کہ وہ درجۂ لاہی مین رہگئے، درجۂ بقا مین نہ آسکے اور ظاہری بلا یہ تھی کہ وہ سنگسار کئے گئے
دار پر چڑہائے گئے؛ اب کل شعر کے معنے لیجئے تو اسکا مفہوم بہت صاف ہوجاتا ہے اور شعر بھی بہت
بلند اور پرمعنی نظر آنے لگتا ہے۔ رہی یہ بات کہ شعر مین الفاظ کربلا و حسین کیون آئے تو یہ محض رعایت
لفظی ہے جس سے شعر کی خوبی اور چمک جاتی ہے۔

میری ناقص رائے مین شعر مذکور کے معنے یہی ہین اور مجھے امید ہے کہ آپ بھی میری اس
رائے سے اتفاق کرکے مجھے ممنون فرمائین گے، میری جسارت معاف فرمائے گا، مگر چونکہ یہ ایک ادبی
نکتہ تھا مین نے بھی اس مین رائے زنی کی ہمت کی۔

(نگار) آپ نے جس تردد و کاوش سے کام لیکر اس شعر کی وضاحت فرمائی ہے وہ یقیناً قابل داد ہے، لیکن معاف فرمائے مجھے
آپکی تحریر پڑھنے کے بعد بے اختیار یہ شعر یاد آگیا:-

مرا جاشد خرم را نیز جاشد زن دہقان بزاید یا نزاید

یعنی آپ نے تو ہر ممکن تاویل سے کام لیکر اپنی بات بنا ہی لی، بعد کو اگر تفتید اسکو غلط ٹھہرادے یا آپکی تحریر
مجموعۂ اضداد نظر آئے تو آیا کرے۔

آپ نے اپنی اس تحریر مین ضمناً بعض ایسے غریب و غریب مسائل تحریر فرمائے ہین کہ ان پر مستقل بحث کی ضرورت ہے
لیکن مین اسوقت ان کی طرف اعتنا نہین کرونگا اور صرف مسلۂ مابہ النزاع سے جو امور متعلق ہین ان پر تبصرہ کرتے ہوئے دیکھو نگا
کہ آپنے جو مفہوم اس شعر کا ظاہر فرمایا ہے وہ کس حد تک تسلیم کئے جانے کے قابل ہے۔

سب سے پہلے یہ امر غور طلب ہے کہ میرے بیان کئے ہوئے مفہوم مین آپ نے کیا غلطی پائی؟ آپ کی تحریر
سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آپکو دو غلطیان نظر آتی ہین تو ایک تو یہ کہ لفظ کربلا بہ معنی ہلاکت کبھی استعمال نہین ہوا (کربلا کے معنے

ہندوستانی عطریات کا سب سے بڑا کارخانہ اصغر علی محمد علی لکھنؤ کا ہے

اگر تمام کربلا لے جائین تو یہ شعر مہمل ہو جاتا ہے) دوسرے یہ کہ میرے بیان کئے ہوئے مفہوم کے مطابق امام حسین کا کربلا جانے سے پہلے ہی بلا مین پڑجانا ثابت ہوتا ہے حالانکہ وہ کربلا مین جانے کے بعد بلا مین پڑے تھے۔ شاید اسی لحاظ سے آپ نے یون فرمایا ہے کہ اس مفہوم سے شعر گر جاتا ہے۔ یہ آپ نے رعایت کی ورنہ اگر میرا بیان کیا ہوا مفہوم واقعی صحیح نہ تھا تو آپکو صاف لکھدینا چاہئے تھا کہ اس مفہوم کے لحاظ سے شعر مہمل ہو جاتا ہے۔ بہرحال چونکہ اعتراض آپ کے صرف یہی دو ہین اس لئے مین سمجھتا ہون کہ اگر انکا معقول جواب دیدیا جائے تو پھر آپ کو بھی اُس مفہوم کے تسلیم کرنے مین عذر نہ ہوگا۔

یہ بالکل صحیح ہے کہ کربلا کے معنی ہلاکت کے نہین ہین، لیکن لفظ کربلا بول کر استعارۃً ہلاکت کے معنے لینے مین بھی کوئی چیز مانع نہین ہوسکتی۔ اول مصرعہ مین لفظ کربلا کے معنے مقام کربلا ہی کے ہین لیکن استعارۃً اس کا مفہوم ہلاکت و تباہی کا ہے اور فارسی مین اس نوع کا استعمال کثرت سے پایا جاتا ہے۔ مثلاً "تو مرو در دہان اژدہا" کہ اژدہا بولکر جائے ہلاکت مراد لی گئی یا "مر توکل زانوئے اشتر ببند" کہ اشتر سے مراد یہان کاروبار عالم اور اسباب دنیا ہین، ورنہ اگر آپ کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق عمل کیا جائے تو یہ معنے ہونگے کہ اژدہا کے علاوہ اور تمام درندون کے منہ مین چلے جانے کی اجازت ہے اور توکل اللہ کے علاوہ اونٹ کے اور تمام چوپایون کے ہاتھ پاؤن باندھنا ممنوع نہین ہے۔

آپ کا دوسرا اعتراض اس سے زیادہ عجیب و غریب ہے۔ آپ فرماتے ہین کہ امام حسین کربلا مین جانے کے بعد بلا و مصیبت مین مبتلا ہوئے نہ کہ قبل۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جناب حسین کا عہد ابتلا، مقابلۂ یزید سے قبل ہی شروع ہو گیا تھا اور اسی کی جانب لفظ لاقا دم نے اشارہ کیا ہے۔ آپ نے شاید تاریخی نقطۂ نظر سے واقعۂ کربلا پر غور نہین فرمایا ورنہ ایسا نہ فرماتے۔ اس جنگ کو سیاسی یا دنیاوی جنگ نہین کہتے، تو لامحالہ اس کو حق و باطل، صدق و کذب کا مقابلہ تسلیم کرنا پڑیگا اور امام حسین کا یزید پر فوجکشی کرنا صرف اس مجبوری کی بنا پر تھا کہ آپ حق و صداقت کو زیادہ پامال ہوتے ہوئے نہین دیکھ سکتے تھے اور آپ کا جذبۂ ایمانی مجبور کر رہا تھا کہ خواہ نتیجہ کچھ ہو وہ فسق و بغاوت کا مقابلہ کرین۔ کیا اس سے زیادہ کوئی صورت ابتلا کی ہوسکتی تھی اور کیا یزید کے مستبدانہ دور حکومت سے زیادہ کسی اور باطل و فاسق کی ضرورت تھی کہ امام حسین اس کے مقابلہ مین اپنے جوش ایمان کا مظاہرہ فرماتے۔ پھر اسی کے ساتھ جب آپ اس حقیقت پر بھی غور فرمائین گے کہ کوفہ سے واپس آنے کے بعد امام حسینؑ نے بالکل مراجعت کا قصد فرمالیا تھا لیکن یزید کی فوج نے انھین جانے نہین دیا اور ان کے لئے کوئی صورت مفر کی باقی نہ رہی تو آپ کو یون بھی اُن کی مجبوری و پریشانی کو تسلیم کرنا پڑیگا جو واقعۂ کربلا سے قبل ہی پیدا ہو گئی تھی۔ اس لئے اس شعر کا مفہوم یہ ہوا کہ "بلا سمجھے بوجھے کسی شخص کو مصیبت مین نہ پڑجانا چاہئے تاوقتیکہ حسین کی طرح مجبور نہ ہو جائے"

آپ نے جو مطلب بیان کیا ہے اس کو صحیح نہ سمجھنے کے وجوہ حسب ذیل ہین:-

(۱) مثنوی کے جتنے قدیم علمی و معتبر نسخے موجود ہین ان مین پہلا مصرع اسی طرح لکھا ہوا پایا گیا ہے:-

ع کور کورانہ مرو در کربلا

اگر مراد وہ ہوتی جو آپ کہتے ہین تو بجائے کربلا کے کربِ لا تحریر ہوتا کیونکہ حسب قاعدہ رسم خط کربِ لا کو ملا کر کربلا کی طرح نہین لکھ سکتے۔

(۲) چونکہ بظاہر شعر مین ردیف بلا اور قافیہ کرنا قبل صرف ساکن معلوم ہوتا ہے اس لئے کربِ لا پڑھنا فن شعر کے لحاظ سے غلط قرار پاتا ہے۔ پہلے مصرعہ مین کرا اور دوسرے مین اندر قافیہ ہے اور ردیف بلا نفتح آتا ہے اس لئے اس کو کسرہ نہین دیا جا سکتا ہے۔

(۳) آپ نے جو توجیہ و تصریح لفظ لا کی فرمائی ہے وہ ساقط الاعتبار ہے کیونکہ یہ کوئی نہ مسلم الثبوت علمی توجیہ ہے اور اور نہ تاریخ سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ یہ اصطلاح اس معنے مین کبھی استعمال کی گئی تھی اگر کسی مخصوص جماعت نے بصورت معما اس کے یہ معنے (Code word) کے انداز سے متعین کر لئے ہین تو اسکا احاطہ عام نہین ہو سکتا۔

(۴) اگر لا اس جگہ لا الہ الا اللہ کا مخفف ہے جیسا کہ آپ کا خیال ہے تو پھر یہ عین اسلام کا مسلک ہے، اس کو کرب و مصیبت سے کیونکر تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ آپ نے لفظ لا کے اصطلاحی معنے پہلے، اثبات وجود باری اور نفی ماسوا اللہ بیان کئے ہین، لیکن اسکے بعد آپ فرماتے ہین کہ ہمہ اوست بھی یہی ہے حالانکہ ان دونون مین زمین آسمان کا فرق ہے۔ الغرض آپ نے تین جداگانہ تعبیرین کی ہین اور تینون کو آپ ایک کہتے ہین حالانکہ تینون ایک دوسرے سے علیحدہ ہین۔ اگر لا کلمۂ توحید کا مخفف ہے تو اسکو نفی ماسوا اللہ سے کوئی واسطہ نہین اور اگر اس سے مراد نفی ماسوا اللہ ہے تو اُسے ہمہ اوست نہین کہہ سکتے کیونکہ وہ شخص جو نفی ماسوا اللہ کا قائل ہے اسکے لئے یہ ضروری نہین کہ ہمہ اوست کا بھی قائل ہو ان دونون مین فرق ہے۔

اسکے بعد آپ نے لا کے مقابلہ مین ایک اصطلاحی لفظ بقا کا استعمال کیا ہے اور دعوے کیا ہے کہ یہ فلسفہ اسلام ہے۔ لیکن آپ نے بقا کی کوئی صراحت نہین فرمائی اور نہ یہ ثابت کیا کہ فنا کیونکر فلسفۂ ہنود ہے اور اسکا کیا مطلب ہے۔

(۵) مین جانتا ہون کہ حسین نام منصور کا تھا لیکن چونکہ یہان کوئی ضرورت اس امر کی نا لشی نہین ہوتی کہ بجائے حسینؓ کے اسکو مراد لیا جائے اس لئے مین اس بحث کو نہین چھیڑتا کہ حسین بن منصور حقیقتاً ایک بیدین شخص تھا اور وہ اپنے افعال و اعمال کے لحاظ سے اس قابل نہ تھا کہ مولانا روم اس کا ذکر کرتے اور وہ بھی اسقدر اہتمام کے ساتھ کہ بعد کو کربلا کے ٹکڑے کر کے کربِ لا بنانے کی ضرورت دنیا کو لاحق ہوتی۔

(۶) آپ نے درجۂ فنا کی غلطی غالب کے کلام سے بھی ثابت کی ہے، حالانکہ جو شعر آپ نے نقل کیا ہے اسی سے درجۂ فنا کی اہمیت و صداقت ثابت ہوتی ہے، غالب کو اگر احتراز ہے تو صرف اس امر سے کہ وہ اسکا اعلان نہین کرنا چاہتا وہ کہتا ہے کہ "حقیقتاً اپنا قطرہ بھی دریا ہے، یعنی میری ہستی بھی وہی چیز اصلی ہے (جسے دریا سے تعبیر کیا ہے) لیکن مین منصور کی طرح تنک ظرف ہو کر اسکا اعلان کرنا مناسب نہین سمجھتا۔

کارخانہ اصغر علی محمد علی کی ایک شاخ گلزار حوض حیدر آباد دکن ہے

(۷) سوائے اس کلام کے جس کو ہم وحی متلو یا وحی غیر متلو کہتے ہیں، ہمکو کسی اور کلام مین تاویل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ چونکہ کلام پاک اور حدیث نبوی کے متعلق ہمارا اعتقاد ہے کہ وہ وحی خداوندی ہے اور اس مین کوئی سقم نہین ہوسکتا، اس لئے انسان اپنی ناچیز فہم کے مطابق اگر ان مین کوئی بات خلاف عقل پاتا ہے تو قدرتاً تاویل پر مجبور ہوتا ہے اور اسے تاویل کرنی چاہئے تاوقتیکہ اصل حقیقت کا انکشاف اسپر نہ ہوجائے، لیکن کسی انسانی کلام کے متبادر معنے چھوڑ کر دور از کار تاویلون سے کام لینا کسی طرح جائز نہین ہوسکتا۔ اگر کسی شاعر کا شعر یا کسی مصنف کی تصنیف کسی مروجہ انسانی زبان مین لکھی گئی ہے، تو ہمارا فرض ہے کہ اسی زبان کے مقررہ اصول و اصطلاحات مسلمہ کی رو سے اسکو سمجھین اور اسپر تنقید کرین اور اگر اس لحاظ سے کوئی نقص اس مین پایا جائے، یا یہ کہ مصنف کسی غلط نظریہ کا مقلد دیکھا جائے تو اس نقص و غلطی کو وہی سمجھین جو اس کی حقیقت ہے۔ ہمکو کوئی حق حاصل نہین کہ خواہ مخواہ اس کی تاویل کرکے اپنے مزعومات و قیاسات کے مطابق اس کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کرین۔ مثلاً کلام حافظ کو لیجئے کہ اسکے کلام کی تاویل حضرات صوفیہ نے کس کس طرح کی ہے، لیکن اگر انصاف سے کام لیجئے گا تو معلوم ہوگا کہ یہ تاویل اس کے کلام کی نہین ہے بلکہ صرف اس خیال کی پاسداری ہے جو حافظ کے متعلق قائم کرلیا گیا ہے۔ یہانتک کہ آج شکل سے کوئی شخص ایسا ملیگا جو بادہ کو صرف بادہ سمجھکر کلام حافظ سے لطف اٹھاتا ہو۔

اسی طرح مثنوی کے بھی بہت سے اشعار کی لوگون نے عجیب و غریب تاویل کی ہے۔ حالانکہ بعض شعر تو ایسے ہین جنکی تاویل کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی (جیسا کہ یہ کربلا والا شعر) اور بعض کی تاویل اسوجہ سے کی گئی ہے کہ ان کا متبادر مفہوم مولانا روم کی شخصیت سے بہت بعید نظر آتا ہے۔ حالانکہ میری رائے مین بجائے تاویل کرنے کے کہین زیادہ مستحسن امر یہ ہے کہ اس شعر کو غلط قرار دیا جائے اور مولانا روم سے منسوب ہی نہ کیا جائے۔ کون کہ سکتا ہے کہ اس وقت جتنی کتابین نظر آتی ہین وہ بجنسہ مصنف کے اصل مسودہ کی نقلین ہین اور ان مین کوئی حذف و اضافہ نہین ہوا ممکن ہے کہ اکابر علماء و صوفیہ کی تصانیف مین جو بعض باتین ایسی نظر آتی ہین وہ بعد کا اضافہ ہون اور انھون نے اسکو لکھا ہی نہ ہو۔ یہ محقرسی بحث مین نے اس لئے کی تاکہ تاویل وغیرہ کے متعلق کم از کم مین اپنے اصول کو آپ پر واضح کردون۔

(۸) مثنوی کی متعدد شرحین موجود ہین اور ہر چند مجھے اس وقت تک ان مین سے کسی کے مطالعہ کا شرف حاصل نہین ہوا اور نہ اسکی ضرورت سمجھتا ہون، لیکن کم از کم اس شعر کے معاملہ مین میرا بھی جی چاہتا ہے کہ شارحین کی رائے معلوم کرون۔ اگر آپ کے پاس کوئی شرح ہو تو ملاحظہ کرکے مجھے اطلاع دیجئے۔ ممنون ہونگا

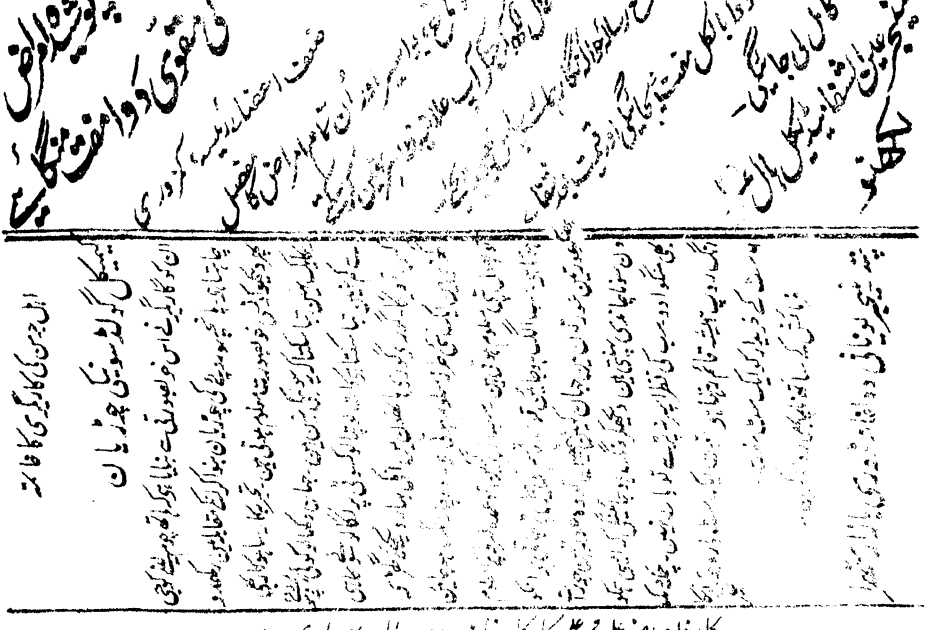
کارخانہ اصغر علی محمد علی کا ٹیلیفون نمبر ۱۳۹ ہے

بقیہ ملاحظات

گزشتہ ماہ سے نگار مین، مابہرہ کی چٹنی کا اشتہار شائع ہو رہا ہے جس مین بر سبیل "اضمار قبل الذکر" میری رائے کا بھی حوالہ دیا جا رہا ہے

مین نے اس چٹنی کو حصہ تک استعمال کیا اور اسقدر لذیذ پایا کہ آخر کار چھوڑنا پڑا کیونکہ مین ڈرتا تھا کہین اس کا استعمال میری ضروریات حیات مین شامل نہ ہو جائے ۔ مین امید کرتا ہون کہ جو حضرات طلب فرمائین گے انکو "افسوس حاصل" کا تلخ تجربہ کبھی نہ ہوگا اور وہ اس کارخانہ کو بہت امین و دیانتدار پائین گے ۔

جس وقت آخری کاپی پریس کو جا رہی تھی، مسٹر عبدالرحمن چغتائی کی یہ مسرت خیز تحریر آئی کہ انھون نے فی الحال "عالم خیال" (یا عالم انتظار) اور "اسیری" کی دو نہایت دلکش تصویرین طیار کرائی ہین جو ۱۲ اپریل تک یہان پہونچ جائین گی ۔ ممکن تھا کہ اس ماہ کے رسالہ مین بھی ایک تصویر انہین سے دیدی جاتی، لیکن اشاعت مین کچھ تعویق ہو جاتی ۔ جناب چغتائی کی عنایت اگر شامل حال رہی تو امید ہے کہ آئندہ ماہ سے نگار مین تصویر یا التزام شائع ہوگی ۔



کارخانہ اصغر علی محمد علی کا کارخانہ ۸۶ سال سے جاری ہے

خضاب جوانی

مصنوعات دواخانہ ہذا

مسمی بخضاب سیاہ

صرف خوردنی خضاب کھانے سے سارٹیفکیٹ ملاحظہ ہو

یہ وہی خضاب خوردنی ہے جسکے صرف بیس یوم کے متواتر کھانے سے چالیس برس کے بھی اندر سفید بال ہمیشہ کے لئے سیاہ و دائم ہو جاتے ہیں جسکا رنگ سفید غذن بھی جوان کیطرح دیکھنے لگتا ہے نزلہ کو ہمیشہ کے لئے کھوتا ہے آنکھوں میں طاقت دماغ میں تازہ پھولا ہوا ہے بال کیسے ہی وقت سے پہلے یا وقت پر سفید ہو گئے ہوں وہ سب از سر نو شاخ قدرتی بالوں کے سیاہ ہو جاوینگے۔ بینائی کو سفید تیز کرتی ہے کہ زائد سے زائد چالیس برس کے اندر عینک تک کی عادت جاتی رہتی ہے۔ قوت حافظہ کو بڑھاتا ہے اور عمر کی بڑھتی ہوئی ہے کہ جوانی کی مضمحل قوت یا دا سفید بڑھاتا ہے کہ اسکا کھانیوالا بعد استعمال اسکے کو قابل فخر جوانوں میں شمار کرنے لگتا ہے غرض اسکے کھانے حقیقی معنوں میں شباب قرآن ہوتا ہوا نظر آنے لگتا ہے اسلئے اب آپ کھڑے خضاب کی تیشیاں توڑ کر پھینک دیجئے اور اسے استعمال کیجئے بڑے بڑے عہدہ یافتہ حکیم ڈاکٹر وید وغیرہ کثیر تعداد میں سرٹیفکیٹ دیکر شہرت حاصل کرتے اور صدہا روپیہ پیدا کرتے ہیں۔ جس تعجب یا گاؤدی میں اس کا ایک پارسل پہونچ جاتا ہے اسکے حیرت انگیز فوائد کو دیکھکر بالکل ہی ضعیف ہونے کی وجہ سے سموسی گاؤدی دیوانے آڑے آتے ہیں لطف یہ کہ ہر عمر ہر مزاج والا ہر جگہ حتی کہ سفر تک میں بھی استعمال کر سکتا ہے کیسہ پر چہ نہ استعمال ہمراہ پارسل ملیگا قیمت مکمل بکس خوردنی خضاب کی صرف سات روپیہ آٹھ آنہ۔ دس بکس ۱۰ تین بکس عہ صول ڈاک۔

المشتہر کارخانہ خوردنی خضاب حکیمی شفا لکھنؤ

نوٹ ۵ سے زائد کے خریدار کو ہر فی روپیہ تین بکس مفت ملیگا

عالیجناب آنریبل حضرت مولانا سید محمد صاحب ڈیری کا گرس وزیر تعلیمیہ متوحہ تحریر فرماتے ہیں کہ آپکا سرخضاب آپکی کا استعمال کیا گیا میرے کچھ بال جو بوجہ تردد عالم شباب ہی میں سفید ہو گئے تھے بمنصفہ اسکے استعمال سے بالکل سیاہ ہو گئے براہ مہربانی دو شیشوں کے لئے روپیہ بھیجدیجئے

مقامی اخبار شیعہ گائن گزٹ نے ۱۱ جون ۲۴ء کے پرچہ میں ریویو کیا ہے کہ ہمنے خضاب خوردنی کا تجربہ کیا تو واقعی سفید بالوں کے سیاہ کرنے میں بیحد مجرب ثابت ہوا علاوہ اسکے دماغ تر و تقوی باہ و تقوی بصر اور باصرہ غیرہ کے حق میں تو اکسیر ہے۔

عالیجناب پیر و مجیب الرحمان خانصاحب آنریبل ممبر سٹ و رئیس اعظم مقام نوشہرہ ضلع پشاور تحریر فرماتے ہیں کہ بیشک پانچویں حصہ کے قریب سر اور ڈاڑھی کے بال سیاہ ہو چکے ہیں چار بکس اور جلد بھیجدیجئے۔

عالیجناب پنڈت بجرنگ صاحب کاغانہ فقیری پھول پور پوسٹ آفیس ضلع پرتاب گڈھ اودھ تحریر فرماتے ہیں کہ آپکا خضاب خوردنی بہت مفید ثابت ہوا اس طرف میں اسکی دھوم مچگئی ہے لہذا جلد سے جلد چھ بکس بذریعہ وی پی۔ اور بھیجدیجئے۔

سید جالب صاحب دہلوی اڈیٹر روزنامہ ہمدم نے ۲۹ جون ۲۴ء کے پرچہ میں خضاب ہذا کے اجزائے متعلق ریویو فرمایا ہے کہ اسکے اجزا نظام انسانی خصوصاً دماغی پر نہایت تر کرتے ہیں معدہ کو تقویت دیتے ہیں۔ غدا حجرہ بدن نجانی ہے خضاب خوبی نجاتے ہیں الم سر کا ازالہ ہو جاتا ہے اچھی چیز ہے علاوہ ان کے اطمینان کیلئے صدہا میں سے چند گلڈسٹون کی رائیں درج کرتا ہوں بکی کھلی ہوئی شہادتیں پر آرج ایک نماز چل رہا ہے ہماری اور یہ اجزا کے متعلق مصنف مفاتیح الادویہ حسانی و مصنف المفردات و مصنف کامل الادویہ نیز کو کا پنڈت و مصنف خزانۃ الادویہ وغیرہ کے اعلیٰ حضرات الدہ پور کے دانا

مفت ساچار رسالہ دینا۔ لکھنؤ کا چندہ سالانہ عہ نمونہ مفت

عشق کے مبتلا

اپنے حکام کے مظلوم دشمن کو پسپا کرنے کے خواہشمند۔ سچی محبت پیدا کرنے یا کسی کے دل پر اپنا قبضہ کرنے یا معذور سے معذور اور بوڑھا شخص معشوق کو بھی اپنا مطیع اور فرمانبردار بنا کر اپنی محبت میں دیوانہ اور فریفتہ کرنے اور خود اسے اپنا عاشق بنانے کے خواہشمند حضرات اگر چاہتے ہیں تو صرف دو روپیہ آٹھ آنہ بذریعہ منی آرڈر بھیجکر بتیزنام محبوب اگر معلوم ہو سکے ورنہ کچھ مضائقہ نہیں لکھکر تعویذ اور سفوف عطیہ فقیر جسکے ذریعہ صدہا نہیں بلکہ ہزاروں نامراد حضرات اپنی مرادوں کو پہونچ چکے ہیں طلب فرمائیں کلام الٰہی کا معجزہ دیکھئے تعویذ کو بازو پر باندھئے اور سفوف یعنی پھونکا ہوا لوبان کی دھونی دیکھئے پھر دیکھئے کہئے سنئے نہ کوئی خوش دیکھئے خود ہی بیقرار ہو کر انشاء اللہ تعالیٰ عمر بھر کے لئے وہ آپکا غلام بنجائیگا۔ اور خوشی سے ہر کام کرنے کیلئے آمادہ ہو جائیگا۔ اس تعویذ کا پاس رکھنے والا اگر کسی دشمن میں یا شب میں ذریعۂ خواب کے کسی بزرگ کی حسین اور نورانی شکل دیکھے تو خواہ نہ چاہے علاوہ اسکے ہر مرض اور ہر ضرورت کے لئے تعویذ بھیجا جاتا ہے ہدیہ بھی ہی ہوگا۔ بلا تعویذ مذہب و ملت ہر شخص اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

ایک تعویذ ایک ہی محبوب کے لئے کام آسکتا ہے منگانے کا پتہ:—

پیر جی مشہور عامل۔ لکھنؤ۔

۲۰ ناول دو روپیہ میں

حجم تقریباً آٹھ سو صفحات لکھائی چھپائی اعلیٰ جسمیں جاسوسی عیاری تاریخی واقعات نصیحت جنسی عشق کے نشیب و فراز ہیں کچھ بتا نہیں سکتا کہ کونسا ناول کیسا ہے بہرحال ہر ناول اپنی جگہ بے نظیر ہے۔ بشرط یکہ اگر ناپسند ہو تو واپسی کا وعدہ ہے۔

مینیجر عظمت بک ڈپو۔ لکھنؤ۔

جوبن لتمانی

ایک گولی کھانے سے ایک ہی گھنٹہ میں قوت باہ قوت جوانیت اور اساک میں اس غضب کی قوت پیدا ہوتی ہے بے چینی ہونی ہے لطف صحبت تو گھنٹوں رہتا ہے مزہ یہ ہے کہ اگر کمزور بھی ہو تو بھی کسیطرح کی تکان نہ معلوم ہوگی بلکہ دگنی قوت میں اضافہ ہوتا جائیگا بیشک فرق بے چینی دراغت ہوگی اور دراغت ایک گولی کھانے میں فوکر زدہ ہوا اور تکان رفع ہو کر طبیعت پھر تازہ ہو جائیگی اور پھر دوبارہ جماع کرنیکی قوت پیدا کر دیگی صفی مرتبہ مباشرت کرنیکے ہر مرتبہ پہلی سی قوت پائینگے فی دو گولی دو روپیہ محصول ڈاک جدا۔

ردغن لتمانی یہ روغن مجرب مذہب و مفرد ہے ایک ہی قطرہ عضو پر کام کرنے سے وہ عضو ایسا لطف و مزہ دیگا کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہیں رہتی مشہور ہو جانے سے زیادہ بتانا بیکار ہے زن و شوہر کے تعلقات کو حقیقی معنوں میں عشق کے درجہ تک پہونچا دیتا ہے بوجہ زیادتی لطف عاشق و معشوق نشہ شباب میں چور ہو کر تھوڑی دیر کے لئے مست اور بیہوش ہو جاتے ہیں اگر آپنے اب تک اسکا استعمال نہیں کیا تو گویا دنیا میں آپنے کچھ دیکھا ہی نہیں قیمت فی شیشی دو روپیہ محصول ڈاک جدا۔ کوئی دواسے تحریرات نمونے پر واپسی قیمت کی شرط ہے **مینیجر عظمت الاعلاج میڈیکل ہال لکھنؤ**

مایوس نہ ہو

اگرچہ اشتہاری ادویہ نے لوگوں کو بدظن کر دیا ہے تاہم ہم آپکو یقین دلاتے ہیں کہ ہمارا مجرب نسخہ صرف پانچ یوم کے استعمال سے ۱۰۰ فیصدی پیدائش آنہ علاوہ محصول ڈاک کے فرمائیں اس غرض میں ہم آپکو یقین دلاتے ہیں کہ ہمارا نسخہ ہر قسم کے ضعف خصوصی کو مٹا دیتا ہے اور دراز کر کے خمی کی لغزش کو ہمیشہ کیلئے دور کر دیتا ہے اور دوبارہ شباب کا لطف پیدا کر دیتا ہے تو بقیہ ۱۶ یوم کیلئے طلاء ضرور منگائیں ہم آپکو یقین دلاتے ہیں کہ آپ تمام عمر ہمارا شکریہ ادا کرتے رہینگے ہمارا نسخہ ہر قسم کے مفاسد کو دور کر کے جماع پر پورا پورا قابو دیتا ہے اور بے چینی کو ہمراہ ہو جاتی ہے بالکل مفت منگا کر آزمائیے۔

مینیجر عظمت الاعلاج میڈیکل ہال لکھنؤ

اصلی کوک شاستر یا بہار عیش

المعروف لذت النساء باتصویر ۶۴ آسن والا

یہ وہ کوک شاستر ہے جو آجکل ہر ایک کتب فروش سے مل سکتی ہے بلکہ یہ وزیر کشمیر مگاک صاحب کے خاص الخاص سیاض کے پرانی کوک شاستر کا لفظ بہ لفظ ترجمہ ہے جس کو ابتک عام لوگون کو تو کیا بڑے بڑے رؤسا کو بھی زیارت نصیب نہ ہوئی تھی اسمین وہ تمام باتین درج ہین جن کے جاننے کے لئے آپ سیکڑون روپیہ برباد کر چکے ہین اور پھر بھی مطلب حاصل نہین ہوا یہ کتاب سوائے ہمارے دوسری جگہ ہرگز نہین مل سکتی اس کتاب مین صدہا مفید اور ٹھوس مطلب کی باتین درج ہین عورت مرد کے متعلق ہزارہا سینہ بسینہ رازاور خاص حالتون کی عورت و مرد کی اکہتی برہنہ تصویرین ..... ۶۴ بہترین آسن کا مفصل بیان طبی۔ مذہبی اور علمی اصول درج بھی ہین۔ بعد مین شکایت نہ کرین خفیہ دھڑا دھڑ بک ہی ہین آج منگا کر حسرت پوری کیجئے ورنہ ممکن ہے کہ پھر اسکی ایک جلد بھی باقی نہ رہے اور سوائے افسوس کے کوئی چارہ نہ رہے گا۔ خبردار دیکھئے غفلت مین نہ رہیگا۔ قیمت فی جلد دو روپیہ محصول ۴ر علاوہ۔

ملنے کا پتہ:- مینیجر جنرل بک سپلائی کمپنی لکھنؤ۔

دیوان جان صاحب چھپ گیا

پچاس برس کے بعد دوبارہ زیارت کیجئے

لکھنؤ کے مشہور مرثیہ گو شاعر میر باقر علی صاحب مرحوم کا یہ نادر نایاب دیوان جان صاحب چھپ گیا اگر آپ کو مرثیہ گوئی، بھگاتی اور اکسالی زبان اور واجد علی شاہ کے زمانہ کی معاشرت کا نمونہ دیکھنا ہو تو اسے منگا کر پڑھئے اور لطف اٹھائیے اردو دنیا مین اس دیوان کی سخت ضرورت ہے

قیمت ایک روپیہ — کلیات جان صاحب قیمت ہر

مسٹری کامپارا

یعنی ہنسنے ہنسانے کا زبردست پیکہ دار

اظہر مذاق کا جیتا جاگتا نمونہ ہنسی دل لگی کا قاطع سارا پڑھنے والون کو باتون باتون مین لوٹ نہ لے جائے تو ہمارا ذمہ۔ سارے مضامین تمام کھایا پیا ہضم کر دینگے۔ صرف ایک کارڈ لکھ بھیجئے تاکہ جلد سے جلد اور فوراً سے پیشتر حاضر ہو کر آپکے اشتہار کی دم کاٹ دے بیشک اگر اس کتاب کو بارہ مصالحہ کی چاٹ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا اول سے آخر تک دیکھ جائیے ایک فقرہ بھی ایسا نہ ملیگا جو پڑھکر سوچ کر ہنسی نہ آئے یون سمجھئے کہ یہ کتاب ایک بزم عشرت ہے قیمت صرف ۸ر ظرافت جان ۸ر طائف سیر پل عمل ۱ر جسمون کا مذاق ۸ر شگفتہ ظرافت ۸ر بزم خیال ۸ر

پتہ:- مینیجر عظمت بک ڈپو لکھنؤ

عالیجناب شیخ عظمت الٰہی صاحب المتخلص بہ عامل سلونوی مشہور و مسلّم و ہمیشل دنیا نگار کی جدید اور قابل قدر تصانیف

فیری عاشق

مسمریزم و ہپناٹزم جسکی مافوق الممکنات قوتوں نے ایک دنیا کے کانوں کے پردوں کو بھر دیا ہے جسکی عجیب و غریب کرامتوں کی روایتیں دیکھکر آنکھیں آئینہ حیرت ہوگئی ہیں اگر آپکو اسکے اعلیٰ راز دیکھنے ہیں تو اس کتاب کو خرید کر دیکھئے کہ کس طرح ایک شریف لڑکی کی پاکیزہ مسرت عاشق ہوتا ہے اور اسکا باپ خود اس لڑکی کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اس سے شادی کرے بلکہ مجبور اسکو بیوی بنایا جاتا ہے ایک بزرگ جبر کا سہارا لیتے ہیں اور اسلام سے سرمو تجاوز کئے بغیر اس کے ارادے میں خیانت کا جوش تھا اور اس جادوگر کے سحر نے اسکو شکست فاش دیدیا اور اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ روحانیت پر کبھی مادیت غالب نہیں ہو سکتی قیمت ۸/

ناول

بدنصیب لڑکی

خونی لڑکا ۸/

یہ ناول ایک شریف خاندان کی تعلیم یافتہ ہونہار اور حسین لڑکی کی تباہ شدہ زندگی کا مکمل فوٹو ہے جسمیں لڑکی کے نقصانات تعلیم غیر ضروری کی تراوش اور کھلائی گئی ہیں ایک شریف لڑکی کا پیشہ ہو کر ماں باپ کے عیش و عشرت سے تنگ آکر گھر کو چھوڑنا اور پھر کس طرح ناول کا ہیرو اسکو قابو میں لاتا ہے ہنسی کا پیارا ۸/

نواب اسلم

نوابی دربار کے نوابی تھاٹ خونخواری مغلیہ زندگی کا ایک بڑا حصہ نوابوں کی اکثر قوموں اور تمدن پر بڑی شہرت

کی صدائے بازگشت ہے ہنگام دل کا ایک مشہور مسلمین کے چاہ ذقن میں اسیر ستم ہو کر نہ صرف اپنی بلکہ دادا پر دادا کی جمع کی ہوئی دولت اور باپ کی گاڑی کمائی کو شبکیو مین ڈاکر بے باق ہو جاتے ہیں اور بالکل اسکے مصداق بنتے ہیں

ڈاڑھی اور مونچھ کا صفایا ہے

فارغ البال اسکو کہتے ہیں

یہ ناول نہیں بلکہ ناول گرہے ہندوستان کے بہترین ظرافت نگار سجاد حسین مرحوم اڈیٹر اودھ پنچ اور عالمگیر کے مشہور مسخرے وقائع نویس نعمت خاں عالی کا رنگ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے وہ لوگ جو نثر اردو کو دیکھنا اور سیکھنا چاہیں ان کی لائبریری میں رکھنے کے قابل ہے جسے ایک مرتبہ پڑھکر معہ مبالغہ ایکسٹرا مرتبہ ہنسے تو قیمت کے ۸ آنہ وصول ہو جائینگے۔

دام فریب

مکر و فریب کی دنیا کا رنگا رنگ خوشنما عبرت آمیز حیرت انگیز رنگ ملاحظہ کی زندگی کے حیرت انگیز واقعات نوابوں کا انکشافات زنان بازاری کے فریب دغا کے کارنامے ہر فرد

کی صداقت پر مبنی ہے ناشر۔ ظاہر کے عاشق فریب کی دنیا کے اصل انقلابات ظاہر کی زندگی کے حیرت انگیز شکست ریخت کا ایک سچی تصویر کھینچا کر ثابت کیا گیا ہے کہ ایک ادنیٰ بدنام کار ان کی نظر بازیوں میں پھنس جاتی ہے ہم امید کرتے ہیں کہ ایسے دلچسپ ناول بہت کم آپنے دیکھے ہونگے قیمت ۸/

رسالہ قوت باہ عظمتی

آئین اکبری میں آج قدردان کمال کے

کاغذ پر لکھدیا ہے کلیجہ نکال کے

دینا گر دان ہے کہ فرنیچر ہے بیتاب ہوں وہ دو المین مین جن سے یوسان نوشاہ کے دبے ہوئے ولولہ تخلیق انکے لئے بہت زور کے ساتھ دیکھنا پیش کرتے ہیں جنمیں مشرق و مغرب کے جدید قدیم حکیموں نامدیان جمعیوں وغیرہ کے ان تمام تجربات و معلومات و شہادات کا بچوڑ کامل و مکمل طور سے جمع کیا گیا ہے جو عورت مرد کی مواصلت سے تعلق رکھتی ہیں ساتھ ہی تو جماع نعوذ باللہ جماع علت ذالاسا کے اور نہ زیادہ تندرست اور خوبصورت بچے پیدا کرنے کی تدابیر فلسفہ فلسفہ ازدواج تحاشیہ بیوی تعفنات زنجیں لطف مباشرت اور صحبت کے طریقوں وغیرہ کی اعلیٰ ترین علمی تعلیم دی گئی ہے ضعف باہ کمزوری کی نامردی جریان سرعت انزال وغیرہ کا مفصل بیان مرضوں کی تشخیص اور پیدا ہونیکے اسباب و علاج اور عضو خاص جلق اغلام وغیرہ کی تمام پیدا شدہ غلط عادتوں کے دور کرنیکے بیحد مفید طریقے آزمائے ہوئے بیخطا اور بیحد مفید نسخہ جات جو اب تک کسی کے موجود نہ تھے صدہا بیحد مفید نسخے بھی ہیں اس اعتبار سے کہ نسخے نہیں دیتے بلکہ نفع عام درج کر دیئے گئے ہیں آپ بھی اگر منگا کر اپنی حسرت پوری کیجئے تو آپکی قیمت قیمت فی جلد صرف آٹھ آنہ (۸/)

منیجر عظمت بک ڈپو لکھنؤ

نگار بک ایجنسی

تصانیف علیا حضرت فرمانروائے بھوپال

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
سبیل الجنان - مذہبی و عالمانہ تقریروں کا بیش بہا مجموعہ خواتین ہند کے لئے عجیب و غریب نعمت ہے۔	عہ ۴ر	**معیشت و معاشرت** - یہ دونوں کتابیں اس پایہ کی ہیں کہ اگر عورتیں ان کا مطالعہ کرلیں تو پھر انتظام خانہ داری کے متعلق کوئی بات اُن سے فروگذاشت نہیں ہوسکتی۔ بیشل کتاب ہے اور ہر گھر کے لئے ضروری ہے	عہ ۱۲ر
سیرت مصطفےٰ - سیرت رسول کے متعلق بیشل کتاب نہایت مستند روایات پر۔	عہ ۱ر	**تہذیب نسواں** - یہ کتاب بھی امور خانہ داری کے متعلق ہے اور نواب شاہجہان بیگم خلد مکان کی بہترین تصنیف خیال کی جاتی ہے۔	عہ ۱ر
عفت المسلمات - پردہ کے مسئلہ پر اس سے بہتر کوئی کتاب اسوقت تک شائع نہیں ہوئی جسمیں مشرق و مغرب کے تمام علماء کے آرا کا نچوڑ ہے۔	عہ ۸ر	**بچوں کی پرورش** - اس کتاب کی خوبی و اہمیت نام ہی سے ظاہر ہے اسمیں ۱۱ مضامین ہیں بچوں کے متعلق ابتدائے حمل سے لیکر بچوں کی نشو و نما کے حالات امراض اور علاج وغیرہ نہایت خوبی کے ساتھ ظاہر کئے گئے ہیں	عہ ۱ر
اخلاقی سلسلہ - اسمیں اکابر و بزرگان اسلام کے تاریخی واقعات بچوں کے مکمل درس اخلاق دیا گیا ہے بچوں عورتوں اور مردوں کے مطالعہ کے لئے بے مثل مجموعہ قیمت چاروں حصوں کی حسب ترتیب ۱۲ر ۸ر ۸ر ۸ر	عہ ۱۲ر	**ہندوستانی گھروں میں تیمارداری** - اسمیں ۲۰ نقشے شامل ہیں	عہ ۸ر
تہذیب زندگی - اخلاقی سلسلہ کا پانچواں حصہ	عہ ۸ر	**فرائض باغبانی و ہدایات باغبانی** - یہ دونوں ہر شخص خاندان کے لئے ضروری ہیں۔	۴ر ۵ر
ترتیب اطفال - عورتوں کے لئے بے مثل کتاب	۸ر	**باغ عجیب** - تین حصوں میں مع تصاویر بچوں کے لئے اخلاقی سبق دلچسپ قصوں کی صورت میں نہایت دلچسپ کتاب ہے۔	۸ر ۹ر ۵ر
مقصد ازدواج - نکاح کے پر تمدن و معاشرت نقطۂ نظر سے بے مثل محاکمہ۔	۸ر	**ہدیۃ الزوجین** - نکاح کے پہلے اور اُس کے بعد ہر مرد اور عورت کے لئے اس کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔	۸ر
حفظ صحت - خواتین کو اسکا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔	۱۳ر		
تندرستی - اس کتاب کا بھی ہر گھر میں ہونا ضروری ہے۔	عہ ۸ر		
درس حیات - اخلاق و آداب کے پیرایہ میں فرائض دینی کے تمام ضروری مسائل مع متعدد تصاویر - دوم	۴ر		
اسلام اور عورت - اس کتاب کا مطالعہ عورتوں پر فرض ہے	۴ر		

تصانیف جناب میمونہ سلطان بانو بیگم صاحبہ

ذکر مبارک - سیرت النبی کے متعلق بے مثل کتاب ہے ... ۵ر

خلافتِ راشدہ - اسکا موضوع نام سے ظاہر ہے - بچوں کے لئے اس سے بہتر کتاب اس موضوع پر نہیں مل سکتی ۱۴

سلکِ مروارید - اکابر اسلام کے دلچسپ یکی واقعات ۴۴ تصویرین - ۸ر

گل و ریحان - بچوں کے لئے نہایت دلچسپ و مفید کہانیاں - ۸ر

فرائض مادری - نام ہی سے اسکی خوبی ظاہر ہے ۱۲

سیاحت سلطانی - بیگم صاحبہ بھوپال کے سفر یورپ کے نہایت دلچسپ حالات ..... قیمت قسم اعلیٰ عہ قسم دوم ۴ر

فرائض النساء - فرائض خانہ داری پر بے مثل کتاب ہے -

ہر گھر میں اس کتاب کا ہونا ضروری ہے - ..... عہ ۱۳

عجائباتِ قدرت - سائنس کے مسائل نہایت آسان زبان میں بچوں کے لئے ۷

دیگر مصنفین

جہان آرا - بنت شاہجہان کی سوانح عمری - اگر آپ عہد مغلیہ کی خواتین کی زندگی کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں تو اس کتاب کو ضرور ملاحظہ کیجیے - بے انتہا دلچسپ و سبق آموز ہے - .... قیمت ۸ر

تذکرہ حضرت بھیے شاہ - پنجاب میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو بھیے شاہ سے واقف نہ ہو - آپ سترھویں صدی کے نہایت مشہور بزرگ تھے - اور آپکے حالات نا پید تھے - اب نہایت تفحص و تدقیق سے فراہم کرکے لکھے ہیں - اور آپکی شاعری پر بھی مفصل تنقید کی گئی ہے - قیمت ۸ر

تکملہ ان فصاحت - فارسی، عربی، اردو کے بہترین علمی تاریخی ادبی لطائف اس کتاب میں کوئی لطیفہ ذوق صحیح سے گرا ہوا نہیں ہے - عہ

لسان الغیب - حافظ شیرازی کی مکمل سوانح عمری اور انکے دیوان کی بہترین شرح دیکھنا چاہتے ہیں تو لسان الغیب کی دونوں جلدیں طلب فرمائیے - جلد اول مع مکمل سوانح عمری، ۴۰۰ صفحات قیمت ۴ جلد دوم ۴۰۰ صفحات قیمت ۴ر

کاس الکرام - یعنی عمر خیام کے مفصل حالات زندگی اور اسکی رباعیات کی مکمل شرح - تمام ارباب سخن کی رائے ہے کہ اردو میں اس موضوع پر اس سے زیادہ مکمل و مبسوط کتاب تا تک شائع نہیں ہوئی ۴۰۰ صفحات قیمت ۴ر

بندگی - امام ابن تیمیہ کی مشہور عالم کتاب "العبودیت" کا اردو ترجمہ جسمیں حقائق دینی و عقائد اسلامی اور تصوف کے صحیح مفہوم سے بحث کرکے فیصلہ کیا گیا ہے - ضخامت ۴۸ صفحات - قیمت عہ

تصانیف مسز جی بخش پرسنل سکریٹری حضور سرکار عالیہ

جواہر پریزے : - اونی ریشمی کپڑوں کے دھونے اور داغ دھبہ دور کرنے کی ترکیبیں صنعت و حرفت کے بہت سے مجرب نسخے ۴ر

منڈنگ :- موزہ بنیان اور سلیپر بننے کی ترکیبیں مع متعدد تصاویر کے ..... اول عہ دوم ۴ر

سیر یورپ :- ہز ہائنس نازلی بیگم صاحبہ کا مبسوط سفرنامہ یورپ مع متعدد تصاویر کے ۴ر

مطبوعہ مقبول المطابع نظیر آباد لکھنؤ | منیجر نگار بھوپال | باہتمام سید مقبول حسین وصل بلگرامی

